جلد اوّل

سیرتِ انبیائے کرام علیہم السلام

ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام تا حضرۃ سیدنا شموئیل علیہ السلام



ادارہ اسلامیات

تبصرۃً وذکریٰ لکل عبدٍ منیب

ہدایت کے چراغ

جلد ۱

یعنی

سیرت انبیائے کرام علیہم السلام

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و دعوت تک تمام انبیائے کرام کے حالات و واقعات۔ قرآن کریم میں بیان کردہ قصص۔ قدیم اقوام اور سابقہ امتوں کا مستند تذکرہ۔ قرآن وحدیث کے اوراق سے سلیس زبان اور عام فہم انداز میں

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام تا حضرت سیدنا شموئیل علیہ السلام

تألیف: مولانا محمد عبد الرحمن صاحب

استاذ حدیث و تفسیر، ناظم مجلس علمیہ حیدر آباد دکن

ناشر

ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور ۲

طباعت اوّل : ربیع الاوّل ۱۴۱۱ھ
: اکتوبر ۱۹۹۰ء
باہتمام : اشرف برادران سلّمہم الرحمان
ناشر : ادارہ اسلامیات، لاہور
مطبع : عرفان افضل پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت :

ادارہ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون [illegible]

۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان
فون [illegible]

موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون [illegible]

ملنے کے پتے

ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی، لاہور ۲
دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی ۱
ادارۃ المعارف۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی
مکتبہ دارالعلوم۔ دارالعلوم کورنگی، کراچی

فہرست عناوین

تقریظ

حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم، ناظم مدارس دعوۃ الحق ہردوئی۔ (یو، پی)

مکرم و محترم مولوی عبد الرحمٰن صاحب زید لطفہ السامی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپکی مولفہ کتاب "ہدایت کے چراغ" کی جلد اوّل کا مطالعہ اور اس سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا اُس بات سے بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ شریفہ کی روایاتِ معتبرہ پر حالاتِ حضرات انبیاء کرام کو مدار رکھا نیز اسکے ساتھ ساتھ جن مقامات پر کوئی اشکال یا سوال پیدا ہوتا ہے انکا مفصل اور تحقیقی جواب بھی لکھا گیا ہے۔ کتاب کے مضامین کے لحاظ سے جی چاہتا ہے کہ انکا خلاصہ ایسے طور پر ہو جاوے کہ حضرات انبیاء کرام کے قرآنی حالات جو قرآن پاک میں ہیں نیز انکے بارے میں جو سوال اور اشکال ہے انکا جواب بھی ہو جاوے۔ اس سے امت مسلمہ کے بچوں اور دینی مدارس کے طلبہ کو بھی زیادہ نفع کی توقع ہے۔ یہ ناکارہ دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو قبول فرمائے اور آپکو اسکی جزائے خیر عطا فرماوے اور امت مسلمہ کو اس سے نفع اُٹھانے کی توفیق عطا فرماوے۔

(حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب) بقلم (قاری) امیر حسن۔

تقریظ

لسانِ مثنوی مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہٗ ناظم مجلس اشاعت الحق گلشن اقبال ۲ کراچی۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔

ہمارے محترم و مخلص مولانا عبد الرحمٰن صاحب زید لطفہٗ نے اپنی کتاب مسمّٰی "ہدایت کے چراغ" دو جلدوں میں ترتیب دی ہے۔ موصوف کی اس تالیف کا حصہ اوّل دیدہ زیب حسن طباعت سے آراستہ ہو کر منصّہ شہود میں آچکا ہے۔ اس مطبوعہ حصہ کو جہاں سے بھی دیکھا اس شعر کا مصداق پایا۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم ؎ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اسلوب بیاں کی دلکشی، مضامین کی معیاری بلندی اور ہر موضوع کا مدلل افادہ باوجود تعب اور ضعف کے دیر تک مطالعہ کرتا رہا۔ قلب متاثر ہوتے گیا اور اس کتاب کی نافعیت علمیہ اور عملیہ کا معتقد ہوا اور قرآن پاک کے معجزانہ انداز کے عبرتناک واقعات اور انبیاء علیہم السلام کی پیغمبرانہ تعلیمات اور نافرمان قوموں کی طاغوتی طاقتوں کی تباہ کاریاں، قہر خداوندی کی دمدمہ خیز عذابوں کی تفصیلات سے ایمان کو تازگی، روح میں بالیدگی اور نفس میں افتادگی اور بندگی کی جو شان پیدا ہوتی ہے وہ اس کتاب "ہدایت کے چراغ" سے آفتاب روشن کی طرح واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو شرفِ حُسنِ قبول بخشے اور صدقہ جاریہ بنائے، امتِ مسلمہ کیلئے "ہدایت کا چراغ" بنائے۔ آمین۔

العارض محمد اختر عفا اللہ تعالیٰ عنہ نزیل جدہ ۵ راگست ۱۹۸۹ء مطابق ۴ محرم ۱۴۱۰ھ

مآخذ و مراجع

(تفسیر، حدیث، تاریخ وسیرت)

(قرآن)

(۱) قرآن حکیم (مطبوعہ تاج کمپنی کراچی)
(۲) تفسیر دُرِّ منثور
(۳) تفسیر ابنِ کثیر
(۴) تفسیر جلالین
(۵) تفسیر ابن جریر طبری (جامع البیان)
(۶) تفسیر روح المعانی
(۷) تفسیر مظہری
(۸) تفسیر قرطبی
(۹) تفسیر بیان القرآن
(۱۰) تفسیر معارف القرآن
(۱۱) تفسیر ماجدی
(۱۲) ترجمہ قرآن شاہ عبد القادر صاحبؒ
(۱۳) ترجمہ قرآن شاہ رفیع الدین صاحبؒ
(۱۴) ترجمہ قرآن شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ
(۱۵) ترجمہ قرآن مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
(۱۶) ترجمہ قرآن مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
(۱۷) ترجمہ قرآن مولانا عبد الماجد صاحب دریاآبادی

(حدیث)

(۱) بخاری شریف
(۲) مسلم شریف
(۳) ترمذی شریف
(۴) ابوداؤد شریف
(۵) نسائی شریف
(۶) ابن ماجہ شریف
(۷) مؤطا امام مالک
(۸) مرقات شرح مشکوٰۃ
(۹) فتح الباری
(۱۰) عینی شرح بخاری

(تاریخ وسیرت)

(۱) قصص القرآن مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
(۲) قصص الانبیاء۔ ابن کثیر
(۳) قصص الانبیاء۔ عبد الوہاب نجارؒ
(۴) تاریخ ابن کثیر
(۵) ارض القرآن۔ مولانا سلیمان ندویؒ
(۶) البدایہ والنہایہ
(۷) سیرت ابن ہشام
(۸) اُسد الغابہ
(۹) زرقانی
(۱۰) زاد المعاد
(۱۱) سیرت المصطفٰے
(۱۲) روض الانف علامہ سہیلی

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مولٰنا محمد عبدالرحمٰن صاحب
مؤلف کتاب ہٰذا کا خصوصی عربی تعارف جو ایک موقع پر مولٰنا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ سے مکۃ المکرمہ میں حاصل کیا گیا تھا۔ ترجمہ درج ذیل ہے:-

بعد حمد وصلوٰۃ :-

حضرت مولٰنا عبدالرحمٰن بن احمد شریف صاحب حیدرآبادی سے میں بخوبی واقف ہوں، مولٰنا علوم دینی واسلامی کے فاضل ہیں۔ جنوبی ہند کے دینی و علمی حلقوں میں آپ کی بیش بہا خدمات رہی ہیں۔ مولٰنا نے ہندوستان کے مختلف اداروں سے استفادہ کیا ہے۔ آخر میں مدرسہ مظاہر علوم ضلع سہارنپور (یوپی) سے علوم دینیہ کی تکمیل کی اور اصولِ دین و علم شریعت میں اعلیٰ سندیں حاصل کیں تحصیل علم کے بعد جامعہ نظامیہ حیدرآباد میں تقریباً پندرہ سال درس و تدریس کے خدمات انجام دی ہیں۔ اسکے علاوہ مولٰنا موصوف نے عامۃ المسلمین کی تعلیم وتربیت کی جانب بھی خصوصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں اہل علم حضرات کیلئے "مجلس علمیہ" کی تاسیس رکھی جس کا دینی و علمی حلقوں میں اثر رہا ہے۔

چونکہ مولٰنا توحید وسنت کے داعی و علمبردار تھے اپنے شہر میں اہل بدعت کی مخالفتوں سے دوچار ہوگئے۔ اسی سال موصوف نے فریضۂ حج ادا کیا اور ان کی خواہش ہے کہ کچھ عرصہ انہی مقاماتِ مقدسہ میں رہ کر علمی و دینی خدمت انجام دیں۔ چنانچہ انہیں اس مقصد کے حصول کے لئے تعاون کی ضرورت ہے۔

مجھے اس بات سے خوشی ہوگی کہ مولٰنا کے مقصد کی تکمیل ہو۔ اِس بارے میں جو بھی اِن کے ساتھ معاونت کریں میں اُن کا شکر گذار رہوں گا۔

والسلام

کتبہٗ الفقیر الی اللہ

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

مکۃ المکرمہ
۳ر صفر ۱۳۹۰ھ

پیشِ لفظ

قرآنِ حکیم اور لسانِ نبوّت

قُرآنِ حکیم میں اگلی اور پچھلی قوموں کے حالات مذکور ہیں۔
اسمیں تمہارے فیصلہ جات بھی موجود ہیں۔
یہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب ہے۔ مذاق و دل لگی پر مشتمل نہیں ہیں۔
جو اس کے خلاف بغاوت کریگا اللہ تعالیٰ اسکو تباہ و برباد کر دے گا۔ اور جو کوئی اسکو چھوڑ کر کسی اور کتاب سے ہدایت و رہنمائی طلب کریگا اللہ تعالیٰ اسکو گمراہ کر دیگا۔

یہ اللہ عظیم کی مضبوط رسّی ہے۔
یہ ذکرِ حکیم اور صراطِ مستقیم ہے۔
اس کے پڑھنے سے خیالات میں بے راہ روی نہیں آتی اور نہ ہی اُلجھن پیدا ہوتی ہے۔
علم والے اِسکی تلاوت سے سیر نہیں ہوتے ہیں۔
بار بار کی تلاوت سے اُکتاہٹ اور ملال نہیں ہوتا۔
یہ وہی کتاب ہے جسکو جنّات نے سُنا تو بے اختیار پکار اُٹھے :-

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا الخ (سورہ الجن آیت ۱)

(ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے ..... اور اُسپر ایمان لائے ہیں)

"جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچّائی پر قائم رہیگا
اور جو اسپر عمل کرے گا وہ اجر پائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا
وہ عدل و انصاف کا فیصلہ دے گا اور جس نے اسکی جانب دعوت دی
وہ صراطِ مستقیم پر قائم رہا۔" (ترمذی جلد ۲)

اللہ کریم کی بڑی رحمت وعنایت ہے کہ اُس نے انسانی ہدایت ورہنمائی کیلئے آئینی اور فوجداری طرزِ خطاب اختیار نہیں کیا جس میں مرضیات اور نامرضیات کی طویل فہرست ہوتی ہے جیسا کہ حکومت وسلطنت کے آئینی دفعات وقوانین ہوا کرتے ہیں۔

اگرچہ اللہِ عظیم کی حاکمانہ وقاہرانہ ذاتِ عالی ہر طرح سزاوار ہے کہ وہ زمین پر اپنی مرضیات اور نامرضیات کا دستور دفعات کی شکل میں نافذ کرے۔ لیکن اُسکے فضل وکرم، احسان وعنایت، جود وسخا رحمت ورأفت نے انسانی رہنمائی اور ہدایت کے لئے اپنی کتابِ مُبین میں آئینی اور فوجداری دفعات کا طرز اختیار نہیں کیا بلکہ وعظ ونصیحت، درس وعبرت، شفقت ومحبت کا عنوان اختیار کیا ہے:۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۔

(القمر آیت ۱۷)

(ہم نے قرآن کو نصیحت وعبرت کے لئے بہت آسان کردیا ہے، پھر کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟)

قرآن حکیم میں وعظ ونصیحت، دعوت وتبلیغ، درس وعبرت کے عموماً چار عنوان اختیار کئے گئے ہیں جسکے ذریعہ انسانیت کو رشد وہدایت کا راستہ فراہم کیا گیا ہے:۔

(۱) تذکیر بآلآءِ اللہ
(۲) تذکیر بأیّامِ اللہ
(۳) تذکیر بآیاتِ اللہ
(۴) تذکیر بما بعدَ الموت۔

(۱) تذکیر بآلآءِ اللہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر دن رات جن نعمتوں کی ارزانی فرمائی ہے اُن کو یاد دلا کر اپنی اطاعت وشکر گزاری کا فریضہ یاد دلایا جائے کہ جس ذاتِ کریم کے ایسے ایسے کرم واحسان ہوں اُس کو کیوں کر بھُلا جا سکتا ہے۔

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

(اعراف آیت ۶۹، ۷۴)

(اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ)

(۲) تذکیر بأیام اللہ کا یہ مطلب ہے کہ اقوام سابقہ اور مِلل قدیمہ کے حالات اور اُن کے

عروج وزوال کا تذکرہ کر کے نصیحت وعبرت فراہم کی جائے تاکہ موجودہ قومیں اُن حوادث سے دوچار نہ ہوجائیں جو مکافاتِ عمل کا نتیجہ ہوا کرتی ہیں۔ سورۂ ابراہیم آیت ۵ میں اس تذکیر کا ذکر موجود ہے :۔

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ الآیۃ

جن قوموں نے اللہ تعالیٰ اور اُسکے فرستادہ رسولوں کی اطاعت و پیروی کی انھوں نے دنیا و آخرت کی فلاح پائی اور جن قوموں نے سرکشی و بغاوت کی اس کے نتیجے میں عذاب الٰہی کا شکار ہوئے۔

قوم نوح اور اصحاب الرّس، قوم ثمود، قوم عاد، فرعون، قوم لوط، اصحاب الایکہ، قوم تُبّع ان میں سے ہر ایک نے نبیوں کی تعلیمات سے روگردانی کی، اللہ عظیم کا قانونِ مکافات سکو اپنی گرفت میں لے لیا۔

(۳) تذکیر بآیات اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ عالم کون و مکان کی نشانیاں دکھلا کر خالقِ کائنات کی ہستی اور اُس کی وحدت کا اعتراف کروایا جائے کہ یہ روشن ستارے، ٹھنڈا چاند، دہکتا سورج، بے ستون آسمان، کہکشاں، زمین، فلک بوس پہاڑ، رواں دواں دریا، ہواؤں کی ریل پیل، دن رات کا آنا جانا، طلوع و غروب کا منظم نظام، یہ کیا ایسے ہی چل رہا ہے ؟ جبکہ معمولی سی حرکت بھی بغیر کسی سبب نہیں ہوتی تو پھر یہ زمین و خلا اور آسمانوں کا باقاعدہ نظام کسی ہستی کے بغیر کیوں کر قائم و دائم رہ سکتا ہے ؟

اس سارے نظامِ کائناتی کے جزئیات و تفصیلات پر اگر عقل و تدبر سے کام لیا جائے تو تم خود بول اُٹھوگے کہ بیشک جس ذات نے ایسے کامل اور مستحکم انتظامات کئے ہیں وہی ذاتِ واحد قادرِ مطلق اور حکیمِ کل اور سب کا پروردگار ہے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

سورۂ یوسف میں اس تذکیر کا اظہار کیا گیا ہے :۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔ (آیت ۱۰۵)

(اور زمین و آسمانوں میں اللہ کے بہت سے نشانات ہیں

جن پر یہ لوگ بے توجہی سے گزر جاتے ہیں اور اُن کی طرف سے منہ

پھیرے رہتے ہیں)

(۴) تذکیر بما بعد الموت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عالم برزخ (قبر) اور عالم آخرت و قیامت کے حالات و حوادث سُنا کر وعظ و نصیحت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس مخصوص عنوان سے جا بجا خبردار کیا ہے اور ذکرِ آخرت کو قرآن حکیم کی اساسی تذکیر شمار کیا ہے۔

قرآن حکیم کی یہ تذکیر سورۂ قٓ میں بیان کی گئی ہے:۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ (آیت ۴۵)

(پس قرآن کے ذریعہ نصیحت کرو اُس شخص کو جو اللہ کی وعید یعنی بعد الموت کے عذاب سے ڈرتا ہو)

قرآن حکیم کا وعظ و ارشاد عموماً انہی چار عنوانات پر مشتمل ہے۔

زیرِ نظر کتاب قرآنی تذکیر اربعہ کا ایک عنوان ہے (تذکیر بایام اللہ) اسمیں انبیاء ورسل کی دعوت و تبلیغ، قوموں کا ردِ عمل اور اللہ عزوجل کے قانونِ مکافات کا تذکرہ چالیس۴۰ عناوین میں جمع کیا گیا ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ عنوان واحد کے تحت جسقدر بھی مواد قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر ملتا ہے اُسکو یکجا کر دیا جائے اور احادیثِ صحیحہ میں اس عنوان کے تحت جو وضاحت آئی ہے اس کو قرآن حکیم کی تشریح و تاویل کے طور پر شریک کیا جائے۔ تاریخ و سیرت سے اُسی قدر استفادہ کیا گیا جو قرآن و حدیث کی وضاحت کے لئے ضروری تھا اور جو اِنکے منشاء اور مُراد سے ٹکراتا نہ ہو۔

آخر میں ہر ہر عنوان کے تحت نتائج و عبر کا مفید و مؤثر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو قرآنی تذکیر کا مقصد و منشا ہوا کرتا ہے۔ گویا آپ کی یہ کتاب انبیاء و رُسل کی حیاتِ طیبہ اور اُنکی دعوت و تبلیغ، ایثار و قربانی کا تذکرہ اور قوموں کے عروج و زوال کی رُوئیداد ہے۔ کتاب کا پڑھنے والا قرآنی واقعات اور اخبار کو بیک نظر تفصیل کے ساتھ یکجا مطالعہ کر سکتا ہے۔

قرآنی قصص اور واقعات کے تحت اہل علم حضرات نے بکثرت کتابیں تالیف کیں ہیں جنمیں بعض کتب ماخذ و مرجع کی حیثیت سے معروف و مقبول ہیں۔ انہی معروف و مستند کتب سے زیر مطالعہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ تفصیلات، اختلافات، بحث و مباحثہ جیسے عنوانات سے حتی الامکان احتراز کیا گیا ہے۔ عام طور پر حوادث و واقعات کو تاریخ و سیرت کی کتابوں سے اخذ کیا جاتا ہے اور اسی کو ماخذ و مرجع بھی سمجھا گیا ہے لیکن زیر نظر کتاب میں اصل ماخذ

و مرجع قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کو قرار دیا گیا ہے یعنی تاریخ و سیرت سے وہی بات قبول کی گئی ہے جو قرآن حکیم اور احادیثِ صحیحہ سے مطابقت رکھتی ہو اور اسکی روح و منشار سے ٹکراتی نہ ہو۔ ہمارا احساس و ایقان اسی اصول پر قائم ہے کہ قرآن حکیم میں اقوامِ قدیمہ اور ملل سابقہ کے وقائع و حوادث کا جو بھی تذکرہ پایا جاتا ہے وہی اصل ماخذ اور قابل اعتماد غیر مشکوک علمی ذخیرہ ہے۔ اسی اصول پر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ اور یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عام طور پر قرآنی واقعات میں اسرائیلی روایات بکثرت نقل کی جاتی ہیں جس کا سلسلہ آغازِ اسلام سے آج تک جاری رہا ہے لیکن زیر مطالعہ کتاب کو اس کثرت سے آپ خالی پائیں گے۔ ہم کو اس سلسلے میں اپنے اسلاف کرام کا عنوان پسند ہے :-

حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ (اللہ کی کتاب کافی ہے)

کتاب کی تالیف میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اُن کی مکمل فہرست دیدی گئی ہے۔ آپ کتاب کے مضامین کو انہی کتب سے ماخوذ پائیں گے۔

ہمیں اس بات کے اظہار میں خوشی محسوس ہوتی ہے کہ آپ کی یہ کتاب مَصَابِیْحُ الْھُدٰی (ہدایت کے چراغ) کا حرفِ آغاز مسجد الھُدیٰ (جدّہ) سے شروع ہوا اور پانچ سال کی مسلسل مشغولیت کے بعد شبِ قدر ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۰۷ھ مسجد الحرام (خانہ کعبہ) میں مقامِ ابراہیم کے قریب اختتام کو پہنچا۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّة۔

خطا و نسیان سے کون محفوظ رہا ہے جو آپ کا یہ خادم محفوظ ہوگا۔ بس اس سے زیادہ اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَاَفْضَلِ رُسُلِهٖ سَيِّدِنَا وَوَسِيْلَتِنَا فِى الدَّارَيْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

خادم القرآن
عبدُ الرحمٰن غفر لہٗ
۱۷ر جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ
مطابق ۵ر فروری ۱۹۸۸ء
یوم الجمعہ

تذکرہ ابو البشر
سیدنا آدم صفی اللہ علیہ السلام

تعارف سیدنا آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے سب سے پہلے انسان اور پہلے نبی ورسول ہیں۔ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ اس بارے میں ساکت ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے اس زمین پر اور بھی کوئی مخلوق آباد تھی یا نہیں؟ اگرچہ سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے جنّات کی پیدائش ہوچکی تھی اور ملائکۃ اللہ ان سے بھی پہلے وجود میں آچکے تھے، لیکن یہ وضاحت نہیں ملتی کہ موجودہ زمین ان مخلوقات کا مسکن رہی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے وہی باتیں بیان کیں ہیں جو بندوں کی ہدایت واصلاح کے لئے ضروری تھیں، ایسے مباحث وتحقیقات سے احتراز فرمایا ہے جنمیں نہ اُنکے دنیا کا نفع ہے نہ آخرت کا۔

اس لئے ہمیں بھی ایسے ہی امور کی جانب توجہ دینا چاہیے جو ہمارے لئے نفع بخش ہوں۔ بالفرض سیدنا آدم علیہ السلام سے پہلے موجودہ زمین پر کوئی اور مخلوق آباد تھی جیساکہ طبقات الارض کے ماہرین کا خیال ہے تاہم اس تحقیق سے ہمیں صرف ”انکشاف“ کی حدتک فائدہ حاصل ہوگا، ہمارا سلسلۂ نسب جس ذات سے ہے وہ ذاتِ گرامی سیدنا آدم علیہ السلام کی ہے جن کا تذکرہ قرآن حکیم نے سب سے پہلے کیا اور بار بار کئی آیات میں بیان کیا ہے۔

قرآن حکیم نے نہایت وضاحت کے ساتھ غیر مشکوک اور غیر مبہم الفاظ میں کئی ایک مقام پر ہمیں یہ بتایا ہے کہ انسانیت کا آغاز خالص انسانیت ہی سے ہوا ہے۔ انسان کی تاریخ کسی غیر انسانی وجود سے قطعاً کوئی بھی رشتہ نہیں رکھتی، وہ اوّل روز ہی سے انسان بنایا

گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسکو کامل انسانی شعور کے ساتھ اسکی ارضی زندگی کی ابتدا کی ہے۔

ڈارون کا "نظریہ ارتقاء" (بندر سے انسان ہونا) ویسے یہ نظریہ خود اپنے درست ہونے میں محتاجِ ثبوت ہے تاہم یہ اہم نکتہ ہر مسلمان کے پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ کسی نظریہ پر اگر کچھ دلائل قائم بھی ہوجائیں تو خواہی نخواہی کسی چیز کا بالکلیہ ثابت ہو جانا ضروری ہو جائے ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر کسی وقت منطق و عقل کی قوت و طاقت نے کسی معمولی ستون کو سونا ثابت کر دیا ہو اور انسان اُس کے قبول کرنے پر مجبور بھی ہوگیا ہو تاہم پتھر، پتھر ہی رہے گا سونا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ نظریۂ ارتقاء اپنے دلائل میں اگر بہت کچھ سامان رکھتا بھی ہو تو اسکی حیثیت محض ایک "موروثی دفینہ" سے کچھ زیادہ نہیں ہوسکتی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ قرآن حکیم کی گیارہ ۱۱ سورتوں میں ملتا ہے۔ اور آپکا اسم گرامی پچیس ۲۵ مرتبہ آیا ہے۔ اور ہر مرتبہ کسی نہ کسی لطیف عنوان کے ضمن میں لایا گیا ہے۔

۱۔ البقرہ ۔ آیات ۔ ۳۱، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷۔
۲۔ آل عمران ۔ آیات ۔ ۳۳، ۵۹۔

۳۔ المائدہ ۔ آیت ۔ ۲۷۔
۴۔ الاعراف ۔ آیات ۔ ۱۱، ۱۹، ۲۶، ۲۷، ۳۱، ۳۵، ۱۷۲۔
۵۔ الاسراء ۔ آیات ۔ ۶۱، ۷۰۔
۶۔ الکہف ۔ آیت ۔ ۵۰۔
۷۔ مریم ۔ آیت ۔ ۵۸۔
۸۔ طٰہٰ ۔ آیات ۔ ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۲۰، ۱۲۱۔
۹۔ یٰس ۔ آیت ۔ ۶۰۔
۱۰۔ حجر ۔ آیت ۔ ۲۶، ۳۳۔
۱۱۔ صٓ ۔ آیات ۔ ۷۱ تا ۷۴

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت خاص سے ایسی مٹی سے پیدا کیا جو سخت اور کھنکھنانے کی صفت رکھتی تھی، اس لئے قرآن حکیم نے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔

صَلْصَال	حَمَاٍ	مَسْنُوْن
سوکھا گارہ بجنے والا	خمیر شدہ سیاہ کیچڑ	تغیر پسند چکنا بُودار

ان مختلف الصفات مٹی کا خوبصورت پُتلا بنایا پھر اسمیں روح داخل کی۔ سورۂ حجر میں ان اوصاف کا ذکر آیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي خَٰلِقٌۢ بَشَرًا مِّن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ۔ (حجر آیت ۲۸)

اور یاد کرو اُس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں خمیر شدہ مٹی کے سُوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں۔

یعنی اوّل گارے کو خوب خمیر کیا کہ اسمیں بُو آنے لگی، پھر وہ خشک ہو گیا، اور خشک ہونے سے کھَن کھَن بولنے لگا۔ جیسے کہ مٹی کا برتن ٹھونک مارنے سے بجا کرتا ہے پھر اُس خشک گارے سے آدمؑ کا پُتلا بنایا گیا۔

انسان (حضرت آدم علیہ السلام) کی پیدائش کی حقیقت جس طرح قرآن حکیم نے بیان کی ہے نوعِ انسانی کی تاریخ کا یہ وہ نادر باب ہے جسکے معلوم ہونے کا کوئی دوسرا ذریعہ انسان کو میسّر نہیں آسکتا۔ تخلیق انسانی کے اس آغاز کو تفصیلی کیفیت کیساتھ سمجھنا انسانی عقل سے بالاتر ہے۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام اس طرح پیدا نہیں ہوئے جس طرح عام انسان پیدا ہوا کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کی پیدائش کے مضمون میں واضح طور پر یہ کہا ہے کہ میں نے اُنھیں اپنی "قدرت خاص" سے پیدا کیا ہے۔ انمیں پیدائش کے وہ اسباب نہیں ہیں جو عام انسان کے لئے ضروری ہوتے ہیں بلکہ اپنی قدرتِ خاص سے انمیں بنایا ہے۔ اس خصوصیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قَالَ يَٰٓإِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ الآیۃ

اے ابلیس تجھکو کس بات نے روکا کہ تو سجدہ کرے اس مخلوق کو (ص آیت ۷۵) جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھ سے بنایا ہے۔

اس لئے ہم اس حقیقت کا پوری طرح ادراک نہیں کر سکتے کہ موادِ ارضی سے بشر کس طرح بنایا گیا؟ اور اس کی صورت گری کیوں کر ہوئی؟ اس لئے ہم انسان کی تخلیق کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

الغرض حضرت آدمؑ کا ان مختلف الصفات مٹی سے ایک خوبصورت پُتلا بنایا گیا اور اسمیں روح داخل کی گئی تو وہ گوشت پوست کے انسان ہو گئے اور عقل و ہوش، قوت

وارادہ، دیکھنے بولنے، سننے سمجھنے، چلنے پھرنے، کے اوصاف کے حامل بن گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام جب مکمل انسانی لباس اختیار کر چکے تو فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔ تمام فرشتوں نے بلا توقف تعمیل کی، ابلیس جو جنات کی قسم سے تھا اور تعلیم وتربیت کے لئے فرشتوں میں رکھا گیا تھا غرور وتکبّر سے انکار کیا اور اپنی برتری کا اظہار کیا، اسپر اللہ تعالیٰ نے ذلّت وخواری کے ساتھ اُسکو زمین پر اُتار دیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر، فرشتوں کو سجدہ کرنے کا حکم، ابلیس کا انکار ذیل کی آیات میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ الآیۃ

(سورۃ الحجر آیات ۲۶ تا ۳۴)

اور ہم نے انسان کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ خمیر کئے ہوئے گارے کی بنی تھی پیدا کیا اور جنات کو آدمؑ سے بہت پہلے آگ سے کہ وہ ایک گرم ہوا تھی پیدا کر چکے تھے۔ اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ خمیر کئے ہوئے گارے کی بنی ہوگی پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اُسکو پورا بنا چکوں اور اُس میں اپنی مخلوق روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اُسکے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے اُس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے پوچھا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہ دیا؟ تو وہ کہنے لگا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسکو آپ نے بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہے پیدا کیا ہے۔

سورۂ اعراف میں اس طرح تفصیل ملتی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ الخ (الاعراف آیت ۱۱، ۱۲، ۱۳)

اور ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے، وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل

نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا؟

بولا میں اُس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اُسکو مٹی سے۔

فرمایا تو آسمان سے اُتر جا تجھ کو کوئی حق حاصل نہیں کہ تو تکبّر کرے آسمان میں رہ کر، لہٰذا نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں شمار ہونے لگا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ۔ الخ (الکہف آیت ۵۰)

اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو تو اُنھوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا، وہ جنّوں میں سے تھا، سو اُس نے اپنے رب کے حکم سے خروج کیا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا الخ (البقرہ آیت ۳۴۔۳۵)

اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو سو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے اُس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہوگیا کافروں میں سے۔

اور ہم نے آدمؑ سے کہا اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن کی زندگی بسر کرو، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں شمار ہوگے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ الخ (ص آیت ۷۱ تا ۷۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔

پھر جب میں اُس کو پوری طرح بنالوں اور اُس میں اپنی مخلوق روح سے کچھ پھونک دوں تو سب فرشتے اُس کے لئے سربسجود ہوجائیں، پس سب ہی نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ مانا گھمنڈ کیا اور وہ (علم الٰہی میں پہلے ہی سے) کافروں میں تھا۔

ابلیس کا مناظرہ

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے جواب لینے کے لئے پوچھا کہ تجھ کو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا؟

اللہ تعالیٰ کا یہ سوال اپنے جاننے کے لئے نہ تھا بلکہ ابلیس پر اپنی حُجت پوری کرنے کے لئے تھا۔ ابلیس نے جواب دیا "اس بات نے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں، کیونکہ

تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے۔
ظاہر ہے آگ مٹی سے افضل ہے کیونکہ مٹی ہمیشہ پستی کی طرف جاتی ہے اور آگ بلندی و رفعت چاہتی ہے۔ اور ہر بلند اپنے کمتر سے افضل ہوا کرتا ہے۔ بھلا میں افضل و اعلیٰ ہو کر بھی آدمؑ جیسے کم درجہ مخلوق کو سجدہ کروں اور اُس کی تعظیم بجا لاؤں؟ میرے نزدیک یہ عقل و دانش کا فیصلہ نہیں۔

یہ تھا خلاصہ ابلیس کی حجت و دلیل کا جس نے اپنے ہی رب سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ علم جب ناقص ہوتا ہے تو کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے کمزور اور بودے سہارے پہاڑ کی طرح بلند و مضبوط نظر آتے ہیں۔ ابلیس کے ناقص علم نے اسکو ایسے ہی رہنمائی کی اور وہ گمراہی کی طرف چل پڑا۔

آگ و خاک کا تقابل جس انداز سے کیا گیا ہے اگر وہ اپنی جگہ درست بھی ہو جائے تب بھی جرم اپنی جگہ باقی ہے۔ سوال اپنے افضل و غیر افضل کا نہیں تھا بلکہ اطاعت الٰہی کا تھا۔ حکم یہ دیا گیا تھا کہ ہمارے حکم کی تعمیل کرو، اسمیں چھوٹا بڑا، اعلیٰ و کمتر سب یکساں ہیں چنانچہ اس حکم میں ملاءِ اعلےٰ کے فرشتے بھی شامل تھے جو دیگر فرشتوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ سب ہی نے سجدہ کیا، حکم کی علت اگر کمتر یا برتر ہوتی تو ملاء اعلےٰ کے فرشتوں کو سجدہ نہ کرنا چاہیئے تھا۔ ابلیس کا یہ مناظرہ ان آیات میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۔ الخ
(الحجر آیات ۳۲ تا ۳۵)

اللہ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہا مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اُٹھے ہوئے گارے سے بنایا جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے (یعنی آدم کم درجہ مخلوق ہے اور میرا درجہ اُس سے بڑا ہے) حکم ہوا تو یہاں سے نکل جا کہ تو دھتکارا ہوا ہے اور روز جزا تک تجھ پر لعنت ہوتی رہیگی۔

سورۂ اعراف میں اس طرح آیا ہے۔
قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ الخ (الاعراف آیت ۱۲ تا ۱۳)

اللہ نے فرمایا کس بات نے تجھ کو سجدہ کرنے سے منع کیا جبکہ میں نے تجھکو حکم دیا تھا؟ کہا اس بات نے کہ میں آدمؑ سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسکو مٹی سے۔

فرمایا اچھا تو یہاں سے نیچے اُتر، تجھے حق نہیں کہ یہاں بڑائی کا گھمنڈ کرے، نکل جا کہ درحقیقت تو اُن لوگوں میں سے ہے جو خود اپنی ذلّت چاہتے ہیں۔

درازیٔ عمر کی درخواست

بہتر خطا کار وہ ہے جو فوری توبہ کرلے۔ ابلیس کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا انکار کرنا بھُول یا غفلت کا نتیجہ نہ تھا۔ دیدہ و دانستہ "ارتکاب جرم" تھا۔

جُرم کی پاداش میں جنت سے اُتر جانے کا غضب ناک حکم سُنکر توبہ و ندامت کے بجائے اللہ تعالےٰ سے استدعا کرنے لگا کہ قیامت تک میری عمر دراز کردی جائے اور مجھے ایسی طاقت و قدرت دے دی جائے کہ اولاد آدم کو ہر طور وطریقے سے گمراہ کرسکوں؛ اللہ تعالےٰ کے علم و حکمت کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ بنی آدم کی آزمائش کے لئے اسکو لمبی مہلت دی جائے۔ چنانچہ اُس کی یہ درخواست منظور کرلی گئی۔ نہ صرف اُس کو حیاتِ طویل دے دی گئی بلکہ اُس کو وہ اسباب و ذرائع بھی مہیا کردئے گئے جو انسانوں کو گمراہ کرنے کے لئے درکار تھے۔ اس موقعہ پر اُس نے پھر ایک اور مرتبہ اپنی فطرت کا مظاہرہ کیا۔ کہنے لگا اب جبکہ تو نے مجھے راندۂ درگاہ کرہی دیا تو جس آدمؑ کی بدولت یہ رسوائی نصیب ہوئی میں بھی آدمؑ کی اولاد کو ذلیل و رسوا کرکے رہوں گا اور اُن کے ہر چار سمت ہوکر گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔ اور ان کی اکثریت کو ناشکر گزار بنادونگا۔ پھر شاید کچھ ہوش میں آکر کہنے لگا البتہ تیرے "مخلص بندے" میرے تسلط سے باہر رہینگے۔

اللہ تعالےٰ نے بھی بے نیازی سے جواب دیا مجھکو اسکی کیا پرواہ ہے میرا "قانون مکافات" اپنی جگہ اٹل رہے گا، جو انسان بھی مجھ سے روگردانی کرکے تیری پیروی کرے گا، وہ تیرے ساتھ جہنم کا سزاوار ہوگا اور ابدی لعنت کا مستحق۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون

قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ الخ (الاعراف آیات ۱۲ تا ۱۸)

اللہ نے فرمایا (اے ابلیس) تجھکو کس چیز نے سجدہ کرنے سے روکا جبکہ میں نے تجھکو حکم دیا تھا؟

کہا میں اُس سے بہتر ہوں، مجھکو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اُسکو مٹی سے،

اللہ نے فرمایا تو پھر تو نیچے اُتر جا۔ تیرا یہ حق نہیں کہ تو یہاں بڑائی جتائے، لہٰذا تو نکل جا بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے۔

کہنے لگا مجھے اُس دن تک مہلت دے جس دن سب دوبارہ اُٹھائے جائینگے (یعنی قیامت تک) اللہ نے فرمایا بے شک تُو اُن افراد میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی ہے۔

کہنے لگا اچھا جس طرح تو نے مجھے بے راہ کیا ہے میں بھی اب تیری سیدھی راہ پر اِن انسانوں کی گھات میں لگا رہوں گا۔

پھر (گمراہی کا سامان لیکر) اُن انسانوں کے پاس اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُن کے دائیں سے اور اُن کے بائیں سے آؤں گا اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

اللہ نے فرمایا نکل جا یہاں سے ذلیل و ٹھکرایا ہوا ہوکر (اور جان لے) کہ ان میں سے جو تیری پیروی کرینگے تجھ سمیت اُن سب سے جہنم کو بھر دُوں گا۔

قَالَ يَآ اِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ الخ (الحجر آیات ۳۲ تا ۴۴)

اللہ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟

کہا میں ایسے بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جیسے تو نے خمیر اُٹھے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے۔ (یعنی معمولی درجہ کی مخلوق)

اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا کہ تو مردود ہے۔

اور بیشک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

کہنے لگا خدایا مجھے اُس دن تک مہلت دیدے جبکہ انسان دوبارہ اُٹھائے جائینگے (یعنی قیامت تک)۔

اللہ نے فرمایا بیشک تو مہلت یافتہ لوگوں میں سے ہے۔

اُس دن تک جس کا وقت ہمیں معلوم ہے۔

بولا یارب جیسا کہ تو نے مجھ پر نجات کی راہ بند کر دی ہے تو میں ضرور ایسا کروں گا کہ زمین میں انسانوں کے لئے دل فریبیاں پیدا کر کے اُن سب کو بہکا دوں گا۔
البتہ اُن میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں گے (جو میرے بہکانے میں نہیں آئیں گے۔)

اللہ نے فرمایا بس یہی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والی ہے۔ جو میرے مخلص بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ بھی زور نہیں چلیگا صرف انہیں پر چلیگا جو (بندگی کی راہ) سے بھٹک گئے ہوں۔ اور اُن سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) اس جہنم کے سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لئے اُن لوگوں کے الگ الگ حصے ہیں۔

سورۂ اِسراء میں اللہ تعالےٰ نے شیطان کی اتباع کرنے والوں کا انجام اسطرح بتایا ہے:-

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ الخ

(بنی اسرائیل آیات ۶۱ تا ۶۵)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا آدمؑ کے آگے جُھک جاؤ، اسپر سب جُھک گئے مگر ابلیس نہ جُھکا، اُس نے کہا کیا میں ایسی ہستی کے آگے جُھکوں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

نیز اُس نے کہا کیا تیرا یہی فیصلہ ہے کہ تو نے اس (حقیر) ہستی کو مجھ پر بڑائی دی ؟ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں ضرور اسکی نسل کی بیخ و بنیاد اُکھاڑ کے رہوں گا، البتہ تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں اور کوئی نہ بچے۔

اللہ نے فرمایا جا اپنی راہ لے، جو کوئی بھی ان میں سے تیری راہ چلے گا، اُس کے لئے اور تیرے لئے جہنم کی پوری پوری سزا ہوگی۔

اُن میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کر لے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر، اور اُن کے مال و اولاد میں شریک ہو جا، اور اُن سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر، اور شیطان کے وعدے تو سرتاسر دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

جو میرے سچے بندے ہیں اُن پر تو قابو پانے والا نہیں، تیرا پروردگار کارسازی کے لئے بس ہے۔

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ الخ (ص آیات ۷۵ تا ۸۵)

فرمایا اے ابلیس! کس چیز نے روک دیا تجھ کو سجدہ کرے اُس کو جسکو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجے میں؟

بولا میں بہتر ہوں اُس سے، مجھکو تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسکو مٹی سے۔

فرمایا نکل جا آسمان سے بیشک تو مردود ہو گیا ہے۔

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے جزا کے دن تک۔

بولا اے رب مجھے مہلت دیدے اُس دن تک جسمیں مُردے اُٹھائے جائیں گے (یعنی قیامت تک)

فرمایا تجھکو مہلت ہے معین وقت کی تاریخ تک۔

بولا قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا اُن سب کو۔ مگر جو بندے ہیں تیرے اُن میں کے چنے ہوئے (وہ میری گمراہی سے دور رہیں گے)

فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں۔

مجھکو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو اُن میں تیری راہ چلیں ان سب کو بھی۔

خلافت ارضی

خلیفہ اپنے حاکم کا نائب اور وکیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنا نائب وخلیفہ بنانے کا ارادہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں اُسکو صورت دینا چاہی تو فرشتوں کو اطلاع دی کہ میں زمین پر اپنا نائب وخلیفہ بنانا چاہتا ہوں جو میری مرضیات کو زمین پر نافذ کرے گا۔ اور زمین کا وہ مالک بھی ہوگا۔ اسمیں میرے امر و منشا کے مطابق حکومت قائم کرے گا۔ اس اطلاع پر فرشتے حیرانی ظاہر کرنے لگے۔ حیرانی کی وجہ غالباً یہ تھی کہ زمین پر خلافت کی ضرورت آخر کیوں محسوس کی گئی؟ مخلوق تو ہم بھی ہیں کسی دوسری مخلوق کی پیدائش کیا ہماری نااہلی کے سبب سے تو نہیں ہے؟ اس سے قبل جنات بھی تو تھے جنکی سرکشی و بغاوت کی وجہ سے انھیں دُور دراز

علاقوں میں مقید کر دیا گیا۔ اب جو مخلوق پیدا ہوگی ظاہراً اسمیں خیر و شر ہوگا (کیونکہ خیر محض تو ہم ہیں ہی) ایسی مخلوق سے فتنہ و فساد کی توقع ممکن ہے۔ کہنے لگے پروردگار! ایسی نئی مخلوق سے اگر تیری تسبیح و تقدیس، تہلیل و تکبیر مقصود ہے تو یہ منصب ہمارے لئے زیادہ مناسب ہے کیونکہ ہم ہر لمحہ تیری تسبیح و تقدیس بجالاتے ہیں۔ اور بے چون و چرا تیرا حکم تسلیم کرتے ہیں۔ خدایا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ نئی مخلوق زمین میں خرابی اور خون ریزی برپا کر دے؟ بار الٰہا تیرا یہ فیصلہ سر آنکھوں پر لیکن اسکی آخر کیا حکمت و مصلحت ہوگی خدایا اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں؟

بارگاہِ الٰہی سے انھیں اولاً یہ ادب سکھایا گیا کہ مخلوق کو خالق کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں جب تک کہ حقیقت سامنے نہ آجائے زبان بند رہنی چاہیئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا حاکمانہ جواب اس طرح دیا۔ جو حقیقت تم نہیں جانتے میں اسکو جانتا ہوں۔ فرشتوں نے یہ جواب سُنکر سرِ تسلیم خم کر دیا۔

آیاتِ ذیل میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴿البقرہ آیت ۳۰﴾

قرآنی مضمون

اور جب ایسا ہوا کہ تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ فرشتوں نے کہا کیا ایسی ہستی کو خلیفہ بنایا جارہا ہے جو زمین میں خرابی پھیلائیگی اور خون ریزی کرے گی؟ حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہوئے تیری پاکی و قدوسی کا اقرار کرتے ہیں (کہ تیرا ارادہ بُرائی سے پاک اور تیرا کام نقصان و عیب سے منزہ ہے) اللہ نے فرمایا میری نظر جس حقیقت پر ہے تمہیں اسکی خبر نہیں۔

اقرار و تسلیم

چونکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر حیرت کا اظہار کیا تھا اور عجلت میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال بھی کر دیا تھا کہ ایسی مخلوق کی غرض و غایت کیا ہے جبکہ ہم تسبیح و تقدیس کے لئے موجود ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ جواب دیکر خاموش کر دیا تھا کہ اسکی حکمت میں جانتا ہوں تم کو خبر نہیں۔

فرشتوں کے سکوت اور اللہ تعالےٰ کے جواب سے واضح ہوتا ہے کہ فرشتوں کی یہ کوئی گستاخی یا قابل سرزنش بات نہ تھی ورنہ اللہ تعالیٰ کے جواب کا عنوان ایسا نہ ہوتا۔ بہر حال فرشتوں کی نظروں میں حضرت آدم علیہ السلام کا مقام ظاہر نہ تھا اور اللہ کی مشیت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں پر فوقیت دی جائے اور اس کا اظہار بھی کر دیا جائے، تاکہ جہاں اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کا مشاہدہ ہو وہاں فرشتوں کا اعترافِ قصور بھی انہی کی زبان سے ہو جائے۔

اس کیلئے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے "صفتِ علم" سے کچھ حصہ عطا فرما دیا جسکو قرآنی زبان میں "علم الاسماء" کہا گیا ہے۔

یہ علم کن چیزوں کا تھا؛ قرآنِ حکیم نے اسکی کوئی وضاحت نہیں کی ہے البتہ احادیث نبوی میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ یہ علم "موجودات" کا علم تھا۔ عالم میں جو کچھ بھی تھا اُس کا نام اور حقیقت بتلا دی گئی کہ اُس کا یہ نام ہے اور کام یہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس علم کے حامل ہو گئے اور صفتِ علم سے سرفراز و مفتخر ہوئے۔ اس کے بعد حضرت آدمؑ کو فرشتوں کے سامنے لایا گیا اور سوال کیا گیا کہ اے فرشتو بتاؤ اِن اِن چیزوں کے کیا نام ہیں اور اِن کی غرض و غایت کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کا یہ سوال بعینہٖ وہی سوال تھا جسکو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا۔ یعنی تخلیق آدمؑ کی غرض و غایت کیا ہے؟

فرشتوں کے لئے یہ بات بالکل نئی تھی اور وہ اِن چیزوں سے قطعاً ناواقف تھے فوراً بول اُٹھے یاالٰہی! تو ہر عیب سے پاک ہے ہمیں تو صرف اتنا ہی علم ہے جو تو نے ہمیں بخشا ہے۔ تو ہی ہر بات پر قدرت والا اور حکمت والا ہے۔

اس کے بعد تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت آدمؑ کی فضیلت کا اعتراف بھی فرشتوں سے یہ اعتراف کروانا ویسے بھی بغیر کسی حجت و آزمائش کے ممکن تھا، لیکن یہ بات سوال وجواب کے حدود میں آگئی تھی اس لئے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت کو دلیل و بُرہان سے واضح کر دیا گیا۔

آیاتِ ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

قرآنی مضمون | وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الخ (بقرہ آیت ۳۱–۳۳)

http://mujahid.xtgem.com

اور اللہ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھا دیئے۔ پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا (اگر تمہارا خیال صحیح ہے کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائیگا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ؟

فرشتوں نے عرض کیا عیب سے پاک تو آپکی ہی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔

اللہ نے آدمؑ سے کہا اے آدمؑ تم ان چیزوں کے نام انھیں بتاؤ؟ جب آدمؑ نے اُن سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا (اے فرشتو!) میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ بھی مجھے معلوم ہیں اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اُسے بھی میں جانتا ہوں۔

جنّت کا قیام

فرشتوں کے اقرار کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت دے دی گئی، وہ اسمیں ایک عرصہ تک راحت وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن چونکہ انسان تھے مسلسل تنہائی ویکتائی کی وجہ سے وحشت وتنگی محسوس کرنے لگے۔

اللہ علیم وخبیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ایک ہمدم ومُونس حضرت حوّار کی شکل میں پیدا فرما دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام اپنا مُونس ورفیقِ حیات پاکر بیحد مسرور ہوئے اور وہ تنہائی کی کلفت جاتی رہی۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے سکونِ قلب کا انتظام ہو گیا۔ (تخلیق حوّار کی تفصیل آگے آرہی ہے)

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّار کو عام اجازت تھی کہ وہ جنت کے جس حصّے میں چاہیں قیام کریں، ساری آسائشیں مہیّا تھیں جسکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ کسی کے قلب پر اس کا تصور آسکتا تھا۔ اس مکمل عیش وفراوانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایک خاص درخت کے قریب جانے سے منع بھی کر دیا تھا۔ اور یہ بھی تنبیہہ کر دی تھی کہ اگر اس کے خلاف ہوا تو یہ ظلم کی بات ہوگی اور آگاہ بھی کر دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے کہیں تم کو نافرمانی میں مبتلا نہ کر دے؟

حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، اُن سے ارادۃً ایسی کوئی بات ممکن نہ تھی۔ لیکن خطا و نسیان بہرحال ہر بشر میں فطرۃً موجود تھے، حضرت آدم علیہ السلام ایک عرصہ تک اطمینان و بیفکری سے جنت میں مقیم رہے، ابلیس اُسی دن سے اس تاک میں تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اپنا انتقام لے، اُس نے کسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا، کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ یہ شجر "شجرۃُ الخلد" ہے۔ اِس کا پھل کھانا گویا جنّت میں ابدی زندگی کا ضامن ہے۔ اور یہ زندگی علامت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہمیشہ راضی ہے اور راضی رہے گا، اور یہ عالم، ابدی عالم ہے جو ختم نہ ہونے والا ہے۔ پھر اس پر مزید دھوکہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی قسمیں کھانا اور اپنا خیرخواہ و مخلص ہونا ظاہر کیا۔ اس دھوکہ سے حضرت آدم علیہ السلام و حضرت حوّا، کو اُس درخت تک لے آیا، حضرت آدم علیہ السلام وقتی طور پر یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم امتناعی قسم کا ہے اور نہ اس جانب ذہن گیا کہ یہ حکم کوئی دائمی حیثیت رکھتا ہے، پھر جنت کے دائمی قیام کی خواہش اور قُربِ الٰہی کے شوق نے اُن کے پائے ثبات میں لغزش پیدا کر دی۔ دونوں نے اُس درخت کا پھل کھالیا کھانا تو درکنار صرف چکھنا ہی تھا کہ بشری لوازم اُبھرنے لگے۔ دونوں اپنے جسم کی اچانک برہنگی محسوس کرنے لگے، جنّت کا وہ لباس جو دونوں کے لئے زینت و ستر پوشی کا کام دیتا تھا اُتر گیا، گھبرا کر درخت کے پتّوں سے اپنا بدن ڈھانکنے لگے۔ یہ حالت اُس لغزش کی پاداش تھی جو اس شکل میں نمودار ہوئی۔

اِسپر کچھ دیر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب آمیز خطاب نازل ہوا حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اے آدمؑ! کیا میں نے تم دونوں کو درخت کے قریب ہونے سے منع نہ کیا تھا؟ اور کیا میں نے تمہیں یہ تنبیہہ نہ کی تھی کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً احساس ہوا کہ غلطی سرزد ہوگئی ہے اور دشمن شیطان نے اپنا کام پورا کر دیا ہے۔ فوری اور بغیر کسی توقف سجدہ میں گر پڑے، ندامت اور اعتراف کے ساتھ اس طرح گویا ہوئے "اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا ہے اور اگر آپ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں معاف نہ فرمایا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم خسارہ والوں میں ہو جائیں گے۔"

اللہ تعالےٰ جو دلوں کے بھیدوں تک کو خوب جانتا ہے حضرت آدم علیہ السّلام وحضرت حوّا کے پاکیٔ قلب کو اچھی طرح جانتا تھا، عُذر کی خوبی اور عزم وارادے سے خالی خطا ولغزش کو جان کر دونوں کو معاف کر دیا اور یہ بھی ظاہر کر دیا گیا کہ اس عمل میں حضرت آدم علیہ السّلام بالکل معصوم ہیں۔ (طٰہٰ آیت ۱۱۵)

لیکن چونکہ علم الٰہی میں وہ وقت آچکا تھا کہ زمین کو "انسانی معمورہ" بنایا جائے اور حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ کی اس زمین پر پہلا خلیفۃ اللہ قرار دیا جائے۔ اس خوشخبری کے ساتھ حضرت آدم علیہ السّلام اور اُن کی بیوی حضرت حوّا کو زمین پر اُتار دیا گیا۔ اور یہ ہدایت بھی دی گئی کہ زمین پر بھی تمہارا اور تمہاری اولاد کا دشمن ابلیس موجود رہے گا اور تم کو اس سے بچ کر صراطِ مستقیم پر قائم رہنا ہوگا۔

آیاتِ ذیل انہی تذکروں پر مشتمل ہیں۔

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ الخ (بقرہ آیات ۳۵ تا ۳۹)

قرآنی مضمون

پھر ایسا ہوا کہ ہم نے آدمؑ سے کہا اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، جس طرح چاہو کھاؤ پیو، امن وچین کی زندگی بسر کرو، مگر دیکھو وہ جو ایک درخت ہے کبھی اُس کے قریب نہ ہونا، ورنہ تم دونوں حد سے تجاوز کرنے والے ہوگے۔ (پھر کیا تھا) کہ شیطان کی وسوسہ اندازی نے اُن دونوں کے قدم ڈگمگا دیئے اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کو راحت وسکون کی زندگی سے نکلنا پڑا۔ اللہ کا حکم ہوا کہ یہاں سے چلو، تم میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا، اب تمہیں زمین پر رہنا ہے ایک خاص وقت کے لئے (جو علم الٰہی میں مقــــرر ہے۔ اور اس قیام سے فائدہ اُٹھانا ہے۔ (پھر ایسا ہوا) کہ آدمؑ نے اپنے پروردگار کے القاء سے چند کلمات حاصل کر لئے (جو قبولیت دُعا کے لئے مفید تھے) پس اللہ نے اُن کی توبہ قبول فرمالی اور بلاشبہ وہی رحمت والا درگزر کرنے والا ہے۔ (لیکن جس زندگی سے وہ نکل چکے تھے وہ دوبارہ نہیں مل سکتی تھی) لہٰذا ہمارا حکم ہوا اب تم سب یہاں سے زمین پر اُتر جاؤ لیکن یاد رکھو) جب کبھی ہماری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے اُن کے لئے کوئی خوف ورنج نہ ہوگا۔ اور جو لوگ اِس کو

قبول کرنے سے انکار کرینگے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

سورۂ اعراف میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۔الخ (الاعراف آیات ۱۹ تا ۲۵)

اور اے آدمؑ تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہو، جہاں جس چیز کو تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو، مگر اس درخت کے قریب نہ ہونا ورنہ زیادتی کرنے والوں میں ہو جاؤ گے۔

پھر شیطان نے اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ اُن کا ستر جو اُن سے چھپا ہوا تھا اُن پر کھول دے، اُن سے کہا تمہارے رب نے تمہیں جو اِس درخت سے روکا ہے اُس کی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں کہ تم فرشتے بن جاؤ گے (یعنی اس کے کھانے سے) یا تمہیں جنت کی دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی۔ اور اُس نے قسم کھا کر اُن سے کہا کہ میں تمہارا سچا خیر خواہ بھی ہوں۔

اس طرح دھوکہ دے کر اُن دونوں کو درخت کے قریب لے آیا، آخرکار دونوں نے اُس درخت کا (مزہ) چکھا تو اُن کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور دونوں اپنے جسموں کو جنت کے پتّوں سے ڈھانکنے لگے، تب اُن کے رب نے اُنہیں پکارا "کیا میں نے تمہیں اُس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور کیا میں نے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دونوں (آدمؑ و حوّا) فریاد کرنے لگے۔ "اے ہمارے رب ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے۔ اگر آپ نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارہ والے ہو جائیں گے۔ (اللہ نے توبہ قبول کرنے کے بعد) فرمایا۔ تم سب (مع ابلیس) زمین پر اُتر جاؤ۔ تم میں بعض بعض کا دشمن ہوگا، اور تمہارے لئے ایک خاص مدت تک زمین ہی پر جائے قرار اور سامانِ زینت رہے گا۔ وہیں تم کو جینا اور وہیں مرنا ہے اور اُسی میں سے تم کو (مرنے کے بعد) اُٹھایا جائیگا)

سورۂ طٰہٰ میں اس طرح ذکر فرمایا۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۔الخ (طٰہٰ آیات ۱۱۵ تا ۱۲۳)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدمؑ سے پہلے ہی عہد لے لیا تھا پھر وہ بھول گئے اور ہم نے اُن میں نافرمانی کا قصد نہیں پایا۔ (یعنی اُن سے بھُول ہوگئی)

اور پھر جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کے آگے جُھک جاؤ، سب جُھک گئے مگر ابلیس نہیں جُھکا اُس نے انکار کردیا۔

اسپر ہم نے کہا اے آدمؑ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں جنت سے نکال کر رہے پھر تم مشقت میں پڑجاؤ۔

تمہارے لئے تو اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اسمیں تم بھوکے رہو گے اور نہ برہنہ اور نہ تمہارے لئے پیاس کی جلن ہوگی نہ سُورج کی تپش۔

لیکن شیطان نے آدمؑ کو وسوسہ میں ڈالا اُس نے کہا اے آدمؑ میں تم کو "شجرۃُ الخلد" ہمیشگی کے درخت کا نشان بتادوں؟ اور ایسے عالم کی خبر دُوں جو کبھی فنا نہ ہو؟

(شیطان کی اس فریب آمیز خیر خواہی پر) آدمؑ اور حوّاؑ نے درخت کا پھل کھا لیا (کھانا ہی تھا کہ) اچانک اُن دونوں کے ستر اُن پر کھُل گئے اور وہ دونوں باغ کے پتوں سے اپنے جسم کو ڈھانکنے لگے۔ غرض کہ آدم اپنے رب کے کہنے پر نہ چلے۔ پس وہ (جنت کی زندگی سے) بھٹک گئے۔

لیکن پھر اللہ نے انھیں برگزیدہ کیا اور اپنی رحمت سے اُنپر متوجہ ہوا اور اُنپر علم وعمل کی راہ کھولدی۔ (چنانچہ اللہ نے انھیں) حکم دیا تم دونوں اکٹھے یہاں سے (زمین کی طرف) اُتر پڑو۔ تم میں سے ہر ایک دوسرے کا دشمن ہوگا (اب تم پر دوسری زندگی کی راہ کھُلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہاری (نسل کے) پاس کوئی پیام ہدایت آئے تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلیگا وہ نہ راہ سے بے راہ ہوگا اور نہ دُکھ میں پڑے گا۔

نتائج وعبر

(۱) **تاریخ پیدائش** یہ بات واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود گرامی

ما قبل تاریخ کا واقعہ ہے۔ اس لئے تاریخ کی روشنی میں اس مسئلہ پر غور کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ تحقیق جدید کی بنیاد پر قیاس وتخمین سے کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ طبقات الارض کے ماہرین نے اپنے علم و اندازے سے چند ایک قیاس قائم کئے ہیں ان پر نہ کوئی قطعی رائے قائم کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی قابل لحاظ ترجیح دی جا سکتی ہے۔ علامہ شبکیؒ نے یوم جمعہ کو یوم تخلیقِ آدم قرار دیا ہے۔ حدیثِ مسلم بھی اسکی تائید کرتی ہے۔

فِيهِ خُلِقَ آدَمُ (الحدیث) جمعہ کے دن آدمؑ پیدا کئے گئے۔

البتہ اس بارے میں کہ زمین وآسمان کی تخلیق کے کتنے عرصے بعد حضرت آدم علیہ السّلام کی تخلیق ہوئی ہ قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ بالکل ساکت ہیں۔ اور صحیح فیصلہ یہی ہے کہ جس بات کو اللہ ورسول نے مخفی رکھا اُسکے ہم بھی درپئے نہ ہوں۔ یہ ہی علم و دانش، دین و دیانت کا تقاضہ بھی ہے۔

(۲) آدم وحوّاء

آدم اور حوّاء کا لفظ دراصل اُس لغت سے متعلق ہے جو دنیا کی معدوم لغات میں شمار کی جاتی ہیں۔ اس لئے اسکے حقیقی لغوی معنی متعین کرنا دشوار ہے تاہم بعض اہل علم نے آدم کا لفظ ”ادیم الارض“ سے ماخوذ سمجھا ہے۔ ادیمُ الارض کے معنی صفحہ زمین کے ہیں۔ مطلب یہ کہ ایسا جسم جو مٹی سے تیار کیا گیا ہو۔ چونکہ حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے مٹی سے پیدا کیا اس لئے آدمؑ نام رکھا گیا۔

”حوّا“ حیؒ سے ماخوذ ہے۔ حَیؒ کے معنی زندہ شخصیت کے ہیں۔ چونکہ وہ ہر حیؒ کی ماں ہیں اس لئے اُن کا نام حوّاء ہوگیا۔ واللہ اعلم۔

یا اس وجہ سے کہ وہ ایک حَیّ (زندہ) یعنی آدم علیہ السّلام سے پیدا کی گئی تھیں اس لئے انھیں حوّاء کہا گیا۔

قرآن حکیم کے سورۂ نساء کی پہلی آیت میں حضرت حوّاء کا ذکر اس طرح آیا ہے

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا الآیۃ (اور حوّاء کو آدمؑ سے پیدا کیا۔)

یعنی بغیر ماں کے آدمؑ کی پشت سے، کہا جاتا ہے کہ آدمؑ جنت میں سو رہے تھے

بیدار ہوئے تو پہلو میں حوّا کو بیٹھا دیکھا، فطرت خود بخود مائل ہوگئی دونوں میں اُنس پیدا ہوگیا۔
دوسری تفسیر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حوا، کو جنس آدمؑ سے پیدا کیا گیا یعنی اُس بقیہ مٹی سے جسکے ذریعہ حضرت آدم علیہ السّلام کا جسم بنایا گیا۔ واللہ اعلم۔

(۳) ایک شبہ اور اُس کا جواب

سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر ابلیس کو مردود بناکر جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر وہ حضرت آدم علیہ السّلام کو جنت میں اُس درخت کے قریب کس طرح لایا جبکہ وہ جنت سے باہر ہوچکا تھا؟
اِس کا جواب بعض مفسرین نے قرآن حکیم کے الفاظ سے اخذ کیا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ممکن ہے اس وقت تک ابلیس کا داخلہ جنت میں ممنوع نہیں ہوا ہو۔ اگرچہ وہ اس وقت تک مرد‌ُود و مطرود ہوچکا تھا۔ قرآن حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر اُترنے کے لئے یہ لفظ بیان کئے ہیں۔
اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا۔ تم سب جنت سے نیچے اُتر جاؤ۔
اِهْبِطُوْا جمع کا صیغہ ہے جو آدمؑ اور حوّا، اور ابلیس تینوں کو شامل ہے۔ ممکن ہے ابلیس ایک عاصی و مردود کی حیثیت سے اس کام کے لئے جنت کے کنارے آیا ہو اور حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا، کو دھوکہ دیدیا ہو۔
دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا کہ جنت کے باہر ہی سے بذریعہ وسوسہ حضرت آدمؑ اور حوّا، کو اُس درخت کے قریب لے آیا ہو۔ قرآن کریم کی آیت فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ الآیۃ (پھر شیطان نے اُن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا)
آیت کا مفہوم بھی اس جواب کی تائید کرتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تار و لاسلکی کے ذریعہ آواز کو دور دراز حصوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے ہی شیطان نے اپنے وسوسہ کی طاقت سے یہ بات حضرت آدم علیہ السّلام کے دل میں پہنچائی ہو۔

(۴) ابلیس کی حقیقت

ابلیس کے لفظی معنی ”انتہائی مایوس“ کے ہیں۔ چونکہ یہ راندۂ درگاہ ہونے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے

رحمتِ الٰہی سے مایوس ہوگیا تھا اس لئے اِس کا یہ لقب قرار پایا۔ روایات میں اُس کا اصل نام "عزازیل" یا حارث بیان کیا گیا ہے۔

درِّ منثور میں سعید بن منصورؒ کا قول سورۃ کہف کے تحت نقل کیا گیا ہے کہ ایک بار فرشتوں کے ذریعہ جنات کو اُن کی نافرمانی و بغاوت کی سزا دلائی گئی تھی جسمیں بہت سے جنات قتل ہوئے۔ یہ ابلیس بچہ سا تھا اِس کو آسمان پر لاکر رکھا گیا فرشتوں کیساتھ تسبیح و تہلیل میں مشغول رہا کرتا تھا۔

قرآنِ حکیم نے اُس کا تعارف اس طرح کیا ہے۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ (کہف آیت ۵۰)

وہ جنات میں سے تھا پھر وہ اپنے رب کی اطاعت سے نکل گیا۔

علم ناقص اور مزاج ناپاک تھا غرور و تکبر میں مبتلا ہوگیا۔

(۵) معیارِ خلافت

خلافت الٰہیہ کا مدار کثرت ذکر و شغل پر نہیں ہے (یعنی جو سب سے بڑا عبادت گزار ہو اسکو خلیفہ بنایا جائے) بلکہ کثرت علم و فہم پر موقوف ہے، خلافت کے لئے جہاں ذکر و عبادت ضروری ہیں وہاں بنیادی طور پر علم و فہم میں کامل ہونا بھی ضروری ہے۔ فرشتے چونکہ سراپا ذکر و تسبیح تھے اس لئے زمین کی خلافت کے لئے انہیں منتخب نہیں کیا گیا بلکہ ایک ایسی مخلوق کو منتخب کیا گیا جو علم و فہم کی استعداد رکھتی تھی اور وہ حضرت "انسان" ہیں۔

زمین کی خلافت صفتِ علم کے بغیر ممکن نہیں کیونکہ خلافت کی اہم ذمہ داری انتظام اور عدل کا رکھنا ہے۔ کسی بھی انتظام کے لئے علم اور فہم ضروری ہیں۔ اس لئے زمین کی خلافت کے لئے انسان کا انتخاب کیا گیا۔

انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبیؑ جن کا نام حضرت شمویل علیہ السلام بیان کیا جاتا ہے اپنی قوم پر حضرت طالوت کو حاکم مقرر کرنا چاہا جو ساری قوم میں غریب شمار کئے جاتے تھے۔

اس انتخاب پر قوم نے اعتراض کیا کہ وہ تو ایک غریب مفلوک الحال آدمی ہیں نہ اُن کے ہاں مال و دولت ہے اور نہ شان و شوکت، لہٰذا ہم میں سے کسی مالدار ذی حیثیت

آدمی کو حاکم مقرر کر دیا جائے؟

حضرت شمویل علیہ السّلام نے فرمایا کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے علم و قوت تم سے زیادہ عطا کی ہے وہی خلیفہ اور حاکم بننے کے اہل ہیں (سورہ بقرہ آیت ۲۴۷)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلافت کے لئے علم و فہم ضروری ہیں جو انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور فرشتوں کی صفت اس سے خالی ہے۔

(۶) معیارِ اُسوۂ اور عصمتِ انبیاءؑ

حضرت آدم علیہ السّلام صرف انسان و بشر ہی نہیں تھے، اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی و رسول بھی تھے۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بتائیے کیا آدم نبی تھے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی۔ انھیں اللہ تعالیٰ سے شرف تخاطب و تکلّم حاصل تھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴)

اور یہ عقلی بات بھی ہے جب وہ پہلے انسان تھے تو نسلِ انسانی کے لئے انہی کے ذریعہ پیامِ الٰہی پہنچنا ضروری تھا جبکہ وہی ان کے ہادی و رہبر بھی تھے۔

حضرات انبیاء کرام خطا و معصیت سے معصوم ہوا کرتے ہیں، اُن پر اللہ تعالےٰ کی مستقل حفاظت نگرانی قائم رہتی ہے۔ اگرچہ بشری تقاضوں کے حامل ضرور ہوتے ہیں لیکن اُن کے عمل و ارادے میں ہر قسم کی بدی و شر کے ظہور کو عملاً ناممکن و محال کر دیا جاتا ہے تاکہ اُن کا ہر قول و عمل بلکہ حرکت و سکون تک انسانیت کے لئے "بہترین نمونہ" بن سکے یہ ہی بات قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے۔ البتہ بشریت و انسانیت سے متصف ہونے کی وجہ سے سہو، نسیان، زلّت (لغزش) کا امکان باقی رہتا ہے۔ جو کبھی کبھی عملی بھی اختیار کرلیتا ہے۔ لیکن ایسی امکانی صورت میں بھی انہیں اُس حالت پر باقی نہیں رکھا جاتا بلکہ فوراً ہی خبردار کر دیا جاتا ہے اور وہ اس حالت سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ سہو اور نسیان تو کوئی خطا یا معصیت ہی نہیں ہیں جسکی وضاحت ضروری ہو۔ البتہ زَلّة (لغزش) کی تحقیق قابل ذکر ہے۔ لغزش بظاہر ایسے خلافِ واقعہ عمل کو بولا جاتا ہے جہاں عمل و کردار میں بغاوت و سرکشی تو درکنار قصد و ارادے کا بھی دخل نہیں ہوتا، بشری تقاضہ کے پیشِ نظر

ایک ایسا عمل پیدا ہوجائے جو بظاہر خلافِ واقعہ سمجھا جائے۔ اس عمل میں نیّت، قصد، ارادہ، قسم کی کوئی چیز شامل نہیں ہوتی۔ اسکی مثال ایسے ہے جیسے ایک دو سالہ معصوم بچّے کے ہاتھ سے کسی کی آنکھ پھوٹ جائے۔ ظاہر ہے اس عمل میں اُس بچّے کے علم وارادہ، بغاوت وسرکشی کو کیا دخل ہے؟ بغیر کسی نیتِ جُرم اُس سے ایک ایسی بات سرزد ہوگئی جو نہ خطا کہلاتی ہے نہ معصیت وجُرم۔ تقریباً ایسی ہی کیفیت انبیاء کرام کے اُن واقعات کی ہے جو اُن سے بطور لغزش پیدا ہوگئے ہیں۔ اور یہ اُس بشری طبیعت کا خاصہ ہوتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے ان کی فطرت سلیمہ میں شامل رکھا ہے۔ ہاں بالارادہ خلاف حکم کو گناہ عصیان وغیرہ کہتے ہیں۔ جسکا صدور انبیاء سے محال ہے اور اُن سے بھُول چوک کے سرزد ہوجانے میں اللہ کی کئی ایک حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جنکو محققین نے مختلف تعبیرات سے ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امت کے لئے خطا ولغزش میں نبیؐ کا اُسوہ ونمونہ پیشِ نظر رہے، جس طرح نبی اپنی زلّت ولغزش کے فوری بعد رُجوع الی اللہ، توبہ، ندامت، انابت، الحاح وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور معافی و درگزر کا خواستگار رہتا ہے ایسے ہی امت کو اپنی خطاؤں میں اسی طرح رجوع الی اللہ ہونا چاہیئے۔

موطا امام مالکؒ کی ایک روایت میں اس عنوان کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اِنّی لأنسی او أنسیّ لأسنّ (موطا) مجھکو بھُلایا جاتا ہے تاکہ اُمت کے لئے سنت قائم ہوجائے۔

امام غزالیؒ نے ایک اور لطیف حکمت لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:-

"چونکہ انبیاء کرام کے ہاتھوں معجزات اور خرق عادات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور معجزات کی حقیقت یہی ہے کہ انسانی طاقت ایسے عمل جاری کرنے میں عاجز و درماندہ ہوجائے، تاریخ اُمم یہ بتلاتی ہے کہ بہت سی قومیں انبیاء کرام کے معجزات وخرقِ عادات دیکھکر ان میں اُلوہیت و ربوبیت کے قائل ہوگئیں تھیں۔ حتیٰ کہ بعض قوموں نے اپنے نبی کو خُدا، خُدا کا بیٹا، شریکِ خدا جیسے مشرکانہ عقیدوں سے متصف سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی لغزشوں کو اس گمراہی و بدعقیدگی کے انسداد کا ذریعہ بنایا کہ اگر یہ خدا یا خدائی طاقتوں کے حامل ہوتے تو اِن سے لغزشیں نہ ہوتیں اور وہ اپنی لغزشوں پر پہلے ہی متنبہ ہوجاتے اور اُن سے ایسا عمل سرزد نہ ہوتا۔" واللہ اعلم۔

بہر حال انبیاء کرام کی لغزشوں کی حکمت خواہ کچھ بھی ہو یہ نفوسِ قدسیہ نبوت ورسالت کے ساتھ بشریت کے لوازم بھی رکھتے ہیں جنمیں سہو، نسیان، لغزش بھی شامل ہیں جو گناہ یا معصیت قطعاً نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی یہ غلطی نہ گناہ تھی نہ معصیت بلکہ ایک قسم کی لغزش تھی۔

سورہ بقرہ کی آیت ۳۶ میں یہ الفاظ ہیں۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ۔ شیطان نے اُن دونوں سے لغزش کرادی۔

یہاں لفظ زلّت استعمال کیا گیا ہے جسکی وضاحت اوپر آچکی ہے۔

حضرت آدمؑ کا یہ عمل لغزش (زلّت) تھا خطا یا معصیت نہ تھی۔

اور سورۂ طٰہٰ آیت ۱۲۰ اور سورۂ اعراف آیت ۲۰ میں اس واقعہ کو نقل کرتے ہوئے لفظ وسوسہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ (طٰہٰ آیت ۱۲۰)

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ (اعراف آیت ۲۰)

شیطان نے اُن کو پھسلا دیا (دیا) پھر شیطان نے اُن دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا۔

پھر اسی سورۂ طٰہٰ میں تیسری جگہ اس لغزش و وسوسہ کا سبب خود ہی بیان کر دیا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہر قسم کے ارادی و عملی گناہ سے پاک تھے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ آیت ۱۱۵)

اور ہم نے اس سے پہلے آدمؑ کو ایک حکم دیا تھا مگر وہ بھول گئے اور ہم نے (اس عمل میں) اُن کا کوئی عزم و ارادہ نہیں پایا یعنی آدم علیہ السلام کا درخت کے قریب ہونا قصدی و ارادی عمل نہ تھا بلکہ غفلت و بھول کا نتیجہ تھا۔

قرآن حکیم کی یہ تصریحات انبیاء کرام کی عصمت و پاک دامنی کو واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کرام خطاؤں معصیتوں، اور ذنوب سے پاک ہوتے ہیں۔ یہی سلف وخلف کا عقیدہ ہے اور اسی پر امت کا سوادِ اعظم متفق ہے۔ البتہ بعض ناواقفوں کو سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲۱ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ۔

سے شبہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے معصیت کا صدور ہوا اور وہ گمراہ ہوگئے۔

غالباً شبہ کی یہ وجہ ہوگی کہ آیت مذکورہ میں لفظ "عصیٰ" اور "غویٰ" مذکور ہیں جن کا عام ترجمہ "نافرمانی کی" اور "گمراہ ہوگئے" لکھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضرت آدم علیہ السّلام نے (نعوذ باللہ) گناہ کیا اور گمراہ ہوگئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بادی النظر میں ایسے ہی سمجھا گیا مگر جب دیگر آیات کے ساتھ جو اس سلسلے میں موجود ہیں غور کیا جائے تو یہ شبہ بالکل ہی سطحی معلوم ہوگا۔ دراصل یہ ظاہری شبہ ہے جو محض الفاظ کے ظاہر سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم میں بہت سے ایسے لفظ ہیں جو دو دو چار چار معنوں میں استعمال کیے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر "ظُلم" کا لفظ گناہ، زیادتی، شرک کے معنی میں آیا ہے۔ ایسے ہی "ضَلَالَۃٌ" گمراہی، نقصان، غائب ہونا، حیران و پریشان ہونا کے معنی میں آیا ہے۔ انہی الفاظ میں لفظ "مَعْصِیَۃٌ" اور "غَوَایَۃٌ" بھی شامل ہیں۔ ان کے معنی جہاں گناہ کرنا اور گمراہ ہونا آتے ہیں وہاں "مَعْصِیَۃٌ" کے معنی لغزش کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب لِسَانُ العرب اور اَقربُ الموارد میں صراحت ہے۔

اَلْمَعْصِیَۃُ قَدْ تُطْلَقُ عَلَی الزَّلَّۃِ مَجَازًا۔

معصیت مصدر ہے کبھی مجازاً لغزش کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اسی طرح غَوٰی، ضَلَّ یا خَابَ کے معنی میں آتا ہے بہک گئے یا نقصان میں پڑ گئے۔

اب آیت وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی کا ترجمہ یہ ہوا۔

لغزش کھائی آدمؑ نے اپنے رب کے حکم میں پس وہ نقصان میں پڑ گئے۔

لہٰذا آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمؑ نے نافرمانی کی اور گمراہ ہوگئے بلکہ صحیح ترجمہ یہ ہوگا۔

لغزش کھائی اور نقصان میں پڑ گئے۔

نقصان یہ کہ جنت جیسی جگہ چھوٹ گئی۔ جہاں ہر قسم کی آسائش مہیا تھی۔ اور دنیا کی زندگی میں آگئے جہاں نفع و نقصان دونوں پیش آتے ہیں۔

(۷) دو وضاحتیں

شجر ممنوعہ کے کھاتے ہی حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حواؑ کا وہ لباس جو زیب تن تھا اتر گیا اور ایک دوسرے کے ستر سامنے ہوگئے۔ دونوں درخت کے پتوں سے اپنا ستر چھپانے کی

کی فکر میں پڑ گئے۔

یہ لباس کس چیز کا تھا؟ اور اچانک کیوں اُتر پڑا؟

یہ دو سوال ہیں جن کی وضاحت درج کی جاتی ہے۔

ابن کثیرؒ نے وہب بن مُنبہؒ کے حوالہ سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ کوئی مادی لباس نہ تھا بلکہ کَانَ لِبَاسُھُمَا نُوْرًا۔ دونوں کا لباس نُور کا تھا۔ گویا مطلب یہ کہ یہ جنت کا خصوصی لباس تھا جو صرف اسی عالم کے لئے سزاوار تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا جب دنیا میں اُترنے والے تھے اُسکے مناسب نہ تھا اس لئے وہ لباس اُتار دیا گیا۔ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے پیدائش کے وقت مولود کا وہ لباس جو بطنِ مادر میں زیب تن رہتا ہے پیدائش کے بعد اُتار دیا جاتا ہے وہ ایک باریک سی جِھلّی ہوتی ہے جو بچّے کے بدن پر لپٹی ہوئی رہتی ہے۔

بعض مفسرین نے دوسرے سوال کی یہ وضاحت کی ہے کہ لباس کا اچانک اُتر جانا دراصل اُس نادانستہ لغزش کا نتیجہ تھا جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواؑ سے سرزد ہوگئی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے جنت میں اُنکے ستر پوشی کا انتظام فرمایا تھا، جب اِن حضرات سے یہ لغزش ہوگئی تو اللہ کی حفاظت اُن سے ہٹالی گئی اور اُن کا پردہ کھول دیا گیا اور انھیں خود اپنے نفس کے حوالہ کر دیا گیا۔ گویا اس حقیقت کا اظہار تھا کہ جب کسی انسان سے عدول حکمی ہوگی تو دیر یا سویر اُس کا پردہ کھُل کر رہے گا۔ اور اُسے خود اُسکے حوالہ کر دیا جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاوں میں یہ بھی مذکور ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّیْ صَالِحَ مَا اٰتَیْتَنِیْ۔

خدایا مجھکو ایک لمحہ کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ فرما اور مجھ سے اپنی عطا کردہ نعمت کو نہ چھین لے۔ (الحدیث)

(۸) **ابُوالبشر** حضرت آدم علیہ السلام روئے زمین کے پہلے بشر ہیں اس لئے اُنھیں ابُوالبشر کہا جاتا ہے۔ البتہ طبقات الارض کے بعض ماہرین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ انسانی دنیا سے پہلے بھی اس زمین پر ایک

انسان جیسی مخلوق کا وجود رہا ہے جس کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے تیس ۳۰ ہزار سال پہلے کا ہے۔ اس مخلوق کا نام "تیا ندر تال" بتایا جاتا ہے۔ جو چھ کروڑ نفوس پر مشتمل تھی۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ پوری آبادی کسی جُرم کی پاداشں میں ہلاک وضائع کردی گئی۔ اس تحقیق کی بنیاد آثار قدیمہ کی وہ ہڈیاں ہیں جو زمین کی کھدائی میں ظاہر ہوئے ہیں جو اپنی قدو قامت، شکل وصورت میں موجودہ انسانی اعضاء سے بہت حد تک مشابہت رکھتے ہیں۔

لیکن قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں کوئی وضاحت نہیں فرمائی۔ تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کے سلسلے میں جسقدر بھی آیات موجود ہیں اُن سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس زمین کے پہلے بشر ہیں انسانیت کا آغاز انہی سے ہوا۔ یہ ہی زمین کے پہلے انسان اور نبی ہیں۔ نسلِ انسانی حضرت آدم علیہ السلام ہی سے شروع ہوئی۔ یہی اسلامی عقیدہ ہے اور ہمارے علم ویقین کے لئے صرف اس قدر کافی ہے جو ہم کو قرآن جیسے علم یقین اور وحیٔ الٰہی کے بعد حاصل ہوا ہے۔ علم ویقین کے لئے یہ دو ماخذ کافی ہیں۔

(۹) فرشتوں کی حقیقت

حضرت آدم علیہ السلام کے تذکرے میں فرشتوں کا ذکر کثرت سے آیا ہے۔ فرشتے اللہ کی مخلوقات میں سے ایک خاص مخلوق ہیں جو "نور" سے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ ہم کو دیکھ لیتے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں پاتے۔

قرآن حکیم نے فرشتوں کی دو صفات بیان کی ہیں۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ الآیۃ

(سورۃ التحریم آیت ۶)

اللہ جو انھیں حکم دیتا ہے اُسکی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔ فرشتے خدائی اختیارات کے حامل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اِن کے ذریعہ اس عظیم الشان کائنات کا انتظام چلاتا ہے۔ یہ سلطنت الٰہی کے "اہل کار" ہیں۔ اپنے فرائض منصبی کے لئے جس وقت جو ضرورت پیش آتی ہے ویسی ہی صورت

اختیار کر سکتے ہیں۔ بعض ان میں ایسے قوی ہیں کہ تنہا ایک ایک شہر کو تہس نہس کر سکتے ہیں۔ ان میں نافرمانی کا کوئی عنصر نہیں۔ یہ خیر محض ہوتے ہیں۔

یہ اپنی ذوات میں نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جاہل قومیں اِنکی قوت وطاقت کا مظاہرہ دیکھ کر اِن کو خدائی میں حصہ دار، خدا کا رشتہ دار، اور بعضوں نے ان کو خُدا کی بیٹیاں قرار دے لیا ہے۔

اسلام نے اِن غیبی ہستیوں کو تسلیم کرنے اور اِن کو خدا کی مخلوق جاننے کی ہر مسلمان پر پابندی عائد کی ہے اور اِس کو اسلام کے بنیادی عقائد میں شمار کیا ہے۔ اِن میں سے بعض کے نام قرآن حکیم اور احادیثِ رسولؐ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اِن کی جملہ تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ الآیۃ (المدثر آیت ۳۱)

اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن حکیم میں فرشتوں کا ذکر (۸۶) آیات میں ۸۸ مرتبہ آیا ہے۔

(۱۰) جنّات کا تعارُف

فرشتوں کی طرح جنّات بھی اللہ تعالیٰ کی مستقل مخلوق ہیں۔ اِن کی تخلیق میں آگ کا عُنصر غالب ہے، یہ بھی مختلف شکل اختیار کر سکتے ہیں، اِن میں نیک و بد دونوں قسم ہیں۔ شریعتِ الٰہی کے یہ بھی مکلف (پابند) ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن کی طرف بھی مبعوث فرمائے گئے ہیں اسی لئے آپؐ کو "رسول الثقلین" (جن وانس کے رسولؐ) کہا جاتا ہے۔ آپؐ نے اِن کے شہروں کا بھی سفر فرمایا ہے۔ احادیث میں "لَيْلَةُ الْجِنِّ" کا تذکرہ آیا ہے۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے پانچ دفعہ جنّات کی دعوت پر اِن کے شہروں کا سفر فرمایا ہے۔ اور انکے قبائل میں اسلام کی دعوت دی ہے۔ سینکڑوں جنّات نے اسلام قبول کیا۔ ان کے وفود آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اور آپؐ سے اسلام و ایمان کی باتیں معلوم کرتے تھے۔ کتب احادیث میں جنّات کے بعض خاص احکام بھی مذکور ہیں۔

قرآن حکیم میں ایک مستقل سورہ (سورۃ الجن) مذکور ہے اور سورۃ الاحقاف کا آخری رکوع بھی انہی سے متعلق ہے جس کا ترجمہ یہاں قابل ذکر ہے۔

اے نبی وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے تھے تاکہ وہ قرآن سُنیں، پھر جب وہ اُس جگہ پہنچے (جہاں آپؐ قرآن پڑھ رہے تھے) تو اُنھوں نے آپسمیں کہا خاموش ہو جاؤ، پھر جب قرآن کی تلاوت ختم ہوئی تو وہ خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف پلٹے۔

اُنھوں نے کہا، اے ہماری قوم کے لوگو، ہم نے ایک کتاب سُنی ہے جو موسیٰؑ کے بعد نازل کی گئی ہے، تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلے آئی کتابوں کی، رہنمائی کرتی ہر حق اور راہِ راست کی طرف۔

اے ہماری قوم کے لوگو، اللہ کی طرف بُلانے والے کی دعوت قبول کر لو اور اُس پر ایمان لے آؤ، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائیگا اور تمہیں عذاب الیم سے بچا دیگا۔ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات نہ مانے گا تو وہ زمین (کے کسی حصہ) میں (بھاگ کر خدا کو) ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا اُس کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اور ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہونگے۔

(احقاف آیات ۲۹ تا ۳۲)

جنات میں ولادت وموت کا سلسلہ بھی ہے، ان کی عمریں نسبتاً انسانوں سے زیادہ طویل ہوتی ہیں۔ قرآن حکیم نے ان کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ وہ انسانوں کو جس طرح دیکھ لیتے ہیں انسان اُن کو دیکھ نہیں سکتا۔

إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف آیت ۲۷)

بیشک وہ اور اس کے ساتھی تم کو ایسی جگہ سے دیکھ لیتے ہیں جہاں سے تم اُنہیں دیکھ نہیں سکتے۔

قرآن حکیم کی (۳۱) آیات میں (۳۲) مرتبہ جنّ کا لفظ آیا ہے۔

چونکہ فرشتے اور جنات ہم کو نظر نہیں آتے صرف اس وجہ سے اُن کے وجود کا انکار کر دینا کوئی معقول بات نہیں ہوگی۔ کائنات میں آج بھی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو انتہائی حساس دُوربین وخُوردبین سے بھی دیکھی نہیں جاسکتی۔ لیکن اسکے باوجود ماھرین فلکیات ان چیزوں کا اقرار کرتے ہیں اور ایسی غیر مشاہد اشیاء کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، ماضی قریب میں بہت سی چیزوں کا انکار کیا جاتا تھا لیکن آج انکو تسلیم ہی نہیں بلکہ دلیل سے ثابت بھی کیا جاتا ہے اور اُن کے وجود پر دلائل قائم ہیں۔ فرشتوں اور جنات کے بارے

میں قرآن حکیم ہم کو اِس کا یقین دلاتا ہے اور اُن کے وجود کو مستقل وجود قرار دیتا ہے تو اب ہم کو کسی کے نظریات سے متاثر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا الآیۃ (سورۃ النساء ۱۲۲)

اور اللہ کی بات سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے ؟

(۱۱) ایک مُشتِ خاک

تخلیقِ سیدنا آدم علیہ السلام کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک مُشتِ خاک پر جب اللہ کی عنایت و توجہ پڑی تو اُسکی عظمت و مرتبت کہاں سے کہاں تک پہنچی، وہ "مسجود ملائکہ" ہوئے۔ "خلیفۃُ اللہ" کا منصب اور "صفی اللہ" کا لقب پایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت و کرم اگر کسی معمولی شئے پر بھی پڑ جائے تو وہ بڑے سے بڑے مرتبے اور جلیل القدر منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔

(۱۲) فطرت کی حکمرانی

لغزش سیدنا آدم علیہ السلام سے یہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ بایں جلالت و عظمت بڑے سے بڑے کمالات پر فائز ہو کر بھی انسان اپنی بشری و طبعی خصوصیات سے خارج نہیں ہوتا۔ سیدنا آدم علیہ السلام جو کمالِ انسانیت کی علامت اور اخلاق خداوندی کے اعلیٰ ترین مظہر ہیں وہ بھی ابلیس لعین کے وسوسہ سے متاثر ہو گئے۔

اخلاق و کردار کی بلندی کے باوجود انسان انسانیت کے دائرے سے باہر نہیں ہوتا۔ وہ نہ فرشتوں کی صف میں جا ملتا ہے نہ اللہ نہ اللہ کی صفات کا سہیم و شریک قرار پاتا ہے۔

(۱۳) توبہ کی سُنّت

خطا کار ہونے کے باوجود اگر انسان ندامت کیساتھ اللہ کی جناب میں رجوع ہو جائے تو اس کیلئے "بابِ رحمت" بند نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا یہ قانون قیامت تک کے لئے انسانوں میں جاری کر دیا گیا ہے کہ خطا ارادۃً ہو یا سہواً، چھوٹی ہو یا بڑی، دل کی ندامت کے ساتھ اللہ کے حضور معافی

چاہی جائے تو نہ صرف معاف ہو جائیگی بلکہ قُربِ الٰہی نصیب ہوگا۔ سیدنا آدم علیہ السلام موجودہ زمین کے پہلے انسان ہیں جن سے "توبہ کی سنت" نسلِ انسانی کو ملی۔ تذکرۂ سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ خصوصی پہلو ہے جسکو قرآنِ حکیم نے ظاہر کیا ہے۔

(۱۴) **تذکرہ کا عبرت ناک پہلو** بارگاہِ الٰہی میں بغاوت، گستاخی، عدول حکمی، غرور، تکبّر ایسے خطرناک نتائج پیدا کر دیتے ہیں جسکا ازالہ ممکن نہیں ہوتا، ابلیس کا یہ واقعہ عبرت ناک واقعہ ہے۔ ہزاروں سال کی عبادت و بندگی، مقدس فرشتوں کی معیت، آسمانی قیام اور جنّت کا قُرب سب کے سب ایک "عدول حکمی" میں خاک آلود ہو گئے۔

تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کا یہ خصوصی پہلو عبرت و موعظت میں ایک عظیم درس کی حیثیت رکھتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعًا۔

تذکرہ
ہابیل و قابیل
(نسلِ انسانی کے ۲ دو بڑے بھائی)

نسلِ انسانی کے بڑے بھائی

قرآنِ حکیم نے حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے دو بیٹوں کا تذکرہ بغیر کسی نام کی وضاحت کے "اِبْنَیْ اٰدَمَ" آدم کے ۲ دو بیٹے کے الفاظ سے کیا ہے۔

البتہ تورات اور احادیث کی بعض کتب میں اِن دونوں کا نام قابیل اور ہابیل بیان کیا گیا ہے۔ قابیل بڑا بھائی تھا اور ہابیل چھوٹا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا زمین پر اُتار دئے گئے اور منشاء الٰہی میں اس زمین پر انسانوں کو پیدا کرنا تھا تو انسانی آبادی کے اضافے کے لئے "سنت اللہ" اس طرح جاری ہوئی جسکا تذکرہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ اور دیگر صحابہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے۔

حضرت حوا کو بیک وقت ایک لڑکا اور ایک لڑکی (توأم) پیدا ہوتے تھے اور اِن بچوں کے آپس میں نکاح کا یہ دستور بنایا گیا تھا کہ توأم (جوڑواں) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح دوسرے مرتبہ پیدا ہونے والے توأم لڑکے اور لڑکی کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ اس شرعی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا مسئلہ پیش آیا۔ قابیل عمر میں بڑا تھا اور اسکی بہن (جو اسکے ساتھ پیدا ہوئی تھی) ہابیل کی بہن سے بہت زیادہ حسین و جمیل تھی، قابیل یہ چاہتا تھا کہ اپنی توأم بہن سے خود ہی نکاح کرلے اور دستور کے مطابق ہابیل کو یہ موقعہ نہ دے جو اسکا شرعی حق تھا۔ جب یہ کشمکش طویل ہوگئی اور کسی طرح افہام و تفہیم کا سلسلہ کامیاب نہ ہوسکا تو حضرت آدم علیہ السلام نے وحی الٰہی کی ہدایت پر اس نامرضی قضیے کا اس طرح فیصلہ دیا کہ دونوں بیٹے اپنی اپنی کمائی

سے اللہ کی بارگاہ میں قربانی پیش کریں، جسکی قربانی قبول ہوجائے وہی اپنا ارادہ پورا کرنے کا مستحق ہوگا۔ اُس زمانے میں قربانی پیش کرنے کا یہ دستور تھا کہ کسی بلند مقام پر اپنی نذر اور قربانی رکھ دی جاتی، آسمان سے آگ نمودار ہوتی اور اسکو جلا دیتی تھی۔ یہ علامت نذر کے قبول ہونے کی سمجھی جاتی تھی۔ اس دستور کے مطابق ہابیل چھوٹے بھائی نے اپنے جانوروں میں سے ایک فربہ جانور خدا کی نذر کیا۔ اور بڑے بھائی قابیل نے اپنی کھیتی کے غلے سے ردّی قسم کا کوئی اناج قربانی کے لئے پیش کیا۔

جب دونوں نے اپنی اپنی نذر ایک بلند پہاڑ پر رکھدی تو آسمان سے آگ نمودار ہوئی اور اُس کے چھوٹے بھائی ہابیل کی نذر کو جلا دیا، اور قابیل کی نذر ویسے ہی پڑی رہی۔ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہوگیا کہ ہابیل حق پر ہے اور قابیل ظلم اور ناحق پر۔

لیکن قابیل نے اللہ کے اس فیصلہ کو قبول نہ کیا اور اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کا دشمن بن گیا۔ بغض و عداوت نے قابیل کو اس حد تک پاگل بنا دیا کہ وہ اپنے حق پرست بھائی کو قتل کرنے کی فکر میں پڑگیا۔ بالآخر اپنی حرکات سے ظاہر کردیا کہ وہ کسی بھی وقت ہابیل کو قتل کردے گا۔

ہابیل کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو وہ اِس گناہ کے تصور سے کانپ گیا اور اپنے تقویٰ و نیکی کو باقی رکھنے کے لئے اپنے ظالم بھائی سے یوں مخاطب ہوا۔

تیری جو مرضی ہو وہ کرگزر، میں تو اس گناہ میں خود کو ملوث نہیں کروں گا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تو میرے قتل کے درپے ہوتا ہے تو ہو، میں تیرے قتل کے درپئے نہیں ہونگا۔ رہا قربانی والا معاملہ وہ تو واضح ہے کہ اللہ نیک اور حق پرست انسانوں ہی کی قربانی قبول کرتا ہے۔ یعنی اگر تیری قربانی قبول نہیں ہوئی تو یہ میرے کسی قصور کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ تجھ میں تقویٰ نہیں ہے۔ لہذا میری جان کے بجائے تجھ کو اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ قربانی کے اس امتحان سے تجھ کو ہدایت و نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔ یہ ہی دنیا و آخرت کی فلاح کا ذریعہ ہے۔

انسان کا پہلا قتل

حضرت آدم علیہ السّلام کے اس نیک بیٹے ہابیل کی مخلصانہ نصیحت و ہدایت کا اُلٹا اثر ہوا اور قابیل

نے طیش میں آکر اپنے حق پرست بھائی ہابیل کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس سال تھی۔

رُوئے زمین پر ابھی تک قتل انسانی کا حادثہ نہیں ہوا تھا اور غالباً یہ دنیا میں پہلی موت بھی تھی۔ ہابیل مظلوم کی نعش زمین پر پڑی رہی نسلِ انسانی کا یہ پہلا ناحق خون تھا۔

قابیل کا جنونِ انتقام جب سرد پڑا تو یہ فکر سوار ہوئی کہ اپنے اس "عمل بد" کو کس طرح چھپایا جائے؟ اور نعش کا کیا انتظام کیا جائے؟

ابتک دفن کرنیکی سُنت جاری نہیں ہوئی تھی۔ قابیل اپنے مظلوم بھائی ہابیل کی نعش کو اپنی پُشت پر لئے پھرتا رہا، کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی۔ جب تھک گیا تو اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی، ایک کوّے کو دیکھا کہ وہ زمین کرید کرید کر گڑھا کر رہا تھا۔ اسکے بعد ایک مُردہ کوّے کو اسمیں چھپا دیا۔

قابیل کو احساس ہوا کہ مجھکو بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے، چنانچہ زمین کھود کر اسمیں اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دیا۔ اسی طرح مُردہ جسم سے چھٹکارا پایا۔

اس عمل کے بعد اپنی کم عقلی پر افسوس کرنے لگا کہ ہائے افسوس میں اس کوّے سے بھی گیا گزرا ہوں جو اپنے جرم کو چھپانے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ افسوس میں ایک حقیر جانور سے بھی کمتر ہوں اور مجھ میں اتنی بھی عقل نہیں۔ اُسکے بعد اُس کی عقل جاتی رہی اور بدن سیاہ پڑ گیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہو گیا۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ الخ (مائدہ آیات ۲۷ تا ۳۱)

اور آپ اِن اہل کتاب کو آدم کے دونوں بیٹوں کا قصہ صحیح طور پر پڑھکر سُنائیے جبکہ دونوں نے (بارگاہِ الٰہی میں) ایک ایک نذر پیش کی، ان میں سے ایک کی نذر تو مقبول ہو گئی اور دوسرے کی مقبول نہ ہوئی جسکی نذر قبول نہیں ہوئی تھی کہنے لگا کہ میں تجھکو ضرور قتل کر دوں گا؟ اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ اہل تقویٰ کا ہی عمل قبول کرتے ہیں۔ اگر تو مجھ پر میرے قتل کرنے کے لئے دست درازی کریگا تب بھی میں تجھ کو قتل کرنے کے لئے ہرگز دست درازی کرنے والا نہیں۔ میں تو پروردگارِ عالم سے ڈرتا

ہوں، میں یوں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر لے لے۔ پھر اہلِ دوزخ میں شامل ہو جائے، اور یہ ہی سزا ہوتی ہے ظلم کرنے والوں کی۔

سو اُسکے جی نے اسکو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا پھر اُس نے بھائی کو قتل کر ڈالا، جس سے وہ نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو گیا۔

پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا کہ وہ زمین کو کھودتا تھا تاکہ وہ اُسکو تعلیم کرے کہ اپنے بھائی کی نعش کو کس طریقے سے چھپائے، کہنے لگا افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوّے ہی کی طرح ہوتا تاکہ اپنے بھائی کی نعش کو چھپا دیتا سو وہ بڑا شرمندہ ہوا۔

نتائج و عبر

(۱) مقتلِ ہابیل

دمشق (ملک شام) کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہِ عام چلی آرہی ہے جو "مقتل ہابیل" کے نام سے مشہور ہے۔ مؤرخ ابن عساکر نے احمد بن کثیرؒ کے تذکرہ میں اُن کا ایک خواب بھی نقل کیا ہے۔ جس میں مذکور ہے کہ احمد بن کثیرؒ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپؐ کے ساتھ ہابیل بھی تھے۔ ہابیل نے قسم کھا کر کہا کہ یہ ہی میرا مقتل ہے۔ اس پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصدیق فرمائی۔ واللہ اعلم۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں اس واقعہ کو نقل کرکے یہ کلام کیا ہے کہ اگرچہ یہ خواب سچا ہے تاہم اس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

(۲) دفن کا پاکیزہ طریقہ

ہابیل چونکہ خدا کا مقبول بندہ تھا اس لئے اُس کے بدن کی تعظیم و تکریم کے لئے دفن کا پاکیزہ طریقہ رائج کیا گیا جو قیامت تک کے لئے نسلِ انسانی کی سنت قرار پائی، اور اس سے بہتر کوئی اور طریقہ آج تک وجود میں نہ آیا۔ دراصل نیکوں کی حیات و موت دونوں ہی قابلِ تذکرہ ہوتی ہیں۔

(۳) **قابیل کی حیثیت** قابیل کے کفر یا ایمان کے بارے میں کوئی قابل ذکر روایت موجود نہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اُس کا نادم وشرمندہ ہونا اُسکے توبہ واستغفار کی علامت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ندامت بھائی کے قتل پر نہیں تھی بلکہ قتل پر جو نقصانات پیش آئے اُس پر تھی۔ یعنی نعش کے دفن کرنے میں حیران ہونا، اپنے کندھوں پر اُٹھائے اُٹھائے پھرنا، کوے کی تعلیم کا محتاج ہونا، بدحواس ہوجانا، بدن کا سیاہ پڑجانا، حضرت آدم علیہ السّلام کا ناراض ہوجانا وغیرہ وغیرہ۔

محقق تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں کہ اگر یہ ندامت قتل ہی پر پیدا ہوئی ہو تو تب بھی اِس سے توبہ ثابت نہیں ہوتی کیونکہ توبہ کیلئے شرط یہ ہے کہ ندامت کے بعد معذرت اور فکر تدارک بھی ہو، اور یہ قابیل سے ثابت نہیں۔ رہا ندامت کا پیدا ہونا محض طبعی طور پر تھا جو عقل کا بھی تقاضہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف ندامت توبہ کی علامت نہیں۔

(۴) **مقامِ عبرت** امام احمدؒ نے اپنی مُسند میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا میں جب بھی کوئی ناحق خون ہوتا ہے تو اُسکا گناہ حضرت آدمؑ کے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور پڑتا ہے، اسلئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتدا کی ہے اور یہ ناپاک طریقہ جاری کیا (الحدیث)

انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز ہرگز ایسا کام نہ کرنا چاہیئے جو آئندہ بدکاروں اور ظالموں کیلئے بُرا نمونہ ومثال بنے، ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو بھی شخص آئندہ کسی ظلم اور بدعت کا کام کرے گا تو وہ بانیٔ ظلم وبدعت بھی اس گناہ میں برابر کا حصہ دار ہوگا۔ گناہ بہرحال گناہ ہے ہی لیکن گناہ کی ایجاد بھی مُوجد کیلئے ہمیشہ ہمیشہ سامان جہنم فراہم کرتی رہیگی۔ اسلئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بدعت کو سخت ترین گناہ خیال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ اپنے صاحبزادے کو نماز کے ایک مسئلہ پر تنبیہہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بیٹا بدعت سے بچو کیونکہ میں نے اصحاب نبیؐ میں سے ہر ایک کو دیکھا کہ وہ بدعت سے زیادہ اور کسی گناہ کو شدید نہیں سمجھا کرتے تھے۔ (ترمذی ج ۲ ابواب الصلوٰۃ)

تذکرہ سیّدنا
ادریس علیہ السلام

اسمِ گرامی حضرت شیث بن آدمؑ کی اولاد میں پانچویں پشت پر حضرت ادریس علیہ السلام کا اسم گرامی بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے بعد یہ تیسرے نبی ہیں۔ حضرت شیث علیہ السلام کا کوئی تذکرہ قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے۔ البتہ تاریخ و سیرت کی کتابوں میں مختصر تذکرہ ملتا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اخنوخ (ادریسؑ) بن یارد بن مہائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم (علیہ السلام)

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں دو مقام پر آیا ہے ایک سورہ مریم اور دوسرے سورۂ انبیاء میں۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے نام و نسب اور زمانہ بعثت کے متعلق مؤرخین میں سخت اختلافات ہیں۔

تمام اختلافی امور کو سامنے رکھنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں جا سکتی حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے مقصد (رشد و ہدایت) کے پیشِ نظر تاریخی و جغرافیائی بحث سے اجتناب کیا ہے۔ اور صرف اُن کی نبوّت، رفعت مرتبت اور اُنکے صفاتِ عالیہ کا ذکر کیا ہے۔ اسی منشاء کے تحت احادیث رسول بھی اس سے آگے نہیں جاتیں۔ البتہ ضروری ضروری تذکرہ کتب احادیث سے مل جاتا ہے۔

قرآنی مضمون

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا الآية
اور یاد کرو قرآن میں ادریسؑ کو، بلاشبہ تھے وہ سچے نبیؐ۔ اور بلند کیا ہم نے ان کا مقام۔ (مریم آیت ۵۶-۵۷)

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ۔ الآية
اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ، ان میں سے ہر ایک صبر کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا تھا بلاشبہ یہ سب نیکو کاروں میں سے تھے۔ (انبیاء آیت ۸۵-۸۶)

نتائج و عبر

(۱) علم رمل کی ایجاد

صحیح ابن حبان میں ایک روایت ملتی ہے کہ حضرت ادریسؑ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس زمین پر سب سے پہلے قلم کا استعمال کیا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے علم رمل کے بارے میں دریافت کیا کہ یہ علم کیسا ہے؟ (علم رمل چند مخصوص لکیروں ونشانات کا علم ہے جس کے ذریعہ معلومات حاصل کی جاتی ہیں) آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ علم ایک نبیؑ کو دیا گیا تھا، پس اگر کسی شخص کے نقوش وخطوط اسکے مطابق آجاتے ہیں تو نشانہ ٹھیک بیٹھ جاتا ہے ورنہ نہیں۔ اکثر محدثین نے اس نبیؑ سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔

بخاری ومسلم کی "حدیث معراج" میں اس قدر تذکرہ اور ملتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی تھی۔
(صحیح بخاری باب الاسراء، صحیح مسلم ج ۱ باب الاسراء)

ابن جریر طبریؒ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں کعب احبارؒ کی ایک روایت سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

لیکن یہ کعب احبارؒ ایک یہودی عالم تھے جو خلافت فاروقی میں مسلمان ہو گئے تھے تورات اور انجیل سے واقعات بکثرت نقل کیا کرتے تھے۔ بہر حال اہل علم اِن کے روایت کردہ واقعات پر کچھ زیادہ اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

ابن جریر طبریؒ کعب احبارؒ کی یہ روایت ہلال بن یساف کی سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کعب احبارؒ سے حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق اس آیت کا مطلب دریافت کیا۔

وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ (مریم آیت ۵۷)

اور ہم نے ادریس کو بلند مقام پر اُٹھا لیا۔

کعب احبارؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک مرتبہ حضرت ادریس علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے ادریسؑ تمام اہل دُنیا روزانہ جس قدر نیک عمل کرتے ہیں میں ہر روز اُتنا اجر و ثواب تم کو عطا کرتا رہوں گا۔

حضرت ادریس علیہ السلام نے جب یہ سُنا تو دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میری حیات دراز ہونی چاہیئے تاکہ نیکیوں کے بڑے بڑے ذخیرے بن جائیں اور جنت کے اعلےٰ درجات نصیب ہوں۔ پھر اُنھوں نے اپنے ایک دوست فرشتے پر اللہ تعالےٰ کی اس وحی کا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا اور یہ بھی خواہش ظاہر کی فرشتۂ موت سے اس بارے میں گفتگو کی جائے تاکہ میری زندگی دراز ہو جائے۔

اِسپر دوست فرشتے نے حضرت ادریس علیہ السلام کو اپنے بازؤں پر بٹھا کر آسمان کی طرف پرواز کیا۔ جب دونوں چوتھے آسمان سے گزر رہے تھے تو راہ میں فرشتہ موت زمین پر اُتر رہے تھے وہیں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ دوست فرشتے نے فرشتۂ موت سے حضرت ادریس علیہ السلام کی خواہش کا اظہار کیا، اسپر فرشتۂ موت نے دریافت کیا کہ ادریس کہاں ہیں؟

دوست فرشتے نے کہا میری پُشت پر سوار ہیں!

اسپر فرشتۂ موت نے کہا ابھی ابھی بارگاہِ الٰہی سے حکم ملا ہے کہ میں ادریسؑ کی روح کو چوتھے آسمان پر قبض کروں۔

میں سخت حیرت و تعجب میں تھا کہ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ ادریسؑ زمین پر ہیں۔

اسکے بعد فرشتۂ موت نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روح وہیں چوتھے آسمان پر قبض کر لی۔

یہ واقعہ نقل کر کے کعب احبارؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور ہم نے ادریسؑ کو بلند مقام پر اُٹھا لیا۔ کی یہی تفسیر ہے۔ (انتہیٰ)

بعینہٖ یہ ہی واقعہ محدث ابن ابی حاتمؒ نے اپنی تفسیر میں ایک دوسری سند سے نقل کیا ہے۔ لیکن دیگر مفسرین نے اِن روایات پر تنقید کی ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اسکو اسرائیلی روایت[1] کہا ہے۔ تاہم آیت قرآن کی تفسیر اس روایت پر موقوف نہیں ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دنیا و آخرت میں بلند مقام عطا کیا ہے۔ یا یہ کہ چوتھا آسمان اُن کی قیام گاہ ہے جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں حضرت ادریس علیہ السلام سے چوتھے آسمان پر ملاقات کی۔

علاوہ ازیں کعب احبارؒ والی روایت کو تاریخی روایت تسلیم کیا جائے تو اس کی حیثیت صرف نقل روایت سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگی۔ اور جن مفسرین نے بھی مذکورہ روایت اپنی اپنی کتاب میں نقل کی ہیں۔ غالباً اُن کا مقصد بھی "نقلِ روایت" سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۲) حضرت ادریس علیہ السلام کا مزید تعارف

حضرت ادریس علیہ السلام کا مقام پیدائش مصر کا ایک قریہ "منف" بیان کیا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یونان کا کوئی شہر تھا۔ یونانی لوگ انکو "ہرمس الہرامہ" (ماہرین علوم نجوم کا استاذِ اوّل) کہتے ہیں۔ ہرمس یونان کا ایک مشہور منجم گزرا ہے۔ یونانی لوگ حضرت ادریس علیہ السلام اور ہرمس کو ایک ہی شخص تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایسی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام بابل میں پیدا ہوئے اور وہیں جوان ہوئے۔ ابتدائی عمر میں حضرت شیث بن آدم علیہ السلام سے علم

[1] یعنی توراۃ اور انجیل کے بیان کردہ واقعات۔

حاصل کیا جب سنِ شعور کو پہنچے تو نبوت سے سرفراز ہوئے اور اپنی قوم کی ہدایت کے لئے جدوجہد شروع کی. لیکن قوم نے ان کی سخت مخالفت کی، البتہ ایک مختصر جماعت ایمان لے آئی۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے قوم کی مسلسل مخالفت کے بعد ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ تو مسلمان قوم پر ترکِ وطن بھاری گزرا کہ بابل جیسا خوبصورت شہر پھر کہاں ملیگا؟

حضرت ادریس علیہ السلام کی تسلی اور اطمینان دلانے پر قوم نے ہجرت میں ساتھ دیا اور مصر آگئے۔ یہاں پہونچکر یہ لوگ دریائے نیل کی شادابی سے بہت خوش ہوئے، حضرت ادریس علیہ السلام نے یہاں اپنے تبلیغی سلسلے کو جاری رکھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس وقت ملک مصر میں ۷۲ زبانیں بولی جاتی تھیں۔ اللہ تعالٰے نے حضرت ادریس علیہ السلام کو اِن تمام زبانوں کا علم عطا کیا تھا۔ ہر قوم میں اُنہی کی زبان کے ذریعہ پیغام حق پہچاتے تھے، اِن شہروں کی تعداد کم وبیش ۲۰۰ دوسو بیان کی جاتی ہیں۔

اسی دور میں علم فلکیات نہایت عروج پر تھا۔ اللہ تعالٰے نے حضرت ادریس علیہ السلام کو علمِ فلکیات کے ساتھ علم طب بھی عطا کیا تھا۔

(۳) حضرت ادریس علیہ السلام کا حُلیہ مُبارک

گندمی رنگ، دراز قد، سر پر بال قدرے کم، خوبصورت گھنی ڈاڑھی، رنگ وروپ میں ملاحت ودلکشی، مضبوط بازو، عریض مونڈھے، چھریرا بدن، سرمگین چمکدار آنکھیں، گفتگو باوقار، خاموشی پسند، متین وسنجیدہ، چلتے وقت نگاہیں نیچی، دائم الفکر۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی عمر شریف ۸۲ سال بیان کی جاتی ہے۔ اُنکی انگوٹھی پر یہ عبارت کندہ تھی۔ الصّبرُ مع الایمان باللّٰہ یُورِثُ الظفر۔
ایمان باللہ کیساتھ صبر اختیار کرنا کامیابی کا ذریعہ ہے۔
(ماخوذ از تاریخ الحکماء ج ۱)

(۴) حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیمات کا خلاصہ

۱۔ خدا کی ذات اور اُسکی توحید پر ایمان لانا۔

۲۔ صرف خالقِ کائنات ہی کی عبادت کرنا۔
۳۔ عذابِ آخرت سے بچنے کے لئے نیک اعمال اختیار کرنا۔
۴۔ دنیا سے بے التفاتی رکھنا۔
۵۔ عدل و انصاف کو ہر معاملہ میں پیشِ نظر رکھنا۔
۶۔ مقررہ طریقہ پر ہی عبادتِ الٰہی بجالانا۔
۷۔ ایام بیض (ہر ماہ قمری کی ۱۳-۱۴-۱۵) تاریخ کا روزہ رکھنا۔
۸۔ جہاد کا فریضہ جاری رکھنا۔
۹۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔
۱۰۔ طہارت و نظافت سے ہمیشہ متصف رہنا۔
۱۱۔ ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرنا۔
۱۲۔ نذر و قربانی میں اللہ کے نام پر جانوروں کی قربانی کرنا۔
۱۳۔ پھلوں اور پھولوں میں ہر موسم کی پہلی چیز صدقہ کرنا۔

(۵) اقوالِ حکمت

حضرت ادریس علیہ السلام کے بہت سے پند و نصائح اور آداب و اخلاق کے جُملے مشہور ہیں جو مختلف زبانوں میں ضرب المثل اور رموز و اسرار کی طرح مستعمل ہیں۔ اِن میں بعض درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ خدا کی بیکراں نعمتوں کا شکر انسانی طاقت سے باہر ہے۔
۲۔ جو علم میں کمال اور عمل صالح کا خواہشمند ہو اُس کو جہالت کے اسباب اور بدکرداری کے قریب نہ جانا چاہیئے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کاریگر اگر سینے کا ارادہ کرتا ہے تو سوئی ہاتھ میں لیتا ہے نہ کہ برما۔
۳۔ دُنیا کی بھلائی حسرت ہے اور بُرائی ندامت۔
۴۔ خدا کی یاد اور عمل صالح کیلئے خلوص نیت شرط ہے۔
۔ جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ، اور نہ اللہ کے ناموں کو تختۂ مشق بناؤ (یعنی قسمیں کھانے کیلئے) اور نہ جھوٹوں کو قسمیں کھانے پر آمادہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنے میں تم بھی شریک گناہ ہو جاؤ گے۔

۶۔ ذلیل پیشوں کو اختیار نہ کرو۔
۷۔ اپنے بادشاہوں کی اطاعت کرو اور اپنے بڑوں کے سامنے پست رہو۔
۸۔ ہر وقت حمد الٰہی میں اپنی زبان تر رکھو۔
۹۔ حکمت روح کی زندگی ہے۔
۱۰۔ دوسروں کی خوش عیشی پر حسد نہ کرو، اسلئے کہ انکی یہ مسرور زندگی چند روزہ ہے۔
۱۱۔ جو ضروریات زندگی سے زیادہ طالب ہوا وہ کبھی قانع نہ ہوا۔

تاریخ الحکماء کے صفحہ ۳۴۸ پر ہرمس ثالث کے تذکرہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ طوفانِ نوح سے پہلے دُنیا میں جسقدر بھی علوم تھے اُن سب کے معلّم اوّل حضرت ادریس علیہ السلام (ہرمس اوّل) ہیں جو مصر کے حصۂ اعلےٰ کے باشندے تھے۔ ان علماء کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ فلسفہ کی کتابوں میں جن علمی جواہر اور حرکاتِ نجوم کا تذکرہ ملتا ہے۔ سب سے پہلے اِن کا ذکر حضرت ادریس علیہ السلام ہی کی زبانِ مبارک سے ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیکلوں کی تعمیر، علم طب کی ایجاد، ارضی و سماوی اشیاء کے متعلق موزوں قصائد کے ذریعہ اظہار خیال بھی انہی کی اوّلیات میں سے ہیں۔ انھوں نے ہی سب سے پہلے طوفان کی اطلاع دے کر بندگانِ خدا کو ڈرایا تھا۔

(۶) حضرت ادریس علیہ السلام کی پیشینگوئی

حضرت ادریس علیہ السلام نے اپنی امت کو یہ بھی بتایا کہ میری طرح اس عالم میں دینی و دُنیاوی اصلاح کیلئے بہت سے انبیاء کرام تشریف لائینگے اور اُنکی نمایاں خصوصیات یہ ہوں گی۔

وہ ہر ایک بُری بات سے پاک ہوں گے، انسانی فضائل میں کامل و مکمل ہوں گے، زمین و آسمان کے احوال سے واقف ہوں گے، مستجابُ الدعوات ہوں گے، اُن کی تعلیم کا خلاصہ کائنات کی اصلاح ہو گا۔

تذکرہ اوّل الرُّسُل
سیّدنا نُوح علیہ السَّلام

اوّل الرُّسل

سیّدنا آدم علیہ السّلام کے بعد سیّدنا نوح علیہ السّلام پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے سرفراز کیا گیا۔

رسول ایسے نبی کو کہا جاتا ہے جنکو مستقل کتاب الٰہی یا جدید شریعت دیجاتی ہے ایسے نُفوس قُدسیہ کی جملہ تعداد (۳۱۳) بیان کی جاتی ہے۔

نبیؑ ایسی شخصیت کو کہا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کلام کے لئے منتخب کیا ہو۔ ایسے نفوس قُدسیہ اپنے پیشرو رسول کی تعلیمات کے مبلّغ ہوتے ہیں انپر نہ کوئی مستقل شریعت نازل کی جاتی ہے اور نہ کتاب۔ ایسے نفوس کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بیان کی گئی ہے۔

صحیح مسلم باب شفاعت میں حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے ایک طویل روایت میں یہ صراحت آئی ہے۔ یَا نُوحُ اَنْتَ اَوَّلُ الرُّسُلِ اِلَی الْاَرْضِ (الحدیث)

اے نوح تم زمین پر پہلے رسول ہو (جنھیں مستقل شریعت دی گئی)

سیدنا ادریس علیہ السّلام کی تیسری پُشت میں سیدنا نوح علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ علمِ انساب کے ماہرین نے بحث و تلاش کے بعد حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت نوح علیہ السّلام کے درمیان ایک ہزار چھبیس سال (۱۰۲۶) کا زمانہ لکھا ہے، لیکن بعض سوانح نگار مؤلفین کو اس تخمینہ سے سخت اختلاف ہے۔ اِن حضرات کا کہنا ہے کہ چھ یا آٹھ پُشتیں سیدنا آدم علیہ السّلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان ہیں ان کے لئے اتنا طویل زمانہ ممکن نہیں، بلکہ پانچ سے سات سو سال کا عرصہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر نسل کی عمر اگر ایک سو سال بھی فرض کرلی جائے تو چھ یا آٹھ پشتوں

میں سات آٹھ سو سال کا عرصہ ہونا چاہیئے۔
لیکن اِن حضرات کا یہ قیاس کچھ زیادہ وزن نہیں رکھتا کیونکہ انہی مؤرخین نے سیدنا آدم علیہ السلام اور اُن کے بیٹوں کی عمریں نہایت طویل لکھی ہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام اور سیدنا نوح علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار چھبیس سال کا زمانہ آجائے۔ واللہ اعلم۔

سلسلۂ نسب

سیدنا نوح علیہ السلام کا سلسلۂ نسب اسطرح بیان کیا گیا ہے
نوح بن لامک بن متوشالح بن اخنوخ بن یارد بن مہلئیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔

سیدنا نوح علیہ السلام اور قرآن حکیم

قرآن حکیم کا یہ اپنا خاص اسلوب ہے کہ وہ تاریخی واقعات کو جب بھی بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد (جسے روحِ قرآن کہا جاتا ہے) "وعظ و تذکیر" کے پیشِ نظر واقعہ کے اُن ہی اجزاء کو بیان کرتا ہے جو اس مقصد کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ اسلئے کہیں اختصار اور کہیں تفصیل میں یہ ہی مقصد سامنے ہوتا ہے اور یہ ہی حکمت ہے ایک واقعہ کو کئی کئی بار بیان کرنے میں۔ مقصود وعظ و تذکیر ہے اس لئے ایک ہی واقعہ جا بجا ملتا ہے۔ بہت کم ایسا ہے کہ ایک واقعہ پورا کا پورا ایک ہی جگہ آگیا ہو۔ قرآن کے اس اسلوبِ خاص کو ہر جگہ پیشِ نظر رکھنے پر وعظ و تذکیر کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہاتھ آجاتا ہے۔ اسی اُسلوبِ خاص کے مطابق قرآن حکیم نے سیدنا نوح علیہ السلام کا واقعہ کہیں مختصراً اور کہیں تفصیلاً بیان کیا ہے۔
قرآن حکیم کی (۲۸) سورتوں میں اختصار و تفصیل کے ساتھ سیدنا نوح علیہ السلام کا اسم مبارک اور تذکرہ (۴۳) جگہ ملتا ہے۔ لیکن اس واقعہ کی اہم تفصیلات سورۂ اعراف، ہود، مومنون، شعراء، قمر، اور سورۂ نوح میں ملتی ہیں۔
اِن (۲۸) سورتوں کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ سورۂ آلِ عمران ـــ آیت ۳۳
۲۔ " النسآء ـــ آیت ۱۶۳

۳ــــ سورہ انعام ــــ آیت ــــ ۸۴
۴ــــ 〃 اعراف ــــ آیات ــــ ۵۹، ۶۹
۵ــــ 〃 توبہ ــــ آیت ــــ ۷۰
۶ــــ 〃 یونس ــــ آیت ــــ ۷۱
۷ــــ 〃 ھود ــــ آیات ــــ ۲۵،۳۲،۳۶،۴۲، ۴۵، ۴۶،۴۸، ۸۹
۸ــــ 〃 ابراھیم ــــ آیت ــــ ۹
۹ــــ 〃 الاسراء ــــ آیت ــــ ۳، ۱۷
۱۰ــــ 〃 مریم ــــ آیت ــــ ۵۸
۱۱ــــ 〃 الانبیاء ــــ آیت ــــ ۷۶
۱۲ــــ 〃 الحج ــــ آیت ــــ ۴۲
۱۳ــــ 〃 المؤمنون ــــ آیت ــــ ۲۳
۱۴ــــ 〃 الفرقان ــــ آیت ــــ ۳۷
۱۵ــــ 〃 الشعراء ــــ آیات ــــ ۱۰۵،۱۰۶، ۱۱۶
۱۶ــــ 〃 العنکبوت ــــ آیت ــــ ۱۴
۱۷ــــ 〃 الاحزاب ــــ آیت ــــ ۷۰
۱۸ــــ 〃 الصّافّات ــــ آیت ــــ ۷۵، ۷۹
۱۹ــــ 〃 صٓ ــــ آیت ــــ ۱۲
۲۰ــــ 〃 المؤمن ــــ آیات ــــ ۵، ۳۱
۲۱ــــ 〃 الشوریٰ ــــ آیت ــــ ۱۳
۲۲ــــ 〃 قٓ ــــ آیت ــــ ۱۲
۲۳ــــ 〃 الذّاریات ــــ آیت ــــ ۴۶
۲۴ــــ 〃 النجم ــــ آیت ــــ ۵۲
۲۵ــــ 〃 القمر ــــ آیت ــــ ۹
۲۶ــــ 〃 الحدید ــــ آیت ــــ ۲۶
۲۷ــــ 〃 التحریم ــــ آیت ــــ ۱۰
۲۸ــــ 〃 نوح ــــ آیات ــــ ۱ تا ۲۸ (مکمل)

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت اور قوم کی مخالفت

جیسا کہ بیان کیا گیا سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا آدم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا زمانہ گزر گیا، اس طویل عرصے میں انسانی آبادی زمین پر پھیل چکی تھی، بیشتر انبیاء و مصلحین نے سیدنا آدم علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کو جاری رکھا تھا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی بنیادی تعلیمات میں "توحید" کی دعوت و تبلیغ سب سے اہم حیثیت رکھتی ہے۔ یہی کام سیدنا شیث علیہ السلام اور سیدنا ادریس علیہ السلام اور دیگر مصلحین نے بھی انجام دیا ہے۔ لیکن اس طویل زمانے میں شیاطین کے بہکانے سے شرک و بُت پرستی پھیل گئی تھی۔ سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے پہلے تک تقریباً تمام قوم بلکہ ایک قول کے مطابق روئے زمین پر شرک و بت پرستی نے مذہب کی شکل اختیار کر لی تھی، اور انسان "توحید خالص" سے یکسر نا آشنا ہو چکے تھے۔ اللہ واحد کی جگہ سینکڑوں بتوں نے معبودوں کا روپ اختیار کر لیا تھا، ان میں پانچ بت "بڑے خدا" قرار پا چکے تھے۔ اور ساری قوم اپنی زندگی کے لیل و نہار میں انہی بتوں پر تکیہ کرتی تھی۔

آخر کار اللہ تعالیٰ نے اپنی سُنتِ قدیمہ کے مطابق انسانوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے اُسی قوم سے سیدنا نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو "توحید خالص" اور اللہ واحد کی عبادت کرنے کی تلقین شروع فرمائی، قوم کا جاہل طبقہ حضرت نوح علیہ السلام کو ستانے اور زدوکوب کرنے کے درپے ہو گیا، اور امراء و روسائے قوم نے تکذیب و تحقیر کا شعار اختیار کر لیا، ان اہلِ دولت کا یہ ادّعا تھا کہ نوح نہ تو دولت و ثروت میں ہم سے بڑا ہے اور نہ قوت و طاقت میں ہمارا ہمسر ہے۔ اور نہ وہ انسانیت سے بلند کوئی مرتبہ رکھتا ہے، پھر ہم کیوں اُسکی اطاعت کریں اور کس وجہ سے اُس کو بڑا سمجھیں؟

یہ لوگ جب کبھی کمزور و ضعیف افراد کو سیدنا نوح علیہ السلام کے ارد گرد دیکھتے تو نہایت حقارت سے کہتے کہ اے نوح تیرے ساتھ تو صرف ایسے ہی لوگ ہیں جو نہ دولت و عزت رکھتے ہیں نہ قوت و شوکت اور نہ عقل و رائے میں ہم سے بہتر ہیں۔ بھلا ہم ان معمولی

آدمیوں کا ساتھ کیسے دیں؟

نوح علیہ السلام انہیں افہام و تفہیم کے ذریعہ جب قریب کرنا چاہتے تو یہ متکبّرین کی جماعت یہ جواب دیتی کہ اچھا پہلے تم اپنے آدمیوں کو دور کرو ہم اِن کے قریب آنا نہیں چاہتے اسمیں ہماری توہین ہے۔ اسکے بعد ہم تمہاری بات سُنیں گے۔

سیّدنا نوح علیہ السلام انھیں کبھی تو یہ جواب دیتے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، یہ اللہ کے مخلص بندے ہیں۔ اگر میں انھیں اپنے سے دور کر دوں تو خدا کے عذاب میں تمہارے ساتھ میں بھی ماخوذ ہو جاؤں گا۔ یہ لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس کی رضا جوئی کے لئے میرا ساتھ دیتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اخلاص و اطاعت کی قدر ہے، دولت و طاقت کوئی معیار نہیں رکھتے۔ میں تمہارے پاس اللہ کا پیام لیکر آیا ہوں، نہ میں غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہوں اور نہ فرشتہ ہونے کا، میں تو اللہ کا بندہ اور اُسکا رسول ہوں نصیحت و ہدایت کرنا میرا کام ہے، یہ کمزور و نادار افراد جو سچّے دل سے اللہ پر ایمان لائے ہیں تمہاری نگاہ میں حقیر و بے حیثیت ہیں اور یہ محض اس لئے کہ اِن کے پاس تمہاری طرح دولت و طاقت نہیں، حالانکہ یہ اچھے یا بُرے ہونے کا معیار نہیں، اللہ کی نگاہ میں وہ شخص قابلِ عزت ہے جو اُس کی اطاعت کرتا ہو اور جس نے نیکی کی راہ اختیار کی ہو۔

سیّدنا نوح علیہ السلام کی اس بلیغ تبلیغ پر قوم کے سرداروں نے شہر بدر کر دینے کی دھمکی دی۔ اسپر سیدنا نوح علیہ السلام نے بڑے پُر وقار انداز میں قوم کو مخاطب کیا۔

اے قوم میں اپنی اس خدمت پر نہ تمہارے مال و دولت کی خواہش رکھتا ہوں اور نہ تم میں جاہ و منصب کی ہوس رکھتا ہوں۔ میری نصیحت و خیر خواہی کا اجر اللہ ہی کے ہاں محفوظ ہے اور وہی بہترین قدر داں ہے۔

سیّدنا نوح علیہ السلام کی مخلصانہ دعوت اور قوم کی کھلی عداوت کا تذکرہ جو تاریخ رشد و ہدایت کا زرّیں باب ہے۔ سورۂ نوح سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں اسطرح منقول ہے۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ الخ (سورہ نوح آیات ۱ تا ۲۴)

قرآنی مضمون | ہم نے نوحؑ کو اُسکی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ

اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے قبل اسکے کہ اُن پر دردناک عذاب آجائے۔ نوحؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو، میں تمہارے لئے واضح طور پر خبردار کرنے والا رسول ہوں۔ کہ تم اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایک مقررہ مدت تک باقی رکھے گا، بیشک اللہ کا مقررہ کردہ وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا۔ کاش تم جانتے ہوتے ؟

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ الخ (اعراف آیات ۵۹ تا ۶۴)

ہم نے نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف بھیجا، اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، میں تمہارے حق میں ایک ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

قوم کے سرداروں نے جواب دیا ہم کو تو یہ نظر آتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں مبتلا ہو۔

نوحؑ نے کہا اے میرے قوم کے لوگو میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے وہ کچھ معلوم ہے جو تم کو معلوم نہیں۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس خود تمہارے ہی قوم کے ایک آدمی کے ذریعہ تمہارے رب کی تذکیر و نصیحت آئی تاکہ تم خبردار ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرو اور شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

پھر اُن لوگوں نے نوحؑ کو جھٹلایا۔ آخر کار ہم نے اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو ایک کشتی میں نجات دی اور اُن لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا یقیناً وہ اندھے لوگ تھے

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۔ الخ

(ہود آیات ۲۵ تا ۳۱)

ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا (نوحؑ نے کہا) میں تم لوگوں کو واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تم پر ایک دردناک دن کے عذاب

کا اندیشہ کرتا ہوں۔

سو اُن کی قوم میں جو کافر سردار تھے کہنے لگے ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری پیروی اُنھیں لوگوں نے کی ہے جو ہم میں بالکل ذلیل ہیں اور وہ بھی محض سرسری رائے سے (پیروی اختیار کرلی ہے) اور ہم تم لوگوں کو اپنے سے زیادہ فضیلت والا بھی نہیں پاتے، بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

نوح عؑ نے کہا اے میری قوم بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہوں اور اُس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا فرمائی ہو پھر وہ تم کو نہ سوجھتی ہو تو کیا ہم اُس کو تم پر تھوپ دیں جب کہ تم اُس سے نفرت کئے چلے جاؤ۔

اور اے میری قوم میں تم سے اس پر کچھ مال بھی تو نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے اور میں اُن لوگوں کو (اپنے سے) دور کرنے والا نہیں جو ایمان لے آئے ہیں وہ اپنے رب کے حضور جانے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہے ہو۔

اور اے میری قوم! اگر میں اِن لوگوں کو دھتکار دوں تو خدا کی پکڑ سے مجھے کون بچائیگا؟ تم لوگوں کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی؟

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں انھیں اللہ کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ ان کے دلوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو ظالموں میں میرا شمار ہوگا۔

بے بسی اور فریاد

سیدنا نوح علیہ السلام کی مسلسل نصیحت وخیر خواہی صرف اس وجہ سے تھی کہ قوم رحمت الٰہی کی آغوش میں آجائے اور اُس عذاب سے محفوظ ہوجائے جو انبیاء کرام کو جھٹلانے پر عموماً آیا ہے۔ مگر قوم پر اس خیر خواہی کا کچھ بھی اثر نہ ہوا بلکہ بغض وعناد نے ساری قوم کو اندھا بنا دیا تھا۔ یہ لوگ سیدنا نوح علیہ السلام اور اُن کے ساتھیوں کی ایذا رسانی کے درپے ہوگئے۔ اور ایک شیطانی تحریک اس طرح شروع کی کہ جہاں کہیں بھی سیدنا نوح علیہ السلام

اپنا کلام حق سناتے وہاں لوگوں کو پابند کیا جاتا کہ اپنے کانوں میں اُنگلیاں رکھ لیں یا پھر اپنے چہروں پر کپڑا ڈال کر گزر جائیں تاکہ نوح پہچان تک نہ سکیں، اور اسکے ساتھ ساتھ قوم کے افراد کو سرداروں نے یہ بھی تاکید کرنی شروع کر دی کہ دیکھو اپنے پانچ بڑے خداؤں کو ہرگز ہرگز نہ بھولنا یہ ہی ہمارے نجات دہندہ ہیں اور انہی سے ہماری زندگی قائم ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام اور قوم کی یہ کشمکش طویل عرصہ تک جاری رہی جسکا ذکر قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ سورہ عنکبوت میں اس طویل کشمکش کا عرصہ ساڑھے نو سو سال بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو سنگسار کر دینے کی بھی دھمکی دی گئی۔ یعنی سیدنا نوح علیہ السلام کو آخری و قطعی طور پر جھٹلا دیا گیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔ اب میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرمادے۔ ایسا فیصلہ کہ حق اور باطل واضح ہو جائے۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی مضامین پر مشتمل ہیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ۔۔۔ الخ (یونس آیات ۷۱ تا ۷۳)

قرآنی مضمون

اے نبیؐ اپنی قوم کو نوحؑ کا قصہ سنائیے اُس وقت کا قصہ جب کہ نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا تمہارے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے۔ تم اپنے سب ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو لیکر ایک متفقہ فیصلہ کر لو، اور جو منصوبہ تمہارے پیشِ نظر ہے اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اُس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہنے پائے۔ پھر میرے خلاف اُسکو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔ پس تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا کیا نقصان کیا) میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہ تھا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان بن کر رہوں۔ سو انھوں نے نوحؑ کو جھٹلایا پس ہم نے نوحؑ کو اور اُن لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا اور انہی کو زمین کا جانشین بنایا اور ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا، پس دیکھ لو جنھیں خبردار کیا گیا تھا اُن کا کیا انجام ہوا؟

سورۂ مومنون میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَقَالَ ا؎ (مومنون آیات ۲۳ تا ۲۶)

اور ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، سو انھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا (نوحؑ تو) تمہاری طرح ایک بشر ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تم میں بڑائی حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو اس کام کے لئے فرشتوں کو بھیجتا۔ کیونکہ یہ بات ہم نے اپنے بڑوں میں کبھی نہیں سُنی (کہ اللہ نے کسی بشر کو رسول بنایا ہو) بس یہ ایک ایسا آدمی ہے جسکو جنون ہو گیا ہے۔ لہذا ایک خاص وقت تک انتظار کرلو۔ نوحؑ نے عرض کیا اے میرے رب میری مدد فرمائیے جس بات پر اُنھوں نے مجھے جھٹلایا ہے۔

سورۂ شعراء میں سیدنا نوح علیہ السلام کی خیرخواہی اور قوم کی دھمکی اس طرح بیان کی گئی ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ ا؎

(الشعراء آیات ۱۰۵ تا ۱۲۲)

نوحؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔

جبکہ اُنکے (برادری کے) بھائی نوحؑ نے کہا۔ کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے؟

میں تمہارا امانت دار رسول ہوں۔

سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

اور میں تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا، میرا صلہ تو ربُّ العالمین کے ذمہ ہے۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وہ لوگ کہنے لگے کیا ہم تم کو مان لیں ایسی صورت میں جبکہ کم درجہ لوگ تمہارے ساتھ ہیں۔

نوحؑ نے کہا اِن کے کام سے مجھے کیا بحث۔ اِن سے حساب کتاب لینا بس اللہ کا کام ہے، اگر تم سمجھو۔

اور میں ایمان والوں کو (اپنے سے) دُور کرنے والا نہیں ہوں۔

میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
وہ لوگ کہنے لگے اے نوحؑ اگر تم باز نہ آئے تو ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔
نوحؑ نے دُعا کی اے میرے رب میری قوم نے مجھکو جھٹلا دیا ہے۔
سُو آپ میرے اور اُن کے درمیان ایک فیصلہ کر دیجئے، اور مجھکو اور جو ایمان لائے ہیں اُن کو نجات دیدیجئے۔
تو ہم نے اُن کو اور جو اُن کے ساتھ بھری کشتی میں تھے نجات دی۔
پھر اسکے بعد ہم نے باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔
اسمیں بڑی عبرت ہے، اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔
اور بیشک آپ کا رب زبردست مہربان ہے۔
سورۂ عنکبوت میں اُس مدت کو بیان کیا گیا جو سیدنا نوح علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ کا زمانہ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِیْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًا الخ (العنکبوت آیات ۱۴ تا ۱۵)

اور ہم نے نوحؑ کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا، سُو وہ اُن میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے۔ پھر اُن کو طوفان نے آدبایا، اور وہ بڑے ظالم لوگ تھے۔
پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو بچالیا، اور ہم نے اس واقعہ کو تمام جہان والوں کے لئے موجب عبرت بنایا۔
سورۂ صافات میں سیدنا نوح علیہ السلام کی بارگاہ الٰہی میں دُعا کا اس طرح استقبال کیا گیا۔

وَلَقَدْ نَادٰنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ الخ

(الصافات آیات ۷۵ تا ۸۲)

اور ہم کو نوحؑ نے پکارا سُو ہم خوب فریاد سُننے والے ہیں۔
اور ہم نے ان کو اور اُن کی پیروی کرنے والوں کو بڑے بھاری غم سے نجات دے دی۔ اور ہم نے ان کی اولاد کو باقی رہنے دیا۔
اور ہم نے اُن کے لئے آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی۔

کہ نوحؑ پر سلام ہو تمام عالموں میں۔
ہم اہل اخلاص کو ایسا ہی صلہ دیتے ہیں۔
بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے ہے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا۔

اور سورۂ نوحؑ میں سیدنا نوح علیہ السلام کی پوری دعوت و تبلیغ کا اس طرح تذکرہ کیا گیا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ الخ (نوح آیات ۵ تا ۲۴)

نوحؑ نے دعا کی اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی ہے۔
سو میری دعوت نے اُن کے فرار ہی میں اضافہ کیا۔
اور جب بھی میں نے اُن کو بلایا "تاکہ تو اُن کو معاف کردے، اُنھوں اپنے کانوں میں اُنگلیاں رکھ لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لیا اور (اپنی روش پر) اڑ گئے اور بڑا تکبر کیا۔

پھر میں نے اُنھیں باواز بلند بلایا۔
پھر کھول کر علی الاعلان کہا اور بالکل خُفیہ بھی سمجھایا۔
پھر میں نے کہا کہ معافی چاہو اپنے رب سے بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔
وہ تم پر آسمان سے خوب بارش برسائے گا۔
اور تمہیں مال و اولاد سے نوازے گا اور تمہارے لئے باغ پیدا کریگا اور تمہارے لئے نہریں پیدا کرے گا۔
تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے لئے کسی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے؟
حالانکہ اُس نے تمہیں طرح طرح سے بنایا ہے۔
کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ بہ تہہ بنائے ہیں؟
اور اُن میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔
اور اللہ نے تمہیں زمین سے عجیب طرح پیدا کیا۔
پھر وہ تمہیں اسی زمین میں واپس لے جائیگا اور اسمیں سے تم کو پھر (اچانک) نکال کھڑا کرے گا۔

اور اللہ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا ہے۔ تاکہ تم اُس کے کھُلے راستوں پر چلو پھرو۔

نوح ؑ نے کہا اے میرے رب اُنھوں نے میرا کہنا نہیں مانا اور ایسے لوگوں کی پیروی کر لی جن کے مال و اولاد نے اُن کو نقصان ہی زیادہ پہنچایا۔

اور جنھوں نے بڑی بڑی (خفیہ) تدبیریں کیں۔

اور جنھوں نے کہا (اپنی قوم کے افراد سے) تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا، اور نہ وَدّ کو نہ سُواع کو اور نہ یَغُوث اور نہ یَعُوق کو اور نہ نَسر کو اور اِن سرداروں نے بہت ساروں کو گمراہ کر دیا۔

اور اے اللہ ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دیجئے (تاکہ آپ کا عذاب اُنہیں جلد پکڑلے)

اپنے ہاتھوں تباہی

سیدنا نوح علیہ السلام کی بے لوث نصیحت و خیر خواہی انتہا کو پہنچ گئی اور ہر وہ عنوان جو ہدایت و نصیحت کیلئے درکار تھا باقی نہ رہا توحید کے دلائل اور حجت تکمیل پا گئے تھا قوم کے پاس اب ایسا کوئی عذر باقی نہ رہا جو بت پرستی کی تائید میں پیش کیا جا سکتا تھا۔ آخر کار اُن کی قوم نے متفق ہو کر سیدنا نوح علیہ السلام سے مطالبہ شروع کر دیا کہ بس اب آپ اپنی بات ختم کیجئے۔ ہم بہت سُن چکے، اپنی وہ دھمکی عملاً پوری کر دیجئے جو عذاب کی شکل میں ہم پر آنے والی ہے۔

سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کی یہ جرأت اور اللہ عزوجل سے بے خوفی دیکھ کر پھر نہایت تحمل سے سمجھایا کہ اللہ تعالٰے جب چاہے گا تو یہ بھی ہو جائے گا، لیکن کیا تم کو میری نصیحت کافی نہیں؟ جبکہ میں تمہارا خیر خواہ اور مخلص ہوں؟

رہا عذاب کا لانا میرے قبضے کا نہیں ہے۔ اللہ تعالٰے نے تو مجھے صرف اپنا رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اُسی کے دست قدرت میں مجرموں کو معاف کرنا یا ہلاک کرنا ہے، لیکن یاد رکھو جب وہ وقت آجائے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا۔ آیاتِ ذیل میں یہی تذکرہ موجود ہے۔ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا الخ

(ہود آیات ۳۲ تا ۳۴)

قرآنی مضمون

قوم نے کہا اے نوحؑ تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا، اور جو تو نے ہم سے (عذاب کا) وعدہ کیا ہے وہ لے آ؟ اگر تو سچوں میں شامل ہے۔

نوحؑ نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو وہ اُس عذاب کو بھی ضرور لے آئیگا، اور تم اسکو عاجز کر دینے والے نہیں ہو۔

اب اگر میں تمہاری خیر خواہی کرنا بھی چاہوں تو میری خیر خواہی تمہیں کوئی نفع نہیں دے سکتی جبکہ (تمہارے اپنے فیصلے سے) اللہ ہی نے تمہیں بھٹکا دینے کا ارادہ کر لیا ہو۔ وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کی طرف تمہیں لوٹایا جائیگا۔

آخری منزل

سیدنا نوح علیہ السلام قوم کی ہدایت و اصلاح سے جب نا اُمید ہو گئے اور اپنی ساری جدوجہد ختم کر چکے۔ قوم کی ہٹ دھرمی اور عناد جب اپنی آخری منزل پر پہنچ گئی اور ایک طویل زمانہ (جس کی مدت قرآنی صراحت کے مطابق ساڑھے نو سو سال ہے) گزر گیا، تاریخی روایات کے مطابق اس دراز مدت میں اسّی سے کچھ زائد افراد نے ایمان قبول کیا۔ سیدنا نوح علیہ السلام سخت ملول و آزردہ خاطر تھے۔ اللہ تعالٰے نے تسلی دی اور حضرت نوح علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ اب آپ کا کام پورا ہو چکا ہے۔ اس قوم میں اصلاح قبول کرنے والا کوئی نہیں رہا، اِن پر اللہ کا وہ فیصلہ جاری ہونے والا ہے جو سرکش و باغی قوموں کے لئے کیا جاتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام اس اطلاع کے بعد بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور ایسی دُعا کی جو منشاءِ الٰہی کے مطابق تھی اور شاید طبقۂ انبیاء میں کسی نبی نے نہ کی ہو۔

اے رب اِن کافروں میں سے کوئی بھی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو نے اِنکو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دینگے، اور اِن کی نسل سے بھی جو پیدا ہو گا وہ بدکار اور سخت کافر ہی ہو گا۔ (سورۂ نوح آیت ۲۶، ۲۷)

علاوہ ازیں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دُعا کسی بے صبری یا جذباتی بناء پر

نہ تھی بلکہ اُس آخری لمحہ ایک مخلص و مصلح کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑتی ہے جو رُشد وہدایت کی مسلسل اور انتھک کوشش کرتا رہا ہو اور قوم اُسکو قبول نہ کرنے پر کمر بستہ ہو چکی ہو، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور قوم فرعون کے حق میں یہ دعا کی تھی (در اصل یہ اللہ تعالےٰ کا غیبی اشارہ ہوتا ہے) اے پروردگار اِن کے مال غارت کر دے اور اِن کے دلوں پر مہر ثبت کر دے، یہ ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

اللہ تعالےٰ نے اسکے جواب میں یہ ارشاد فرمایا تھا۔

اے موسیٰ تمہاری دعا قبول کر لی گئی (یونس آیات ۸۸، ۸۹)

بہر حال مصلی نہ فطرت، اور خداوندی سُنت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی نبی کا پیغام اسکی قوم کو پہنچ جاتا ہے اور آخری حجت پوری ہو جاتی ہے تو پھر ایسی قوم کو صرف اُس مدت تک مہلت ملتی ہے جب تک کہ اِن میں کے کچھ نیک و صالح آدمیوں کے نکل آنے کا امکان رہتا ہے۔ جب اس قوم سے صالح افراد نکل آتے ہیں اور صرف فاسد عناصر ہی کا مجموعہ باقی رہ جاتا ہے تو پھر اُس قوم کو مزید مہلت نہیں دی جاتی، عدل و انصاف کا تقاضہ بھی یہ ہی ہے کہ ایسے بے صلاحیت اور بدکردار لوگوں کو ختم کر دیا جائے کہ کہیں وہ باصلاحیت اور اچھے لوگوں کو خراب نہ کر دیں۔ ایسے فاسد عناصر پر رحم کرنا اور اُنھیں یوں ہی چھوڑے رکھنا ساری انسانیت پر ظلم کرنے کے مرادف ہوگا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کو وحیٔ الٰہی نے بھی بتلا دیا تھا کہ اب جو لوگ باقی ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں اس طرح استغاثہ پیش کیا۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝

(نوح آیات ۲۶ تا ۲۸)

اور نوح ؑ نے کہا اے میرے رب اِن کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ،

اگر تُو نے اِن کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دینگے، اور اِن کی نسل سے جو بھی پیدا ہوگا بدکار اور سخت کافر ہی ہوگا۔

اے میرے رب مجھکو اور میرے والدین کو اور ہر اُس شخص کو جو میرے گھر میں مؤمن کی حیثیت سے داخل ہوا ہے اور سب مؤمن مردوں اور مومن عورتوں کو معاف فرمادے، اور ظالموں کے لئے بربادی کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ فرما۔

سفینہ اور قوم کا استہزا

سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا قبول ہوگئی، وحی الٰہی نے آگاہ کر دیا کہ اب اللہ کا وہ قانونِ جزا نافذ کر دیا گیا ہے جو سرکش و باغی قوموں کے لئے ہوا کرتا ہے۔

قبل اس کے کہ وہ فیصلہ آجائے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کی گئی کہ اپنی اور مؤمنین مخلصین کی بقاء وحفاظت کے لئے ایک ایسی کشتی تیار کرلی جائے جو ہمہ گیر طوفان میں نجات وسلامتی کا ذریعہ بنے!

حضرت نوح علیہ السلام اپنے مختصر ساتھیوں کے ساتھ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کاٹ کر لاتے اور کشتی سازی کے لئے دن رات کام میں مشغول ہوگئے۔

یہ ایک عجیب وغریب قسم کا کام تھا وہ قوم جو انجام سے بے خبر تھی اور جس کو نوح علیہ السلام کی باتوں پر یقین واعتماد نہ تھا اس جہد مسلسل پر اُن کا مزاق اُڑانے لگی، اُنھیں یہ کام نہایت مضحکہ خیز معلوم ہورہا تھا۔ یہ لوگ اس یقین سے قاصر تھے کہ ساحلِ سمندر سے بہت دور خشکی اور صرف خشکی پر ایک پہاڑ جیسی کشتی کیوں اور کیسے چلے گی؟ اِنکے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آرہی تھی کہ چند روز بعد اس زمین پر یہ کشتی طوفانی موجوں میں خیر وعافیت کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو نجات دے گی اور قوم کا ایک ایک فرد اس ہمہ گیر طوفان میں غرق ہوکر رہے گا۔

وہ لوگ کشتی سازی کو حضرت نوح علیہ السلام کی دیوانگی کا ایک اور ثبوت قرار دے رہے تھے اور قوم کے افراد سے کہہ رہے تھے کہ نوحؑ کی عقل بھی جاتی رہی۔ یہ زمین پر کشتی چلانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اے قوم اب تو یقین کرلو کہ نوحؑ کی ساری باتیں ایسے ہی بے عقلی کی ہیں۔ نعوذ باللہ منہ۔

حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے اصحاب نہایت متانت وسنجیدگی سے قوم کے سرداروں کو جواب دیتے کہ وہ وقت قریب آرہا ہے جب خود تمہارا مذاق اُڑے گا۔

آج ہم پر ہنس لو کل ہم تمہاری ہنسی کا جواب دیں گے۔ ایک ایسا عذاب آرہا ہے جو تم کو ہر طرف سے گھیرے گا اور تم کو پہاڑوں کی بلندی بھی نجات نہ دے سکیگی۔

آیات ذیل اسی صورتِ حال کو بیان کر رہی ہیں۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ الخ

(ہود آیات ۳۶ تا ۳۹)

قرآنی مضمون

اور نوحؑ پر وحی کی گئی کہ جو لوگ ایمان لے آئے وہ لے آئے۔ اب اِن میں سے کوئی دوسرا ایمان لانے والا نہیں، پس اِن کی حرکات پر غم نہ کرو۔ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کرلو، اور اب مجھ سے اُنکے بارے میں گفتگو نہ کرو، بلاشبہ یہ لوگ غرق ہونے والے ہیں۔

نوحؑ کشتی بنا رہے تھے اور اُنکی قوم کے سرداروں میں سے کسی جماعت کا اُن کے پاس سے گزر ہوتا تو نوحؑ کا مذاق اُڑاتے۔ حضرت نوحؑ اُس سے کہتے اگر تم ہم پر ہنستے ہو ہم بھی تم پر ہنسینگے۔ عنقریب تم جان لوگے کہ کس پر وہ عذاب آئے گا جو اُسے رُسوا کر دیگا اور کس پر وہ دائمی عذاب اُتر پڑے گا؟

عذاب کی آمد اور ضروری ہدایات

اللہ تعالےٰ کی حفاظت و نگرانی میں سفینہ تیار ہوگیا، تاریخی روایات کے مطابق یہ سفینہ تین۳ سو گز لمبا اور تیس۳۰ گز اونچا تھا۔ (ابن کثیر)

حضرت نوح علیہ السلام کو اطلاع دی گئی کہ قبل اسکے کہ زمین سے پانی اُبلنے لگے ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لیں اور اپنے گھر والوں میں سے بھی اُن افراد کو ساتھ لے لیں جو مؤمن ہیں، البتہ اُن افرادِ خاندان کو اس کشتی میں جگہ نہ دیں جن پر اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ وہ طوفان میں ڈوب مریں گے، اسی طرح اُن لوگوں کو بھی لے لیا جائے جو ایمان لا چکے ہیں اور یہ نہایت قلیل افراد تھے جنکی مجموعی تعداد چالیس۴۰ سے اسی۸۰ بیان کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے افراد خاندان میں اُن کی بیوی کے بارے میں وحیٔ الٰہی نے پہلے ہی وضاحت کر دی تھی کہ وہ کافرہ اور ڈوبنے والوں میں شامل ہے

لہذا اسکو اپنے ساتھ نہ رکھا جائے۔ اور کافر بیٹا کنعان کے تعلق سے کوئی وضاحت نہ تھی، حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت کی گئی کہ جب کشتی میں بیٹھ جائیں تو اللہ کا شکر ان الفاظ سے ادا کیا جائے۔

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ (مؤمنون آیت ۲۸)

ساری حمد اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہم کو کافروں سے نجات دی۔

(۲) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَ مُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (ہود آیت ۴۱)

اللہ ہی کے نام سے کشتی کا چلنا بھی اور اس کا ٹھہرنا بھی، بلاشبہ میرا رب بڑا غفور اور رحیم ہے۔

(۳) رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۔ (سورۂ مومنون۔ آیت ۲۹)

اے رب مجھکو مبارک جگہ اتاریئے اور تو بہتر اُتارنے والا ہے۔

تیسری بات یہ بیان کی گئی کہ جب عذاب کی آمد شروع ہو جائے تو پیچھے رہ جانے والوں کا خیال نہ کیا جائے، کافروں اور ظالموں کے بارے میں رحم کی درخواست نہ کی جائے اور نہ کسی قسم کی کوئی سفارش۔

ابتک جو ایمان لا چکے ہیں صرف اُنھیں ہی نجات دی جائیگی اور جو بے ایمان ہیں اُنھیں ہلاک کر دیا جائے گا۔

چنانچہ مقررہ وقت پر عذاب کی آمد شروع ہوئی، حضرت نوح علیہ السلام نے اسکی پہلی علامت یہ دیکھی کہ مکانات کے چولھوں سے پانی اُبلنا شروع ہو رہا ہے جو اپنی نوعیت میں نہایت عجیب و غریب بات تھی، اسکے بعد زمین سے جا بجا پانی نکلنے لگا۔ حضرت نوح ؑ اپنے ساتھ ایمان والوں کو اور ہر جانور کے ایک ایک جوڑے کو کشتی میں بٹھا لیا، کیونکہ یہ طوفان پوری زمین کو اپنی زد میں لینے والا تھا، جب پوری طرح ہدایات کی تکمیل ہوگئی تو اللہ تعالےٰ نے آسمان کو حکم دیا کہ "برس پڑ" اور زمین کے چشموں کو امر کیا گیا کہ پوری طرح "اُبل پڑیں" اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ سب کچھ ہوتا رہا زمین پر پانی کی سطح بلند ہونا شروع ہوئی، مکانات، درخت، چھوٹے موٹے ٹیلے یکے بعد دیگرے ڈوبتے چلے گئے، کافروں نے بلند پہاڑیوں پر پناہ لینی شروع کی، لیکن یہ بلند و بالا پہاڑ بھی انھیں پناہ نہ دے سکے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا جسکا نام کنعان بیان کیا جاتا ہے باغی اور نافرمان تھا سب سے بلند پہاڑ کی چوٹی پر جا پہونچا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے آواز دینے پر جواب

دیا کہ مجھے آپکی پناہ درکار نہیں، میں اس بلند و بالا چوٹی کی پناہ میں آگیا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے دوبارہ متنبہ کیا کہ آج اللہ تعالےٰ کی پناہ کے سوا (جو کشتی کی شکل میں آئی ہے) کوئی اور پناہ گاہ نہیں۔

لیکن یہ آخری نصیحت بھی کام نہ آئی، پیچھے سے اچانک ایک ہولناک موج اُٹھی اور اسکو تنکے کی طرح بہالے گئی اور وہ ڈوبنے والوں میں شامل ہوگیا۔

پانی کا یہ طوفان خود مستقل عذاب تھا لیکن اس عذاب پر اللہ تعالیٰ کا مزید غضب ٹوٹ پڑا، زمین کے دھاروں کو حکم الٰہی ہوا کہ اندرونِ زمین کے بجائے سطح زمین پر نکل پڑیں اور آسمان کو حکم دیا گیا کہ اپنے پانی کے دہانے کھول دے۔ نیچے اور اوپر سے پانی دریاؤں کی طرح اُبلنا شروع ہوا، دیکھتے دیکھتے آناً فاناً ساری زمین زیرِ آب ہوگئی۔

اس غضبناک طوفان میں کشتیٔ نوح نہایت سُبک روی کے ساتھ اللہ تعالےٰ کی حفاظت میں چلتی رہی، زمین کا ہر ایک متنفس غرقِ آب ہوگیا۔

آیاتِ ذیل طوفان کی نوعیت، نہی ہدایات اور حضرت نوح علیہ السلام کے کافر بیٹے سے متعلق ہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا الخ

(ہود آیات ۴۰ تا ۴۴)

قرآنی مضمون

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آگیا اور تنور اُبل پڑا تو ہم نے (نوح سے) کہا ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو، اور اپنے گھر والوں کو بھی اور اُن لوگوں کو بھی جو ایمان لا چکے ہیں، سوائے اُن افراد کے جن کی نشان دہی کی جا چکی ہے، اور (سوار ہونے والے) تھوڑے ہی لوگ تھے جو نوحؑ کیساتھ ایمان لائے تھے۔ اور نوح نے کہا (اے لوگو) سوار ہو جاؤ اس کشتی میں، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھیرنا بھی، بیشک میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے۔ اور وہ کشتی اُن لوگوں کو لئے چلی جارہی تھی ایسے موجوں میں جو پہاڑوں کی طرح تھیں، اور نوح نے بیٹے کو پکارا اور وہ علیحدہ مقام پر تھا، بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہوجا، کافروں کے ساتھ نہ رہ۔

اُس نے جواب دیا ! میں ابھی کسی بلند پہاڑ کی پناہ لے لوں گا جو مجھ کو طوفان سے بچالے گا، نوحؑ نے کہا آج کوئی چیز اللہ کے حکم کو روکنے والی نہیں، سوائے اسکے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے، اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوگئی۔ اور وہ (بیٹا) بھی ڈوبنے والوں میں شامل ہوگیا۔ اور حکم ہوا اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا، (چنانچہ) پانی گھٹ گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جُودی پہاڑ پر ٹک گئی، اور کہدیا گیا دور ہوئی ظالموں کی قوم۔

سورہ القمر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا الخ (القمر آیات ۹ تا ۱۷)

اِن لوگوں سے پہلے نوحؑ کی قوم جھٹلا چکی ہے۔ اُنھوں نے ہمارے بندے (نوحؑ) کو جھوٹا قرار دیا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور (انکو) دھمکایا گیا۔

آخر اُس نے اپنے رب کو پُکارا کہ میں عاجز ہوچکا ہوں اب تو اِن سے بدلہ لے۔ تب ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دروازے کھول دیئے اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔

پس یہ سارا پانی اُس کام کو پورے کرنے کے لئے مل گیا جو مقدر ہوچکا تھا، اور نوحؑ کو ہم نے ایک تختوں والی اور کیلوں والی کشتی پر سوار کرادیا۔ جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی، یہ تھا بدلہ اُس شخص کی خاطر جسکی ناقدری کی گئی۔ اور اُس کشتی کو ہم نے ایک نشانی بنادیا۔ پھر کوئی ہے نصیحت قبول کرنے والا؟ دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟

سورۂ مومنون میں حضرت نوح علیہ السلام کو خداوندی ہدایات اسطرح دی گئیں۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ - فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ الخ

(المومنون آیات ۲۶ تا ۳۰)

نوحؑ نے کہا پروردگار اِن لوگوں نے جو میری تکذیب کی ہے اُس پر اب تو ہی میری مدد فرما۔ ہم نے نوح پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کرو پھر جب ہمارا حکم آجائے اور تنور اُبل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک

جوڑا لے کر اسمیں سوار ہو جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے لو، سوائے اُن کے جن کے خلاف فیصلہ ہو چکا ہے، اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا یہ اب غرق ہونے والے ہیں۔ پھر جب آپ اپنے ساتھیوں سمیت کشتی میں سوار ہو جائیے تو یوں کہیئے شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات دی۔ (اور یہ بھی کہیئے) پروردگار مجھکو برکت والی جگہ اُتاریئے اور آپ بہترین جگہ دینے والے ہیں۔ اس قصہ میں بڑی نشانیاں ہیں اور آزمائش تو ہم کرکے ہی رہتے ہیں۔

سورۂ ہود میں حضرت نوح علیہ السلام کی پدری شفقت اور اللہ عزوجل کی تنبیہہ اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کی توبہ و انابت کا ذکر اسطرح ملتا ہے۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ الخ

(سورہ ہود آیات ۴۵ تا ۴۹)

اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا کہا اے میرے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

اللہ نے فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک نباہ کار بچہ ہے۔ لہذا تم اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کرنا جسکا تمہیں علم نہیں، میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم نادان نہ بن جاؤ۔

نوحؑ نے عرض کیا اے میرے رب میں آپکی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز آپ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہو جاؤں گا۔

حکم ہوا اے نوح سلامتی سے اُتر جاؤ اور ہماری برکتیں ہیں تجھ پر اور اُن جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں، اور کچھ جماعتیں ایسی بھی ہیں جنکو ہم کچھ مدت کیلئے سامانِ زندگی دینگے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ آپ انکو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، پس صبر کیجیئے، اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کیلئے ہے۔

انجام سفینہ کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ اُن کے مسلمان اہلِ خاندان

اور مؤمنین کی ایک مختصر جماعت، اور جانوروں کا ایک ایک جوڑا موجود تھا۔ یہ کشتی اُس عظیم طوفان میں ایک مدت تک چلتی رہی۔ اس کی حفاظت کا کام اللہ تعالےٰ نے اپنے ذمہ لیا تھا جسمیں ظاہری اسباب کارفرما نہ تھے، یہ بات معلوم نہیں کہ کتنے دن یہ طوفان رہا؟ البتہ الفاظ قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عالمگیر طوفان تھا جسمیں کوئی جاندار کشتی والوں کے علاوہ نہ بچا، وہ کشتی پہاڑوں جیسے موجوں میں نہایت سُبک روی سے چل رہی تھی، کشتی والے اپنی آنکھوں سے باغیوں کو ڈوبتا دیکھ رہے تھے، اِن ڈوبنے والوں میں خاص طور پر حضرت نوح علیہ السلام کی کافر بیوی اور کافر بیٹے کی صراحت خود قرآن حکیم نے کی ہے۔

باقی لوگوں کے بارے میں اجمالاً یہ کہدیا گیا کہ اہلِ ایمان کے علاوہ اوروں کو ہم نے ڈبو دیا۔ بعد کی نسلیں انہی نجات یافتہ کی اولاد ہیں جو کشتی میں موجود تھے۔

طوفان کا مقصد جب پورا ہوگیا یعنی نبیؑ کی تعلیمات کو جھٹلانے والوں کو جب ہلاک کر دیا گیا تو اللہ تعالےٰ کا حکم آسمان وزمین کو ملا، اے آسمان برسنا بند کر دے، اور اے زمین اپنا پانی نگل لے۔

پانی زمین میں جذب ہوگیا اور فیصلہ چکا دیا گیا، کشتی جُودی پہاڑ پر ٹک گئی، وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام اور اُن کے اصحاب زمین پر اُتر آئے۔ یہ ایک نئی دُنیا تھی جو ہمہ گیر ہلاکت خیزی کے بعد از سرِ نو آباد ہوئی، اسی بناء پر حضرت نوح علیہ السلام کو "آدمِ ثانی" کہا جاتا ہے۔ اور غالباً اسی اعتبار سے اِنھیں حدیث بخاری میں "اَوّلُ الرُّسُل" کہا گیا۔ واللہ اعلم۔

یہ جُودی پہاڑ کُردستان (عراق) کے شمال مشرقی جانب واقع ہے جو آج بھی جودی پہاڑ (جَبل جودی) کے نام سے معروف ہے، قدیم تاریخوں میں بھی کشتی کے ٹھہرنے کی جگہ یہی بیان کی گئی ہے، حکیم ارسطو کا ایک مشہور زمانہ شاگرد ابیڈنیوس بھی اپنی تاریخ میں اسکی تصدیق کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے زمانے کا حال بیان کرتا ہے کہ عراق میں بہت سے لوگوں کے پاس اس کشتی کے ٹکڑے محفوظ ہیں جنہیں وہ گھول گھول کر مریضوں کو پلاتے ہیں اور مریض شفا پاتے ہیں۔

واللہ اعلم۔

نتائج و عبر

(۱) ایک قدیم بین الاقوامی گمراہی اور اُس کا ازالہ

انبیاء کرام کی پوری تاریخ یہ ثبوت پیش کرتی ہے کہ ہر نبیؑ کی قوم نے تقریباً ایک ہی اعتراض دہرایا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم ایسے شخص کو نبی کیسے تسلیم کرلیں جو ہماری ہی قوم سے ہے۔ ہماری طرح کھاتا ہے، چلتا پھرتا ہے، سوتا جاگتا ہے، بال بچے رکھتا ہے، بھوک پیاس کا محتاج ہے۔

وہ تو ہماری طرح ایک "بشر" ہے

نبیوں کے بارے میں قوموں کی یہ جہالت بہت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے، غالباً حضرت نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں جنکو انکی قوم نے سب سے پہلے یہ ہی طعنہ دیا تھا۔ اسی جاہل قوم کی اتباع میں ہر زمانے کے جاہلوں نے اپنے نبی کے بارے میں یہ عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ!

جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہوسکتا
اور جو رسول ہوتا ہے وہ بشر نہیں!

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوحؑ کو اس طرح خطاب کیا۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا۔

(ہود آیت ۲۷)

قوم کے کافر سرداروں نے کہا (اے نوحؑ) ہم تم کو اپنا ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ الخ

(المؤمنون آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶)

پس اُن کی (نوحؑ) کی قوم میں جو کافر رئیس تھے کہنے لگے کہ یہ شخص (نوحؑ) کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، اسکی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے، اللہ کو اگر رسول بھیجنا ہوتا تو فرشتے کو بھیجتا، یہ بات تو ہم نے اپنے آباء واجداد میں بھی نہیں سُنی (کہ بشر رسول بن کر آئے ہوں) کچھ نہیں اس آدمی کو ذرا جنون لاحق ہو گیا ہے کچھ مدت اور دیکھ لو (شاید صحت یاب ہو جائے)

نوحؑ نے کہا پروردگار اِن لوگوں نے جو مجھکو جھٹلایا ہے اس پر اب تو ہی میری مدد فرما!

خود حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اس طرح خطاب فرماتے ہیں۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (الاعراف آیت ۶۳)

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری ہی قوم کے ایک آدمی (نوحؑ) کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت آئی کہ تمہیں خبردار کرے اور تاکہ تم اللہ سے ڈرو اور تم پر رحم کیا جائے

قوم عاد نے بھی سیدنا ہود علیہ السلام کے بارے میں یہ ہی بات دُھرائی ہے

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔

(المؤمنون آیت ۳۳۔ ۳۴)

اُن (ہود) کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا اور جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ حال کر رکھا تھا کہنے لگے یہ شخص (ہود) کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔

اور اب اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت قبول کر لی تو گھاٹے ہی میں رہو گے۔

قوم ثمود نے بھی سیدنا صالح علیہ السلام پر یہ ہی اعتراض کیا کہ صالحؑ تو ایک بشر ہے۔ بھلا ہم اسکی کیسے اطاعت کر لیں؟ نبی انسانوں میں سے نہیں ہوتے، وہ تو

ما وراء بشر ہوا کرتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِیْنَ ۔ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَأْتِ بِاٰیَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (الشعراء آیت ۱۵۳۔ ۱۵۴)

قوم ثمود کہنے لگی (اے صالح) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو ایک سحر زدہ شخص ہے اور تو صرف ہم جیسا ایک بشر ہے۔ اگر تو سچا ہے تو پھر کوئی نشانی لے آ؟

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ (القمر آیت ۲۳۔ ۲۴)

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔

پس کہنے لگے کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کر لیں؟ تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی اور جنون میں پڑ جائیں گے۔

سورہ یٰس میں ایک قریہ (گاؤں) کا حال لکھا ہے کہ وہاں بھی اللہ تعالےٰ نے چند ایک نبی بھیجے تھے۔ اُس بستی والوں نے بھی اِن نبیوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو گزشتہ قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ کیا تھا۔

یہ قریہ بعض مفسرین کی تحقیق کے مطابق ملکِ شام کا شہر انطاکیہ تھا۔ اس شہر میں پہلی دفعہ دو نبی تبلیغ کے لئے بھیجے گئے تو گاؤں والوں نے اُنکا انکار کر دیا۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اُن دونوں کی مدد کے لئے تیسرے نبی کو بھیجا۔ اسپر اُن بستی والوں نے یہ کہکر اِن تینوں کا اِنکار کر دیا کہ

تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو اور اللہ نے کسی بشر کو رسول نہیں بنایا۔ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔

آیاتِ ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۔ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۔ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۔ (یٰسین آیت ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵)

(اے نبیؐ) ان سے ذرا اُن بستی والوں کا قصہ بیان کیجئے جبکہ ہم نے اُن کی

جانب پہلے دو نبی بھیجے سو انھوں نے انکو جھٹلا دیا، پھر ہم نے تیسرے نبی کو اُن کی مدد کے لئے بھیجا۔ اِن سب نے کہا ہم تم لوگوں کی طرف اللہ کی جانب سے بھیجے گئے ہیں۔

بستی والوں نے کہا تم لوگ کچھ نہیں ہو مگر ہم جیسے بشر اور اللہ رحمٰن نے ہرگز تم پر کوئی چیز نازل نہیں کی ہے تم صرف جھوٹے لوگ ہو۔

یہ کہہ کر بستی والوں نے اللہ کے ان تینوں فرستادوں کو جھٹلا دیا۔

اہلِ مَدْیَن نے بھی سیدنا شعیب علیہ السلام سے انہی الفاظ میں کلام کیا کہ اے شعیب تم ایک اچھے سنجیدہ آدمی تھے تم کو اچانک کیا ہوگیا کہ تم نے نبی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم پر کسی نے جادُو وغیرہ کر دیا ہو؟ بھلا تم بشر ہو کر نبی ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہو۔ اگر ایسا ہے تو تم یقیناً جھوٹے ہی ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۔ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَ اِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔　　(الشعراء، آیت ۱۸۵۔ ۱۸۶)

قوم شعیب نے کہا اے شعیب یقیناً تم سحر زدہ ہوگئے ہو۔ اور تم تو صرف ہم جیسے بشر ہو اور ہم یقین کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

قوم ابراہیم نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ ہی شُبہ ظاہر کیا کہ وہ تو صرف ایک نوجوان لڑکا ہے جو ہمارے بتوں کے بارے میں اکثر بُری گفتگو کرتا رہتا ہے۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ الخ

(الانبیاء، آیت ۵۹۔ ۶۰)

(قوم نے میلے سے واپس آکر جب اپنے بتوں کا یہ حال دیکھا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑے ہیں) تو کہنے لگے ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بیشک وہ کوئی بڑا ظالم ہی ہوگا۔

بعض لوگوں نے کہا ہم نے ایک نوجوان کو اِن بتوں کا ذکر کرتے سنا تھا جسکا نام ابراہیم ہے۔

فرعون اور قوم فرعون نے بھی سیدنا موسیٰ علیہ السلام و سیّدنا ہارون علیہ السلام

کو حقارت کے انداز میں بشر ہی کہتے رہے اور کسی طرح اِن دونوں نبیوں کو تسلیم نہ کیا۔
فرعون تو آخر وقت تک یہ ہی کہتا رہا کہ موسیٰؑ نے تو ہمارے گھر پرورش پائی، جوانی
کے کئی سال ہمارے گھر میں گزارے۔ اور اب وہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّ لَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ۔

(الشعراء آیت ۱۸)

فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ اور تو نے
اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں نہیں گزارے؟

قوم فرعون نے بھی یہی اعتراض دُھرایا کہ سیدنا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام)
بشر ہیں اور صرف نبوت کے نام پر اقتدار چاہتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا
وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ (طٰہٰ آیت ۶۳)

آخر کار لوگوں نے کہا کہ یہ دونوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) تو محض جادوگر ہیں۔ اِن کا
مقصد یہ ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کر دیں اور
تمہارے رسم و رواج کا خاتمہ کر دیں۔

آخر کار قوم نے بشریت کا الزام لگا کر سیدنا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام
کی نبوت کا انکار کر دیا۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ اِلٰى فِرْعَوْنَ
وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ۔ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا
وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۔

(المؤمنون آیت ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸)

پھر ہم نے موسیٰؑ اور اُن کے بھائی ہارونؑ کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل (عصا)
کے ساتھ فرعون اور اُن کے ساتھیوں کی طرف بھیجا مگر اُنھوں نے تکبّر کیا اور وہ
مغرور قوم ہی تھی۔ پھر کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے دو بشر پر ایمان لے آئیں، خاص
طور پر ایسی صورت میں کہ اُن دونوں (موسیٰؑ و ہارونؑ) کی قوم ہماری غلام ہے۔
پس اُن لوگوں نے دونوں کو جھٹلا دیا، پھر وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔

قومِ عیسیٰؑ نے سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کو ایک بالکل دوسری حیثیت سے دیکھا۔ بیشتر اقوام نے تو اپنے اپنے نبیوں کو صرف بشر خیال کیا اور نبوت کا انکار کر دیا لیکن قومِ عیسیٰ نے سیّدنا عیسیٰ علیہ السّلام کو بشریت سے ایک قدم آگے بڑھا کر اُلوہیت میں داخل کر دیا۔ گویا بشر تسلیم کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ ہوئے۔ اس لحاظ سے اس قوم نے سابقہ اقوام سے بالکل مختلف نظریہ قائم کر لیا کہ نبی بشر نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰؑ یقیناً نبی و رسول تھے لیکن بشر نہ تھے۔ دراصل یہ وہی افراط و تفریط کے مُظاہرے ہیں جو جہالت اور اندھے پن کی وجہ سے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے قومِ عیسیٰ کی اس گمراہی کو اِن الفاظ سے رَد فرما دیا۔

اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ۔ (النساء آیت ۱۷۱)

باز آجاؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی حقیقت کو ایک مثال سے سمجھائی گئی اور یہ بتایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام انسان و بشر ہی تھے جیسا کہ دیگر انبیاء کرام انسان و بشر تھے۔ رہا اُن کا بے باپ کے پیدا ہو جانا یہ کوئی دلیل نہیں کہ وہ خدا یا شریکِ خدا ہو جائیں۔ اگر بغیر باپ کے اللہ تعالےٰ کی قدرتِ خاص سے وہ پیدا ہو کر خدا یا شریکِ خدا ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم علیہ السّلام جو باپ اور ماں کے بغیر پیدا ہوئے ہیں اُن کو کیا کہا جائیگا؟

اور حضرت حوّاء بھی تو بغیر ماں کے پیدا ہوئی ہیں، حالانکہ اُن کو کوئی بھی خدا یا شریکِ خدا ماننے کے لئے تیار نہیں۔

پھر اگر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بغیر باپ کے پیدا ہو گئے ہوں تو انہیں کس طرح خدا یا شریک خدا کہا جائیگا؟

اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی حقیقت اس طرح سمجھائی ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ۔

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے ہاں آدم کی سی ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا پھر حکم دیا کہ ہو جا پس وہ انسان ہو گئے۔ یہ اصل حقیقت ہے جو تمہارے رب

کی طرف سے بتائی جا رہی ہے۔ لہٰذا تم اُن لوگوں میں شامل نہ ہونا جو اس میں شک کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔

(زُخرف آیت ۵۹)

ابن مریم تو کچھ نہیں سوائے ایک بندے کے جس پر ہم نے خاص انعام کیا اور اُسکو بنی اسرائیل کے لیے ایک نمونہ بنا دیا۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ کے پیدا کرنا، اور پھر اُن کو وہ معجزے عطا کرنا جو نہ اُن سے پہلے کسی نبی کو دیئے گئے نہ اُن کے بعد، وہ مٹی کا پرندہ بناتے اور اُس میں پھونک مارتے تو وہ جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا، وہ مادر زاد اندھے کو بینا کر دیتے، کوڑھ کے مریض کو شفا دے دیتے، حتیٰ کہ مردہ انسان کو زندہ کر دیتے، اِس غیر معمولی پیدائش اور ان عظیم معجزات کی وجہ سے اُن کو مقامِ بندگی سے بالاتر سمجھنا اور بشریت سے نکال کر خدایا الوہیت میں شریک کر دینا نہایت نادانی کی بات ہے۔ وہ حقیقتاً ایک بشر تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے نواز کر اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا تھا۔ وہ بنی اسرائیل کے عظیم نبی و رسول تھے۔ یہ ہے حقیقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی، جسکو قرآن حکیم نے نہایت وضاحت کے ساتھ غیر مبہم الفاظ میں ظاہر کیا ہے اگرچہ دیگر اقوام نے اپنے اپنے نبیوں کو بشر سمجھا اور نبوت کی تکذیب کی، لیکن قومِ عیسیٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غیر بشر سمجھا، دراصل یہ ہی وہ قدیم گمراہی ہے جو انبیاء کرام کے تعارف میں قوموں کو پیش آئی ہے کہیں تحقیر کی گئی اور کہیں عظمت میں غلو کیا گیا۔

قرآن حکیم کے مزید مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم گمراہی و جہالت کا اثر قومِ عرب پر بھی پڑا جب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے تو مشرکین مکہ نے بھی آپ کی نبوت کو یہ کہہ کر جھٹلا دیا کہ

یہ کیسا رسول ہے جو کھاتا پیتا اور بازاروں میں خرید و فروخت کرتا ہے؟ اگر یہ رسول ہوتا تو اسکے ساتھ ایک فرشتہ بھی ہونا چاہیئے تاکہ وہ علامت بنے دا اسکے رسول

و نبی ہونے کی ؟) یہ تو تم جیسا ہی ایک بشر ہے۔

مشرکین مکہ کی اس خام خیالی کو قرآن حکیم نے غفلت اور جہالت سے تعبیر کی ہے اور اس مفروضہ خام خیالی کو گمراہی اور اندھا پن قرار دیا ہے۔ سورۂ انبیاء میں یہ مضمون موجود ہے۔

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ۔

(الانبیاء آیت ع۳)

اُن کے قلوب غفلت میں پڑے ہیں اور یہ ظالم لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ شخص (محمدؐ) آخر تم جیسا ایک بشر ہی تو ہے۔ پھر کیا تم آنکھوں دیکھتے جادُو کے پھندے میں پھنس جاؤ گے ؟

وَقَالُوا مَالِ هَٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا۔ الخ

(الفرقان آیت ع۷، ع۸، ع۹)

مکہ کے مشرکین نے کہا یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اسکے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو دھمکاتا)

اور یا اس کی طرف کوئی خزانہ اُتار دیا جاتا، یا اسکے پاس کوئی باغ ہی ہوتا جس سے یہ کھاتا پیتا، اور ظالموں نے (یہاں تک) کہہ دیا کہ اے لوگو! تم تو صرف ایک سحرزدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔

دیکھو (اے محمدؐ!) یہ لوگ تمہارے لئے کیسی کیسی مثالیں بیان کر رہے ہیں، پس یہ گمراہ ہو گئے ہیں انہیں اب سیدھی راہ سوجھائی نہیں دیتی۔

اللہ تعالےٰ نے مشرکینِ مکہ کی اس جہالت اور عداوت کا جواب بھی انہی کے انداز پر دیا اور اِن سے سوالیہ انداز میں کہا گیا۔

پہلے کونسا ایسا نبی آیا ہے جو کھانا نہ کھاتا ہو؟ بازاروں میں چلتا پھرتا نہ ہو؟ تم لوگ اور تمہارے آباء و اجداد حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت

موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام اور بہت سے دوسرے انبیاء سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان حضرات کی رسالت و نبوت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب بیوی بچے والے تھے۔ کھانا پینا، بازاروں میں چلنا پھرنا، تجارت و زراعت کرنا، غم و خوشی کے حالات پیش آنا، سب کچھ ان پر پیش آتا تھا اور تم خود اسکے قائل ہو۔ پھر اب اگر یہ رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بھی بشر ہیں۔ کھاتے پیتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو آخر تعجب کی کیا بات ہے؟

اس عظیم حقیقت کو سورۃ الفرقان میں اس طرح ظاہر کیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۚ (الفرقان آیت ۲۰)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب کے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں (خرید و فروخت کیلئے) چلتے پھرتے تھے۔

ایک اور موقع پر اللہ تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اعلان کروایا کہ آپ اپنی حقیقت کا اسطرح واضح اظہار کر دیں کہ آپ کی حیثیت میں کسی قسم کی کوئی پوشیدگی باقی نہ رہے اور سابقہ امتوں کی طرح یہ آخری امت اس گمراہی میں مبتلا نہ ہونے پائے کہ رسول بشر نہیں ہوتے انکو فرشتہ ہونا چاہیے یا پھر خدا سے انکی رشتہ داری ہو یا خدائی میں حصہ داری ہو۔

اللہ تعالےٰ کے کلام کا یہ پُرحقیقت اعلان جو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے کروایا گیا کتنا واضح اور کھلا ہوا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ (الکہف آیت ۱۱۰)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو کہ میں بشر ہوں تم جیسا، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا امیدوار ہو اُسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرے۔

اسکے علاوہ قرآن حکیم کی اور بھی وضاحتیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں لوگوں کی جہالت کا یہی حال رہا ہے اور تقریباً ہر ایک نبی کو اس سے دوچار ہونا پڑا اور اسی جہل نے بہت سی قوموں کو نبیوں کی روشن ہدایات سے محروم کر دیا۔ یا تو رسولوں کو صرف بشر سمجھا گیا جس کی وجہ سے اطاعت نہیں کی گئی یا پھر فوق البشر جانا اور گمراہ ہو گئے۔ یہ دونوں نظریے جہل اور بے عقلی کی پیداوار ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو اسی جہل و بے عقلی نے راہِ حق سے دور کر دیا ہے۔ سورۃ ابراہیم میں مزید وضاحت ملتی ہے:

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (ابراہیم آیت ۱۰، ۱۱)

(انبیاء کے پیغام کو نہ ماننے والوں سے) اُن کے رسولوں نے کہا کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تم کو دعوت دے رہا ہے تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے اور تم کو ایک مدت مقررہ تک مہلت دے۔ اُن لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے جیسے ہی بشر ہو، تم ہم کو اُن معبودوں کی عبادت سے روکنا چاہتے ہو جنکی ہمارے باپ دادا نے عبادت کی ہے؟ اچھا تو کوئی واضح دلیل پیش کرو؟ اُن کے رسولوں نے اُن کو جواب دیا ہم تو تم ہی جیسے بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے (نبوت و رسالت) سے سرفراز کرتا ہے۔

سورۃ تغابن میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ

تَاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (التغابن آیت ۵، ۶)

کیا تم کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے اس سے پہلے کفر کیا پھر اپنے شامتِ اعمال کا مزہ چکھ لیا؟ اور اُن کیلئے (آگے) دردناک عذاب ہے۔ اس انجام کے مستحق وہ لوگ اس لئے ہوگئے کہ اُن کے پاس اُن کے رسول کُھلی کُھلی نشانیاں لیکر آتے رہے مگر اُنھوں نے کہا کیا ہم کو بشر ہدایت دیں گے؟ پس انھوں نے انکار کیا اور منھ پھیر لیا، تب اللہ بھی اُن سے بے پرواہ ہو گیا، اور اللہ تو بے نیاز ہے سزاوارِ حمد ہے۔

سورۂ یوسف میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ کہا گیا کہ جتنے بھی رسول دُنیا میں آئے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور اُن ہی بستیوں کے رہنے والوں میں تھے۔ کیا یہ بات اِن مشرکینِ مکّہ کو معلوم نہیں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ (یوسف آیت ۱۰۹)

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے پہلے ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے ہیں وہ سب کے سب انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔

مشرکین مکّہ کا یہ خیال تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ انسان ہیں۔ قرآن حکیم نے کفارِ مکّہ کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ کوئی نئی جہالت نہیں جو آج پہلی مرتبہ اِن لوگوں سے ظاہر ہو رہی ہے زمانۂ قدیم سے تمام جہلاء اسی غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں کہ جو بشر ہے وہ رسول نہیں ہو سکتا اور جو رسول ہے وہ بشر نہیں۔

اسی جہالت نے ہر زمانے کے لوگوں کو ہدایاتِ انبیاء سے محروم رکھا ہے اور وہ نبیوں کی واضح و روشن ترین تعلیمات کو محض یہ کہہ کر رد کر دیا کرتے تھے کہ تم تو بشر ہو رسول کیسے ہو سکتے ہو؟ رسول یا تو فرشتہ ہو گا یا پھر کوئی اور مخلوق، لیکن انسان تو رسول ہو ہی نہیں سکتا۔

ایسے انسانوں کی ہدایت سے محرومی کا سبب قرآن حکیم نے یہی بیان کیا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى
اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل آیت ۹۴)

لوگوں کے پاس جب نبیوں کی ہدایت آئی تو کوئی چیز انہیں ایمان لانے سے روکنے والی نہ تھی سوائے اسکے کہ انھوں نے کہا "کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا؟"

حالانکہ اللہ تعالےٰ نے ہر زمانے میں انسانوں ہی میں سے کسی ایک کو رسولؑ بنایا ہے انسان کی ہدایت کے لئے انسان ہی رسولؑ ہو سکتا ہے نہ کہ کوئی فرشتہ یا بشریت سے بالاتر کوئی اور ہستی، اس حقیقت کو سورۂ انبیاء میں اس طرح واضح کیا ہے:-

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا
يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۔ (الانبیاء آیات ۷، ۸)

ہم نے تم سے پہلے انسانوں ہی کو رسولؑ بنا کر بھیجا ہے جن پر ہم وحی کرتے تھے۔ لہٰذا جاننے والوں سے دریافت کرلو اگر تمہیں نہ معلوم ہو اور نہ ہم نے اُن رسولوں کے جسم ایسے بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔

اور یہ کلام الٰہی کی انتہائی شفقت ہے کہ وہ مشرکین مکہ کی خام خیالی کا بھی جواب دیا ہے:-

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ
لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔

(بنی اسرائیل آیت ۹۵)

اے نبیؐ اِن لوگوں سے کہو کہ اگر زمین پر فرشتے اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو ہم اِن پر فرشتے ہی کو رسولؑ بنا کر نازل کرتے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت نے مسئلہ کو اور آسان بنا دیا کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے انسان ہی ضروری ہے نہ کہ کوئی فرشتہ یا کوئی اور مخلوق؟

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ۔
حق ظاہر ہو جانے کے بعد قبول نہ کرنا سوائے گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

اور یہ عجیب تر بات ہے کہ جن لوگوں نے پتھروں اور درختوں میں اُلوہیت کو تسلیم کیا ہے آخر وہ بشریت میں نبوت کو محال کیوں سمجھ رہے ہیں؟
أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔
کیا عقل و فہم سے محروم ہو گئے ہیں؟

یہ اللہ کے کلام کا اعجاز و تفوّق ہے کہ اُس نے نبیوں کی بلند ترین عظمت و تقدیس کو صرف دو لفظوں سے ادا کر دیا ہے:-
کہ وہ "اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہوا کرتے ہیں"۔

(۲) قومِ نوحؑ کے معبود

سیدنا نوح علیہ السلام جس وقت اپنی قوم میں مبعوث ہوئے ہیں اُس وقت ساری قوم بت پرستی میں مبتلا تھی، شرک اُن کا مذہب تھا۔ چھوٹے بڑے سینکڑوں معبود بنا لئے گئے تھے جنکی پرستش کی جاتی تھی۔ اُن میں پانچ بڑے بُت تھے جو "بڑے خدا" کے نام سے پوجے جاتے تھے۔ بعد کے زمانے میں یہ ہی بُت عرب کے جاہلوں میں بھی پوجے جانے لگے۔

۱۔ **وَدّ**: یہ بُت قبیلہ بنو کلب کا معبود تھا جس کا مندر مقام دومۃ الجندل میں بنایا گیا تھا۔ یہ بُت نہایت بلند قامت مردانی جُثّہ (بدن) تھا۔ قریشِ مکہ بھی اسکو معبود تسلیم کرتے تھے اور اُنھوں نے اِس کا نام وُدّ رکھا تھا اور اپنی اولاد کے نام بھی اسی نسبت پر رکھد یا کرتے تھے۔

۲۔ **سُوَاع**: یہ بُت قبیلہ ہُذیل کی دیوی تھی جس کی شکل عورت کے مشابہ تھی۔ ینبوع کے قریب اس کا مندر تھا۔

۳۔ **یغُوث**: یہ قبیلہ طئے کا بُت تھا۔ حجاز اور یمن کے درمیان مقام جُرش پر اس کا مجسمہ نصب کیا گیا تھا اس کی شکل شیر کی طرح تھی۔ گویا یہ طاقت و قوت

کا مالک تھا جس کے دستِ قدرت میں کائنات کی ساری طاقتیں سمجھی جاتی تھیں، قریش کے لوگ بھی اسی بُت کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔

۴۔ **یَعُوق** : یمن کے علاقے میں قبیلہ ہمدان کا یہ معبود گھوڑے کی شکل پر تھا۔ جس کی پوجا عرب میں بھی کی جاتی تھی۔

۵۔ **نَسر** : حمیر کے علاقے میں قبیلۂ حمیر کا یہ معبود گدھ کی شکل پر تھا۔ شہر سبا (یمن) کے قدیم کتبوں میں اِس کا نام نسُور لکھا ہے۔ اسکے مندر کو بیت نسُور اور اسکے سجادہ نشینوں کو اہل نسُور کہا جاتا تھا۔ عرب کے بعض آثار قدیمہ میں جو مندر ظاہر ہوئے ہیں اُن میں مندر کے دروازوں پر گِدھ کی تصویر ملتی ہے جو اسی معبود کی علامت ہے۔

وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(۳) سُنّتُ اللّٰہ

طوفان کے آغاز سے قبل سیدنا نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ ہدایت دی گئی کہ جب عذاب شروع ہو جائے تو ظالموں کے بارے میں ہم سے سفارش نہ کرنا۔ کیونکہ اِن کو ڈبو دیئے جانے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

نبیؑ کا مکمل پیغام جب کسی قوم کو پہنچ جاتا ہے اور اسکی حد پوری ہو جاتی ہے مگر قوم اسکو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تو پھر سنت اللہ (اللہ کی عادت) یہ رہی ہے کہ اُس قوم کو صرف اُس وقت تک مہلت دی جاتی ہے جب تک اُس میں کچھ بھلے آدمیوں کا وجود باقی ہو۔ مگر جب اُس قوم کے نیک افراد سب نکل چکتے ہیں اور باقی صرف فاسد عناصر کا ہی مجموعہ رہ جاتا ہے تو پھر اُس قوم کو اللہ مہلت نہیں دیتا۔ اُنکی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے اور اُنھیں کسی بھی شکل میں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ نیز اُسکی رحمت کا تقاضہ بھی یہ ہی ہوتا ہے کہ ایسے فاسد مادّے کو ضائع کر دیا جائے، چنانچہ قوموں پر جو عذاب آیا ہے وہ اسی نقطۂ انتہا کے بعد آیا ہے۔

قومِ نوحؑ کا انجام بھی اسی سُنّت اللہ کے مطابق غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(۴) دانشمندی یا بے دانشی

سیّدنا نوح علیہ السّلام دریا سے بہت دُور خشکی پر اپنی کشتی تیار کررہے تھے اُس وقت لوگوں کو یہ عمل نہایت مضحکہ خیز معلوم ہوا اور ہنس ہنس کر اسکا مزاق اُڑایا گیا کہ کیا یہ کشتی زمین پر چلے گی؟ سمندر سے سینکڑوں میل دُور کیا زمین کا یہ خطہ پانی میں تبدیل ہوجائے گا؟ اور کیا صرف نوحؑ بچ جائے گا اور ہم سب ڈوب جائیں گے؟

لیکن جو شخص حقیقت کا علم رکھتا ہے اور جسے معلوم تھا کہ کل یہاں سفینے کی ضرورت پیش آئیگی وہ اِن نادانوں کی اس ہنسی دل لگی پر کس قدر تعجب و حیرت کرتا ہوگا کہ یہ کسقدر نادان اور فریب خوردہ ہیں کہ شامت اِن کے سر پر کھڑی ہے مگر یہ مطمئن بیٹھے ہیں اور اُلٹا مجھے دیوانہ سمجھ رہے ہیں۔

اہلِ دنیا نے عقلمندی اور بے وقوفی کا جو معیار قائم کیا ہے وہ اِس واقعہ سے کس قدر مختلف ہے؟ نبیوں کی تعلیمات پر چلنا دانشمندی ہے یا بے دانشی؟ اللہ ہمیں چشمِ بصیرت عطا کرے اور توفیقِ عمل بھی!

(۵) طُوفان کی عالمگیری

طوفانِ نوحؑ کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں:۔ اوّل یہ کہ یہ طوفان عالمگیر تھا جو پورے خطۂ ارضی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ دوم:۔ یہ کہ یہ طوفان اُس خاص علاقہ تک محدود تھا جہاں قوم نوحؑ آباد تھی۔

تاریخی روایات ہر دو خیال کی تائید میں ہیں۔

لیکن قرآنی اشارات پہلی رائے کے قریب ہیں، اگرچہ قرآن حکیم میں کسی جگہ ایسی کوئی وضاحت نہیں ملتی جس سے قطعی طور پر کوئی فیصلہ معلوم ہوجائے۔ بہرحال واقعہ کا انحصار اس پر نہیں کہ یہ طوفان عالمگیر تھا یا محدود؟ لیکن یہ حقیقت تھی کہ یہ طوفان نہایت ہولناک اور غضبناک قسم کا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا قرآنی اشارات مفسرین کی پہلی رائے کے زیادہ قریب ہیں

کہ یہ طوفان عالمگیر تھا اور زمین کے پورے خطہ کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھا سوائے اہل کشتی کے ہر جاندار اسمیں ہلاک ہوا۔

مندرجہ وجوہاتِ قرآنی اِسکی تائید کرتی ہیں :۔

وجہ اوّل ؛ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ طوفان کے بعد کی انسانی نسلیں حضرت نوح علیہ السّلام اور اُن لوگوں کی اولاد ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کشتی میں نجات دی تھی۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا

(بنی اسرائیل آیت ۳)

(اے لوگو) تم اُن لوگوں کی اولاد ہو جنہیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا، بیشک نوح ایک شکر گزار بندہ تھا۔

اس آیت میں اہل مکہ کو بنی اسرائیل کی تاریخ سے عبرت دلائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پانے والے (یہود و نصاریٰ) نے جب رسولوں کے مقابلہ میں سر اُٹھایا تو دیکھو اِن کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؟ لہٰذا نوحؑ اور اُن کے ساتھیوں کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تمہارے لئے یہی لازم ہے کہ تم صرف اللہ واحد ہی کو اپنا معبود بناؤ، کیونکہ جن کی تم اولاد ہو وہ اللہ واحد ہی کو معبود بنانے کی بدولت طوفان کی تباہی سے بچے تھے۔

الغرض آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اور قرآن کے دیگر مخاطب (جس میں ساری اقوام شامل ہیں) طوفان نوحؑ سے نجات یافتہ افراد کی اولاد ہیں۔ واللہ اعلم۔

وجہ دوم ؛ سورۂ مریم کی آیت ۵۸ بھی عالمگیر طوفان کی تائید کرتی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۔ الخ (مریم آیت ۵۸)

چند انبیاء کرام کا تذکرہ کرنے کے بعد قرآن حکیم نے اس طرح فرمایا:۔

یہ وہ انبیاءؑ ہیں جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا آدم کی ذُرّیت میں سے

اور اُن لوگوں کی نسل سے ہیں جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔

اِس آیت میں اولادِ ابراہیمؑ اور اولادِ یعقوبؑ کا بھی تذکرہ ہے لیکن یہ سب حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہی کے ہیں اس لئے

مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ کا ذکر خاص طور پر اشارہ کرتا ہے

کہ بعد کی نسلیں اِنہی افراد کی اولاد سے چلیں۔ معلوم ہوا کہ اہل کشتی کے علاوہ سارے انسان ہلاک ہوگئے تھے۔

وجہ سوم: قرآنی صراحت کے مطابق اللہ تعالٰے نے حضرت نوح علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ "کشتی میں ہر جاندار کا ایک ایک جوڑا رکھ لیا جائے۔"

(سورۂ مومنون آیت ۲۷)

اس ارشاد کی واضح اور بلاتکلف توجیہہ یہ ہی ممکن ہے کہ طوفان عالمگیر تھا ورنہ نسلِ حیوانی کے تحفظ کا کوئی اور معقول مطلب نہیں ہوسکتا۔ چونکہ طوفان عالمگیر تھا اس لئے نسلِ حیوانی کی بقا و سلامتی کے لئے ہر جوڑا کشتی میں رکھا گیا۔

وجہ چہارم: جب کبھی بھی قوموں پر نبیوں کی آگاہی کے بعد عذاب آیا ہے، آغازِ عذاب سے قبل نبی اور اُن کے اصحاب کو ہجرت کر جانے، شہر سے باہر ہو جانے یا کسی خاص خطہ میں آجانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جسکی وضاحت قرآن حکیم میں موجود ہے۔

لیکن سیدنا نوح علیہ السلام کو طوفان سے قبل جو حکم دیا گیا وہ اِن تمام صورتوں سے بالکل مختلف ہے۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے ہی ملک میں اپنی ہی قوم کے اندر اُسی خِطّہ ارضی پر کشتی میں پناہ لینے کی ہدایت کی گئی۔

اگر طوفان عالمگیر نہ ہوتا تو یہ مخصوص صورت اختیار کرنے کی کوئی قابلِ ذکر وجہ معلوم نہیں ہوتی؟ ورنہ زمین کے کسی بھی خطہ میں پناہ لینے کی ہدایت ملتی، یا دیگر انبیاء کی طرح ہجرت کر جانے کا حکم دیا جاتا۔ واللہ اعلم۔

معلوم ہوا کہ طوفان عام تھا پورے خطۂ ارضی کو محیط تھا تب ہی تو کشتی میں پناہ

لینے کی ہدایت کی گئی۔
وجہ پنجم ۵: طوفان کی نوعیت کو جن الفاظ اور جس عنوان سے قرآن حکیم نے ذکر کیا ہے وہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ طوفان عالمگیر ہی تھا۔
سورۂ قمر آیت ۱۱، ۱۲ کے الفاظ یہ ہیں:۔

فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا (القمر آیت ۱۱)

پس کھول دیئے ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔

پانی کے آسمانی دروازوں کا کھول دیا جانا اور زمین کو چشمۂ آب میں تبدیل کر دیا جانا عالمی طوفان ہی کی نشان دہی کرتا ہے اور عقلی طور پر بھی یہ ہی مفہوم ہوتا ہے۔
اسی آیت میں فَتَحْنَا کی ایک قرأت فَتَّحْنَا (بالتشدید) بھی مذکور ہے جسکے معنی پوری طرح کھول دیئے کے ہیں یعنی پانی کے آسمانی دروازے پوری طرح کھول دیئے گئے۔ ظاہر ہے یہ عنوان کسی معمولی طوفان کے لئے نہیں ہوسکتا۔

سورۂ ہود آیت ۴۴ میں اس طوفان کے اختتام کا تذکرہ اسطرح کیا گیا ہے:۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ الآیۃ

(ہود آیت ۴۴)

حکم دیا گیا، اے زمین اپنا سارا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا۔

ان الفاظ کا سیدھا سادھا مطلب یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ طوفان پورے خطۂ ارضی کو محیط تھا۔ نیز سورۃ الصّٰفّٰت (آیت ۷۷) کے الفاظ بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ طوفان سے بچنے والے ہی آئندہ نسلِ انسانی کا سبب بنے ہیں۔ آیت یہ ہے:۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ۔ الآیۃ

اور ہم نے نوحؑ اور اہلِ سفینہ کی ذُرّیت ہی کو آئندہ باقی رہنے والا بنا دیا۔

اس عبارت سے بھی عالمگیر طوفان کی تائید ہوتی ہے۔ نیز سورۂ نوح آیت ۲۶ کے الفاظ بھی یہ ظاہر کرتے ہیں کہ یہ عذاب عمومی قسم کا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالےٰ کا اذن پاکر یہ دعا کرتے ہیں:۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا۔

(نوح آیت ۲۶)

اے میرے رب ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ (سب کو ہلاک کر دے)

اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دُعا قبول فرمائی اور حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی میں اہل ایمان کے ساتھ پناہ لینے کا حکم دیا۔ نیز سورۂ ہود کی آیت ۴۴ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا قبول فرماکر قوم کا یہ انجام اِن الفاظ سے بتلایا۔

وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ۔

اور کہہ دیا گیا کہ دُور ہوئی ظالموں کی قوم۔

معلوم ہوا کہ زمین کے سارے کافر ہلاک ہوگئے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۶) شُبہ کا ازالہ

اس تحقیق پر جو اوپر بیان کی گئی کہ طوفان عالمگیر تھا، سوائے اہل سفینہ زمین کا ہر متنفس غرقاب ہوگیا، بادی النظر میں یہ شُبہ پیش آتا ہے کہ یہ عذاب قوم نوحؑ کی بغاوت و سرکشی کی بنا پر آیا تھا لیکن زمین کی دیگر قومیں اسمیں کیوں غرقاب کر دی گئیں؟ یہ تو بے قصور تھے، علاوہ ازیں زمین کے دیگر جانداروں کو اسمیں کیوں ہلاک کیا گیا؟ جبکہ جانور غیر مکلف بھی ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ شُبہ ضرور پیدا ہوتا ہے خاص طور پر اُن قوموں کے بارے میں جو زمین کے دُور دراز علاقوں میں موجود تھیں اور ممکن ہے جہاں حضرت

نوح علیہ السلام تبلیغ کے لئے تشریف بھی نہ لے گئے ہوں ؟

لیکن جیسا کہ یہ شبہ ظاہری ہے ویسے ہی نہایت سطحی قسم کا بھی ہے "سنت اللہ" یعنی قانون الٰہی کو سمجھنے میں اکثر لوگوں کو غلطی ہوئی ہے اور یہ شبہ بھی اسی غلطی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ "سنت اللہ" کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیل جان لینی ضروری ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ جب بھی زمین پر امراض، وبائیں پھوٹ پڑتی ہیں یا طوفان اور زلزلے یا ایسے ہی کوئی دوسرے حوادث پیش آتے ہیں تو وہاں کی آبادی میں نیک و بد، کافر و مسلم، مجرم وغیر مجرم سب ہی اِن کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ جب کسی شہر میں زلزلہ آتا ہے تو نیک و بد دونوں پر یکساں اثر کرتا ہے۔ جب کوئی وبا پھیلتی ہے تو نیک کردار اور بدکردار دونوں ہی اسکی زد میں آتے ہیں اور وہ دونوں کے رشتۂ حیات کیلئے یکساں مہلک ثابت ہوتی ہے۔

البتہ آخرت کے لحاظ سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل کے باغی و نافرمانوں کے لئے یہ حوادث عذاب الٰہی بن جاتے ہیں اور مطیع فرمانبرداروں کے لئے موجب سعادت اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ موت تو ہر جاندار کو بہرحال آنی ہی ہے اُن کے مقسوم میں اسی طرح موت مقدر کی گئی تھی۔ لیکن جو عذاب نبیوں کی آگاہی کے بعد آتا ہے اسمیں اللہ تعالےٰ کی سنت اس طرح رہی ہے کہ نبی کو بذریعہ وحی وقت سے پہلے اطلاع دیدی جاتی ہے اور اُنھیں شہر سے دُور چلے جانے کا حکم کیا جاتا ہے۔ اسکے بعد جھٹلانے والوں کو عذاب میں گرفتار کرلیا جاتا ہے۔

یعنی "سنت اللہ" نبیؑ کی حیات میں بدل جاتی ہے، اچانک اور غیر متوقع طور پر عذاب ٹوٹ نہیں پڑتا اور نہ ہی نیک و بد دونوں پر یکساں اثر ہوتا ہے بلکہ نیکوں کو نبیؑ کے ساتھ محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ انبیاء کرام کی پوری تاریخ میں "سنت اللہ" کا یہ ہی معاملہ رہا ہے جس کی صراحت قرآن حکیم میں جا بجا موجود ہے۔ لہذا طوفانِ نوحؑ میں دُنیائے کفر کا وہ سب حصہ برباد کر دیا گیا جو بغاوت و نافرمانی کے انجام میں آنے والے عذاب سے دو چار ہوتا ہے۔

اب یہ معاملہ اللہ تعالےٰ کے سپرد ہے کہ جن عاقل بالغ انسانوں نے

نبیوں کی بغاوت کی تھی اُن کے حق میں یہ طوفان دائمی عذاب بنا اور جو معصوم وغیر عاقل تھے وہ آخرت کے عذاب سے مامون ومحفوظ قرار پائیں گے۔

ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا جیسا کہ تفسیر رُوح المعانی میں ابن عساکر کی روایت سے نقل کیا گیا، طوفان نوحؑ سے چالیس ۴۰ سال قبل قوم میں ولادت کا سلسلہ قدرتاً بند ہو گیا تھا جو بچے تھے وہ عاقل و بالغ ہو گئے اور طوفان کے وقت کوئی بھی غیر بالغ نہ تھا اور سب کے سب ظالم و باغی تھے، لہذا سب کو ہلاک کر دیا گیا۔ رہی جانوروں کی ہلاکت وہ اِن کے حق میں بمنزلہ موت طبعی ثابت ہوئی۔ موت کے لئے آخر کوئی نہ کوئی سبب تو بنتا ہے اِن جانوروں کے حق میں ایسا موقعہ اِنکی طبعی موت کا ذریعہ بنا جو غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا۔

(۷) ایک اور شُبہ کا ازالہ

جب کشتی تیار ہو چکی تو اللہ تعالےٰ نے اس کشتی میں جہاں اہل ایمان کو سوار ہونے کا حکم فرمایا وہاں ہر جانور کے ایک ایک جوڑے کو بھی ساتھ رکھنے کا امر فرمایا تھا۔ اس پر شُبہ ہوتا ہے کہ ایک کشتی میں اتنی بڑی تعداد کیوں کر سما گئی جبکہ اسکے لئے ایک بڑا جنگل بھی ناکافی ہے؟

یہ شُبہ بھی محض "سنت اللہ" کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ عذاب کی پیشگی اطلاع، طوفان کی نوعیت، تنور سے پانی اُبلنا، آسمان کا پھٹ جانا، زمین کا سراپا چشمہ بن جانا، کشتی کا پہاڑوں جیسی موجوں میں سلامتی کے ساتھ چلنا، پھر محفوظ مقام پر اُتر پڑنا، اہل ایمان کا باقی رہ جانا، سارے باغیوں کا ہلاک ہو جانا، ہر ایک خود اپنی ذات میں نہایت ہی تعجب خیز اور ناقابل فہم ہے۔ لیکن یہ سب واقعات ہیں جو پیش آئے۔

اسی طرح کشتی میں جانوروں کا سما جانا بھی ایک واقعہ ہے اس پر تعجب کیوں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب امور "خرقِ عادات" کے طور پر پیش آئے اور "خرقِ عادات" ایسے ہی اُمور کو کہا جاتا ہے جسکے سمجھنے میں انسانی عقل عاجز و درماندہ ہے۔ معجزات کی حقیقت بھی یہ ہی ہوتی ہے وہ حقیقتاً پیش آتے ہیں لیکن

انسانی طاقت اسکو پیش کرنے یا سمجھنے میں بے بس ہے۔ چونکہ اسمیں خارجی اسباب کارفرما نہیں ہوتے۔ اس لئے ظاہر بین کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ اور عادۃً ایسے امور پیش بھی نہیں آتے اس لئے تعجب وحیرت کا پیدا ہونا ضروری ہے خرقِ عادات اور معجزات میں اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی۔

علاوہ ازیں عقلی طور پر بھی ایک بڑی کشتی میں حیوانات کا سما جانا کوئی امر محال نہیں، موجودہ زمانے میں بڑے بڑے جہازوں نے اس حیرت وتعجب کو سرے ہی سے غلط و باطل کر دیا ہے۔ لاکھوں ٹن سامان جہازوں کے ذریعہ اِدھر سے اُدھر منتقل ہو جاتا ہے۔

کشتئ نوح کو اگر اس نظر سے دیکھیں تو تعجب وحیرت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

علاوہ ازیں شبہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ "ہر ہر جانور کے ایک ایک جوڑے سے" ہر قسم کے جانور سمجھے گئے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جانوروں کی ایک خاص نوع اور مخصوص تعداد مراد ہے جس کا کشتی میں سما جانا ممکن ہے اور جسکی انسان کو ضرورت تھی تفصیل اسکی یہ ہے کہ

جملہ حیوانات کو تین طبقات میں تقسیم کر دیا جائے۔

۱- خشکی کے جانور ۲- پانی کے جانور ۳- فضا کے جانور

انہی کے مجموعہ کو عالم حیوانات کہا جاتا ہے۔ یقیناً انکی تعداد انسانوں کی تعداد سے کہیں زیادہ ہے جسکا تصور بھی مشکل ہے۔

ظاہر ہے کشتی میں یہ سب جانور سوار نہیں تھے اور نہ اسکی ضرورت تھی۔ پانی کے جانور اس سے خود بخود خارج ہیں۔ انکو کشتی میں رکھنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی، پانی خود ان کا مسکن تھا۔

فضا کے جانور بھی اسمیں شامل نہیں ہیں کیونکہ اس عالمگیر طوفان سے انہیں کوئی خطرہ نہ تھا جس سے انکی حفاظت کی جاسکے۔

اس طرح جملہ عالم حیوانات کا ⅔ (دو تہائی) حصہ خارج ہو گیا جنکو کشتی میں رکھنے کی ضرورت نہ تھی اور ان کی ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔

اب رہے صرف خشکی کے جانور اگرچہ اِن کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے لیکن

اِن میں وہ جانور جو محتاجِ تناسل نہیں ہیں اُن کو محفوظ کرنے کی ضرورت نہ تھی وہ ویسے بھی پیدا ہو سکتے ہیں، لہذا ایسے جانور بھی اسمیں شامل نہ تھے۔ ان کے علاوہ جو اقسام باقی رہ گئے ہیں اُن میں سے صرف وہی جانور سوار کرلئے گئے ہوں جن سے انسانی حاجت وابستہ تھی تاکہ طوفان کے خاتمہ کے بعد بقیہ افرادِ انسانی کو دشواری پیش نہ آئے، سو ایسے جانور بہت قلیل ہیں۔ اِن میں سے ہر ایک کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لینا کچھ مشکل نہیں، اور جن جانوروں سے انسانی حاجت وابستہ نہیں جیسے درندے اور غیر غذائی جانور اُن کو کشتی میں رکھا نہ گیا ہو۔ اور بعد میں اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت سے دوبارہ پیدا کر دیا ہو۔ جیسا کہ پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔ اس طرح کشتی کے جانوروں کی تعداد غیر معمولی نہ ہوئی جس سے شُبہ پیدا ہو۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیئے کہ عالمگیر طوفان سے نجات یافتہ افراد کی تعداد اسّی مرد اور عورتوں سے کچھ زیادہ نہ تھی جیسا کہ تاریخی روایات کی صراحت ہے۔ اتنی مختصر انسانی دنیا کیلئے کتنے جانور درکار تھے؟ اسکا جواب خود اس شُبہ کو ختم کر دیتا ہے کہ ایک کشتی میں ہر جانور کا ایک ایک جوڑا کیسے سما گیا؟

(۸) آزمائش

تذکرۂ سیدنا نوح علیہ السلام میں قرآن حکیم نے ایک موقعہ پر اس طرح تنبیہہ کی ہے:-

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ۔

(المؤمنون آیت ۳۰)

بیشک اس قصے میں بڑی نشانیاں ہیں، اور آزمائش تو ہم کرکے ہی رہتے ہیں۔

یعنی اس واقعہ میں عبرت آموز سبق ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ توحید کی دعوت دینے والے حق پر تھے اور شرک پر اصرار کرنے والے کفار باطل پر، اور آج وہی صورت حال درپیش ہے جو کسی وقت حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے درمیان تھی اور یہ کہ مجرمین کو چاہے کتنی ہی ڈھیل ملے لیکن فیصلہ آخر کار ہو کر رہتا ہے اور وہ لازماً اہلِ حق کے حق میں اور اہلِ باطل کے خلاف ہوتا ہے۔

آیت مذکورہ میں اس کے بعد یہ جملہ کہ
"آزمائش تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔"
اس حقیقت پر خبردار کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی قوم کو بھی اپنی زمین اور اسکی بیشمار نعمتوں پر اقتدار عطا کر کے بس یوں ہی اسکے حال پر نہیں چھوڑ دیتا بلکہ اسکی آزمائش کرتا ہے اور یہ دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار اور عطا کردہ نعمتوں کو کس طرح استعمال کر رہی ہے۔

قوم نوحؑ کے ساتھ جو کچھ ہوا اسی قانون کے مطابق ہوا اسکو قوت و طاقت زمین کا اقتدار، مال و دولت کی کثرت، خوشحالی اور چین و سکون جیسی نعمتیں دی گئی تھیں اور ایک طویل عرصہ تک یہ سامان عیش و عشرت باقی رہا، لیکن اللہ کی اس لمبی مہلت نے انھیں اور غافل کر دیا جس کا انجام ہلاکت خیزی کی شکل میں آیا۔ اسی طرح کوئی بھی قوم ایسی نہیں کہ اسکو بس یوں ہی چھوڑ دیا جائے نعمتوں پر آزمایا جاتا ہے اور اس معاملہ میں ہر ایک کو لازماً سابقہ پیش آتا ہے۔

(۹) بُری صحبت کا انجام

بُری صحبت زہر سے زیادہ مہلک ہوتی ہے جسکا انجام ذلت و رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح نیک صحبت تریاق ہوتی ہے جو سینکڑوں بُرائیوں سے حفاظت کا ذریعہ بنتی ہے۔

عقلمند انسان کو جیسے نیکی کی تلاش رہتی ہے ویسے ہی بدی سے اجتناب رہتا ہے۔ انسان کے لئے جس طرح نیکی کی ضرورت ہے اُس سے کہیں زیادہ نیک صحبت کی ضرورت ہے اور جس طرح بدی سے بچنا ضروری ہے اُس سے کہیں زیادہ خطرناک بُروں کی صحبت ہے۔ حضرت نوح علیہ السّلام کا بیٹا جس نے آغوشِ نبوت میں پرورش پائی ہے اور بیوی جو زندگی بھر رفیقۂ حیات بن کر کافروں کی صحبت اختیار کرتی رہی دونوں نے کافروں کا انجام پایا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قرآنی مضمون کو اپنی رُباعی میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح ادا کیا ہے:۔

(۱) پسرِ نوحؑ بابداں بنشست — خاندانِ نبوتش گم شُد
(۲) سگِ اصحابِ کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت مردم شُد
(۳) صحبتِ صالح ترا صالح کُند — صحبتِ طالح ترا طالح کُند

(ترجمہ)

(۱) حضرت نوحؑ کا بیٹا بُروں کا ساتھ دیا — تو خاندانِ نبوت سے جُدا کر دیا گیا
(۲) اصحابِ کہف کا کُتا کہف والوں کا ساتھ دیا — تو وہ انسانوں میں شمار کیا گیا
(۳) نیکوں کی صحبت تجھکو نیک بنا دیتی ہے — بُروں کی صحبت بُرا بنا دیتی ہے

(۱۰) شُکر گزاری

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم نے یہ شہادت دی ہے کہ وہ شکر گزار بندے تھے۔ طبرانی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"نوح علیہ السلام عید الفطر و عید الاضحیٰ کے علاوہ سال بھر روزہ رکھا کرتے تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام نصف سال روزہ رکھا کرتے تھے، اور نصف سال افطار، حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ تین روزے رکھا کرتے تھے۔ اسیطرح حضرت ابراہیمؑ نے سال بھر روزہ رکھا اور سال بھر افطار بھی کیا (الحدیث)

اس حدیث کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ ہر روزہ دس روزوں کے برابر ہے اس طرح ہر ماہ تین روزے تیس روزوں کے مساوی ہوتے ہیں گویا ہر ماہ تین روزے رکھنا پورے ماہ روزے رکھنے کے مماثل ہوئے۔ اس لحاظ سے ابراہیم علیہ السلام سال بھر روزہ رہے اور افطار بھی کیا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجۃ الوداع میں جب وادی عسفان پر گزر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس وادی سے حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے لئے گزرے ہیں، ابن جریرؒ نے بعض تابعین سے نقل کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قبر شریف مسجد حرام (مکۃ مکرمہ) کے اندر ہے۔ واللہ اعلم۔

(قصص الانبیاء وابن کثیرؒ)

(۱۱) ایک اور قدیم جاہلی مرض

حضرت نوح علیہ السّلام کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ پر قوم کے سردار اس طرح سوال کرتے ہیں: "اے نوحؑ کیا ہم تمہیں تسلیم کرلیں جبکہ تمہاری پیروی کرنیوالے کم درجہ کے لوگ ہیں۔" (شعراء آیت ۱۱۱)

نبیوں اور حق کی دعوت دینے والوں اور مصلحین پر ابتداءً ایمان لانے والے اور انکی دعوت قبول کرنے والے زیادہ تر غریب غرباء عوام الناس ہی ہوتے ہیں جو اِن داعیانِ حق کی دعوت و تبلیغ کا دروازہ ثابت ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ابتداءً یہی غریب مچھیرے (ماہی گیر) تھے۔ اور خود ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنے والے اہل ثروت سے کہیں زیادہ غریب عوام ہی تھے۔ تقریباً ہر نبی و رسول کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا ہے۔ قوم نوح کے سرداروں کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی آبادی کے ایک حصہ کو نیچ اور اچھوت قرار دینے کا مرض مشرک جاہلی قوموں میں شروع سے چلا آرہا ہے۔

(۱۲) چند عبرتیں

ہر انسان اپنے قول و عمل کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ باپ کی نیکی و بزرگی نافرمان بیٹے کے جرم و بغاوت کا علاج نہیں، اسی طرح بیٹے کی سعادت و نیک بختی باپ کی سرکشی کا بدل نہیں ہوتی۔

جلیل القدر رسول حضرت نوح علیہ السلام آنکھوں سے اپنے لختِ جگر کو ڈوبتا دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں:-

"اے میرے رب میرا بیٹا ڈوب رہا ہے، یہ میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے کہ تو میرے اہل کو نجات دے گا، تو ہر فیصلے پر قادر ہے۔"

لیکن بارگاہ خداوندی سے بجائے استجابت یہ تنبیہہ دی جاتی ہے :-

اے نوحؑ یہ تیرا اہل نہیں کیونکہ یہ "بدعمل" ہے۔ آئندہ ایسا سوال نہ کرنا ہم تم کو نصیحت کرتے ہیں کہ نادانوں جیسے نہ ہوں۔"

جلیل القدر باپ کی نسبت بھی بدعمل بیٹے کو عذاب سے بچا نہ سکی۔

مشرکینِ مکہ بھی اسی خام خیالی میں تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور بیت اللہ کے متولی و مجاور ہیں، ہم پر اللہ کا غضب آ نہیں سکتا۔

یہود و نصاریٰ بھی اسی زعم و پندار میں تھے کہ ہم نبیوں کی اولاد اور اللہ کے بیٹے و رشتہ دار ہیں۔ ہمیں اگر عذاب ملا بھی تو چند ایک دن کا ہو گا۔ اور آج بھی اس طرح بہت سے غلط کار و بے عمل مسلمان اس جھوٹے و کھوکھلے بھروسوں پر تکیہ کئے ہوئے ہیں کہ ہم فلاں کی اولاد ہیں، فلاں بزرگ کی نسبت رکھتے ہیں، فلاں سلسلے سے وابستہ ہیں، فلاں درگاہ کے سجادہ نشین ہیں، فلاں قبر شریف کے مجاور ہیں، ان سلسلوں کی نسبت ضائع نہ جائیگی اور اللہ ان نسبتوں کی لاج رکھ ہی لے گا وغیرہ وغیرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا یہ تذکرہ ایسے تمام گمراہ کُن نظریات پر کس زور سے ضرب لگاتا ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا یَآ اُولِی الْاَبْصَارِ۔

تذکرہ
سیّدنا ھُود علیہ السّلام
اور
قومِ عاد

تعارُف حضرت ہود علیہ السلام مشہور زمانہ قومِ عاد کی معزز ترین شاخ "خلُود" کے رکن رکین ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک صاحبزادے سام کی اولاد میں ساتویں پشت پر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔

نسب نامہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔

حضرت ہود علیہ السلام نہایت سُرخ و سفید رنگ والے وجیہہ، دراز قد، نہایت متین و سنجیدہ اور پُر وقار شخصیت رکھتے تھے۔ ریش مبارک دراز اور خوبصورت تھی۔

سیدنا ہُود علیہ السلام اور قرآنِ حکیم قرآن حکیم میں حضرت ہود علیہ السلام کا اسم گرامی ساتؔ جگہ آیا ہے۔ سورۂ ہود میں پانچ جگہ اور سورۂ اعراف میں ایک جگہ اور سورۂ شعراء میں ایک جگہ۔

سورۂ اعراف آیت - ۶۵

سورۂ ہود آیات - ۵۰، ۵۳، ۵۸، ۶۰، ۸۹

سورۂ شعراء آیت - ۱۲۴

حضرت ہود علیہ السلام جس قوم کی طرف بھیجے گئے تھے اُس کا نام "عاد" تھا۔ قومِ عاد کا تذکرہ قرآنِ حکیم کی دسؔ سورتوں میں ملتا ہے۔

اعراف[1]۔ ہود[2]۔ مومنون[3]۔ شعراء[4]۔ فصلت[5]۔ احقاف[6]۔ الذاریات[7]۔ القمر[8]
الحاقۃ[9]، الفجر[10]۔

اِن سورتوں میں حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کے تذکرے تفصیلاً اور کہیں اختصاراً موجود ہیں۔ قرآن حکیم روئے زمین کی پہلی آسمانی کتاب ہے جس نے قوم عاد کا تذکرہ کیا ہے۔ اور سابقہ آسمانی کتب اس واقعہ سے خالی ہیں۔ اس لحاظ سے اِس قوم کے حالات کا پہلا اور آخری ماخذ یہی کتاب مُبین ہے۔ نیز اس کے بیان کردہ تفصیلات کی تائید طبقات الارض کے ماہرین کی تحقیقات سے بھی ملتی ہیں۔ تاہم چونکہ پہلا ذریعہ قطعی اور یقینی ہے اس لئے قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کو قطعیت حاصل ہوگی۔ لہٰذا قرآن حکیم کے بیان کردہ تفصیلات ہی قوم عاد کی تاریخ کا اساسی سرمایہ ہیں۔ البتہ اِس کا دوسرا ذریعہ یعنی ماہرین طبقات الارض کی تحقیقات چونکہ تخمینی اور قیاسی ہیں جیسا کہ خود اُن کا اعتراف بھی ہے اس لئے اِن کے بیان کردہ واقعات کی حیثیت ظن و تخمین سے آگے نہیں جاتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغی زندگی بھی نہایت صبر آزما اور طویل کشمکش سے دوچار رہی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغی جد و جہد کے بیان کرنے سے پہلے قوم عاد کا تعارف ضروری ہے۔ جس سے اُس قوم کے مزاج و مذہب پر روشنی پڑتی ہے۔

قومِ عاد

"عاد" عرب کے قدیم قبیلہ کے صاحبِ قوت و اقتدار افراد کی جماعت کا نام ہے۔ عرب کے قدیم باشندے اپنے وطن سے نکل کر شام، مصر، بابُل کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور وہاں اپنا قیام کر لیا تھا اسکے بعد غلبہ و تسلط کر کے وہاں اپنی حکومتیں بھی قائم کر لی تھیں۔ انہی کی مختلف جماعتوں کو "عاد" "ثمود" "طسم" "جدیس" کہا جاتا تھا۔ قرآنِ حکیم نے انہی اقوام کو عادِ اُولیٰ کہا ہے۔

عاد عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی بلند و بالا کے ہیں چونکہ یہ قوم اپنی قد و قامت میں نہایت دراز اور قوی تن تھی اس لئے اِس کا نام عاد پڑ گیا۔

قرآن حکیم نے لفظ عاد کے ساتھ اِرَم کا لفظ بھی استعمال کیا ہے جس کے

معنی بھی بلند و مشہور کے ہیں۔ اس لحاظ سے قوم عاد اُمم سابقہ میں نہایت معروف و مشہور قوم گزری ہے۔ قوم عاد کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار سال قبل کا ہے۔ قرآن حکیم نے قوم عاد کو "مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ" کہہ کر قوم نوح کے خلفاء میں شمار کیا ہے۔ عاد کا مرکزی مقام "ارضِ احقاف" ہے۔ یہ یمن کے علاقے حضرموت کے شمال میں واقع تھا جسکے مشرق میں عمان اور شمال میں "ربع الخالی" واقع ہے (طویل و عریض صحرا) مگر آج یہاں ریت کے ٹیلوں کے سوا اور کچھ نہیں۔

قوم عاد کا مذہب بُت پرستی تھا۔ یہ قوم اُنہی معبودوں کو پوجتی تھی جو قومِ نوح میں رائج تھے۔ اِن کے علاوہ صمود، ہتار، صدا بھی ان کے معبودانِ باطل میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

چونکہ عاد شروع ہی سے قوت و اقتدار کے مالک رہے ہیں اس لئے وہ اپنی اس نفرتی وجسمانی طاقت کے گھمنڈ میں اللہ واحد کی حقیقی قوت و اقتدار کو بھول بیٹھے اور اُن کی زبانوں سے

مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً۔

کون ہے ہم سے زیادہ طاقت والا؟ کے نعرے بلند ہونے لگے۔

انھیں اللہ تعالےٰ نے جہاں دنیاوی اقتدار دیا تھا وہاں خوشحالی اور بارغ البالی بھی عطا کی تھی، قوت اور اقتدار کے اسی احساس نے انھیں مست اور مغرور کر دیا تھا۔

کمزوروں پر ظلم کرنا، حق کی مخالفت کرنا، اللہ کے رسولوں کو جھٹلانا، نصیحت و خیر خواہی کرنے والوں کو اپنا دشمن سمجھنا، اپنی قوت و طاقت پہ اترانا، متکبر و سرکش امراء کی پیروی کرنا، پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر شان و شوکت کے لئے اونچی اونچی عمارتیں بنانا۔ ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار تھے۔

اس بگڑے ہوئے ماحول میں اللہ تعالےٰ نے اسی قوم کے ایک معزز فرد حضرت ہود علیہ السلام کو اِنکی رشد و ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

سیدنا ہود علیہ السلام کی تبلیغ

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم

کو سب سے پہلے اللہ واحد کی عبادت کرنے اور کمزوروں پر ظلم نہ کرنے کی نصیحت شروع کی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرماتے تھے کہ اے قوم میں اپنی اس نصیحت پر تم سے کوئی اجر و عوض کا خواہاں نہیں ہوں، میرا اجر تو اللہ ہی کے پاس محفوظ ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ کا خلاصہ یہ تھا:-

"اے قوم کے لوگو! تم اپنی جسمانی قوت اور اقتدار پر گھمنڈ نہ کرو، اللہ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تم کو یہ نعمت بخشی ہے، قوم نوحؑ کی تباہی کے بعد تم کو اس زمین کا مالک بنایا ہے، خوش حالی اور فارغ البالی دولت و ثروت عطا کی ہے۔ لہذا اُسکی ان نعمتوں کو نہ بھولو، اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش سے باز آجاؤ، جو نہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان! موت و حیات، نفع و ضرر، سب اللہ کے ہاتھ ہے۔"

"اے میری قوم کے لوگو! تم نے عرصے تک اللہ کی نافرمانی کی ہے آج توبہ کرلو اور بت پرستی سے باز آجاؤ۔ اللہ کی رحمت وسیع ہے وہ تم کو اپنی رحمت سے معاف کر دیگا، اُس کی مغفرت چاہو وہ بخش دیگا۔ اللہ سے ڈرو وہ تم کو مزید قوت و طاقت دے گا، مال و اولاد میں برکت دے گا، آسمان سے تم پر بارش نازل کرے گا۔ یاد رکھو! میں اپنی اس نصیحت و خیر خواہی پر تم سے کچھ اجر و صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔"

قوم عاد میں باصلاحیت افراد تو صرف چند ایک ہی تھے وہ تو ایمان لے آئے باقی تمام سرکش اور متمرّد انسانوں کا مجموعہ تھا جن پر حضرت ہود علیہ السلام کی یہ خیر خواہی نہایت شاق گزرنے لگی۔ پہلے تو انھوں نے حضرت ہود علیہ السلام کا مذاق اُڑایا، پھر دھمکیاں دیں۔ کہنے لگے:- اے ہودؑ!

"تمہارا نصیحت کرنا نہ کرنا ہم پر کوئی اثر نہیں کرے گا، گزشتہ زمانے میں بھی لوگ ایسی باتیں کرتے آئے ہیں۔ اس قسم کی بے وقوفی نہ کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تم پر مار پڑ گئی ہے جس سے تمہاری عقل خراب ہوگئی ہے۔ کیا ہم ایک ہی خدا کے پجاری

ہو جائیں اور اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے آباء و اجداد پوجتے آئے ہیں ؟ بھلا ایک خُدا ہماری ضرورتیں کس طرح پوری کرے گا ؟ اے ہود ! اب بس کرو ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ، اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں ۔ اے ہود ! اگر تم سچے ہو تو اپنے خدا کا وہ عذاب جسکی تم دھمکی دیتے آئے ہو لے آؤ ؟ ہم تم سے پھر ایک بار کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کا ذکر کرنا چھوڑ دو ہم کو یہ بات سخت ناگوار ہے ۔"

حضرت ہود علیہ السلام اِن کے جواب میں فرمایا کرتے :۔

"اے قوم کے لوگو ! نہ میں بے وقوف ہوں نہ مجھ پر کسی آسیب کا اثر ہے ۔ میں بلاشبہ اللہ واحد کا فرستادہ اور اُسکا بندہ ہوں ، میں اللہ کے سامنے ویسے ہی مجبور ہوں جیسے تم ہو ، مجھکو بھی وہی بشری تقاضے پیش آتے ہیں جو تم کو پیش آتے ہیں ، میں تم ہی جیسا بشر ہوں ۔ اللہ تعالےٰ نے مجھکو اپنے کلام اور وحی کے لئے منتخب کیا ہے ۔ میں تم کو اُس کی مرضیات اور احکام سے آگاہ کرتا ہوں ، میرا بشر ہونا تمہارے لئے تعجب کی بات بن گیا ہے ۔ حالانکہ مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب بشر ہی تھے اور اپنی ہی قوم سے تھے جیسا کہ میں تمہاری قوم سے ہوں ، میں اپنے خُدا اور تم سب کو گواہ بنا کر سب سے پہلے اعلان کرتا ہوں کہ میں اس اعتقاد سے بَری ہوں کہ خدا کے سوا کوئی مجھے نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے ۔ اگر تمہارے بتوں میں ایسی کوئی قدرت ہے تو وہ مجھے نقصان پہنچانے میں جلدی کریں ، میں اپنے خدا ہی پر بھروسہ کرتا ہوں جسکے قبضۂ قدرت میں کائنات کے تمام جانداروں کی موت و حیات ہے ۔"

اے میری قوم کے لوگو ! تم پچھلی قوموں کے حالات سے عبرت حاصل کرو ، ان کی تباہی و بربادی سے سبق لو ۔ اور یہ یاد رکھو کہ جب اللہ تعالےٰ کا فیصلہ ہو جائے گا پھر تمہارا کوئی عذر کام

نہ دے گا۔

قومِ عاد نے جب یہ باتیں سنی تو حیرت میں پڑ گئے اِن کی سمجھ میں نہ آیا کہ ایک خدا کی پرستش کے کیا معنی ؟ آباء واجداد کے قدیم طریقوں کو ایک نوجوان کے کہنے پر کیوں کر چھوڑا جا سکتا ہے ؟ یہ تو ہمارے بزرگوں کی سخت توہین ہوگی۔ ہم اپنے معبودوں کو کسی حال میں بھی چھوڑنے والے نہیں۔ یقیناً ہودؑ کو ہمارے معبودوں کی مار پڑ کر رہی رہے گی۔

اس طرح قوم کی مخالفت و سرکشی بڑھتی رہی پھر ان کا غیض وغضب بھڑک اُٹھا۔ حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب و تذلیل کے درپے ہو گئے۔ اُن کو مجنون اور خبطی کہنے لگے۔ آخر کار حضرت ہود علیہ السلام نے اُن کی مسلسل بغاوت و سرکشی کے خلاف یہ اعلان کر دیا کہ:۔

"اگر قوم کا یہ ہی حال رہا اور اُنھوں نے اپنے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو اُن کے لئے ہلاکت یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کر کے دوسری قوم کو زمین کا مالک بنا دے گا۔ اے قوم عقل و ہوش سے کام لے خدا کے فیصلے کا وقت قریب آگیا ہے۔ اُس وقت نادم ہونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔"

قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کی مسلسل اور بار بار نصیحت کا غلط فائدہ اُٹھایا اور وہ سرکش و بیباک ہو گئے۔ بگڑ کر حضرت ہود علیہ السلام سے کہنے لگے:۔

"اے ہودؑ تو نے ہم کو اپنے خدا کے عذاب کی دھمکی دی ہے، اب ہم سے تیری روز روز کی نصیحتیں نہیں سنی جاتیں، اگر تو اور تیرا خدا سچا ہے تو وہ عذاب جلد لے آتا کہ یہ جھگڑا ختم ہو۔"

حضرت ہود علیہ السلام نے پھر بھی خیر خواہی کے انداز میں جواب دیا کہ اگر اس کا تم کو اشتیاق ہے تو وہ دن کچھ زیادہ دور نہیں، اب تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

عذاب کی آمد چنانچہ عاد کی انتہائی بغاوت و سرکشی اور اپنے مخلص و خیر خواہ

ہادی و رہبر کی مسلسل مخالفت و عناد نے "قانون جزاء" کو قریب تر کر دیا۔
نقطۂ آغاز کے طور پر پہلے خشک سالی کی شکل میں عذاب آیا جو اُن سے نعمتوں کے چھین لئے جانے کا باعث ہوا۔

یہ عذاب چونکہ کوئی نیا نہ تھا قوم نے اسکو "حوادثِ زمانہ" خیال کیا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے پھر بھی خیر خواہی جاری رکھی۔ سمجھایا کہ یہ تمہاری مکمل ہلاکت و بربادی کا نقطۂ آغاز ہے۔ اب بھی باز آجاؤ مجھ پر ایمان لے آؤ۔ یہی راہِ نجات ہے لیکن بے نصیب قوم پر پھر بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ تب وہ عذاب آیا جو عالم کی تاریخ میں شاید ہی آیا ہو۔

سات رات آٹھ دن مسلسل تیز و تند بادِ صرصر کا طوفان آیا۔ ہوا کا ہر ایک جھٹکا پچھلے جھٹکے سے شدید تر تھا جس نے سارے شہر کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ قوی ہیکل قد و قامت والی قوم جو اپنی جسمانی طاقت کے گھمنڈ میں بدمست ہو چکی تھی اِس طرح بے حس و حرکت چوطرف بکھری پڑی تھی جس طرح آندھی و طوفان کے بعد تناور درخت اکھڑ کر گر پڑتے ہیں۔ خوبصورت ہرا بھرا شہر ویران و کھنڈر بن کر رہ گیا۔ اُن کے قلعہ نما مکانات جو پہاڑوں کو تراش تراش کر بنائے گئے تھے ریت کے تودے بن گئے۔ اُنکی زندگی آنے والی نسلوں کے لئے عبرت بنا دی گئی۔

ہزار ہا برس گزر جانے کے بعد بھی آج اُن کے تباہ شدہ آثار نبیوں کی تعلیمات سے روگردانی کے عواقب و نتائج سے خبردار کر رہی ہیں۔

ہلاک شدہ افراد کی تعداد رُوح المعانی کے مُفسر نے چار ہزار لکھی ہے۔ لیکن بنو سام کی قدیم تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ واللہ اعلم۔

یہ ہے عادِ اُولیٰ کی وہ داستانِ عبرت جو اپنے اندر چشمِ بصیرت کے لئے بیشمار پند و نصائح رکھتی ہے۔ اور اللہ اعلےٰ و برتر کے احکام کی تعمیل اور نبیوں کی اطاعت سے گریز کے عواقب و نتائج سے خبردار کرتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کا یہ تذکرہ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون | وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ

اُعْبُدُوا اللّٰہَ الخ (اعراف آیات ۶۵ تا ۷۲)

اور عاد کی طرف اُنکے بھائی ہودؑ کو بھیجا گیا، اُنھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے ؟ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو ہودؑ کی بات ماننے سے انکار کر رہے تھے جواباً کہا اے ہود ہم تو تمہیں بے عقلی میں مبتلا سمجھتے ہیں۔ اور ہم کو یقین ہے کہ تم جھوٹے ہو! ہودؑ نے کہا اے میری قوم میں بے عقلی میں مبتلا نہیں ہوں بلکہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ تم کو اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیرخواہ ہوں۔ کیا تم کو اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس خود تمہاری اپنی قوم سے ایک آدمی کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت آئی ہے تاکہ وہ تم کو خبردار کرے ؟ خدا کا یہ احسان یاد کرو کہ قوم نوحؑ کے بعد تم کو زمین کا جانشین بنایا اور تمہیں قد و قامت میں پھیلاؤ بھی زیادہ دیا۔ پس خُدا کی اِن نعمتوں کو یاد کرو امید کہ تم فلاح پاؤ۔

قوم نے جواب دیا اے ہودؑ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اُن معبودوں کو چھوڑ دیں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ؟ اچھا تو پھر لے آوہ عذاب جسکی تو ہمیں دھمکی دیتا آیا ہے، اگر تو سچا ہے۔ ہودؑ نے کہا تمہارے رب کی پھٹکار تم پر پڑ گئی ہے اور اُس کا غضب ٹوٹ پڑا ہے۔ کیا تم مجھ سے اُن فرضی ناموں پر جھگڑا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے لئے اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی ہے، اچھا تو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔

آخرکار ہم نے اپنے کرم سے ہودؑ اور اُن کے ساتھیوں کو بچالیا اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ دی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے تھے اور وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔"

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا

اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ۔ الخ

(ہود آیات ۵۰ تا ۵۶)

اور عاد کی طرف اُن کے بھائی ہودؑ کو بھیجا گیا اُنھوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اُسکے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں تم نے محض فرضی معبود گھڑ رکھے ہیں۔

اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے اِس کام پر کوئی اُجرت نہیں چاہتا، میرا صلہ تو اُسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے! اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اُسکی طرف رجوع ہو جاؤ وہ تم پر آسمان کے دروازے کھول دے گا برسنے والے بادلوں سے، اور تمہاری موجودہ قوت پر مزید قوت کا اضافہ کر دے گا اور تم مجرموں کی طرح منہ نہ پھیرو۔ قوم نے جواب دیا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لیکر نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ تجھ پر ایمان لانے والے ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اوپر ہمارے معبودوں میں سے کسی ایک کی مار پڑ گئی ہے۔ ہودؑ نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ یہ جو تم نے اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی میں شریک ٹھیرا یا ہے اُس سے میں بیزار ہوں۔ تم سب ملکر میرے خلاف اپنی تدبیر میں کوئی کسر نہ چھوڑو پھر مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی پیشانی اللہ کے قبضے میں نہ ہو۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ پھر اگر تم منہ پھیرتے ہو (تو پھیرلو) جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم تک پہنچا دیا ہے اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم کو زمین کا خلیفہ بنائے گا اور تم اسکو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے بیشک میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔

اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہودؑ اور ان لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے نجات دیدی اور ایک سخت ترین عذاب سے اُنھیں بچالیا۔ اور یہ ہیں عاد جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اُسکے رسولوں کی بات نہ مانی اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی۔

آخر کار اس دُنیا میں بھی اُن پر پھٹکار پڑی اور قیامت کے روز بھی (اے لوگو) سُن لو عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ آگاہ ہوجاؤ ہلاکت ہوئی عاد کے لیے جو ہودؑ کی قوم ہے :-

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ ۲۱ (المؤمنون آیات ۳۱ تا ۴۱)

"پھر ہم نے قوم نوحؑ کے بعد قوموں کا ایک دوسرا سلسلہ شروع کیا۔ پھر اُن میں اُنھی کی قوم کا رسول بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تمہارے لئے اُسکے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ؟

اُسکی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلاتے تھے جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ حال کر رکھا تھا، کہنے لگے یہ شخص ہودؑ کچھ نہیں مگر ایک بشر ہے تم ہی جیسا، جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت قبول کرلی تو گھاٹے ہی میں رہو گے۔ یہ تم کو اطلاع دیتا ہے کہ جب تم مر کر مٹی ہوجاؤ گے اور ہڈیوں کا چورا ہوجائے گا اس وقت تم (قبروں سے) نکالے جاؤ گے۔ بعید بالکل بعید ہے۔ یہ وعدہ جو تم سے کیا جارہا ہے۔ زندگی اور کوئی نہیں مگر بس یہی دُنیا کی زندگی ہے۔ یہیں ہم کو مرنا ہے اور جینا ہے اور ہم دوبارہ ہرگز زندہ نہیں کئے جائینگے۔ کچھ نہیں یہ ایک ایسا آدمی ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے ہم اسپر کبھی یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

اسپر ہودؑ نے دُعا مانگی خدایا میری مدد فرما کیونکہ انھوں نے مجھکو جھٹلایا ہے۔ حکم ہوا کہ عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کئے پر شرمسار ہونگے۔ چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے اُنہیں آپکڑا اور ہم نے اُنہیں خس و خاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ سو بربادی ہوئی ظالم قوم کے لئے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ الخ (الشعراء آیات ۱۲۳ تا ۱۴۰)

قومِ عاد نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن کے بھائی ہودؑ نے اُن سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں تم سے اس کام پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا ہوں میرا اجر تو ربُّ العالمین کے ذمے ہے۔ یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا کہ تم کو یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو ظلم کا پنجہ ہی مارتے ہو۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور ڈرو اُس اللہ سے جس نے تمہیں وہ کچھ دیا جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیئے، اولاد دی، باغات دیئے، چشمے دیئے۔ بیشک میں ڈرتا ہوں تمپر ایک بڑے عذاب والے دن سے، قوم نے جواب دیا تو نصیحت کر یا نہ کر ہمارے لئے سب یکساں ہے۔ یہ باتیں تو اگلے وقتوں سے یونہی ہوتے چلی آرہی ہیں۔ اور ہم عذاب میں مبتلا ہونے والے نہیں ہیں۔

آخر کار اُنھوں نے ہودؑ کو جھٹلا دیا اور ہم نے بھی اُنہیں ہلاک کر دیا۔ بیشک اسمیں ایک عبرت ہے مگر اِن میں سے اکثر لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب وہی زبردست ہے رحم والا ہے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۔ الخ (حٰمٓ السجدہ آیات ۱۵ تا ۱۶)

عاد کا یہ حال تھا کہ وہ زمین پر بغیر کسی استحقاق بڑے بن بیٹھے اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟ انھوں نے یہ غور نہ کیا کہ جس خدا نے انہیں پیدا کیا وہ ان سے زیادہ زور آور ہے، اور وہ ہماری آیات کا انکار ہی کرتے رہے۔

آخر کار ہم نے اُن پر بادِ صَرصَر کا طوفان ایسے دنوں میں بھیجا جو (عذاب کی وجہ سے اُن کے حق میں) منحوس تھے تاکہ ہم اُنکو اس دُنیوی حیات میں رُسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رُسوا کُن ہے۔ وہاں اُن کی کوئی بھی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔"

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ - الخ

(الاحقاف آیات ۲۱ تا ۲۶)

"اے نبیؐ ذرا انھیں عاد کے قومی بھائی ہودؑ کا قصہ سناؤ جبکہ اُس نے مقامِ احقاف میں اپنی قوم کو خبردار کیا تھا اور ایسے خبردار کرنے والے اُس سے پہلے بھی گزر چکے تھے اور اُس کے بعد بھی آتے رہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

قوم کے لوگوں نے کہا کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دے؟ تو پھر لے آ اپنا وہ عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر واقعی تو سچا ہے؟ ہودؑ نے کہا اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے میں تمہیں صرف وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جسے دیکر مجھے بھیجا گیا ہے مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگ جہالت برت رہی ہو۔ پھر جب اُن لوگوں نے اُس بادل کو اپنی وادیوں کی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ بادل ہے جو ہم کو سیراب کر دے گا، نہیں، بلکہ یہ وہی چیز ہے جسکے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ ہوا کا طوفان ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔

اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر ڈالے گا۔ آخر کار ان کا حال یہ ہوا کہ اُن کے رہنے کی جگہوں کے سوا وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ہم نے اُن لوگوں کو جو اقتدار دیا تھا وہ تم لوگوں کو نہیں دیا اُن کو ہم نے کان دیئے آنکھیں اور دل، مگر نہ وہ کان اُنکے کسی کام آئے نہ آنکھیں نہ دل، کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اُسی چیز کے پھیر میں آگئے جسکا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔"

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ۔ الخ

(الذریات آیات ۴۱ تا ۴۲)

اور قوم عاد کے ہلاک ہونے میں خالقِ کائنات کی بہت سی نشانیاں ہیں جبکہ ہم نے اُن پر ایک منحوس آندھی چلادی۔ جس چیز پر ہوکر وہ گزرتی تھی اُسکو بوسیدہ ہڈی کی طرح چورا کئے بغیر نہ چھوڑتی۔"

کَذَّبَتْ عَادٌ فَکَیْفَ کَانَ عَذَابِیْ وَنُذُرِ۔ الخ

(القمر آیات ۱۸ تا ۲۲)

"جھٹلایا عاد نے رسولوں کو پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور کیسی تھی میری تنبیہات؟ ہم نے ایک مسلسل نحوست والے دن سخت طوفانی ہوا اُن پر بھیج دی۔ جو لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر اس طرح پھینک رہی تھی جیسے وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہوں۔ پس دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات؟ ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنایا ہے۔ پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ۔ الخ

(الحاقۃ آیات ۶ تا ۸)

"اور عاد ایک بڑی شدید طوفانی ہوا سے ہلاک کر دیئے گئے۔ اللہ نے اُس آندھی کو مسلسل سات رات آٹھ دن اُن پر مسلط

رکھّا (تم وہاں ہوتے تو) دیکھتے کہ وہ وہاں اس طرح پچھاڑے گئے ہیں جیسے کھجور کے بوسیدہ تنے ہوں۔ اب کیا اُن میں سے کوئی تمہیں باقی بچا نظر آتا ہے؟ اور اسی جُرم کا ارتکاب فرعون اور اُس سے پہلے لوگوں نے اور تل پٹ ہو جانے والی بستیوں نے کیا تھا۔ اُن سب نے اپنے رسولوں کی بات نہ مانی تو اللہ نے اُن کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔"

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۔ الخ (الفجر آیات ۶ تا ۱۴)

"تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے رب نے کیا برتاؤ کیا اُونچے ستونوں والے عادِ ارم کے ساتھ۔ اِس جیسی قوم دُنیا کے ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی تھی۔ ثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشی تھیں۔ میخوں والے فرعون کے ساتھ۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے دُنیا کے ملکوں میں بڑی سرکشی پھیلا رکھی تھی۔ اور اِن میں بہت فساد مچا رکھا تھا۔

آخر کار تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب گھات لگائے ہوئے ہے۔"

نتائج و عبر

(۱) احقاف والے

حضرت ہود علیہ السلام جس شہر کی طرف مبعوث کئے گئے تھے اُس کا نام قرآن حکیم نے احقاف بیان کیا ہے۔

احقاف حِقف کی جمع ہے جسکے معنی ریت کے اونچے ٹیلے کے ہیں۔ یہ صحرائے عرب (الربع الخالی) کے جنوب مغربی حصّے کا نام ہے۔ ہزاروں سال قبل یہ سرسبز و شاداب علاقہ تھا جہاں ایک طاقتور متمدن قوم آباد تھی لیکن آج یہاں کوئی آبادی نہیں ایک لق و دق

ریگستان ہے جس کے اندرونی حصے میں جانے کی کوئی ہمت نہیں کرتا۔ ۱۸۴۳ء میں ایک سیاح اس ریگستان کے جنوبی کنارے تک پہنچ گیا تھا وہ کہتا ہے کہ حضرموت شہر کے شمالی سطح مرتفع پر کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو یہ صحرا کم وبیش ایک ہزار فیٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اسمیں جگہ جگہ ایسے سفید قطعات ہیں جن میں اگر کوئی شئے گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی معلوم ہوتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہوجاتی ہے۔ عرب کے صحرانشین بھی اِن علاقوں میں جانے سے گھبراتے ہیں۔ وہ سیاح کہتا ہے کہ میں ہمت کرکے وہاں تک پہنچا دیکھا کہ ریت نہایت باریک اور نرم ہے۔ میں نے دور سے اس قطعے میں ایک ہتیار پھینکا پچیس منٹ کے اندر اندر وہ ریت میں غرق ہوگیا اور اُس رسّی کا سرا گل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا۔

قوم عاد اسی علاقے میں آباد تھی، موجودہ شہر مُکلا سے تقریباً ۱۲۵ میل کے فاصلے پر شمال کی جانب حضرموت میں ایک مقام پر حضرت ہود علیہ السلام کا مزار معروف ومشہور ہے۔ جسکی لوگ زیارت کیا کرتے ہیں۔ اہل حضرموت کا دعویٰ ہے کہ عاد کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام حضرموت کے شہروں کی طرف ہجرت کر آئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

حضرت علیؓ سے بھی ایک اثر منقول ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر شریف حضرموت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر ہے اور اُن کے سرہانے جھاؤ کا درخت ہے۔ لیکن اہل فلسطین کا ادّعا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر فلسطین میں ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) بے حقیقت نام

حضرت ہود علیہ السلام نے جب تبلیغ کا آغاز کیا تو قوم کے افراد نے اُن کو بیوقوف اور جھوٹا کہا، قوم کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اللہ واحد کی عبادت کے کیا معنی؟ صرف ایک ہستی اتنے بڑے نظامِ کائنات کا انتظام کیونکر کرسکتی ہے؟

ان لوگوں کا خیال تھا کہ کائنات کے لاکھوں شعبوں کے لئے ایک خدا کی کارسازی ممکن نہیں، اس لئے انھوں نے دُنیا کے مختلف امور کیلئے الگ الگ معبود قرار دے لئے تھے اور انکے مختلف نام بھی گھڑ لئے تھے، حضرت ہودؑ نے اُنکی اس تجویز پر بارہا اعتراض کیا کہ اے قوم کیا تم مجھ سے اُن ناموں پر جھگڑتے

ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں جن کے لئے اللہ نے کوئی سند و دلیل نازل نہیں کی ہے۔

یعنی یہ صرف نام ہی نام ہیں جنکی تم عبادت کرتے ہو ان ناموں کے پیچھے کوئی طاقت و اقتدار نہیں، تم نے کسی نام کو بارش کا رب اور کسی کو ہوا کا، کسی کو پانی کا، کسی کو دولت کا، کسی کو صحت و بیماری کا خدا کہتے ہو۔ حالانکہ ان میں سے کوئی بھی فی الحقیقت کسی چیز کا بھی رب نہیں ہے۔ لیکن قوم اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر قطعاً آمادہ نہ ہوئی اُنھیں کسی طرح بھی یقین نہیں آتا کہ صرف ایک ہستی اتنے بڑے نظامِ کائنات کو کیونکر قائم رکھ سکتی ہے؟ کائنات کے لئے تقسیم کار ضروری ہے، یہ قوم اللہ تعالیٰ کے لئے اہلِ کار تجویز کرتی تھی مگر اللہ کے وجود کا انکار نہیں کرتی تھی۔ کائنات کے لئے اللہ کا وجود جانتے و مانتے ہوئے بھی چند فرضی ہستیوں کو حاجت روائی کے لئے پکارا کرتی تھی، اُن کے نام پر نذر و نیاز بھی کی جاتی تھی۔ اُن سے دُکھ درد میں استغاثہ و فریاد بھی کرتے تھے، اور خوشی و مسرت میں اُن کے نام کا وظیفہ بھی پڑھتے تھے۔ اور یہ اتنا قدیم طریقہ تھا کہ اسکو چھوڑنا اُن کے لئے تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ اس طریقے پر اِن کی پشتیں گزر گئیں تھیں۔

موجودہ زمانے میں بھی بعض لوگ کسی انسان کو "مشکل کشا" کہتے ہیں۔ حالانکہ مشکل کشائی کی کوئی طاقت اِس کے پاس نہیں ہوتی ہے۔

کسی کو "گنج بخش" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے پاس کوئی گنج نہیں کہ کسی کو بخشے۔ کسی کو "داتا" کا لفظ بولتے ہیں حالانکہ وہ کسی شئ کا مالک ہی نہیں کہ داتا بن سکے۔ کسی کو "غریب نواز" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ غریب اُس اقتدار میں کوئی حصہ نہیں رکھتا کہ کسی غریب کو نواز سکے۔ کسی کو "غوث" (فریادرس) کہا جاتا ہے حالانکہ وہ کوئی زور نہیں رکھتا کہ کسی کی فریاد کو پہنچ سکے۔ کسی کو "بندہ نواز" سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ خود بندہ ہے، بندگی کے بندھنوں میں کسا ہوا، کسی کو "دستگیر" کہا جاتا ہے باوجودیکہ وہ خود دست نگر تھا کسی کی کیا دستگیری کرتا؟ درحقیقت یہ اور ایسے سب نام محض نام ہی نام ہیں جنکے پیچھے کوئی اقتدار، قدرت، اور طاقت نہیں جو اِن کے لئے جھگڑا کرتا ہے وہ دراصل صرف ناموں کے لئے جھگڑتا ہے نہ کہ کسی حقیقت کے لئے!

سیدنا ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہی حقیقت سمجھانی چاہی لیکن اتنی کھلی حقیقت سمجھی نہ گئی۔

یہ دنیا کا عجوبہ نہیں تو اور کیا ہے کہ مجبور اور بے بس انسانوں نے اپنے ہی وہم و گمان سے خدائی کا جتنا حصہ جس کو چاہا دے ڈالا اور اسکو اپنا مذہب و ایمان بھی بنالیا۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

(۳) آخری مہلت قوم کی بغاوت و گریز سے حضرت ہود علیہ السلام قطعاً مایوس نہیں ہوئے بلکہ مسلسل افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری رکھا اور مختلف طریقوں سے یہ حقیقت سمجھاتے رہے کہ اے قوم اپنی اس گئی گزری حالت پر بھی اپنے رب سے معافی چاہو، اُسکی طرف پلٹ آؤ وہ تم پر رحمت کی بارش کے لئے آسمان کے دروازے کھول دے گا، تمہاری موجودہ قوت میں مزید اضافہ کر دیگا اور تم کو اچھا سامان زندگی عطا کرے گا۔

یہ حقیقت قرآن حکیم نے کئی مقامات پر ظاہر کی ہے کہ جب ایک قوم کے پاس نبیؑ کے ذریعہ اللہ عظیم کا مکمل پیغام آجاتا ہے تو اُس قوم کی قسمت اُس پیغام کے ساتھ وابستہ ہوجاتی ہے، اگر وہ قوم اُسکو قبول کرلیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی نعمتوں و برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، اور اگر اُس پیغام کو قوم رَد کر دیتی ہے تو کچھ مہلت کے بعد اُس قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

انبیاء کرام کی پوری تاریخ یہ ہی نتائج پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہر قوم کے ساتھ یوں ہی رہی ہے۔ البتہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت اس سے مختلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتوں کے پیشِ نظر اِس کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:-

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔ (انفال آیت ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرینگے کہ اُن میں آپؐ کے ہوتے ہوئے اُن کو عذاب دیں، اور اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب نہ دیں گے جس حالت

ہیں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں۔

(۴) ذہنی و فکری ارتداد اور ایک شبہ کا ازالہ

جب ایک شخص قرآن حکیم کے مطالعہ میں بار بار یہ پڑھتا ہے کہ فلاں قوم نے اپنے نبیؑ کو جھٹلایا تو اسکو تباہ کر دیا گیا، فلاں قوم نے نبیؑ کی مخالفت کی جسکے سبب ہلاکت سے دوچار ہوئی۔ کسی کو زمین میں دھنسا دیا گیا کسی قوم پر آسمان سے آگ برس پڑی، کسی قوم کو زلزلہ نے تباہ کر دیا، کسی کو (صاعقہ) بجلی کی کڑک نے آدبایا، کسی قوم کو غرق کر دیا گیا۔ تو دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے واقعات اب کیوں نہیں ہوتے؟ جبکہ بغاوت و سرکشی، خدا بیزاری، آخرت فراموشی، کفر و شرک، فسق و فجور انتہائی عروج پر ہیں؟

اسکا جواب نہایت آسان ہے۔ دراصل بغاوت و سرکشی کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ ایک بغاوت وہ ہے جو نبیؑ و رسولؑ کی موجودگی میں رُونما ہو، جس قوم میں نبی موجود ہوتا ہے وہ قوم نبی کی براہ راست مخاطب ہوتی ہے اور اللہ عظیم کا پیغام اُس قوم کو براہ راست ملتا ہے۔ نبی کی زندہ شخصیت جو اپنی ذات میں صداقت و دیانت اور امانت و ہدایت کا سرچشمہ ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حجت کا زندہ نمونہ ہوتا ہے۔ حق پر واضح دلیل و حجت پیش کرتا ہے اور کبھی معجزات سے اپنی حقانیت واضح کرتا ہے۔ اس طرح اُس قوم پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد اُس قوم کیلئے معذرت و مہلت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ایسے وقت اللہ کے فرستادہ کو دُو بدو جھٹلانے کے بعد وہ قوم اسکی مستحق ہو جاتی ہے کہ اِس کا حساب برسرِ موقع چُکا دیا جائے، سابقہ اقوام انہی بنیادوں پر ہلاکت سے دوچار ہوئی ہیں۔

بغاوت کی دوسری شکل جس پر اس طرح کے واقعات پیش نہیں آتے پہلی صورت سے مختلف ہے۔ جن قوموں کے پاس اللہ واحد کا پیغام براہِ راست نہ آیا ہو بلکہ مختلف واسطوں سے پہنچا ہو اُن کا معاملہ ویسا نہیں جیسا کہ نبی کی موجودگی میں بغاوت و مخالفت کا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو گیا، وحی الٰہی قیامت تک کے لئے روک لی گئی، معجزات کا سلسلہ بھی

باقی نہ رہا، نبی کا وجود جو نور و ہدایت کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتا ہے ممکن نہ رہا، ان حالات میں بغاوت و سرکشی وہ نتائج پیدا نہیں کرتی جو نبی کی موجودگی میں بغاوت پر مرتب ہوا کرتے ہیں، اسلئے ختم نبوت کے بعد قوم کی سرکشی و بغاوت پر اب اگر ایسے حوادث پیش نہیں آتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ البتہ تعجب کے قابل کوئی بات ہو سکتی ہے تو یہ کہ اب بھی کسی قوم پر اُسی شان کا عذاب آ جاتا جیسا کہ انبیاء کرام کو دُو بدو جھٹلانے والی قوم پر آتا تھا۔

لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اب مجرم قوموں پر عذاب آنے بند ہو گئے ہوں۔ آج بھی ایسی گمراہ قوموں پر چھوٹے بڑے تنبیہی عذاب آتے رہتے ہیں۔ لیکن غور و فکر کے زاوئے بدل گئے ہیں۔ خُدا بیزار اور آخرت فراموش اذہان نے ایسے حوادث کو "حادثۂ اتفاقی" کا نام دے لیا ہے یا "گردشِ زمانہ" کا نام رکھ دیا ہے یا پھر کسی اسباب ظاہری کی طرف نسبت کر دی ہے ورنہ جرائم پر جو حوادث آتے ہیں وہ دراصل "عذاب" ہی ہوتے ہیں۔

یہ ذہنی و فکری ارتداد ہے جو اللہ تعالےٰ کی ذات اور اُسکے قوانینِ فطرت کو تسلیم نہ کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔

(۵) بادِ صَرصَر

قومِ عاد پر جو عذاب آیا اُسکی نوعیت نہایت دلدوز ہے۔

ایک طوفانی ہوا تھی جسکے لئے قرآنِ حکیم نے "رِیحِ صرصر" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اسکے معنی ایسی ہوا کے ہیں جسکے چلنے سے سخت شور برپا ہو۔ یہ شور خود ہوا کی آواز سے پیدا ہوتا تھا یا پھر اطراف و اکناف کی چیزوں سے ٹکرانے پر پیدا ہوتا ہو۔ بہرحال یہ لفظ نہایت تُند و تیز ہوا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ طوفانی ہوا مسلسل سات رات آٹھ دن چلتی رہی۔ اُسکے زور اور اثر سے لوگ مر مر کر گر پڑے۔ چونکہ یہ لوگ بڑے قد آور اور بڑی ڈیل ڈول کے تھے۔ اسلئے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کھجور کے تنے گر پڑے ہیں۔ جس چیز پر سے یہ ہوا گزرتی گئی اسکو چورا چورا کر کے رکھ دیا۔ جس وقت یہ ہوا آنے لگی اُس وقت قومِ عاد خوشیاں منانے کیلئے باہر نکل پڑے کہ ایک طویل عرصے کے بعد گھٹا گھر کر آئی ہے۔ بارش ہوگی اور سُوکھے کھیتوں پر پانی برسے گا۔ مگر جب وہ آئی تو اس طرح آئی کہ اُن کے پورے

علاقے کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا۔ سورۃ الذّاریات میں اس بادِ صرصر کیلئے الرِّیۡحُ الۡعَقِیۡمُ کا لفظ آیا ہے جسکے معنی خشک اور بے خبر ہوا کے ہیں۔ دراصل عقیم کا لفظ بانجھ عورت کے لئے بولا جاتا ہے جو اولاد سے ناامید ہو چکی ہو۔ یعنی وہ ایسی ہوا تھی جو اپنے اندر کوئی بھی بھلائی نہیں رکھتی تھی، نہ خوشگوار تھی نہ ہی بارش لانے والی، اور نہ درختوں کو بارآور کرنے والی، پھر اس بے خبری کے ساتھ نہایت شدید آندھی کی شکل میں آئی تھی جس نے لوگوں کو اُٹھا اُٹھا کر پٹک دیا۔

(۶) **ایامِ نحسات** قوم عاد پر "ریح صرصر" یا "ریح عقیم" کا عذاب سورۂ قمر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ۔ (آیت ۱۹)

"ہم نے اُن پر ایک سخت آندھی روانہ کر دی جو دائمی نحوست کے دن واقع ہوئی"

اور سورۂ حٰم السجدہ میں اس طرح آیا ہے۔

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا فِىۡۤ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ الخ (آیت ۱۶)

"پھر ہم نے روانہ کر دی اُنپر بادِ صرصر منحوس دنوں میں۔" الخ

مشہور یہ ہے کہ یہ عذاب بُدھ کے دن آیا تھا اس لئے قدیم زمانے سے لوگوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ بدھ کا دن منحوس دن ہے۔ اور اس پر ہر زمانے میں مختلف عقیدے قائم ہوتے چلے گئے کہ اس دن کوئی اچھا کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بدھ کے دن سفر کرنا عموماً نامبارک ہے۔ کوئی بڑا لین دین اس دن نہ ہونا چاہیئے، بدھ کے دن ناخن نہ کاٹنا چاہیئے، مریض کی عیادت نہ کرنا چاہیئے، اور یہ کہ مرض جذام و برص اسی روز شروع ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اِن توہمات کے پیچھے چند ضعیف احادیث بھی نقل ہوتی چلی آرہی ہیں جس سے بدھ کے دن کی نحوست کا عقیدہ عوام الناس میں رائج ہو گیا۔

علم حدیث کے محققین نے ایسی تمام روایات کو نہایت ضعیف، مہمل، موضوع (جھوٹی) قرار دیا ہے۔ کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو صحیح کہی جا سکے۔

امام المحدثین حافظ سخاویؒ کہتے ہیں کہ جتنے طریقوں سے بھی یہ روایات منقول ہیں سب کی سب غیر مستند ہیں۔ یہ ہی بات علامہ ابن رجب حنبلیؒ، علامہ ابن جوزیؒ، علامہ آلوسیؒ سے منقول ہیں۔ محقق مناویؒ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ بدھ کے دن کو منحوس سمجھ کر چھوڑ دینا اور نجومیوں جیسے اعتقادات اس باب میں رکھنا حرام اور سخت حرام ہے۔ لہٰذا بدھ کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد بات ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہفتے کے سارے دن یکساں ہیں کوئی دن اپنی ذات میں نہ نفع پہنچانے والا ہے نہ نقصان۔ رات دن میں بھی کوئی گھڑی ایسی نہیں جو ایک کے لئے اچھی ہو اور دوسروں کے لئے بُری! جب اللہ تعالےٰ چاہتے ہیں تو کسی کیلئے موافق اور کسی کے لئے ناموافق حالات پیدا کر دیتے ہیں۔ نادان آدمی اسکو نحوست پر محمول کر لیتا ہے۔ حالانکہ نحوست کوئی چیز نہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اپنی کسی کتاب میں لکھتے ہیں:۔

"اُمم سابقہ میں کوئی دن منحوس اور کوئی نامنحوس رہا ہوگا لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم جس دن اس جہاں میں رونق افروز ہوئے سارے جہاں سے نحوست قیامت تک کے لئے اُٹھا لی گئی"

حدیث بخاری و مسلم سے بھی یہ تائید ملتی ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ وَلَا ھَامَۃَ۔ الحدیث۔

نہ کوئی مرض متعدی ہے نہ کوئی بدشگونی درست ہے اور نہ کوئی آواز منحوس ہے۔

نیز ایک اور حدیث میں صراحت کے ساتھ کہا گیا:۔

اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ۔ الحدیث۔

بدشگونی شرک ہے۔

اس ساری تفصیل سے قطع نظر بالفرض بدھ کے دن کو منحوس ہی قرار دیا جائے تو سارے ہفتے کے دن بھی منحوس قرار پائیں گے۔ کیونکہ دوسری آیت میں اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ

آیا ہے۔ یعنی یہ عذاب والے دن سات رات اور آٹھ دن تھے تو گو یا سارا ہفتہ منحوس قرار پایا، بلکہ ایک دن اُس پر مزید اضافہ کے ساتھ۔ پھر آخر کونسا دن غیر منحوس ہو گا ـــ؟

اس لئے مرادِ قرآنی ہرگز ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ دن اصلاً منحوس تھے حقیقت یہ ہے کہ یہ آٹھ دن منحوس جو قوم عاد پر مسلط رہے اس قوم کے لئے بوجہ عذاب منحوس تھے نہ کہ اپنی ذات میں منحوس تھے۔

(۷) تلخی کا جواب شیریں کلامی

حضرت ہود علیہ السلام کو اُنکی قوم اس طرح خطاب کرتی ہے :۔

"بیشک ہم تجھ کو بیوقوف انسان سمجھتے ہیں اور یقیناً تو جھوٹا بھی ہے۔"

حضرت ہود علیہ السلام اسکا اس طرح جواب دیتے ہیں :۔

"اے میری قوم میں بے وقوف نہیں ہوں، البتہ میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں، اپنے رب کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں اور میں تمہارے لئے نہایت خیر خواہ اور امانتدار ہوں۔"

یہ گفتگو ہمیں یہ درس عظیم دیتی ہے کہ اللہ عظیم کے برگزیدہ بندے جب کسی کی نیکی اور خیر خواہی کرتے ہیں تو مخالفوں کی بے ہودہ گوئی اور استہزاء و تحقیر کی پرواہ نہیں کرتے اور نہ شکستہ دل ہوتے ہیں اور نہ مایوس ہو کر اپنے فرضِ منصبی سے منہ موڑتے ہیں، اپنی خیر خواہی و نصیحت جاری رکھتے ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی و کامرانی سمجھتے ہیں کہ اللہ کا پیغام پہنچتا رہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

انبیاء کرام کا یہ طریقہ امت کے لئے بہترین اُسوہ ہے کہ تبلیغ و پیغامِ حق کی راہ میں بدی کا بدلہ نیکی سے اور تلخی کا جواب شیریں کلامی سے دیا جائے۔

(۸) قدیم جُرثومہ

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ کی لازوال نعمتیں یاد دلاتے ہیں اور آئندہ کے لئے وعدہ

فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ اپنے پروردگار کی جناب میں مغفرت طلب کرتے رہو اور اُسی کی طرف رجوع کرتے رہو تو وہ تم پر برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوتوں میں اضافہ کریگا۔ الخ۔

مگر بے نصیب قوم نے کسی طرح بھی مان کر نہ دیا اور اِسکا بڑا سبب وہ جاہلانہ عقیدہ تھا کہ ہم اپنے باپ دادا کے طور طریقے کو کیوں چھوڑ دیں جو پُشت ہائے پُشت سے چلا آرہا ہے؟ کیا ہمارے آباء واجداد سب کے سب گمراہ تھے؟ اور کیا اُن کے پاس کوئی دلیل و بُرہان نہ تھی؟ اور کیا وہ سب کے سب جاہل تھے؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ مہلک عقیدہ کوئی نیا نہ تھا تقریباً ہر نبی و ہر مُصلح کو اُسکی قوم نے یہی جواب دیا۔ یہ جُرثومہ اقوام کی روحانی زندگی کے لئے ہمیشہ تباہ کن اور سعادتِ ابدی کے لئے ہلاکت آفرین رہا ہے۔ دُنیا کے عظیمُ المرتبت رسولوں کی قومیں اسی جہالت و اندھے پن کی وجہ سے محرومِ ہدایت رہی ہیں، انبیاء کرام کے معجزات اور آیات سے بھی انہیں کوئی نفع نہ ہوا۔ اور آج بھی جن جن قوموں اور جماعتوں میں یہ جراثیم موجود ہیں وہ اپنے نصیحت کرنے والوں اور خیرخواہوں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں جیسا کہ قومِ عاد، قومِ ثمود اور قومِ نوح کے تذکروں میں ملتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔

تذکرہ
سیّدنا صالح علیہ السّلام
اور
قومِ ثمود ۔ اصحابُ الحِجر

حضرت صالح علیہ السّلام اور قومِ ثمود

قرآن حکیم میں حضرت صالح علیہ السلام کا اسم گرامی نو۹ مقامات پر آیا ہے۔
سورۂ اعراف میں تین۳ جگہ آیت ۷۳، ۷۵، ۷۷
سورۂ ہود میں چار۴ جگہ آیت ۶۱، ۶۲، ۶۶، ۸۹
سورۂ شعراء میں ایک جگہ آیت ۱۴۲ اور سورۂ النمل میں ایک جگہ آیت ۴۵۔
حضرت صالح علیہ السلام جس قوم میں پیدا ہوئے اسکا نام ثمود ہے اور قوم ثمود کا ذکر قرآن حکیم کی دس۱۰ سورتوں میں آیا ہے:۔
اعراف۱، ہود۲، حجر۳، النمل۴، فصلت۵، النجم۶، القمر۷، الحاقہ۸، الفجر۹، الشمس۱۰۔

سِلسِلۂ نسب

ابن کثیرؒ نے حضرت صالح علیہ السّلام کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے:۔
صالح بن عُبید بن آسف بن ماشح بن عُبید بن حادر بن ثمود بن عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السّلام۔
ان کے علاوہ مشہور تابعی حضرت وہب بن منبہؒ حضرت صالح علیہ السلام اور ثمود کے درمیان صرف دو۲ واسطے نقل کرتے ہیں۔ صالح بن عبید بن جابر بن ثمود۔
چونکہ یہ سب ما قبل تاریخ کی شخصیات ہیں اس لئے ایسے قدیم نسب ناموں میں اختلاف کا پایا جانا کچھ تعجب خیز نہیں۔
حضرت ہود علیہ السّلام کی قوم عاد اولیٰ کی ہلاکت کے بعد جو افراد بچ

گئے تھے اُنکی نسل عادِ ثانیہ کے نام سے مشہور ہوئی جسکو بعد میں قومِ ثمود کا نام دیا گیا۔

ثمود کی بستیاں

قرآن حکیم نے قوم ثمود کا مقام وادیٔ حجر بیان کیا ہے جو حجاز اور ملک شام کے درمیان وسیع و عریض میدان کی شکل میں موجود ہے۔ اور یہ علاقہ آجکل "فج الناقہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اسمیں ثمود کی بستیوں کے آثار و کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔ عرب کا مشہور زمانہ مؤرخ مسعودی لکھتا ہے:-

"جو شخص ملک شام سے حجاز کو آتا ہے اُسکی راہ میں اس قوم کے مٹے نشان اور کھنڈرات ملتے ہیں۔ بعض اہلِ تحقیق نے ان بستیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ایک مصری سیاح کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوا جو شاہی محل کہا جاتا ہے اسمیں متعدد کمرے ہیں اور اس محل کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے۔ یہ پورا محل پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ ثمود فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور یہ سینکڑوں آثار و کھنڈرات اُن کے فن تعمیر کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ قومِ عاد کی طرح اس قوم نے بھی پہاڑوں کو اپنا مسکن بنایا تھا۔ بڑے بڑے پہاڑوں کو تراش تراش کر شان و شوکت ظاہر کرنے کے لئے محلات بناتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو "عادِ ثانیہ" کہا جاتا ہے۔"

ثمود کا زمانہ

چونکہ یہ قوم بھی اُن اقوام میں سے ہے جو ماقبل تاریخ اپنا وجود رکھتی تھیں اس لئے کوئی واضح زمانہ ظاہر کرنے سے تاریخ عاجز ہے۔ البتہ یہ بات قطعی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ ثمود کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے اور اُن کی بعثت سے بہت پہلے یہ قوم ہلاک بھی ہو چکی تھی۔

قرآن حکیم نے یہ تصریح کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب قوم فرعون نے جھٹلایا تھا تو آلِ فرعون ہی میں سے ایک مردِ مومن نے یہ کہہ کر اپنی قوم کو تنبیہہ کی کہ اے

قوم تمہاری اس تکذیب کا نتیجہ کہیں وہ نہ ہو جائے جو تم سے پہلے قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور اُن کے بعد کی قوموں کا ہوا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ثمود کی آبادیوں کے قریب بعض ایسی قبریں بھی پائی جاتی ہیں جن پر آرامی زبان کے کتبے لگے ہوئے ہیں اِن کتبوں پر جو تاریخ کندہ ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کی ہے۔ اِن آثار سے بعض مؤرخین کو یہ شُبہ ہوا کہ یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد وجود میں آئی، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ در اصل یہ اُن لوگوں کی قبریں ہیں جو اُس قوم کی ہلاکت کے ہزار دو برس بعد اتفاقاً یہاں آکر بس گئے تھے اور اُنھوں نے اپنے بزرگوں کے آثار کی قدامت ظاہر کرنے کے لئے آرامی خط میں کتبے لکھ کر لگا دیئے تاکہ یادگار رہیں، ورنہ وہ قبریں نہ ثمود کی ہیں اور نہ اُن کا یہ زمانہ ہے۔

مصر کا مشہور مؤرخ جرجی زیدان اپنی کتاب "العرب قبل الاسلام" میں انہی آثار کے بارے میں لکھتا ہے:- ان میں سب سے زیادہ اہم وہ کھنڈر ہیں جو قصر بنت، قبر باشا، قلعہ، اور بُرج کے نام سے موسوم ہیں۔ اِن پر جو کچھ تحریر ہے وہ نبطی زبان میں کندہ ہے۔ اِن میں سب سے مشہور و معروف وہ کتبہ ہے جو نبطی حروف میں لکھا ہوا ہے اور وہ ولادتِ مسیح علیہ السلام سے قریب زمانہ کا مکتوب ہے۔

کندہ عبارت کا مضمون یہ ہے:-

"مقبرہ کمکم بنت وائلہ بنت حرم نے اور کمکم کی بیٹی کلیبہ نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے بنوایا ہے۔ اس کی بنا بہت اچھے مہینوں میں شروع کی گئی ہے۔ یہ نبطیوں کے بادشاہ حارث کی تخت نشینی کا نواں سال ہے۔ وہ حارث جو اپنے قبیلے کا عاشق صادق ہے۔ پس عمی ذوالشری وعرشہ، لات، عمند، منوت اور قیس کی اُس پر لعنت ہو جو اِن قبروں کو فروخت کرے یا رہن رکھے، یا اُن کے کسی جسم کو یا عضو کو نکالے، یا کمکم اس کی بیٹی اور اُس کی اولاد کے علاوہ کسی کو دفن کرے۔ اور جو شخص بھی اس پر لکھے ہوئے کی مخالفت کرے

اُس پر ذوالشریٰ، ہُبل، منوت کی پانچ لعنتیں ہوں، اور جو ساحر
اس کے خلاف کرے اُس پر ایک ہزار درہم حارثی کا تاوان واجب ہے۔
مگر یہ کہ اس کے ہاتھ میں محکم کلیبہ یا اسکی اولاد میں سے کسی کے ہاتھ کی
تحریر ہو جس میں اُس اجنبی قبر کے لئے صاف وصریح الفاظ میں اجازت
موجود ہو اور وہ اصلی ہو جعلی نہ ہو۔
اس مقبرے کو وہب اللات بن عبادہ نے بنایا۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھنڈرات اور قبریں قوم ثمود کے بقایا افراد کی ہیں جو ثمود کی ہلاکت کے ہزاروں سال بعد یہاں آکر بس گئے تھے، قوم ثمود کا زمانہ اِن سے بہت پہلے کا ہے۔

ثمود کا مذہب

ثمود بھی قوم عاد کی طرح بُت پرست تھے جنھوں نے خدائے واحد کے علاوہ بہت سے معبود گھڑ لئے تھے اور انہی کو اپنا حاجت روا کہا کرتے تھے اور جو بت قوم عاد میں پوجے جاتے تھے وہ بھی اِن کے معبودانِ باطل کی فہرست میں شامل تھے۔ اِن میں بھی شان وشوکت، غرور و پندار، فخر و بڑائی کی بیماری عام تھی، بڑی بڑی عمارتیں بنانا اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ان کی زندگی کے لیل و نہار تھے۔ ان کی اصلاح کے لئے اِن ہی کے قبیلے میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو ناصح اور امین پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تاکہ وہ اُن کو سیدھی راہ دکھائیں اور ان کو اللہ عظیم کی نعمتیں یاد دلائیں جن سے وہ صبح و شام مستفید ہوتے تھے۔ اور یہ بات واضح کریں کہ کائنات میں کوئی بھی حاجت روا نہیں سوائے ایک اللہ کے، اور اللہ تعالےٰ نے اپنے نظام میں کسی کو بھی شریک قرار نہیں دیا۔ وہ یکتا ہے اور اُسکے تصرفات میں کوئی شریک نہیں، عبادت و پرستش کا وہی مستحق ہے۔

قوم کا انکار

ثمود کو یہ حیرانی تھی کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ہم میں کا ایک انسان اللہ کا پیغمبر بن جائے اور اللہ کے احکام سُنانے لگے۔ وہ متعجب سے

یہ کہا کرتے تھے کیا ہماری موجودگی میں اس پر اللہ کی نصیحت اُترتی ہے؟ یعنی اگر ایسا ہی ہونا تھا تو اسکے ہم مستحق تھے نہ کہ صالح؟

اور کبھی قوم کے کمزور افراد کو جو مسلمان ہو گئے تھے خطاب کر کے کہتے۔

"کیا تم کو یقین ہے کہ صالح اپنے پروردگار کا رسول ہے"؟

مسلمان جواب دیتے بیشک ہم تو اُسکے لائے ہوئے پیغام پر ایمان رکھتے ہیں۔

اسپر قوم کے یہ متکبّر غصے میں کہتے:۔

"بلاشبہ ہم تو اُس بات کا جسپر تمہارا ایمان ہے انکار کرتے ہیں۔"

غرض حضرت صالح علیہ السلام قوم کو بار بار نصیحت کرتے کہ اے قوم اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی نعمتوں پر مغرور نہ ہو۔ یہ تمہاری ظاہری شان و شوکت، مال و دولت، سرسبز و شاداب باغات، سیم و زر کی فراوانی، بلند و بالا عمارات کی رہائش، میوہ و پھلوں کی کثرت، چشموں و نہروں کی آبیاری، صحت و طاقت کی مُہتات سب اللہ کریم کی عطا و بخشش ہے۔ اس کا شکر ادا کرو اور اس کو اپنے رب کی طرف سے سمجھو۔ اور اسکے آگے اپنا سر خم کر دو۔ یہ سامانِ زندگی تمہاری ہلاکت کا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ کسی بھی وقت تم سے چھین لیا جاسکتا ہے۔ اسکے حاصل ہونے پر شیخی و غرور نہ کرو۔ یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ سامانِ زندگی کی فراوانی اللہ تعالےٰ کی رضا و خوشنودی کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو انہی سامانِ عیش سے آزمایا بھی ہے۔ تم پر خدا کی یہ نعمتیں حجت و دلیل قائم کر رہی ہیں اللہ سے ڈرو اور اُس کا حق ادا کرو، تمہارے سامنے قوم عاد کی تباہی موجود ہے۔ اُن کے آثار و کھنڈرات سے درس لو۔ تمہاری طرح انھوں نے بھی غرور و تکبّر کیا تھا اُن کے انجام کا تذکرہ تم سنتے آئے ہو۔

لیکن حضرت صالح علیہ السلام کی اس نصیحت و خیر خواہی کا قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، بلکہ اُن کا بغض و عناد ترقی کرتا گیا اور مخالفت بڑھتی ہی رہی وہ کسی طرح بت پرستی سے باز نہیں آئے صرف ایک مختصر کمزور جماعت ایمان لے آئی۔ قوم کے سردار اور سرمایہ دار اس طرح باطل پرستی پر قائم رہے اللہ تعالےٰ کی دی ہوئی ہر قسم کی خوش عیشی کا شکر ادا کرنے کے بجائے کفرانِ نعمت کو اپنا شعار بنالیا۔ حضرت

صالح علیہ السلام کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کرتے کہ اگر صالح حق پر ہوتا اور ہم باطل پر تو پھر ہم کو یہ شان و شوکت، عزت وقوت کیوں کر حاصل ہوتی ؟ جبکہ صالح ع اور اُن کے ماننے والے کمزور اور بے قدر ہیں ؟

حضرت صالح علیہ السلام ان کو سمجھاتے کہ دُنیا کی یہ نعمتیں عارضی اور فانی ہیں۔ یہ حق و باطل کا کوئی معیار نہیں ہیں۔ اللہ تعالےٰ کے ہاں اُن کی کوئی قیمت نہیں۔ کیا معلوم پل بھر میں یہ سب کچھ فنا ہو جائے۔ تمہارے سامنے اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ آخر کار مغرور و سرکش قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت ونصیحت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کی نشانی پیش کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا کہ اے صالح اگر تم سچے ہو تو اپنے رب سے کہہ کر اس پہاڑ سے کوئی اونٹنی پیدا کر دکھاؤ جو گابھن ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ جنم دے ؟

نَاقَۃُ اللہ

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے اس بے جا مطالبے پر بارگاہِ الٰہی میں دُعا فرمائی اور فریاد رسی چاہی۔ وحی الٰہی نے اطلاع دی کہ قوم کا مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فہمائش کر دی گئی کہ اگر اس اونٹنی کو ایذا پہنچائی گئی یا اس کا حق ادا نہ کیا گیا تو معاف نہ کیا جائے گا اور یہی تمہارا مطالبہ تمہاری ہلاکت کا نشان ثابت ہوگا۔ چنانچہ قوم کو خبردار کر دیا گیا کہ

"اللہ تعالےٰ نے تمہارے اور اسکے درمیان پانی کی باری مقرر کر دی ہے کہ ایک دن قومی کنوئیں سے تم پانی لوگے اور ایک دن اس "ناقۃ اللہ" کا ہوگا۔"

قرآن حکیم نے اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی کہ

"اس نشان کو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے ورنہ عذاب الیم گھیر لے گا۔ چنانچہ قوم نے اس نشان (اونٹنی) کو ہلاک کر دیا اور پھر اللہ کے عذاب سے خود بھی ہلاک ہو گئے۔"

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ناقۃ اللہ کے سلسلے میں یہ تفصیل بیان کی ہے جو تاریخ اور بعض روایات صحیحہ پر مشتمل ہے۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ قوم ثمود جب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ سے اُکتا گئی تو اس کے سرخیل اور سربرآوردہ افراد نے قوم کی موجودگی میں یہ مطالبہ کیا۔

اے صالحؑ اگر تو واقعی خدا کا رسول ہے تو کوئی نشانی پیش کرتا کہ ہم تیری صداقت پر ایمان لے آئیں؟

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ نشان آنے کے بعد بھی انکار و سرکشی پر قائم رہو؟

قوم کے سرداروں نے وعدہ کیا کہ ہم فوراً ایمان لے آئیں گے! تب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے دریافت کیا کہ تم لوگ کس قسم کا نشان چاہتے ہو؟ قوم نے مطالبہ کیا کہ سامنے والے پہاڑ میں سے ایک ایسی اونٹنی ظاہر کرو جو گابھن ہو اور ظاہر ہوتے ہی بچہ بھی دیدے۔

اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی معاً پہاڑ سے ایک بلند قامت قوی الہیکل اونٹنی ظاہر ہو گئی اور اُس نے بچہ بھی جنم دیا۔

یہ عجیب و غریب منظر دیکھ کر اُن سرداروں میں سے ایک جندع بن عمرو اُسی وقت ایمان لے آیا اور دوسرے سرداروں نے بھی اسکی پیروی کرنے کا ارادہ کیا لیکن مندروں کے پجاریوں نے اُن کو باز رکھا۔ اسی طرح دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکا۔ اس پر حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کے تمام افراد کو تنبیہہ کی کہ دیکھو یہ نشانی تمہارے طلب پر بھیجی گئی ہے۔ اللہ تعالےٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر رہو۔ ایک دن اس اونٹنی کا ہوگا دوسرا دن قوم کا اور ان کے جانوروں کا۔ اور خبردار اس اونٹنی کو کوئی اذیت نہ پہنچے۔ اگر اس کو کوئی آزار پہنچا تو پھر سمجھ لو کہ تمہاری ہلاکت یقینی ہے۔

قوم نے اس حیرت ناک معجزے کو دیکھ کر اگرچہ ایمان قبول نہ کیا لیکن دلوں کے اقرار کی وجہ سے اُسکو ایذا دینے یا کسی قسم کی خلاف ورزی کرنے کی ہمت بھی نہیں کی اور یہ دستور قائم ہو گیا کہ کنویں کا پانی ایک دن ناقۃ اللہ کا رہتا اور ساری قوم اُس کے دودھ سے فائدہ اُٹھاتی۔ اور دوسرا دن قوم اور اُن کے جانوروں کا رہتا جس سے وہ اپنی ضرورت کا پانی لیتے۔ اسی طرح دن گزرتے گئے، اونٹنی اور اسکا بچہ بغیر کسی روک ٹوک چراگاہوں میں چرتے اور آسودہ رہتے۔ مگر قوم کے دلوں میں آہستہ

آہستہ یہ بات کھٹکنے لگی اور آپس میں صلاح و مشورہ ہونے لگا کہ اس اونٹنی کا خاتمہ کردیا جائے تو اس باری والے قصے کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ کیونکہ ایک پورا دن ہمارے لئے اور ہمارے جانوروں کے لئے پانی کا فراہم کرنا دشوار ہوتا جارہا ہے۔

یہ باتیں اگرچہ ہوتی رہتی تھیں لیکن کسی کو اُسکے قتل کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ اُس کا "معجزہ" ہونا ثابت ہوچکا تھا اور قلوب اسکا اقرار کرچکے تھے۔

آخرکار صدوق نامی ایک حسین و جمیل عورت نے اپنے آپ کو قوم کے ایک بدکار مرد مُصدّع کے سامنے پیش کیا اور ایک مالدار عورت عُنیزہ نے اپنی ایک خوبصورت لڑکی کو قُدار نامی بدبخت کے سامنے یہ کہہ کر پیش کیا کہ اگر تم دونوں اس ناقۃ اللہ کو ہلاک کردو تو یہ دونوں تمہاری مِلک ہیں اِنکو اپنی بیوی بنا لینا۔

اس حسین پیشکش پر قُدار اور مصدّع دونوں آمادہ ہوگئے۔ اور طے پایا کہ رات کی تاریکی میں اونٹنی کو ہلاک کردیں۔ اسپر چند دوسرے آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرض ایسا ہی کیا گیا اور ناقۃ اللہ کو اس سازش سے ہلاک کردیا گیا۔ اونٹنی کا بچہ یہ منظر دیکھ کر بھاگا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلا تا پہاڑوں میں غائب ہوگیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کو جب معلوم ہوا تو آبدیدہ ہوکر فرمانے لگے:۔

"اے بے نصیب قوم آخر تجھ سے صبر نہ ہوسکا اور وہی سانحہ پیش آیا جس کا مجھے خوف تھا۔ اب اللہ کے عذاب کا انتظار کرو، تین۳ روز کے بعد نہ ٹلنے والا عذاب آئے گا جو تم سب کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر سورۂ اعراف)

تفسیر روح المعانی کے مصنف علامہ آلوسیؒ نے اس عذاب کی یہ تفصیل لکھی ہے کہ

"ثمود پر عذاب آنیکی علامات اگلے صبح ہی سے شروع ہوگئیں پہلے روز اُن سب کے چہرے اس طرح زرد پڑگئے جیسا کہ خوف کی ابتدائی حالت میں ہوا کرتا ہے۔ دوسرے دن سب کے چہرے سُرخ تھے۔ گویا خوف و دہشت کا یہ دوسرا درجہ تھا۔ تیسرے روز اُن سب کے چہرے سیاہ تھے اور تاریکی چھائی ہوئی۔ گویا خوف و ہراس

کا تیسرا درجہ ہے جس کے بعد موت ہی باقی رہ جاتی ہے۔ تینؔ دن کی اِن علاماتِ عذاب نے اگرچہ اُن کے چہروں کو واقعی زرد، سُرخ اور سیاہ بنا دیا تھا لیکن اُن کی ظاہری شکل یہ صاف بتا رہی تھی کہ اُن کے دلوں کو حضرت صالح علیہ السلام کے سچے ہونے کا یقین تھا لیکن عناد و تکبّر نے حق کی پیروی کرنے سے اُنھیں باز رکھا۔ اب جبکہ اللہ عظیم کے حکم کے خلاف "جرم" کر چکے تھے اُسکی پاداش میں حضرت صالح علیہ السلام سے عذاب کی ہولناک خبر سُنی تو اُن پر خوف و دہشت کے آثار پیدا ہو گئے جو فطری تقاضہ تھا، ندامت و توبہ کی علامات نہ تھیں۔ بہر حال ان تین دن کے بعد وہ وقت آگیا جس نے صبح ہوتے ہوتے سب کو تباہ و برباد کر دیا اور آنے والے انسانوں کو "تاریخی عبرت" کا سبق دیا۔ عذاب والی رات سخت تاریک تھی اچانک ایک ہیبتناک آواز نے ہر شخص کو اُسی حالت میں موت کی نیند سُلا دیا۔

قرآن حکیم نے اس مُہلک ترین آواز کو ایک آیت میں "صاعقہ" (کڑک دار بجلی) اور ایک دوسری آیت میں رَجْفَہْ (زلزلہ ڈالدینے والی) اور ایک تیسری آیت میں "صَیْحَہ" (چیخ) کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

دراصل یہ تمام تعبیرات ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف ہیں جو خدائی عذاب کی ہولناکیاں ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی ایسی مُہیب آواز جو گرجتی، چمکتی، کوندتی، لرزتی، لرزاتی رات کی تاریکی میں اچانک ٹوٹ پڑی تو جو شخص جس حالت میں تھا اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ آواز کے بھیانک شور سے جگر پارہ پارہ ہو گئے۔ انسان ہی کیا پورا کا پورا شہر تہ و بالا ہو گیا۔

ایک طرف ثمود پر یہ قیامت ٹوٹ پڑی دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی جماعت کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اور اُس رُسوا کن عذاب سے بچالیا۔ دوسرے

دن حضرت صالح علیہ السلام نے اِس تل پٹ شدہ شہر کے
ناپاک مُردوں کو اس طرح خطاب کیا:۔
اے قوم بلاشُبہ میں نے اپنے پروردگار کا پیغام
تم تک پہنچایا اور نصیحت بھی کی لیکن تم نے نصیحت کرنے والوں کو
پسند ہی نہ کیا۔"

ہجرت

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمود کی ہلاکت وتباہی کے بعد حضرت صالح علیہ السلام اور اُن پر ایمان لانے والی جماعت کا قیام فلسطین میں ہوا، مقام اور شہر کے ناموں میں مؤرخین نے مختلف نام بیان کئے ہیں۔

قرآن حکیم نے قومِ ثمود کو "اصحابُ الحجر" کہا ہے۔ مقام حجر فلسطین سے قریب تھا اور چونکہ فلسطین اُس زمانے میں سرسبز و شاداب مقام تھا اس لئے عین ممکن ہے کہ وہ حضرات اسی علاقہ میں آکر بس گئے ہوں۔

تفسیر خازن کے مصنف نے فلسطین کے علاقے میں رَملہ کے قریب جائے قیام بتایا ہے۔ عام مؤرخین کی رائے ہے کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد یہ لوگ اُن ہی بستیوں میں آباد رہے۔ زمانہ قدیم سے اہل یمن کا ادّعاء ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام اور اور اُن کی قوم حضرموت آکر آباد ہوئے۔ اس پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کا اصلی وطن یہی تھا۔ اور یہاں ایک قبر کے بارے میں زمانۂ قدیم سے بھی شہرت ہے کہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قبر ہے۔ رُوح المعانی کے مفسّر علامہ آلوسیؒ نے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم کی ہلاکت کے بعد مکّہ مکرمہ تشریف لے آئے اور وہیں مقیم ہوگئے اور وفات بھی وہیں پائی اور اُنکی قبر مبارک خانۂ کعبہ کے غربی جانب حرم شریف ہی کے اندر ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر میں ایک قول یہ بھی لکھا ہے کہ
"حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے افراد کی
تعداد ایک سو بیس (۱۲۰) تھی جنھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے

ساتھ نجات پائی۔ اور ہلاک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار خاندانوں پر مشتمل تھیں۔ الغرض اِن مختلف تفاصیل کے بعد اُس کلامِ بلاغت نظام قرآن حکیم کی آیات کا مطالعہ کیجئے جو اِن واقعات کا حقیقی سرچشمہ ہیں اور جو عبرت و موعظت کا بے مثال درس ہیں۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ الخ

(اعراف آیات ۷۳ تا ۷۹)

قرآنی مضمون

اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو، اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی کھلی دلیل آگئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک کھلی نشانی ہے۔ لہذا اسکو آزاد چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے پھرے چرے۔ اسکو کسی بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگاؤ۔ ورنہ ایک دردناک عذاب تمہیں پکڑ لے گا۔ اور یاد کرو وہ وقت جب اللہ نے قوم عاد کے بعد تمہیں اِس کا جانشین بنایا۔ اور زمین میں یہ منزلت بخشی کہ آج تم اُسکے ہموار میدانوں میں عالی شان محلات بناتے ہو، اور اسکے پہاڑوں کو مکانات کی شکل میں تراشتے ہو۔ پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔

اُن کی قوم کے سرداروں نے جو متکبّر تھے کمزور طبقہ کے لوگوں سے جو ایمان لے آئے تھے کہا کیا تم واقعی یہ جانتے ہو کہ صالحؑ اپنے رب کا پیغمبر ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا بیشک جس پیغام کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں اُسے ہم مانتے ہیں۔ اُن سرداری کے دعویداروں نے کہا جس چیز کو تم نے مانا ہے ہم اُسکا انکار کرتے ہیں۔

پھر اُنھوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا اور پوری سرکشی کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور صالحؑ سے کہدیا لے آؤ وہ عذاب

جسکی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں شامل ہے ؟ آخرکار ایک دہلا دینے والی آفت نے اُنہیں آگھیرا اور وہ اپنے گھروں میں اَوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے۔ اور صالح علیہ السلام یہ کہتے ہوئے اُن بستیوں سے نکل گئے کہ اے میری قوم میں نے اپنے رب کا پیغام تجھے پہنچا دیا اور میں نے تمہاری بڑی خیرخواہی کی مگر میں کیا کروں کہ تجھے اپنے خیرخواہ پسند ہی نہیں ہیں۔"

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ الخ

(ہود آیات ۶۱ تا ۶۸)

اور ہم نے ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح علیہ السلام کو بھیجا۔ اُنھوں نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے۔ لہٰذا تم اُس سے معافی چاہو اور اُسی کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب ہر ایک کے قریب ہے اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔

اُنھوں نے کہا اے صالح علیہ السلام اِس سے پہلے تُو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی عبادت سے روکتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے ؟ اور تو جس طریقے کی طرف ہمیں دعوت دیتا ہے اس کے بارے میں ہم کو سخت شُبہ ہے جس نے ہمیں خلجان میں ڈال رکھا ہے۔ صالح علیہ السلام نے کہا اے میری قوم تم نے کچھ اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اُس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہے۔ تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں میری مدد کرے گا۔ اگر میں اسکے حکم سے سرتابی کروں؟ تم مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے بلکہ تباہی کی طرف لیجانا چاہتے ہو۔ اور اے میری قوم کے لوگو دیکھو یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیئے ایک نشانی ہے

اسے اللہ کی زمین میں چرنے کے لئے چھوڑ دو۔ اور اسکو بُرائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ فوراً عذاب آپکڑے گا۔

مگر انھوں نے اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ اس پر صالح ؑ نے اُن کو خبردار کر دیا کہ بس اب تین دن اپنے گھروں میں اور رہ بس لو۔ یہ ایسی میعاد ہے جو جھوٹی ثابت نہ ہوگی۔

آخر کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح ؑ اور اُن لوگوں کو جو اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور اُس دن کی رُسوائی سے اُن کو محفوظ رکھا۔ بیشک تیرا رب ہی در اصل طاقتور اور بالادست ہے۔

رہے وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا تھا تو ایک سخت دھماکے نے اُن کو پکڑ لیا اور وہ اپنی بستیوں میں اس طرح بے حس و حرکت پڑے رہ گئے کہ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سنو دور پھینک دیئے گئے ثمود۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ۔ الخ

(الحجر آیات ۸۰ تا ۸۴)

اور حجر کے لوگ (قوم ثمود) بھی رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں۔ ہم نے اپنی آیات اُن کے پاس بھیجیں پس وہ سب آیات کو نظر انداز ہی کرتے رہے۔ وہ لوگ پہاڑوں کو تراش تراش کر مکانات بناتے تھے کہ محفوظ رہیں (یہ حفاظت کچھ بھی کام نہ آئی) ایک دن صبح کو اُٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آپکڑا تھا اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی سعی و عمل سے کمایا تھا وہ کچھ بھی اُن کے کام نہ آیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ۔ الخ

(الشعراء آیات ۱۴۱ تا ۱۵۹)

جھٹلایا ثمود نے اللہ کے رسولوں کو، جب کہا اُن سے اُنکے بھائی صالح ؑ نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لئے ایک امانتدار

رسول ہوں۔ لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام کے لئے تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم اُن سب چیزوں کے درمیان جو یہاں ہیں بس یوں ہی اطمینان سے رہنے دیئے جاؤ گے۔ ان باغوں اور چشموں میں۔ ان کھیتوں اور نخلستانوں میں جن کے خوشے رس بھرے ہیں۔ اور تم پہاڑوں کو تراش کر فخریہ اُن میں عمارتیں بناتے ہو۔ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اُن زیاں کار لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

اُنھوں نے جواب دیا تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے۔ تو تو ایک ہم جیسا ہی انسان ہے پس لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے۔

صالحؑ نے کہا یہ اونٹنی ہے۔ ایک دن اُسکے پینے کا ہے اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اُسکو بُرے ارادے سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آلے گا۔

مگر اُنھوں نے اُسکی کونچیں کاٹ دیں اور آخر کار پچھتاتے رہ گئے۔ عذاب نے اُنھیں پکڑ لیا یقیناً اسمیں ایک نشانی ہے۔ مگر ان میں سے اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صَالِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ (النمل آیات ۴۵ تا ۵۳)

اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالحؑ کو (یہ پیغام دے کر) بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو تو یکایک وہ دو جھگڑنے والے فریق بن گئے۔ صالحؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو بھلائی سے پہلے بُرائی کے لئے کیوں جلدی مچاتے ہو۔ کیوں نہیں اللہ سے مغفرت طلب کرتے شاید کہ تم پر رحم فرمایا جاوے۔ اُنھوں نے کہا ہم نے تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے۔

صالح نے جواب دیا تمہاری بدشگونی کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم لوگوں کی آزمائش ہو رہی ہے۔

اُس شہر (حجر) میں نو جتھے دار تھے جو ملک میں فساد پھیلاتے تھے اور کوئی اصلاح کا کام نہیں کرتے تھے۔ اُنھوں نے آپس میں کہا (اے لوگو) خدا کی قسم کھا کر عہد کر لو ہم صالحؑ اور اُس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے اور پھر اسکے سرپرست سے کہدینگے کہ ہم اس کے خاندان کی ہلاکت کے موقع پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔

اور اُنھوں نے ایک خُفیہ تدبیر کی اور ایک خُفیہ تدبیر ہم نے کی جس کی اُنھیں خبر نہ تھی (رات سے پہلے پہاڑ پہ ایک پتھر اُنپر لڑھک آیا اور وہ سب دب کر مر گئے۔ (الدّر المنثور)

اب دیکھ لو کہ اُن کی چال کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا اُن کو اور اُن کی پوری قوم کو۔ دیکھو وہ اُن کے گھر خالی پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداش میں جو وہ کرتے تھے۔ اِس میں ایک نشانِ عبرت ہے اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچا لیا ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے بچتے تھے۔"

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى۔الخ (حٰم سجدہ آیات ۱۷، ۱۸)

اُور رہے ثمود تو اُن کے سامنے ہم نے سیدھی راہ پیش کی مگر اُنھوں نے راستہ دیکھنے کے بجائے اندھا رہنا پسند کیا۔ آخر اُنکی کرتوتوں کی بدولت ذلّت کا عذاب اُن پر ٹوٹ پڑا، اور ہم نے اُن لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور بدعملی سے بچتے تھے۔"

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ۔الخ

(الذّریات آیات ۴۳ تا ۴۶)

اور تمہارے لئے نشانی ہے ثمود کے واقعہ میں جبکہ اُن سے کہا گیا تھا کہ ایک خاص وقت تک مزے کر لو۔ مگر اس تنبیہ پر بھی

اُنھوں نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ آخر کار اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک اچانک ٹوٹ پڑنے والے عذاب نے اُن کو پکڑ لیا۔ پھر نہ اُن میں اُٹھنے کی سکت تھی اور نہ وہ اپنا بچاؤ کر سکتے تھے۔ اور اِن سے پہلے ہم نے نوح کی قوم کو ہلاک کیا کیونکہ وہ لوگ فاسق تھے۔"

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذُرِ ۔الخ

(القمر آیات ۲۳ تا ۳۲)

ثمود نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ اور کہنے لگے ایک اکیلا آدمی جو ہم ہی میں سے ہے کیا ہم اب اُسکے پیچھے چلیں، اس کے معنی یہ ہونگے کہ ہم بہک گئے ہیں اور جنون میں پڑ گئے۔ کیا ہمارے درمیان بس یہی ایک شخص تھا جس پر خدا کا ذکر نازل کیا گیا؟ نہیں! بلکہ یہ پرلے درجے کا جھوٹا اور بڑائی جتانے والا آدمی ہے۔

(ہم نے اپنے پیغمبر صالحؑ سے کہا) کل ہی انہیں معلوم ہو جائیگا کہ کون پرلے درجے کا جھوٹا اور بڑائی جتانے والا ہے۔ ہم اونٹنی کو اِن کے لئے آزمائش بنا کر بھیج رہے ہیں۔ پس اِنکو دیکھتے رہو اور ذرا صبر کیجئے کہ (کہ اِن کا کیا انجام ہوتا ہے) اِن کو آگاہ کر دو کہ پانی اِن کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم ہوگا اور ہر ایک اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ آخر کار اُن لوگوں نے اپنے آدمی کو پکارا اور اُس نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ پھر دیکھ لو کیسا تھا میرا عذاب اور کیسی تھیں میری تنبیہات۔ ہم نے اُن پر بس ایک ہی چنگھاڑ مسلط کر دیا۔ پھر وہ اس طرح ہو گئے جیسے کانٹوں کی باڑ لگانے والے کا چورا۔ اور ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لئے آسان ذریعہ بنا دیا ہے اب ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۔الخ

(الحاقہ آیات ۳ تا ۶)

ثمود اور عاد نے اُس کھڑ کھڑا دینے والی (قیامت) کو

جھٹلایا تو ثمود ایک سخت آواز سے ہلاک کئے گئے۔ اور عاد ایک شدید طوفانی آندھی سے تباہ کر دیئے گئے۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰىهَا ۔ اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۔ الخ

(الشمس آیات ۱۱ تا ۱۵)

ثمود نے اپنی سرکشی کی بنا پر (صالح کو) جھٹلایا۔ جب اُس قوم کا سب سے زیادہ شقی آدمی (اکڑ کر) اُٹھا تو اللہ کے رسول (صالح) نے اُن لوگوں سے کہا خبردار اللہ کی اونٹنی کو ہاتھ نہ لگانا اور اس کے پانی پینے میں حائل نہ ہونا۔ مگر اُنھوں نے اُنکی بات کو جھوٹا قرار دیا اور اونٹنی کو قتل کر ڈالا۔ آخر کار اُن کے جُرم کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسی آفت نازل کی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اور اللہ کو (اپنے اس فعل کے) کسی بھی نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

نتائج وعِبَر

(۱) قوم کی آزمائش اور ناقۃ اللہ

چونکہ قوم کے مطالبہ پر یہ اونٹنی بلا کسی ظاہری سبب کے پہاڑ سے پیدا ہوئی اِس لئے اِس کا نام ناقۃ اللہ ہو گیا۔ یہ ایسے ہی جیسے حضرت حوّا بغیر ماں کے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے، اور آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا کئے گئے۔

یہ اونٹنی جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی رسالت پر دلیل و ثبوت اور ایک علامت تھی وہاں قرآن حکیم کی تصریح ہے کہ وہ قومِ ثمود کے لئے آزمائش اور امتحان بھی تھی جو اُن کی تباہی کا نشان ثابت ہوئی۔

ہر زمانے میں اللہ تعالےٰ کی یہ سنت وعادت رہی ہے (جسکو قرآنی الفاظ

ہیں "سنتہ اللہ" کہا جاتا ہے۔ جب کبھی وہ کسی قوم کی طرف اپنا رسول بھیجتا ہے اور قوم اُسکی ہدایت ونصیحت پر کان نہیں دھرتی تو ضروری نہیں کہ وہ قوم اس نافرمانی کی پاداش میں فوراً ہی ہلاک کردی جائے۔ ایسی بہت سی قومیں ہیں جنھوں نے اپنے نبیوں کا انکار کیا لیکن اُنہیں زمین پر اللہ کی دی ہوئی مدت پوری کرنے کا موقعہ ملا۔ انہیں کسی اچانک عذاب سے ہلاک نہیں کیا گیا۔

البتہ جس قوم نے اپنے نبی سے اُسکی صداقت کے لئے کوئی نشانی طلب کی اور اسپر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ مطلوبہ نشان ظاہر ہوگیا تو اُن پر ضرور ایمان لائیں گے پھر وہ ایمان نہیں لائے تو اُس قوم کی ہلاکت یقینی ہوجاتی ہے۔ قوم نوحؑ، قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون وغیرہ کی ہلاکتیں اسی وجہ سے ہوئیں کہ انھوں نے اپنے نبیوں سے معجزات طلب کئے تھے پھر ایمان نہیں لائے۔

البتہ پوری تاریخ انبیاء میں صرف ایک قوم (قوم یونس) اللہ تعالےٰ کے اس قانونِ پاداش سے مستثنیٰ رہی۔ جسکی تفصیل یہ ہے:-

سورۂ یونس آیت ۹۸ کا ترجمہ یہ ھے:-

"پھر کیا کوئی ایسی مثال ہے کہ ایک بستی عذاب دیکھکر ایمان لائی ہو اور اُس کا ایمان اسکے لئے نفع بخش ثابت ہوا ہو؟ یونسؑ کی قوم کے سوا (اسکی کوئی نظیر نہیں) وہ قوم (یونس) جب ایمان لے آئی تو ہم نے اُسپر سے دُنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ٹال دیا اور ایک مدت تک اُس قوم کو زندگی سے بہرہ مند ہونے کا موقعہ دیا۔"

اِس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت ظاہر کی گئی کہ اللہ کے "قانون پاداشِ عمل" سے کوئی قوم بچ نہ سکی۔ عذاب آنے کے بعد اگر کوئی قوم ایمان لے آتی ہے تو اُس کا یہ ایمان لانا اللہ تعالےٰ کے ہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا اور نہ وہ عذاب سے بچ سکتی ہے۔ فرعون بھی تو نزولِ عذاب کے ساتھ ہی ایمان لے آیا تھا۔ لیکن اُس کا یہ ایمان لانا اللہ تعالےٰ نے یہ کہہ کر رد کردیا کہ اب تو ایمان لاتا ہے؟

الغرض عذاب کے وقت کسی کا ایمان مقبول نہیں ہوتا۔ ایک اور صرف ایک قوم یونس اس "سنتہ اللہ" سے مستثنیٰ رہی ہے۔ اسکی وجوہات سے قرآن حکیم

ساکت ہے اس لئے یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ قوم اس قانون سے مستثنیٰ کیوں کی گئی۔ تاہم مفسرین کرام نے احادیث اور قرآنی اشارات سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے :-

"قوم نے آثارِ عذاب دیکھ کر اور یہ معلوم کر کے کہ حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل گئے ہیں ڈر گئی اور استغفار کرنے لگی۔ چونکہ عذاب واقع نہیں ہوا تھا اس لئے بچا لئے گئے۔"
(تفصیل تذکرہ سیدنا یونس علیہ السلام میں مطالعہ فرمائیں)

(۲) **ایک شبہ کا ازالہ** "پاداش عمل" کا قانون اگرچہ ہر نبی کی قوم کے ساتھ یکساں رہا ہے لیکن اس "سنت اللہ" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مستثنیٰ رہی ہے اور اس کی تصریح خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے :-

"آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری اُمت پر عذاب عام مسلط نہ فرمائے۔ اللہ تعالےٰ نے میری یہ دُعا قبول فرمالی۔" (حدیث حجۃ الوداع شب مزدلفہ والی دُعا) (بخاری)

اور قرآن حکیم میں اِس دُعا کی مقبولیت کی تصدیق بھی موجود ہے۔
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ الآیۃ
(الانفال آیت ۳۳)

"اے رسول اس حال میں کہ آپ اُن میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ (ان کافروں) پر عام عذاب مسلط نہ کریگا۔"

(۳) **انسانی خود فریبی** بعض دفعہ انسان کو خوش عیشی اور دُنیاوی جاہ و جلال دیکھ کر یہ غلط فہمی پیدا ہو جاتی کہ جب کسی قوم یا فرد کے پاس دُنیاوی آسائش کی فراوانی صحت و قوت کی بہتات موجود ہے

تو وہ یقیناً اللہ تعالےٰ کے سایۂ رحمت میں ہے اور اسکو اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل ہے۔

اس مُہلک نظریہ اور غلط فہمی نے بہت سی قوموں کو انبیاء کرام کی تعلیمات اور ہدایت سے محروم رکھا ہے۔ حالانکہ بعض مرتبہ زیادہ سے زیادہ رِفاہیت اور خوش عیشی زیادہ سے زیادہ عذاب وہلاکت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی ہے۔

قوم ثمود کے خوش عیشوں کو یہ ہی دھوکہ پیش آیا۔ وہ حضرت صالح ؑ اور اُن کے ساتھیوں کو یہ کہہ کر طعنہ دیا کرتے تھے کہ کیا صالح ؑ جیسے غریب وبے طاقت آدمی کو رسول بنایا گیا ہے۔ انھیں اپنی قوت وطاقت پر گھمنڈ تھا۔ وہ لوگ کسی طرح بھی حضرت صالح علیہ السلام اور ایمان والوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اِس خود فریبی نے قوم کے اکثر افراد کو حضرت صالح علیہ السلام کی اطاعت سے دُور رکھا جسکے نتیجے میں وہ عذاب آیا جو تاریخِ عالم کا عبرتناک حادثہ ہے۔ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہر قسم کی نعمت اور فراوانی کا شکر ادا کرنے کے بجائے حضرت صالح ؑ اور اُن کے ساتھیوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا:۔

"اے صالح ؑ اگر ہم باطل پرست ہوتے اور اللہ کی خوشنودی اور رضا ہمیں حاصل نہ ہوتی تو آج یہ عزت ودولت، قوت وطاقت، سرسبز وشاداب باغات، سیم وزر کی بُہتات، بلند وبالا محلات، پانی ونہروں کی کثرت ہمیں حاصل نہ ہوتی۔ یہ سب نعمتیں اللہ کی رضا وخوشنودی کی علامات ہیں جو ہمیں میسّر ہیں اور جس سے تم محروم ہو۔"

حضرت صالح علیہ السلام اُن لوگوں سے فرماتے:۔

"بیشک یہ سب کچھ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں ہیں بشرطیکہ اُن کو پانے والے اُس کا شکر بھی ادا کریں اور اُسکے آگے سر جُھکائیں اور بلاشُبہ یہ ہی سامانِ عیش وعشرت عذاب ولعنت کا ذریعہ بھی ہے جبکہ اِن کو شیخی وغرور کے ساتھ برتا جائے۔ اس لئے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ ہر سامانِ عیش اللہ تعالےٰ کی رضا وخوشنودی کا ثمرہ

ہوتا ہے ؛ بلکہ آزمائش کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے صراحت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کفر و شرک کرنے والوں کو بھی اس دُنیا میں سامانِ عیش دیا جاتا ہے لیکن آخرت کی زندگی تمام نعمتوں سے خالی رہتی ہے۔ (البقرہ آیت ع۱۲۶)

(۴) چند عبرتیں غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مقام حجر پر ہوا۔ اس سفر میں صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ثمود کے ایک کنویں سے پانی بھرا اور آٹا گوندھ کر روٹی تیار کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا تو پانی بہا دینے اور ہانڈیاں اُلٹ دینے اور آٹا جانوروں کو کھلا دینے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ بستی ہے جس پر اللہ کا عذاب آیا۔ یہاں نہ قیام کرو اور نہ یہاں کی اشیاء سے فائدہ اُٹھاؤ۔ آگے چل کر پڑاؤ ڈالو ایسا نہ ہو کہ تم بھی کسی بلا میں مبتلا ہو جاؤ!

ایک اور روایت میں یہ بھی ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ :-

اے لوگو! اگر تم اصحابِ حجر کی بستیوں سے گزرو تو انہیں اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہوئے عجز و زاری اور روتے ہوئے داخل ہو۔ ورنہ ان بستیوں میں داخل ہی نہ ہونا۔ اور جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجر میں داخل ہوئے فرمایا کہ اے لوگو اللہ تعالےٰ سے نشانیاں طلب نہ کرو، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے نشان طلب کیا تھا تو اللہ تعالےٰ نے پہاڑ کی کھوہ سے پہاڑ جیسی اونٹنی پیدا کیا۔ وہ اپنی باری میں کھا پی کر وہیں واپس چلی جاتی اور جو اُسکی باری کا دن نہ تھا اُس میں قوم ثمود کو اپنے دودھ سے سیراب کرتی تھی۔ مگر ثمود نے آخر سرکشی کی اور ناقۃ اللہ کی کونچیں کاٹ کر اسکو ہلاک کر دیا۔ جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر چیخ کا عذاب مسلط کر دیا اور وہ اس عذاب سے گھروں کے اندر ہی مُردہ ہو گئے۔ صرف ایک شخص ابو رُغال نامی باقی بچا جو

حرم شریف (مکہ) گیا ہوا تھا لیکن جب وہ حدودِ حرم سے باہر آیا فوراً اُسی عذاب کا شکار ہوگیا۔ (تاریخ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۱۳۸)

(۵) ناپاک مُردوں سے خطاب

عذاب کے اختتام پر حضرت صالح علیہ السلام اپنے شہر واپس لوٹے تباہ حال بستی کے کھنڈرات پر کھڑے ہوکر اُن نعشوں کو جو بکھری ہوئی حالت میں پڑی تھیں اس طرح خطاب کیا :۔

"اے قوم! بلاشبہ میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور تم کو نصیحت بھی کی لیکن تم تو نصیحت کرنے والوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔" (اعراف آیت ۷۹)

حضرت صالح علیہ السلام کا یہ خطاب اُسی طرز کا تھا جس طرح بدر میں مشرکینِ مکہ کے سرداروں کی ہلاکت کے بعد مُردہ نعشوں کے گڑھے پر کھڑے ہوکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا تھا:۔

"اے فلاں ابن فلاں کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی اطاعت پسند آئی؟ بلاشبہ ہم نے وہ سب کچھ پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؟ (بخاری)

اس قسم کا خطاب انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ کوئی عام حالت نہیں ہوتی کہ ہر شخص مُردوں سے اس طرح خطاب کر سکے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کا خطاب مُردوں کو سنوا دیتا ہے اگرچہ وہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام بدر میں مشرکین کی لاشوں کو اس طرح خطاب فرما چکے تو حضرت عمر بن الخطابؓ نے تعجب سے پوچھا۔ یا رسول اللہ کیا یہ سُن رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! تم سے زیادہ مگر جواب دینے سے عاجز ہیں۔

قرآن حکیم میں اسکی مزید صراحت موجود ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ

وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۝ إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ

(الفاطر آیت ۱۹ تا ۲۳)

"اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہے، نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے۔ اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سُنواتا ہے۔ اور اے نبیؐ تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔ آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہو۔ (یعنی اللہ کی مشیت کی بات ہی دوسری ہے وہ چاہے تو پتھروں کو سماعت بخش دے اور اہل سماعت کو بہرہ کر دے، جمادات کو متحرک کر دے اور حیوان کو بے حس و حرکت بنا دے)

(۶) **معجزات کی حقیقت** "ناقۃ اللہ" حضرت صالح علیہ السلام کی یہ اونٹنی بغیر کسی ظاہری اسباب کے وجود میں آئی تھی اس لئے اسکو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا گیا۔

معجزے کی حقیقت کیا ہے؟ اس پر اہل علم حضرات نے بہت تفصیل کیساتھ چھوٹے بڑے مضامین لکھے ہیں۔ یہاں اسکا خلاصہ پیش ہے تاکہ معجزے کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ معجزہ عربی زبان میں عاجز کر دینے اور تھکا دینے والی چیز کو کہا جاتا ہے۔ اسلامی بول چال میں ایسے عمل کا نام ہے جو بغیر کسی اسباب کے وجود میں آجائے۔ چونکہ ایسی چیز اچانک اور بغیر کسی اسباب کے ظاہر ہوتی ہے تو انسانی عقل اسکے سمجھنے سے عاجز ہوتی ہے کہ یہ کیوں کر ظاہر ہوگئی اس لئے اس عمل کو معجزہ (یعنی انسانی عقل و فہم کو تھکا دینے اور عاجز کر دینے والی بات) کہا گیا۔ یا یہ معنی کہ اس جیسے عمل کو انسانی طاقت پیدا کر دینے سے عاجز و بے بس ہے۔ اسلئے انبیاء کرام کے معجزات انسانوں کو یہ باور کرانے پر مجبور کر دیتے ہیں کہ یہ "عمل" انسانی طاقت سے

یا ہر کسی ایسی ہستی کا ہے جسکی طاقت و قدرت سب پر غالب اور بالا تر ہے اور وہ اللہ علیم و قدیر کا دستِ قدرت ہے۔ اس لئے تمام اہل تحقیق اس پر متفق ہیں کہ "معجزہ" اللہ تعالیٰ کا عمل ہوتا ہے۔ جو انبیاء و رُسل کی صداقت اور دلیل کے طور پر انکے مقدّس ہاتھوں جاری کیا جاتا ہے۔ چونکہ ایسا عمل عام قانون فطرت کے بظاھر خلاف معلوم ہوتا ہے اسلئے یہ سوال قدرتاً پیدا ہو جاتا ہے کہ کیا قانونِ قدرت میں تبدیلی ممکن ہے؟ جبکہ قرآن حکیم نے نہایت تاکید کے ساتھ کئی مقامات پر یہ صراحت کی ہے کہ اللہ کی سنت (قانون) کو بدلتا ہوا نہ پاؤگے اور نہ اسمیں تبدیلی ممکن ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ معجزے کی یہ تعریف کرنا کہ وہ قانونِ فطرت یا قانونِ عادت کے خلاف ہوتا ہے غلط قسم کی تعبیر ہے۔

در اصل اللہ تعالیٰ کے قوائین دو قسم کے ہیں :- عادتِ عام، عادتِ خاص۔

عادتِ عام سے اللہ تعالیٰ کے وہ قوانین مراد ہوتے ہیں جو سلسلۂ اسباب میں جکڑے ہوئے ہیں۔ مثلاً: آگ جلاتی ہے، پانی خنکی و ٹھنڈک پہنچاتا ہے، زہر ہلاک کرتا ہے اور شہد شفا بخشتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان چیزوں کے درمیان جو رشتہ ہے وہ اپنا اثر کر دکھاتا ہے۔ آگ مجبور ہے کہ جو اسمیں آ گرے گا اُسکو جلائے۔ ایسی چیزوں کو قانونِ قدرت کی عادتِ عامہ کہا جائے گا۔

دوسری قسم قانون قدرت کی "عادتِ خاص" ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ سبب اور مسبّب میں تعلق و رشتہ پیدا کرنے والے خالق نے کسی خاص مقصد کے لیے اس درمیانی رشتے کو الگ و جُدا کر دیا ہو یا دوسرے الفاظ میں بغیر سبب کے مسبب کو پیدا کر دیا ہو جیسا کہ جلنے کے اسباب موجود ہوں اور کوئی جسم نہ جلے، یا دو چار انسانوں کے قابل خوراک سے سو دو سو انسان شکم سیر ہو جائیں اور پھر اپنی اصل مقدار باقی رہ جائے۔ یہ دونوں باتیں چونکہ عام نگاہوں میں قانونِ قدرت کے خلاف ہیں اس لئے جب یہ یا اس طرح کی کوئی اور شئ رُونما ہو جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ "قانونِ قدرت" یا "سنت اللہ" کے خلاف ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی چیزیں پہلی قسم یعنی "عادت عام"

کے خلاف تو ہیں لیکن دوسری قسم "عادت خاص" کے خلاف نہیں۔ اور ایسی خلاف عادت چیزیں قانونِ قدرت ہی کی ایک کڑی ہوتی ہیں جو عام حالات سے الگ کسی خاص مقصد کو پورا کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہیں۔ اب اگر آگ ہو اور کسی جسم کو نہ جلائے یا زہر کھالیا جائے اور ہلاکت نہ ہو تو یہ کہا جائے گا کہ یہ چیزیں عادتِ عام کے خلاف تو ہیں لیکن اللہ کی عادتِ خاص کے خلاف نہیں۔ اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اللہ تعالےٰ اپنے نبی و رسول کی صداقت کی تصدیق فرماتا ہے اور شک کرنے یا جھٹلانے والوں کو یہ باور کروایا جاتا ہے کہ اگر یہ مدعیٔ رسالت اپنے دعوے میں سچا نہ ہوتا تو خدا کی یہ زبردست تائید کبھی بھی اُسکے ساتھ نہ ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کا یہ فعل جو اسکی عادتِ خاص کی شکل میں نبی کے ہاتھ ظاہر ہوا ہے معجزہ کہلاتا ہے اور نبی کی صداقت پر دلیل قرار پاتا ہے۔

معجزہ نبوت و رسالت کا ثبوت فراہم کرتا ہے علامت یا معیار نہیں ہوتا، یعنی اگر کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ جاری نہ ہوا تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ یہ نبی و رسول نہیں ہیں۔ حقیقت میں نبی کی خود اپنی ذات اپنے بے شمار کمالات و فضائل کی بنا پر ایک چلتا پھرتا معجزہ ہوتا ہے۔

پچھلی امتوں میں ایسے انبیاء بھی گزرے ہیں جنکے ہاتھوں کوئی بھی معجزہ ظاہر نہیں ہوا لیکن وہ اللہ کے فرستادہ نبی و رسول تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر نبی اور رسول معجزہ نہ دکھلائے تو نبی کی صداقت میں کوئی کمی نہیں ہوگی لیکن اگر منکرین کے مطالبہ پر یا ازخود رسول معجزہ کا اظہار کرے تو یقیناً معجزہ نبوت کی دلیل اور ثبوت قرار پائے گا اور اُسکا انکار صداقت کا انکار ہوگا جو خالص کفر کی قسم ہے۔

البتہ یہ حقیقت کبھی فراموش نہ ہونی چاہیے کہ کسی شخص سے صرف اس قسم کے خارقِ عادت کوئی عمل صادر ہونے کا نام معجزہ نہیں ہے اور محض اس عمل کے بروئے کار لانے سے وہ نبی یا رسول نہیں ہوسکتا اس لئے کہ نبی اور رسول کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اُسکی تمام زندگی اس طرح آزمائش و امتحان کی کسوٹی پر اُتر چکی ہو کہ اُسکا کوئی شعبۂ زندگی ناقص اور قابلِ اعتراض نہ ہو بلکہ اُسکی تمام زندگی

ہیں اخلاق کی بلندی، گناہوں سے معصومیت، صداقتِ گفتار و کردار اور پاکیزہ تعلیمات اپنے درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہوں اسکے بعد علمی و عقلی دلائل و براہین کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی آیات (معجزے) بھی پیش کرتا ہو تو بلا شبہ وہ نبی ہے۔

لیکن یہ ساری تفصیلات صرف اور صرف معجزے کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تحریر کی گئیں ہیں ورنہ ختم نبوت کے بعد نہ اسکی ضرورت ہے اور نہ کسی کو اس کسوٹی پر جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔ اب قیامت تک یہ سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ البتہ اگر اس قسم کے یا اس جیسے امور کسی نیک وصالح اور متقی انسان سے سرزد ہو جائیں تو وہ "کرامت" کہلائیں گے۔ اور اگر یہ امور کسی بے دین، بے عمل واہی تباہی انسان سے جاری ہوں تو انکو "استدراج" سحر، شعبدہ، وغیرہ کہا جائیگا جسمیں مخفی ذرائع کارفرما ہوتے ہیں۔

الغرض معجزہ دراصل نبی کا اپنا عمل نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو نبی کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اس لئے کہ نبی و رسول بھی ایک انسان اور بشر ہوتا ہے اور کسی انسان کی قدرت میں یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قوانین عام وخاص میں دخل اندازی یا تغیر کر سکے۔ لہذا معجزہ صرف اللہ عزوجل کا فعل ہوتا ہے جو نبیوں کے ہاتھوں جاری کیا جاتا ہے۔ غزوۂ بدر میں جبکہ تین سو تیرہ (۳۱۳) مسلمانوں کے مقابلے میں سازوسامان سے مسلح ایک ہزار دشمنوں کا لشکر یلغار کرنے آیا تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے اُن کی طرف ایک مُشتِ خاک پھینک دی جسکی وجہ سے دشمن کے ہر فرد کی آنکھ میں خاک کے ریزے پہنچے اور وہ بیچین ہو کر آنکھیں ملنے لگا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کا معجزانہ انداز میں تذکرہ کیا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ۔

(انفال آیت ۱۷)

"اے نبیؐ جب تم نے مٹھی بھر خاک پھینکی تھی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی تھی۔"

معجزے کی اصل حقیقت کے لئے قرآن حکیم کی یہ آیت بہت کافی ہے۔

ایک مُشت خاک کو یقیناً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے پھینکا تھا

جو انسانی حدِ طاقت کے لحاظ سے سَو دو سَو گز کے احاطے میں پھیل سکتے ہیں لیکن اسکا یہ حیرت انگیز اثر کہ دشمن کے محاذ کی دُوری اور اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اِن سب کی آنکھوں میں پہنچ جانا ایک انسانی ہاتھ کے لئے ناممکن ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کا فعل تھا کہ اُس کے دستِ قدرت نے اِن تمام دشواریوں کو یکلخت ختم کر کے کنکریوں کو دشمنوں کی صفوں کے اندر پہنچا دیا۔ اور دشمنوں نے اس "خدائی خاکی طوفان" سے بچنے کے لئے منہ پھیر دیا اور شکست کھا بیٹھے۔

کرامت کی بحث "تذکرہ سیدہ مریم" میں آئیگی۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم۔

(۷) **آثارِ عبرت** | قومِ ثمود کا مسکن شمالی مغربی عرب کا وہ علاقہ تھا جو آج بھی "الحِجر" کے نام سے موسوم ہے۔ موجودہ زمانے میں مدینہ و تبوک کے درمیان ایک بستی ہے جسے آج مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ یہی ثمود کا صدر مقام تھا اور قدیم زمانے میں اسکو حِجر کہا جاتا تھا۔ اب تک وہاں ہزاروں ایکڑ کے رقبے میں وہ سنگین عمارتیں موجود ہیں جنکو ثمود کے لوگوں نے پہاڑوں میں تراش تراش کر بنایا تھا اور اب اس شہرِ خموشاں کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کسی زمانے میں اس شہر کی آبادی چار پانچ لاکھ سے کم نہ ہوگی۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں حجاز کے تجارتی قافلے اِن آثار کے درمیان سے گزرا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقع پر جب اِدھر سے گزر رہے تھے تو آپؐ نے اپنے اصحاب کو یہ آثارِ عبرت دکھائی اور وہ سبق دیا جو آثارِ قدیمہ سے ہر صاحبِ بصیرت انسان کو حاصل کرنا چاہیئے۔ ایک جگہ آپؐ نے ایک کنویں کی نشان دہی فرمائی کہ یہ وہی کنواں ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی۔ صحابہؓ کو ہدایت کی کہ صرف اسی کنویں کا پانی لینا باقی کنوؤں کا پانی نہ پینا۔

ایک پہاڑی کے درّے کو دکھا کر فرمایا کہ اِسی درّے سے وہ اونٹنی پانی پینے کے لئے آتی تھی۔ چنانچہ وہ مقام آج بھی "فجّ النّاقہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان کھنڈروں میں جو لوگ سیر کرتے پھر رہے تھے اُن کو آپؐ نے جمع کیا اور اُن کے سامنے ایک خطبہ دیا جسمیں ثمود کے انجام پر عبرت دلائی اور فرمایا کہ یہ اُس قوم کا علاقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ

کا عذاب نازل ہوا تھا، لہٰذا یہاں سے جلدی گزر جاؤ۔ یہ سیر گاہ نہیں بلکہ رونے کا مقام ہے۔ الحجر کے گردو پیش بڑی نحوست پائی جاتی ہے۔ آبادی برائے نام اور روئیدگی بہت ہی کم ہے۔ یہاں چند کنویں ہیں انہی میں سے ایک کنویں کے بارے میں مقامی آبادی میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اس کنویں سے پانی پیا کرتی تھی۔

اس علاقے کے اطراف میں ہر طرف ایسے پہاڑ نظر آتے ہیں جو بالکل شاخ شاخ ہوگئے ہیں صاف محسوس ہوتا ہے کہ کسی سخت ہولناک زلزلے نے انھیں سطح زمین سے چوٹی تک جھنجوڑ کر قاش قاش کر رکھا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ مشرق میں خیبر جاتے ہوئے تقریباً (۵۰) میل تک اور شمال کی طرف ریاست اُردن کے حدود میں (۳۰-۴۰) میل اندر تک چلا جاتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ کوئی تین چار سو میل لمبا اور (۱۰۰) میل چوڑا ایک علاقہ تھا جسے ایک عظیم زلزلے نے ہلا کر رکھ دیا۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْہُ۔

(۸) ایک مشرکانہ نظریہ

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور فرمانروائی کی تبلیغ میں اس طرح خطاب فرمایا: ”اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اسکے سوا تمہارا کوئی بھی اِلٰہ نہیں ہے۔ یہ وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا، لہٰذا تم اس سے مغفرت چاہو اور اُسی کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے اور دُعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔“

(ہود آیت ۶۱)

قوم کے مشرکوں کو حضرت صالح علیہ السلام یہ تلقین کرتے ہیں کہ جب تم خود اس بات کو تسلیم کرتے ہو کہ تمہارا خالق صرف اللہ ہی ہے اسمیں اُس کا کوئی شریک و دخیل نہیں تو پھر اللہ کے سوا اور کس کی خدائی ہو سکتی ہے؟ اور کسی دوسرے کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اُس کی بندگی کرو؟ یہ قوم اپنی مشکلات و حاجات میں اُن مشہور بتوں کو پکارا کرتی تھی جو قوم نوح میں رائج تھے اور اِن کو وہ وسیلہ و ذریعہ سمجھا کرتے تھے۔

یہ ایک عام غلط فہمی ہے جس نے ہر زمانے میں انسان کو شرک میں مبتلا کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالےٰ کو اپنے راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں پر قیاس کرتے ہیں جو رعیت سے دُور اپنے محلات میں بیٹھ کر حکومت کرتے ہیں جن کے دربار تک عام رعایا میں سے کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جن کے حضور میں کوئی درخواست پہنچانی ہو تو مقربینِ بارگاہ میں سے کسی کا دامن تھامنا پڑتا ہے اور پھر اگر خوش نصیبی سے کسی کی درخواست اُن کے آستانے پر پہنچ جاتی ہے تو اِن کا پندارِ خدائی یہ گوارا نہیں کرتا کہ خود اس درخواست گزار کو جواب دیں بلکہ جواب دینے کا کام مقربین میں سے کسی کے سُپرد ہوتا ہے۔

قریب قریب یہ ہی طرزِ عمل مشرکوں نے اللہ واحد کے لئے اختیار کر لیا ہے اور لوگوں کو ایسا سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے کہ خداوند عالم کا آستانۂ قدس عام انسانوں کی دسترس سے دور بہت دور ہے۔ اس کے دربارِ عظیم تک بھلا کسی عام آدمی کی پہنچ کیسے ہو سکتی ہے؟ وہاں تک دُعاؤں کا پہنچنا اور پھر اُسکا جواب ملنا تو کسی طرح ممکن ہی نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ پاک رُوحوں کا وسیلہ نہ ڈھونڈا جائے اور اُن مذہبی منصب داروں کی خدمات حاصل نہ کی جائیں جو اُوپر تک نذریں نیازیں پہنچانے کے طور و طریقے جانتے ہیں۔ یہی وہ سخت غلطی ہے جس نے بندے اور اللہ واحد کے درمیان بہت سے چھوٹے بڑے معبودوں اور سفارشیوں کا ایک جمِ غفیر کھڑا کر دیا ہے اور جسکی عملی صورت میں مہنتّ گری، آستانگی، مجاورگری، سجّادہ نشینی کے مناصب قائم ہوتے چلے گئے۔

حضرت صالح علیہ السّلام نے جاہلیت کے اس قدیم فلسفے کو صرف دو لفظوں سے رَدّ کر دیا ہے:-

ایک[۱] یہ کہ اللہ قریب ہے دوسرے[۲] یہ کہ وہ مجیب ہے۔

یعنی تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کہ وہ تم سے دُور ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ تم براہِ راست اسکو پکار کر اپنی دعاؤں کا جواب حاصل نہیں کر سکتے، وہ اگرچہ بہت بلند و برتر ہے مگر اس کے باوجود وہ تم سے بہت قریب ہے۔ تم میں سے ہر ایک شخص اپنے پاس ہی اسکو پا سکتا ہے۔ اس سے سرگوشی کر سکتا ہے۔ خلوت و جلوت میں اپنی عرضیاں خود

اسکے حضور پیش کرسکتا ہے اور پھر وہ براہِ راست اپنے ہر بندے کی دعاؤں کا جواب بھی خود دیتا ہے۔

پس جب سلطانِ کائنات کا دربارِ عام ہر وقت ہر شخص کے لئے کھُلا ہے اور وہ ہر شخص کے قریب ہی موجود ہے تو تم کس حماقت میں پڑے ہو کہ اسکے لئے وسیلے واسطے ڈھونڈتے پھرتے ہو؟

سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ میں اس حقیقت کو مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِىْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ۔ الآیہ۔

"اور اے نبیؐ میرے بندے تم سے اگر میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اُسکی پکار سُنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں، یہ بات اُنہیں سُنادو شاید کہ وہ راہِ راست پالیں۔"

یعنی اگرچہ تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے مجھ کو محسوس کر سکتے ہو، لیکن یہ خیال نہ کرو کہ میں تم سے دُور ہوں۔ نہیں! میں اپنے بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کرسکتا ہے۔ حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گزارش کرتا ہے میں اُسے بھی سُن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے جان اور بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے قاضی الحاجات اور دستگیر، فریادرس قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تم کو دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی نہ وہ تمہاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ اُن میں یہ طاقت ہے کہ تمہاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کرسکیں۔ مگر میں کائناتِ بے کراں کا فرماں روائے مطلق ہوں، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک ہوں، تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے وسیلے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ بے طاقت و بے اختیار ہستیوں کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میری دعوت پر لبیک کہو اور میرا دامن

پکڑلو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی کرو، اطاعت میں آجاؤ۔

(۹) جاہلیت اور اسلام کا طرز استدلال

حضرت صالح علیہ السلام کی پے در پے اور مسلسل دعوت و نصیحت پر قوم نے حیرت و استعجاب سے یوں خطاب کیا:۔

"اے صالح اس سے پہلے تو ہمارے درمیان ایسا شخص تھا جس سے بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ کیا تو ہمیں اُن معبودوں کی پرستش سے روکنا چاہتا ہے جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔" (ہود آیت ۶۲)

یہ گویا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ معبود کیوں عبادت کے مستحق ہیں؟ اور اِن کی پُوجا کس لئے ہوتی رہنی چاہیئے؟ یہاں جاہلیت اور اسلام کے طرز استدلال کا فرق بالکل واضح طور پر نظر آتا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس پر یہ دلیل دی کہ اللہ تعالےٰ ہی نے تم کو پیدا کیا اور زمین میں آباد کیا ہے۔

اسکے جواب میں اِنکی مشرک قوم کہتی ہے کہ ہمارے یہ معبود بھی مستحق عبادت ہیں اور اِن کی عبادت ترک نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ ہمارے باپ دادا کے زمانے سے اِن کی عبادت ہوتی چلی آئی ہے۔ یعنی مکھی پر مکھی صرف اس لئے ماری جاتی رہنی چاہیئے کہ ابتداء میں کسی بیوقوف نے اس جگہ مکھی ماردی تھی اور اب اس مقام پر مکھی مارتے رہنے کے لئے اسکے سوا کسی معقول وجہ کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہاں مدتوں سے مکھی ماری جارہی ہے۔

سبحان اللہ! اس آیت میں اسلام اور جاہلیت کا طرز استدلال اور زاویہ نظر واضح اور عیاں ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعًا۔

(۱۰) نبیؑ کی قوتِ اعتماد

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے اُنکی صداقت پر دلیل طلب کی تھی اسپر معاً پہاڑ کے اندر سے

ایک زبردست اونٹنی برآمد ہوئی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کیا :-

"یہ اونٹنی ہے قومی کنویں سے ایک دن اسکے پینے کا رہے گا
اور ایک دن تم سب کے پانی لینے کا۔ اِسکو بُرائی سے ہرگز نہ چھیڑنا ورنہ
ایک بہت بڑا عذاب تم کو گھیر لے گا۔ (شعراء آیت ۱۵۶)

"یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی کے طور پر ہے چھوڑ دو
اسے اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، ہرگز اسکو بُرے ارادے سے
نہ چھُونا۔ (ہود آیت ۶۴)

یہ چیلنج بجائے خود نہایت سخت تھا لیکن عرب کے مخصوص حالات میں تو کسی قوم کیلئے اس سے بڑھکر کوئی دوسرا چیلنج ہو نہیں سکتا تھا۔ وہاں تو پانی کے ہی مسئلہ پر خون خرابے ہو جاتے تھے۔ قبیلہ قبیلے سے لڑجاتا تھا اور جان جوکھوں کی بازی لگا کر کسی کنویں یا چشمے سے پانی لینے کا حق حاصل کیا جاتا تھا۔ اس سرزمین پر کسی کا اُٹھ کر یہ کہہ دینا کہ ایک دن میری اونٹنی تنہا پانی پیئے گی اور باقی ساری قوم کے آدمی اور جانور دوسرے ہی دن پانی لے سکینگے یہ معنی رکھتا تھا کہ وہ شخص اکیلا پوری قوم کو ایک زبردست چیلنج دے رہا ہے۔ ایک زبردست لشکر کے بغیر آدمی عرب میں یہ بات زبان سے نہ نکال سکتا تھا۔ اور کوئی قوم یہ بات اُس وقت تک نہ سُن سکتی تھی جب تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ نہ دیکھ لے کہ چیلنج دینے والے کی پشت پر اتنے شمشیر زن اور تیرانداز موجود ہیں جو مقابلے پر اُٹھنے والوں کو کچل کر رکھ دیں گے۔

لیکن حضرت صالح علیہ السلام نے بغیر کسی لاؤلشکر اور بغیر کسی نفری طاقت تنہا اُٹھ کر یہ چیلنج اپنی قوم کو دے دیا اور قوم نے نہ صرف یہ کہ اُسکو کان لگا کر سُنا بلکہ بہت دنوں تک ڈر کے مارے وہ اسکی تعمیل بھی کرتی رہی۔

انبیاءکرام کا یہ عزم و حوصلہ دراصل اُسی قوتِ اعتماد کا نتیجہ ہے جو اُن کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر پیدا ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر وہ اللہ تعالیٰ کا امر پاکر اسباب ظاہری سے بے نیاز ہوکر وہ سب کچھ کر جاتے ہیں جسکا اُنہیں حکم ہوتا ہے۔

(۱۱) بگڑے تمدّن کی علامت جس طرح قوم عاد کے تمدن کی نمایاں ترین

خصوصیت یہ تھی کہ وہ اُونچے اُونچے ستونوں والی عمارتیں بناتے تھے۔ اسی طرح قوم ثمود کے تمدن کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت جسکی بنا پر وہ عاد ثانیہ کے نام سے موسوم ہوئے یہ تھی کہ وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر ان کے اندر عمارتیں بناتے تھے۔ چنانچہ سورۃ فجر میں جس طرح عاد کو ذات العماد (ستونوں والے) کا لقب دیا گیا ہے اسی طرح ثمود کا ذکر اس حوالے سے کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ الآیۃ۔

وہ جنھوں نے وادی میں چٹانیں تراشی ہیں۔

اسکے علاوہ قرآن حکیم نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ اپنے ہاں میدانی علاقوں میں بھی بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے۔

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا۔ (اعراف آیت ۷۴)

اور ان تعمیرات کی غرض وغایت کیا تھی؟ قرآن حکیم اسپر لفظ فٰرِهِیْنَ سے روشنی ڈالتا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ اپنی بڑائی اپنی دولت وقوت اور اپنے کمالاتِ فن کی نمائش کے لئے تھا۔ کوئی حقیقی ضرورت ان کے لئے داعی نہ تھی۔

ایک بگڑے ہوئے تمدن کی شان یہی ہوتی ہے۔ ایک طرف معاشرے میں غریب لوگ سر چھپانے کے لئے بھی کوئی ڈھنگ کی جگہ نہیں پاتے دوسری طرف امراء اور اہل ثروت رہنے کے لئے جب ضرورت سے زیادہ محل بنا چکتے ہیں تو بلا ضرورت نمائشی یادگاریں تعمیر کرنے لگتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

(۱۲) قانونِ مکافات

قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد اُن کے شہروں کی قسمت کا نقشہ قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے :-

"اب دیکھ لو اُن کی چال کا انجام کیا ہوا؟ ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا اُن کو اور اُن کی پوری قوم کو۔ پس اُن کے گھر خالی ویران پڑے ہیں اُس ظلم کی پاداشں میں جو وہ کرتے تھے۔ اس میں ایک نشان عبرت ہے اُن لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔ اور بچا لیا ہم نے

اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تھے۔

(النمل آیت ۵۱ تا ۵۳)

موجودہ زمانے میں بعض ناواقف لوگوں کو یہ کہتے سُنا گیا کہ یہ اغلاط باتیں ہیں کہ فلاں شہر یا فلاں علاقہ فسق و فجور سے بھر گیا تھا اس لئے اُس پر سیلاب آگیا یا زلزلے نے اسکی بستیاں اُلٹ دیں یا کسی بلائے ناگہانی نے اسے تل پٹ کر دیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن جو لوگ علم و بصیرت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مشرکین کے معبودوں کی طرح کوئی اندھا بہرا خدا اِس کائنات پر حکومت نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک حکیم و دانا صاحب اقتدار ہستی یہاں قسمتوں کے فیصلے کر رہی ہے۔ اس کے ہاں قوموں کو گرانے اور اُٹھانے کے فیصلے اندھا دُھند نہیں کئے جاتے بلکہ حکمت اور عدل کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔ اور ایک قانون مُکافات بھی اس کی کتابِ آئین میں شامل ہے جس کی رو سے اخلاقی بنیادوں پر اس دُنیا میں بھی ظالم کیفرِ کردار کو پہنچائے جاتے ہیں۔

ان حقیقتوں سے جو لوگ باخبر ہیں وہ قوم ثمود کے زلزلے کو اسبابِ طبعی کا نتیجہ کہہ کر نہیں ٹال سکتے وہ اسے اپنے حق میں تنبیہہ کا کوڑا سمجھیں گے اور عبرت حاصل کریں گے۔ وہ اُن اسباب کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جن کی بنا پر خالق نے اپنی پیدا کی ہوئی ایک پھلتی پھُولتی قوم کو غارت کر کے رکھ دیا۔ وہ اپنے طرزِ عمل کو اُس راہ سے ہٹا لیں گے جو اُس کا غضب لانے والا ہے اور اُس راہ پر ڈالیں گے جو اُس کی رحمت سے ہمکنار کرنے والا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَھْدِنَا وَسَدِّدْنَا۔

(۱۳) اطاعت گُریزی کے اسباب

قوم ثمود کا حضرت صالح علیہ السلام کی پیروی سے انکار کرنا تین وجوہ سے تھا:

۱۔ یہ کہ وہ بشر ہیں انسانیت سے بالاتر نہیں کہ ہم اُنکی بڑائی مان لیں۔

۲۔ یہ کہ وہ ہماری اپنی ہی قوم کے ایک فرد ہیں ہم پر اِن کی فضیلت کی کوئی وجہ نہیں۔

۳۔ یہ کہ وہ اکیلے ہیں کوئی بڑے سردار نہیں جس کے ساتھ کوئی بڑا جتھا ہو، لاؤ لشکر ہو۔

یہ تینوں اسباب خود قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں جسکی تفصیل گزشتہ اوراق میں آچکی ہے۔ یہ ہی وہ جہالت تھی جس میں کفارِ مکہ مبتلا تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ماننے سے اِن کا انکار بھی اسی بنیاد پر تھا کہ :-

"آپؐ بشر ہیں۔ عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ کل ہمارے ہی درمیان پیدا ہوئے اور آج یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ مجھ کو اللہ نے نبی و رسول بنایا ہے۔ (الفرقان آیت ۷-۸)

یہ لوگ یہ چاہتے تھے کہ نبی یا تو کوئی فوق البشر ہستی ہو، یا اگر وہ انسان ہی ہو تو ہمارے ملک یا قوم میں پیدا نہ ہوا ہو بلکہ اوپر سے اُتر کر آئے یا باہر سے بھیجا جائے، اور اگر یہ بھی نہیں تو کم از کم اُسے کوئی رئیس ہونا چاہیئے جسکی غیر معمولی شان و شوکت کی وجہ سے یہ مان لیا جائے کہ رہنمائی کے لئے اللہ کی نظرِ انتخاب اس پر پڑی ہے۔

اسی جاہلانہ نظر و فکر سے تقریباً ہر نبی کو سابقہ پڑا ہے۔ تذکرہ سیدنا نوح علیہ السلام میں اسپر تفصیل کے ساتھ بحث آچکی ہے۔

(۱۴) پھر اقتدار سے بالاتر

ثمود کے لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت کو جھٹلا دیا جو اُن کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے اور اس جھٹلانے کی وجہ اُن کی سرکشی تھی کہ وہ اُس فجور کے چھوڑنے کو تیار نہ تھے جس میں وہ مبتلا ہو چکے تھے اور اُس تقوٰی کو قبول کرنا گوارا نہ تھا جسکی طرف حضرت صالح علیہ السلام انھیں دعوت دے رہے تھے۔ آخر کار قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کو چیلنج دے دیا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی (معجزہ) پیش کرو؟ اسپر حضرت صالح علیہ السلام نے ایک اونٹنی کو معجزے کے طور پر پیش کر دیا اور ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی کہ خبردار اِس کو بُرائی سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ سخت ترین عذاب سے دوچار ہو جاؤ گے۔ اس وارننگ پر وہ لوگ کچھ مدت تک ڈرتے رہے پھر اپنے سب سے زیادہ شریر و سرکش سردار کو پکارا کہ اس اونٹنی کا قصہ تمام کر دے۔ وہ اس کام کا ذمہ لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اونٹنی کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے قوم کو خبردار کر دیا کہ "بس اب صرف تین دن اپنے گھروں میں اور مزے کر لو اسکے بعد وہ عذاب آجائیگا

جو ساری بستیوں کو اُلٹ پلٹ کر رکھ دے گا۔ آخر کار اِس گناہ کی پاداش میں اُن کے رب نے اُن پر ایسی آفت توڑی کہ ایک ساتھ سب کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اور اللہ کو اپنے اس فعل کے کسی بھی نتیجے کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

(الشمس آیت ۱۱۔ ۱۵)

یعنی اللہ تعالےٰ دُنیا کے بادشاہوں اور یہاں کی حکومتوں کے فرمانرواؤں کی طرح نہیں کہ وہ کسی قوم کے خلاف کوئی قدم اُٹھانے کے وقت یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس اقدام کے کیا کیا نتائج ہوتے ہیں یا کیا کیا ہوسکیں گے؟

لیکن اللہ تعالےٰ کا اقتدار ہر اقتدار سے بالاتر ہے اُسکو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ ثمود کی تباہی و بربادی پر کسی مافوق قوت و طاقت کا اندیشہ ہو کہ وہ اُسکی مدد اور مدافعت کے لئے ظاہر ہوگی۔ قصہ کا اختتام اس آیت پر کس قدر بلیغ تر ہے۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۔ (سورہ والشمس آیت ۱۵)

"اور اللہ کو (اپنے اس فعل کے) کسی بھی نتیجے کا کوئی خوف نہیں۔"

تذکرۂ خلیل اللہ
سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام
اور — نمرود

سلسلۂ نسب

توراۃ میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح مذکور ہے:- ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عامر بن شالح بن ارفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

یہ تصریح توراۃ کے علاوہ کتب تاریخ کے بھی مطابق ہے۔

قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر بتایا ہے اور تاریخی کتب میں تارخ لکھا گیا ہے۔ اہلِ علم نے اِس کا یہ جواب دیا ہے کہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔ تارخ اِسمی نام ہے اور آزر وصفی نام۔

آزر عبرانی زبان میں مُحبِ صنم کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ تارخ میں بُت تراشی اور بُت پرستی دونوں وصف موجود تھے اس لئے اُسکو آزر کہا گیا۔ قرآن حکیم نے اُس کے وصفی نام ہی کو بیان کیا ہے۔

مشہور امام تفسیر مجاہدؒ المتوفی ۱۰۳ھ نے لکھا ہے کہ آزر دراصل اُس بُت کا نام تھا جسکا وہ پجاری رہا ہے۔ اس نسبت سے اُس کا نام بھی آزر پڑ گیا۔ قدیم زمانے میں بُت پرست لوگ اپنے بچوں کے نام بتوں کے نام پر رکھ دیا کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

تعارُف

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "ابوالانبیاء" (نبیوں کے باپ) کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ملّتِ اسلام کے باپ اور اسلام کو "ملّتِ ابراہیم" قرار دیا ہے۔ روایت بخاری میں بھی اس قسم کی تصریح ملتی ہے۔ صحابہؓ نے آنحضور صلی اللہ

علیہ وسلم سے قربانی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

مَا هٰذِهِ الْاَضَاحِيُّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔

یہ قربانی کیا چیز ہے ؟

آپ نے ارشاد فرمایا :۔

سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ (علیہ السلام)

تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے !

قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے :۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

(النحل آیات ۱۲۰ تا ۱۲۳)

"واقعہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ اپنی ذات میں ایک پوری اُمت (کی حیثیت) رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک رُخ تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے۔ اللہ نے انہیں منتخب کر لیا تھا۔ اور اُنہیں سیدھا راستہ دکھایا تھا۔ اور دُنیا میں اُن کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف (اے نبیؐ) وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا :۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۔

(آل عمران آیت ۶۷)

"ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی۔ البتہ وہ ایک خدا کی طرف جھکنے والے مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے :-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔ الآیہ (مریم آیت ۴۱)

"اور اے نبیؐ اس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کرو بیشک وہ مجسّم سچائی اللہ کے نبی تھے۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَالِمِينَ۔ الآیہ (انبیاء آیت ۵۱)

"اور بلاشبہ ہم نے ابراہیمؑ کو رُشد و ہدایت شروع ہی سے بخشی تھی اور ہم ہی اُسکو جاننے والے ہیں۔"

تورات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف اس طرح آیا ہے :-

"حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے قصبہ اُدر کے باشندے اور اہل فدّان میں سے تھے۔ اُن کی قوم بُت پرست تھی اور انجیل میں تصریح ہے کہ اُن کے والد نجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم کے مختلف قبائل کے لئے لکڑی کے بُت بناتے اور فروخت کرتے تھے، مگر اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رُشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور وہ یقین رکھتے تھے کہ بُت نہ سُن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پُکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا اُن سے کوئی واسطہ۔"

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور قرآنِ حکیم

چونکہ ملّتِ ابراہیمی کا پیغام قرآن حکیم کی رُشد و ہدایت کا پیغام ہے۔ اسلئے قرآن حکیم میں جگہ جگہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے۔ قرآن حکیم کی پچیس ۲۵ سورتوں میں تریسٹھ ۶۳ آیات کے ضمن میں یہ تذکرہ موجود ہے۔

۱۔ البقرۃ ــــ آیات ــــ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۰، ۲۵۸، ۲۶۰۔

۲۔ آلِ عمران ــــ آیات ــــ ۳۳، ۶۵، ۶۷، ۶۸، ۸۴، ۹۵، ۹۷،

۳۔ النسآء ــــ آیات ــــ ۵۴، ۱۲۵، ۱۶۳۔

۴۔ الانعام ــــ آیات ــــ ۷۴، ۷۵، ۸۳، ۱۶۱۔

۵۔ التوبہ ــــ آیات ــــ ۷۰، ۱۱۴۔

۶۔ ھود ــــ آیات ــــ ۶۹، ۷۴، ۷۵، ۷۶۔

۷۔ ابراھیم ــــ آیت ــــ ۳۵۔

۸۔ النحل ــــ آیات ــــ ۱۲۰، ۱۲۳۔

۹۔ الانبیاء ــــ آیات ــــ ۵۱، ۶۰، ۶۲، ۶۹۔

۱۰۔ الشعراء ــــ آیت ــــ ۶۹۔

۱۱۔ الاحزاب ــــ آیت ــــ ۷۔

۱۲۔ ص ــــ آیت ــــ ۴۵۔

۱۳۔ الزخرف ــــ آیت ــــ ۲۶۔

۱۴۔ النجم ــــ آیت ــــ ۳۷۔

۱۵۔ الممتحنہ ــــ آیت ــــ ۴۔

۱۶۔ یوسف ــــ آیات ــــ ۶، ۳۸۔

۱۷۔ الحجر ــــ آیت ــــ ۵۱۔

۱۸۔ مریم ــــ آیات ــــ ۴۱، ۴۶، ۵۸۔

۱۹۔ الحج ــــ آیات ــــ ۲۶، ۴۳، ۷۸۔

۲۰۔ العنکبوت ــــ آیات ــــ ۱۶، ۳۱۔

۲۱۔ الصافات ــــ آیات ــــ ۸۳، ۱۰۴، ۱۰۹۔

۲۲۔ الشوریٰ ــــ آیت ــــ ۱۳۔

۲۳۔ الذاریات ــــ آیت ــــ ۲۴۔

۲۴۔ الحدید ــــ آیت ــــ ۲۶۔

۲۵۔ الاعلیٰ ــــ آیت ــــ ۱۹۔

مجموعہ (۲۵) سورتیں (۶۳) آیات۔

قومِ ابراہیمؑ تاریخ عالم میں شاید یہ پہلی قوم ہوگی جس کا سرکاری مذہب بُت پرستی تھا۔ بُت سازی اور بُت پرستی جس درجے اس قوم میں پائی جاتی تھی اسکی مثال بھی دشوار ہوگی۔ ایسے گھناؤنے ماحول میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولی تو صنم پرست ماحول ہی دیکھا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور وہ یقین رکھتے تھے کہ بُت نہ تو سُن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں۔ وہ صبح و شام اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے کہ اِن بے جان مورتیوں کو میرا باپ اپنے ہاتھوں سے بناتا اور گھڑتا رہتا تھا اور شام کو اُسی بُت کے آگے سر جھکاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب کیفیت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بے چین کر دیتی تھی، اُن کا دل و دماغ اس حالت کو قبول کرنے کے لئے قطعاً آمادہ نہ ہوتا تھا۔ جو بُت اپنی ذات ہی میں دوسروں کے محتاج ہوتے ہیں۔ بھلا وہ دوسروں کو کیا نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ عبادت کے وہی لائق ہوسکتا ہے جو زمین و آسمانوں کا مالک و خالق ہو اور جو ساری مخلوقات کی پرورش کرتا ہو۔

سورۂ انبیاء کی آیات اسی عنوان سے متعلق ہیں:۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ الآیہ

(الانبیاء آیت ۵۱ تا ۵۶)

قرآنی مضمون "اور بلاشُبہ ہم نے ابراہیمؑ کو اوّل ہی سے رشد و ہدایت عطا کی تھی اور ہم اسکے جاننے والے تھے، جب اُنھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ مجسمے کیا ہیں جن کو تم لئے بیٹھے ہو؟ کہنے لگے ہم نے اپنے باپ دادا کو اِن ہی کی پُوجا کرتے پایا ہے! ابراہیم نے کہا، بلاشُبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھُلی گمراہی میں

ہیں۔ اُن لوگوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے لئے کوئی (اِنکے علاوہ) حق بات لایا ہے یا یوں ہی مذاق کرنے والوں کی طرح کہتا ہے؟ ابراہیم نے کہا (یہ بُت تمہارے رب نہیں ہیں) بلکہ تمہارا پروردگار زمین و آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے اِن سب کو پیدا کیا ہے اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔"

باپ کو دعوتِ توحید

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے ارد گرد جب یہ ماحول دیکھا کہ قوم پوری کی پوری بُت پرستی ستارہ پرستی اور مظاہر پرستی میں اسقدر منہمک ہے کہ اللہ واحد و برتر کی قدرت مطلقہ اور اُس کی برتری کا کوئی تصور بھی قوم کے قلوب میں باقی نہ رہا تو کمرِ ہمت چست کی اور ذاتِ واحد کے بھروسہ پر اُن کے سامنے توحید کا پیغام رکھ دینے اور اعلان کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

سب سے پہلے اپنے گھر پر نظر ڈالی۔ خود اُن کا اپنا گھر شرک کا سب سے بڑا مرکز منظر آیا۔ باپ آزر کی بُت سازی پوری قوم کے لئے مرجع و محور بنی ہوئی ہے۔ فطرت نے آواز دی کہ دعوتِ حق کی ابتدا اپنے گھر ہی سے ہونی چاہیئے۔ اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے والد آزر ہی کو مخاطب کیا اور فرمایا:

"اے باپ خدا پرستی کے لئے جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے اور جسکو آباؤ اجداد کا قدیم طریقہ کہا جاتا ہے۔ یہ صریح گمراہی اور باطل پرستی ہے۔ صراطِ مستقیم وہی ہے جسکی میں دعوت دے رہا ہوں۔ اِن بے جان مورتیوں میں جنکی حیثیت کھلونوں سے کم نہیں عبادت و پرستش کے لائق کوئی بات نہیں، نہ یہ دیکھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور نہ کسی کے کام آتے ہیں۔ بھلا ایسے بے جان و بے حرکت خدا یا شریکِ خدا کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ اے باپ مجھکو علم کی روشنی مل چکی ہے اس روشنی میں آپ چلکر دیکھئے آپکو حق و باطل صاف نظر آئے گا۔ شیطان نے آپکی راہ ماری ہے اور آپکو غلط راہ پر گامزن

کر دیا ہے۔ مجھے سخت اندیشہ ہے کہ کہیں شیطان کی طرح آپ بھی خدا کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی اس مخلصانہ پند و نصیحت کا باپ پر کوئی اثر نہ ہوا قبولِ حق کے بجائے آزر نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو دھمکانا شروع کر دیا کہنے لگا ابراہیمؑ اگر تو بتوں کی بُرائی سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جانب ادائے فرض، اور امرِ الٰہی کا سوال تو انھوں نے سوچا اور آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل القدر پیغمبر کے شایانِ شان تھا۔ باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا بلکہ نرمی، حکمت اور اخلاقِ کریمانہ کے ساتھ یہ جواب دیا:

"اے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج میرا آخری سلام عرض ہے۔ میں اللہ تعالے کے سچے دین اور اُسکے پیغام کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بھی بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا۔ میں آج تجھ سے جُدا ہوتا ہوں، مگر غائبانہ آپ کے لئے درگاہِ الٰہی میں بخشش کی دُعا کرتا رہوں گا تاکہ آپ کو ہدایت نصیب ہو۔"

سورۂ مریم میں اس گفتگو کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا الآیۃ (مریم آیت ۴۱ تا ۴۸)

قرآنی مضمون

"اور اے نبیؐ اس کتاب میں ابراہیمؑ کا ذکر کرو یقیناً وہ مجسم سچائی اللہ کے نبی تھے۔ اُس وقت کا ذکر کرو جب اُنھوں نے اپنے باپ (آزر) سے کہا! ابا جان آپ کیوں ایسی چیز کی پوجا کرتے ہو جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ آپ کے کچھ کام آسکتی ہے۔ ابا جان علم کی ایک روشنی مجھے مل گئی ہے جو آپ کو نہیں حاصل ہے۔ لہٰذا آپ میرے پیچھے چلئے آپکو سیدھی راہ دکھا دوں گا۔

ابا جان شیطان کی بندگی نہ کیجئے شیطان تو خدائے رحمٰن
کا نافرمان ہوچکا ہے۔
ابا جان میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خدائے رحمٰن کی طرف
سے کوئی عذاب آپ کو گھیر لے اور شیطان آپ کا ساتھی ہو جائے۔
باپ نے (یہ باتیں سُنکر) کہا ابراہیم! کیا تو میرے معبود
سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار
کر دوں گا اور (اگر اپنی خیر چاہتا ہے تو اپنی جان سلامت لے کر)
مجھ سے ہمیشہ کے لئے الگ ہو جا! ابراہیمؑ نے کہا اچھا میرا اسلام۔
اب میں اپنے رب سے آپ کی بخشش کی دُعا کرتا رہوں گا وہ مجھ پر بڑا
ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا اور اُنھیں بھی جنھیں تم
اللہ کے سوا پُکارا کرتے ہو۔ میں اپنے رب کو پکارتا ہوں، اُمید کہ اپنے
پروردگار کو پُکار کر میں محروم ثابت نہ ہوں گا۔

قوم کو دعوتِ توحید

باپ اور بیٹے میں جب اتفاق کی صورت نہ بنی اور آزر نے کسی طرح بھی سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ آزر سے جدائی اختیار کر لی اور اپنی دعوتِ توحید اور پیغامِ رسالت کو مزید وسیع تر کر دیا۔ اب صرف باپ اور اہل خاندان ہی مخاطب نہ رہے بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنا لیا مگر قوم اپنے باپ دادا کے طریقے کو کب چھوڑنے والی تھی اُس نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ایک نہ سُنی اور توحید کی اس دعوت کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگے، اندھے، بہرے بن گئے۔ اُن کے کان موجود تھے مگر توحید کی آواز کے لئے بہرے تھے۔ آنکھوں میں بینائی ضرور تھی لیکن حق کی بصارت سے محروم، زبان میں گویائی کی طاقت تھی لیکن اقرارِ توحید کے لئے گُنگ تھی۔ ایک موقع پر سورہ اعراف میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے:-

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ

لَّا یبصرون بھا الخ

"اُن کے دل ہیں پَر سمجھتے نہیں، اُن کی آنکھیں ہیں پَر دیکھتے نہیں اور اُن کے کان ہیں پَر اُن سے سُنتے نہیں، یہ لوگ چوپاؤں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔ (الاعراف آیت ۱۷۹)

جب سیدنا ابراہیم علیہ السّلام نے زور دے کر پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی بھی قسم کا نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟

تو کہنے لگے کہ ان باتوں کے جھگڑے میں ہم پڑنا نہیں چاہتے۔ ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی وہی کریں گے۔ تب سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص اندازِ خطاب اختیار فرماکر سوال کیا اچھا تو میں تمہارے اُن سب بتوں کو اپنا دشمن جانتا ہوں اور اُن سے اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔ اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکالیں؟ میں اپنے خالق و مالک پر اعتماد کرلیتا ہوں۔

یہ ایک ایسا چیلنج تھا جو قوم کو غور کرنے کے لئے کافی تھا۔ مگر آزر اور قوم نے طے کرلیا تھا کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی کوئی بات سُنی نہ جائیگی۔ اس طرح اُن کا انکار بڑھتا ہی رہا۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی نصیحت و موعظت کے اس مؤثر انداز کو سورۂ شعراء میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرَاهِيْمَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ الخ (الشعراء آیات ۶۹ تا ۱۰۲)

قرآنی مضمون "اور (اے نبیؐ) سنا دیجئے اُن کو ابراہیمؑ کی خبر جب کہا انھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو تم کس کو پُوجتے ہو؟ وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتیوں کو پھر (سارے دن) انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کیا وہ سنتے ہیں جب تم پُکارتے ہو؟ یا کچھ

بھلا کرتے ہیں تمہارا یا کچھ بُرا ؟ بولے نہیں، پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے تھے۔ ابراہیمؑ نے کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو پوجتے رہے ہو تم اور تمہارے باپ دادا اگلے زمانے کے سو وہ سارے بُت میرے دشمن ہیں مگر رب العالمین جس نے مجھکو پیدا کیا سو وہی مجھکو راہ دکھاتا ہے، اور وہ جو مجھکو کھلاتا ہے پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہ جو مجھکو موت دے گا اور پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اور جس سے مجھکو اُمید ہے کہ میرے قصور کو معاف کردے گا انصاف والے دن۔ اے میرے رب مجھکو حکمت عطا فرما اور مجھکو نیکوں میں شامل کردے۔ اور بعد کے آنے والوں میں مجھکو سچی ناموری عطا کر، اور مجھکو جنت نعیم کے وارثوں میں شامل فرما اور میرے باپ کو معاف کردے کہ بیشک وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے اور مجھکو اُس دن رُسوا نہ فرما جبکہ لوگ سب زندہ کرکے اُٹھائے جائینگے جبکہ نہ کوئی مال فائدہ دے گا نہ اولاد، بجز اسکے کہ کوئی شخص قلبِ سلیم لئے ہوئے اللہ کے حضور حاضر ہو جائے۔ اُس روز جنت پرہیزگاروں کے قریب لے آئی جائیگی۔ اور دوزخ بہکے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی۔ اور اُن سے پوچھا جائے گا اب کہاں ہیں وہ جنکی تم خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کرینگے یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟

پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اُس جہنم میں اُوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے، وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ اپنے معبودوں سے کہیں گے۔ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنھوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔

اے کاش! ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مومن ہوں"۔

ستارہ پرستی یا خدا پرستی

بت پرست قوموں کے عقیدوں میں کچھ ٹھہراؤ نہیں ہوتا وہ ہر اُس چیز سے خائف ہوجاتے ہیں جس کے ذریعہ نفع یا نقصان ہوجاتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی قوموں کے معبود جنگل کے درندے اور پانی کے جانور تک پائے جاتے ہیں۔ قوم ابراہیم میں جہاں بُت پرستی تھی وہاں ستارہ پرستی بھی موجود تھی۔ اِن کا عقیدہ تھا کہ انسانوں کی موت وحیات، اِن کا رزق، نفع ونقصان، خشک سالی، فتح وشکست، غرض کارخانۂ عالم کا نظم ونسق ستاروں اور انکی حرکات کی تاثیر پر چل رہا ہے۔ اس لئے اِن ستاروں کی خوشنودی ضروری ہے۔ اور یہ اُنکی پرستش کے بغیر ممکن نہیں۔

یہ خام خیالی اور باطل عقیدہ ایسا نہیں تھا کہ قوم اسکو اپنے دلوں سے نکال دے۔ وہ اپنے خود ساختہ بتوں سے خود اتنے خائف تھے کہ اُن کو بُرا کہنے والے کے لئے ہر آن یہ تصور کرتے تھے کہ وہ اُن کے غضب میں آکر تباہ و برباد ہوجائے گا تو ایسے اوہام پرستوں کے دلوں میں بلند ستاروں کی پرستش کے خلاف جذبہ پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے اس ستارہ پرستی کے خلاف بھی اپنی جدوجہد جاری رکھی اور قوم کے دماغوں کے مطابق ایک عجیب و دلچسپ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا۔ تاروں بھری رات میں ایک ستارہ خوب روشن تھا۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا:۔

"یہ میرا رب ہے۔"

لیکن جب وہ اپنے مقررہ وقت پر نظروں سے اُوجھل ہوگیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:۔

"میں چُھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

کچھ دیر کے بعد چاند آب وتاب کے ساتھ نمودار ہوا دیکھ کر فرمایا:۔

"یہ میرا رب ہے۔"

جب سحر کا وقت ہونے لگا تو چاند بھی ماند پڑنے لگا اور جس قدر طلوع آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہونے لگا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک ایسا جملہ فرمایا جس سے چاند کے رب ہونے کی نفی کے ساتھ ساتھ اللہ واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ ہوجائے۔ فرمایا:۔

"اگر میرا حقیقی پروردگار میری رہنمائی نہ کرتا تو میں بھی ضرور گمراہ قوم ہی میں سے ایک ہوتا۔"

صرف یہ کہہ کر خاموش ہوگئے۔ تاروں بھری رات کا یہ قصہ ختم ہوا دن نکلا تو آفتاب عالمتاب ظاہر ہوا اور پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے لگا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا:۔

"یہ ہے میرا رب اور یہ سب سے بڑا ہے۔"

پھر دن بھر چمکنے دمکنے کے بعد سورج بھی روپوش ہونے لگا اور آہستہ آہستہ نظروں سے غائب ہوگیا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی براءت کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کا بھی اظہار کردیا کہ طلوع و غروب ہونے والے بھلا اللہ کیوں کر ہوسکتے ہیں؟

"اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بیزار، بلاشبہ میں نے اپنا رُخ صرف اُسی ایک ذات کی جانب کرلیا ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ میں حنیف ہوں مشرک نہیں۔"

اس کا اعلان کرنا ہی تھا کہ قوم کا غیظ و غضب سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر اُبل پڑا، اب باضابطہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑنے لگے اور طرح طرح کی دھمکیاں دینے لگے اور اپنے معبودوں کے قہر و غضب سے ڈرانے لگے کہ عنقریب وہ تیری توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لیں گے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بے خوفی کے ساتھ کہا کہ تم مجھے اپنے بتوں سے کیا ڈراتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے مجھے صحیح راہ دکھائی ہے۔ مجھے تمہارے بتوں کی کچھ پرواہ نہیں۔ تمہارے بُت کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ میں خدائے واحد کا ماننے والا ہوں جسکے دستِ قدرت میں زمین

و آسمان کی طاقت ہے۔ وہی میرا رب ہے اُسی پر میرا اعتماد ہے۔
اللہ تعالےٰ کی یہ وہ عظیم الشان حُجت تھی جو اُس نے سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام کی زبان سے بُت پرستی کے خلاف ہدایت و تبلیغ کے بعد ستارہ پرستی کے رَد میں ظاہر فرمائی۔

سورۂ انعام کی آیات اس سلسلہ میں قابلِ غور ہیں :-

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً الخ

(انعام آیات ۷۵ تا ۸۳)

قرآنی مضمون

"اور ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُنھوں نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو؟ بیشک میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو کھُلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ ابراہیم کو ہم نے اسی طرح نظامِ سلطنت دکھائے تھے اور اس لئے دکھائے تھے تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ چنانچہ جب ایک رات اُن پر طاری ہوئی تو اُنھوں نے ایک تارہ دیکھا۔ کہا یہ میرا رب ہے! مگر جب وہ ڈوب گیا تو بولے ڈوبنے والوں کا میں گرویدہ نہیں ہوں۔ پھر جب چاند چمکتا نظر آیا تو کہا یہ ہے میرا رب! مگر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرے ربّ نے میری رہنمائی نہ کی ہوتی تو میں بھی گمراہ لوگوں میں شامل ہو گیا ہوتا۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ ہے میرا ربّ، یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی ڈوبا تو ابراہیمؑ پکار اُٹھے، اے برادرانِ قوم! میں اُن سب سے بیزار ہوں جنھیں تم اللہ تعالےٰ کا شریک ٹھیراتے ہو میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اُن کی قوم اُن سے جھگڑنے لگی تو کہا کیا تم لوگ اللہ کے

معاملے میں مجھ سے جھگڑتے ہو ؟ حالانکہ اُس نے مجھکو سیدھی راہ دکھادی ہے اور میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے نہیں ڈرتا۔ البتہ میرا رب جو کچھ چاہے تو وہ ضرور ہوسکتا ہے۔ میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ کیا تم پھر بھی خیال نہیں کرتے۔

اور آخر میں تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں سے کیسے ڈروں جبکہ تم اللہ کے ساتھ اُن چیزوں کو خدائی میں شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے لئے اُس نے تم پر کوئی سند نازل نہیں کی ہے ؟ ہم دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ بے خوفی و اطمینان کا مستحق ہے ؟ بتاؤ اگر تم کچھ علم رکھتے ہو ؟

حقیقت میں امن تو اُنہی کے لئے ہے اور راستی پر وہی ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کیساتھ آلودہ نہیں کیا اور دیکھو یہ ہماری حجّت ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اُس کی قوم پر دی تھی، جسکے ہم مراتب بلند کرنا چاہتے ہیں اسکو علم و دلیل کا بُرہان دیکر بلند کر دیتے ہیں اور یقیناً تمہارا پروردگار حکمت والا علم رکھنے والا ہے۔

بُتوں کی بے بسی

سیّدنا ابراہیم علیہ السّلام جنکو اللہ تعالےٰ نے ابتداء ہی سے رُشد و ہدایت کی راہ بتلادی تھی۔ اپنے منصب کا بنیادی مقصد "توحید خالص" کو پیش کرنا تھا جبکی زد میں بُت پرستی اور کواکب پرستی آتی تھی بڑا نازک کام تھا اس وجہ سے بھی کہ یہ قوم کا "سرکاری مذہب" بھی تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے افہام و تفہیم کا جو طریقہ اختیار فرمایا تھا اُسکی بنیاد صرف عقلی دلائل یا براہین پر نہ تھی بلکہ حقیقت کو فطری دلائل کی سادگی کے ساتھ واضح کرنا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام فطری اور مشاہداتی طریقوں سے قوم کو توحید کی طرف متوجہ کرنے کا طرز اختیار فرمایا کرتے تھے۔ گزشتہ تذکرے میں اِسی مشاہداتی طریقے سے قوم کو کواکب پرستی سے بیزار کروایا کہ ستارے خواہ شمس و قمر

ہی کیوں نہ ہوں ربّ کہلانے کے قابل نہیں جو ڈوبتا ہو زوال پذیر ہو وہ کس طرح اللہ کہلانے کا مستحق ہے؟

اب یہاں بتوں کی بے بسی اور بے چارگی کا آنکھوں دیکھا منظر قوم کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

قوم نے جب دلائل و براہین کے بعد بھی دعوتِ اسلام قبول نہ کی اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی میں اُسی طرح مبتلا رہی تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک دن اپنی قوم کے بعض افراد سے یہ کہہ دیا کہ میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ تدبیر کروں گا۔ چونکہ بات کچھ صاف و واضح نہ تھی اس لئے قوم نے اس جانب کچھ توجہ نہ کی۔ حُسنِ اتفاق کہ قریب ہی زمانہ میں قوم کا ایک مذہبی میلہ پیش آگیا۔ جب سب اُس کے لئے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے اوّل تو انکار فرمایا پھر جب اُس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ کی۔ یہ ایسے ہی تھا جیسا کہ کسی شدید تردّد کے وقت آدمی کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے فطری طور پر ایک نگاہ آسمان کی طرف اُٹھا لیتا ہے۔ اس طرح اُس کا یہ دیکھنا کسی خاص مقصد کے تحت نہیں ہوتا۔ اسکے بعد معاً سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میں کچھ بیمار سا ہوں۔ چونکہ قوم کواکب پرستی میں مبتلا تھی اس لئے وہ یہ سمجھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کسی ستارے کے اثرِ بد میں مبتلا ہیں۔ یہ سوچ کر بغیر کسی اصرار کے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر میلے میں چلے گئے۔

اب جبکہ ساری قوم، بادشاہ، کاہن اور مذہبی پیشوا میلے میں مصروف اور شراب و کباب میں مشغول تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے نظامِ عمل کی تکمیل کروں اور عملی طور پر قوم پر یہ واضح کر دوں کہ ان دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے؟ موقع پاکر جب کہ پُجاری اور مجاور موجود نہ تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام اُن کے مرکزی بُت خانے میں گھُس گئے دیکھا تو وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلووں، پھلوں، میوؤں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے طنزیہ لہجہ میں چپکے چپکے ان مورتیوں سے خطاب کر کے کہا کہ یہ سب کچھ موجود ہے

اِن کو کھاتے کیوں نہیں؟ پھر کہنے لگے میں بات کر رہا ہوں تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ اسکے بعد اُن سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بُت کے کاندھے پر تبر رکھ کر واپس لوٹ گئے۔

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو مندر میں بتوں کا یہ حال پایا، سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے کہ یہ کیا ہوا؟ کس نے کیا؟ اِن میں وہ لوگ بھی تھے جنکے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کبھی کبھی بتوں کے ساتھ اپنی خُفیہ تدبیر کا تذکرہ کر دیا کرتے تھے۔ اُنھوں نے فوراً کہا کہ یہ اُس شخص کا کام ہے جس کا نام "اُبراہیمؑ" ہے۔ وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن بھی ہے۔ کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سُنا تو غم وغصّہ سے سُرخ ہو گئے اور کہنے لگے اُسکو مجمع کے سامنے پکڑ لاؤ تاکہ سب دیکھیں مجرم کون ہے؟

یہ گویا حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی منہ مانگی مراد تھی۔ کیونکہ وہ بھی یہ ہی چاہتے تھے کہ بات صرف پجاریوں، مجاوروں ہی کے سامنے نہ ہو بلکہ عام لوگ بھی موجود ہوں اور سب دیکھ لیں کہ یہ بُت جو اُن کے قاضی الحاجات بنا کر رکھے گئے ہیں کتنے بےبس ہیں اور خود یہ پجاری حضرات اِن کو کیا سمجھتے ہوں گے۔ اس طرح اِن پجاریوں سے بھی وہی حماقت سرزد ہوئی جو فرعون سے سرزد ہوئی تھی اُس نے بھی جادوگروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرانے کے لئے ملک بھر کی خلقت جمع کی تھی۔

اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو سب کے سامنے یہ ثابت کرنے کا موقعہ مل گیا کہ وہ جو کچھ لائے ہیں جادو نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے۔ اور یہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اُن کے دشمنوں نے آپ ہی آپ یہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ عوام کے سامنے اُن کے مکر وفریب کا طلسم توڑ دیں۔ الغرض جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام سامنے لائے گئے تو بڑے رُعب داب سے اُن لوگوں نے پوچھا:-

"کیوں ابراہیمؑ تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے"؟

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دیکھا کہ اب وہ موقعہ آگیا ہے جس کے لئے میں نے یہ تدبیر اختیار کی تھی مجمع موجود ہے عوام دیکھ رہے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کا کیا حشر

ہوا ہے۔ اس لئے اب کاہنوں اور مذہبی پیشواؤں کو عوام کی موجودگی میں اُن کے باطل عقیدے پر نادم کر دینے کا وقت ہے تاکہ عوام کو آنکھوں دیکھتے معلوم ہو جائے کہ آج تک ان دیوتاؤں سے متعلق جو کچھ ہم سے یہ پجاری اور مجاوروں کی جماعت کہا کرتی تھی سب مکر و فریب ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت متانت سے جواب دیا:-

"بلکہ یہ سب کچھ اِن کے اِس بڑے سردار نے کیا ہے انہی سے پُوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں"؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس جُملہ کا مطلب (اِن کے اس سردار نے کیا ہے) کا اشارہ بڑے بُت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی۔

اگر پہلی بات ہو تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اُن کے عقائد پر ایک طنز کا ہم معنی ہے۔ یعنی اگر ان کے نزدیک واقعی یہ خُدا ہیں تو انھیں اپنے بڑے خدا کے متعلق یہ شُبہ ہونا چاہیئے کہ شاید بڑے حضرت اِن چھوٹے حضرتوں سے کسی بات پر بگڑ گئے ہوں اور سب کا کچومر بنا ڈالا ہو۔ اور اگر دوسرا مفہوم مراد لیا جائے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ منشا اس کارروائی سے یہ تھا کہ اپنے بتوں کا یہ حال دیکھ کر شاید اِن لوگوں کا ذہن میری ہی طرف منتقل ہو جائے گا اور یہ مجھ سے پوچھیں گے تو مجھ کو پھر ان سے صاف صاف بات کرنے کا موقع مل جائے گا۔ گویا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منہ مانگی مراد تھی۔

الغرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس یقینی حجت اور دلیل کا اِن کاہنوں اور مجاوروں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا وہ ندامت میں ڈوب گئے اور اُن پر ایک سکتہ چھا گیا۔ سوچنے لگے کہ اِسکا کیا جواب دیں؟

آخر کار اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے واقعی تم خود ہی ظالم ہو۔ بعد ازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے اے ابراہیم تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اُس مقصد کو پورا کر لیا جسکے لئے

اُنھوں نے قوم کے مرکزی بُت خانے میں اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا۔

علاوہ ازیں بُت شکنی کے اس فعل کو بڑے بُت کی طرف منسوب کرنا اس کا مقصد جھوٹ بولنا نہ تھا بلکہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا تھا تاکہ یہ لوگ خود اپنی زبان سے اقرار کرلیں کہ ان کے معبود بالکل بے بس ہیں جو اپنے ذاتی نقصان تک کو دور نہیں کرسکتے تو پھر دوسروں کے نفع و نقصان کے مالک کیونکر ہو سکتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حجت و دلیل کامیاب ثابت ہوئی اور قوم نے اعتراف کرلیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اور ان کو زبان سے اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے یہ دیوتا جواب دینے یا بولنے کی قطعاً طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ نفع و نقصان کے مالک ہوں؟ اس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی بے کسی اور بے بسی کو قوم کے سامنے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ مشاہدہ کروایا اور قوم نے سر جھکا کر اسکو تسلیم بھی کرلیا۔ قرآن حکیم نے اس تفصیل کو اس طرح بیان کیا ہے:-

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ

عٰلِمِيْنَ۔ (انبیاء آیات ۵۱ تا ۶۸)

قرآنی مضمون

اور ہم نے (زمانۂ موسوی) سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی (شان کے مناسب) خوش فہمی عطا کی تھی اور ہم اُن کے کمالات کو خوب جانتے تھے۔

جب کہا اُنھوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہ یہ مورتیں کیسی ہیں جنکی عبادت پر تم لوگ جمے بیٹھے ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے پایا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے کہا کیا تو ہمارے لئے کوئی سچی بات لایا ہے یا مذاق کرنے والوں میں سے ہے تو؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا نہیں بلکہ فی الواقع تمہارا رب وہی ہے جو زمین اور آسمان کا رب ہے اور ان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس پر میں تمہارے سامنے گواہی

دیتا ہوں۔ اور اللہ کی قسم میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے بتوں کی ضرور خبر لوں گا؛ چنانچہ اُنھوں نے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور صرف اُن کے بڑے کو چھوڑ دیا تاکہ شاید وہ اسکی طرف رجوع کریں۔ (جب آکر اُنھوں نے اپنے خداؤں کا یہ حال دیکھا تو) کہنے لگے، ہمارے خداؤں کا یہ حال کس نے کر دیا؟ بڑا ہی ظالم ہے وہ شخص، (بعض لوگ) بولے ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سُنا تھا جس کا نام ابراہیم ہے (علیہ السّلام) اُنھوں نے کہا تو پکڑ لاؤ اُسے سب کے سامنے تاکہ لوگ دیکھ لیں (اُسکی کیسی خبر لی جائیگی)، (ابراہیم علیہ السّلام کے آنے پر) اُن لوگوں نے پوچھا کیوں ابراہیمؑ تونے ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟ ابراہیم علیہ السّلام نے جواب دیا بلکہ یہ سب کچھ اُن کے اِس سردار نے کیا ہے؟ اِن ہی سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہوں؛ یہ سُنکر وہ لوگ اپنے ضمیر کی طرف پلٹے اور (اپنے دلوں میں) کہنے لگے واقعی تم خود ظالم ہو۔ پھر اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیم علیہ السّلام) تم خوب جانتے ہو کہ یہ بولنے والی نہیں ہیں۔ ابراہیم (علیہ السّلام) نے کہا پھر کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تُف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبودوں پر جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر پُوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟

لوگوں نے کہا کہ جَلا ڈالو ابراہیم (علیہ السّلام) کو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔"

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ۔ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ الخ (الصافات آیات ۸۳ تا ۹۸)

اور نوحؑ کے طریقے پر چلنے والوں میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔ جبکہ وہ اپنے رب کی طرف صاف دل سے متوجہ ہوئے جبکہ اُنھوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا، تم کس چیز کی عبادت

کرتے ہو۔ کیا اللہ کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو؟ آخر اللہ رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

پھر ابراہیم (علیہ السلام) نے ستاروں کو ایک نگاہ بھر کر دیکھا اور کہدیا کہ میں بیمار ہوں۔ غرض وہ لوگ ان کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر یہ اُن بتوں (کے گھر) جا گھسے (اور بتوں سے) کہنے لگے آپ حضرات کھاتے کیوں نہیں؟ کیا ہو گیا بولتے بھی نہیں ہو؟ اسکے بعد وہ ان پر پل پڑے اور سیدھے ہاتھ سے خوب ضربیں لگائیں۔ سو وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیا تم اُن چیزوں کو پوجتے ہو جنکو خود تراشتے ہو؟ حالانکہ تم کو اور تمہاری ان بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ اُنھوں نے (آپس میں) کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کیلئے ایک آتش خانہ تیار کرو اور اسکو دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دو۔

اُنھوں نے ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ایک کارروائی کرنا چاہی تھی مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔

بادشاہِ وقت کو دعوتِ توحید

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ شُدہ شُدہ بادشاہِ وقت نمرود تک یہ باتیں پہنچ گئیں۔ اُس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوا کرتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود کو اُن کا رب اور مالک بھی سمجھتے تھے اور رعایا بھی دوسرے دیوتاؤں کی طرح اسکو اپنا خدا اور معبود مانتی تھی اور اس کی بھی اس طرح پرستش کرتی تھی جسطرح دیوتاؤں کی بلکہ اس سے بھی زیادہ پاس وادب کے ساتھ پیش آتی تھی، اس لئے کہ وہ صاحب عقل و ہوش ہوتا تھا اور مالکِ تخت وتاج بھی۔

نمرود کو جب معلوم ہوا تو آپے سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اگر اس شخص کی دعوت و تبلیغ کی سرگرمیاں اس طرح جاری رہیں تو یہ میری ملوکیت اور الوہیت سے بھی رعایا کو برگشتہ کر دیگا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ یہ سلطنت

بھی زوال میں آجائیگی۔ اس لئے اس کا قصّہ ہی تمام کر دینا چاہیئے۔ یہ سوچ کر اُس نے حکم دیا کہ ابراہیم (علیہ السّلام) کو ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود ظالم کے دربار میں حاضر کئے گئے تو نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے پوچھا کہ تو باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لئے کرتا ہے اور مجھکو رب ماننے سے کیوں انکار کرتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں خدائے واحد کا بندہ ہوں اس کے علاوہ کسی کو اُسکا شریک نہیں مانتا، ساری کائنات اور تمام عالم اُسی کی مخلوق ہے اور وہی اُن سب کا خالق و مالک ہے، تو بھی اُسی طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں۔ پھر تو کس طرح رب یا خدا ہو سکتا ہے؟ اور کس طرح یہ گونگے بہرے لکڑی کے بُت خدا ہو سکتے ہیں؟

نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے دریافت کیا کہ اگر میرے علاوہ تیرا کوئی خدا ہو سکتا ہے تو اُس کا ایسا وصف بیان کر جسکی قدرت مجھ میں نہ ہو۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا میرا رب وہ ہے جس کے قبضے میں موت و حیات ہے۔ وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے۔

کج فہم نمرود موت و حیات کی حقیقت سے ناآشنا کہنے لگا اس طرح تو موت و حیات میرے قبضہ و قدرت میں بھی موجود ہے۔ یہ کہکر اُسی وقت ایک بے قصور آدمی کے بارے میں جلاّد کو حکم دیا کہ اسکی گردن ماردی جائے۔ جلاّد نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو جیل سے بُلا کر حکم دیا کہ جاؤ ہم نے تمہاری جان بخشدی۔ اسکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا دیکھا میں کسطرح موت و حیات کا مالک ہوں؟۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو محسوس ہوا یا تو یہ بدفہم ہے یا رعایا کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ موت وحیات کے معنی ہی نہ سمجھ سکا۔ اس کے ہاں علم تو کجا عقل تک نہیں ہے۔ لہذا عقلی دلیل اسکے لئے مفید نہیں ہے کوئی مشاہداتی بات ہی اسکو فائدہ دے سکتی ہے اس لئے دوسرا عنوان اختیار فرمایا اور ایسی دلیل پیش کی جسکا صبح و شام ہر شخص آنکھوں سے مشاہدہ کرتا ہے اور شب و روز کی زندگی میں اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا میں اُس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ صبح سورج کو مشرق

لاتا ہے اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے۔ پس اگر تو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اسکے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں چھپا؟ یہ سُنکر نمرود مبہوت اور لاجواب ہوگیا۔ اسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حُجت پوری ہوگئی۔ کیونکہ نمرود کو اِسکا جواب دینے کے لئے تینؔ ہی صورتیں تھیں:۔

اوّلؔ یہ کہ وہ کہہ سکتا تھا کہ ہاں مغرب سے سورج نکالنے کی مجھے قدرت ہے۔

دوؔم یہ کہ آفتاب پر میری قدرت نہیں ہے۔

سوؔم یہ کہ اُسی وقت مغرب سے سورج نکال کر دکھا دیتا۔ لیکن یہ ساری صورتیں ایسی تھیں جسکا وہ خود قائل نہ تھا۔ اس لئے اپنے آپ کو خاموش رکھنا ہی مناسب سمجھا۔

بعض غیر مسلموں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر نمرود یہ کہہ بیٹھتا کہ ابراہیمؑ تو ہی اپنے خُدا سے یہ کام کر دکھا؟ تو ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس اس کا کیا جواب ہوتا؟

لیکن یہ اعتراض ہی نہایت کمزور اور سطحی ہے۔ دراصل یہ اعتراض مدعی سُست اور گواہ چُست والوں کا ہے۔ نمرود جانتا تھا کہ جس قوت و اعتماد سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ حُجت پیش کی ہے اُس کا تقاضہ یہ ہی تھا کہ اگر وہ ایسا کہہ دیتا تو ابراہیم علیہ السلام اسکو پورا بھی کر دکھاتے۔ کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیشمار تائیدات دیکھ چکا تھا۔ اس لئے ایسی ہمت نہ کرسکا۔ علاوہ ازیں اُسکو خود اپنی عاجزی اور بیچارگی کا شدید احساس بھی تھا۔ لہٰذا اس اعتراض کا موقعہ ہی نہ تھا۔ خاموشی میں ہی اپنی نجات سمجھا۔

قرآن حکیم کے سورۂ بقرہ میں اس گفتگو کو مختصر پیرایہ میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ الخ

(بقرہ آیت ۲۵۸)

قرآنی مضمون: کیا تو نے نہیں دیکھا اُس شخص کا واقعہ جس کو اللہ نے بادشاہت بخشی تھی اُس نے کس طرح ابراہیم سے اُس کے پروردگار کے بارے میں مناظرہ کیا؟

جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشتا ہے اور

موت دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں بھی زندگی بخشتا ہوں اور موت بھی دیتا ہوں۔

ابراہیمؑ نے کہا بلاشُبہ اللہ تعالےٰ سُورج کو مشرق سے نکالتا ہے لہذا تو اُسکو مغرب سے نکال؛ پس وہ کافر (بادشاہ) مبہوت اور لاجواب ہوگیا اور اللہ تعالےٰ ظلم کرنے والوں کو راہ یاب نہیں کرتا۔"

یَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّ سَلَامًا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو توحید کی دعوت دی اسکے بعد قوم کو اس دعوتِ عام میں شریک کیا اور اُنھیں پیغامِ حق سُنایا اور فطرت کے سیدھے سادھے اصول و دلائل پیش کئے۔ حکمت و شیریں کلامی سے اُن پرحق بات کو واضح کیا اور پھر آخر میں بادشاہِ وقت نمرود کو یہ دعوت پہنچائی۔ اس منزل پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوتی جد وجہد کا مرحلہ مکمل ہوجاتا ہے۔

انہام و تفہیم کے سارے سلسلے یکے بعد دیگرے ختم ہوگئے۔ بادشاہِ وقت سے رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں ابراہیم علیہ السلام کو دہکتی آگ میں جلا دینا چاہیئے۔ کیونکہ ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہوسکتی ہے اور دیوتاؤں کی تحقیر کا انتقام اسی طرح لیا جاسکتا ہے۔ اسطرح مادی قوت و طاقت نے مظاہرہ شروع کر دیا۔ ہرطرف مخالفت، دشمنی، نفرت وحقارت کا سامان مہیا ہونا شروع ہوا۔

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ اسکی پرواہ تھی نہ کسی قسم کا خوف واندیشہ آپؑ اسی طرح دعوتِ توحید کا کام انجام دیتے رہے۔

اِدھر بادشاہ کے حکم سے قوم نے ایک وسیع وعریض جگہ آگ جلانے کا انتظام شروع کر دیا اور مسلسل کئی روز تک آگ جلائی گئی۔ اس زعم میں کہ یہ بہت بڑا کارِخیر ہے۔ قوم کا ہر فرد اپنا حصہ لگانا اسمیں اپنی سعادت و نیک بختی سمجھتا تھا۔ کئی دن کے بعد جب اسکے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک گوپھن میں بٹھا کر تیزی سے گھمایا گیا اور دُور ہی سے اُس دہکتی آگ میں پھینک دیا گیا۔

اس وقت اللہ کا وہ واحد سہارا کام آیا جو اپنے نیک بندوں کی آخری دستگیری کے لئے ہوا کرتا ہے آگ کو حکم دیا گیا کہ اے آگ ابراہیمؑ پر ٹھنڈی اور سلامتی بن جا۔ سورۂ صافات میں فرمایا گیا کہ ہم نے اُن کی کارروائی کو نیچا کر دکھایا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ دیر کے بعد اس خوفناک آگ سے صحیح وسلامت باہر نکل آئے۔ جنکے قلوب میں نیکی اور "تلاشِ حق" کی فکر تھی وہ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے اور قوم کی اکثریت جسمیں نمرود اور اسکے حمایتی تھے بدستور اُسی شرک وکفر پر باقی رہے جو اُن کے آباء واجداد کا مذہب تھا۔

اس واقعہ سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ تمام اشیاء کی خاصیتیں اللہ کے حکم سے قائم ہیں وہ جب چاہے کسی بھی خاصیت کو بدل سکتا ہے۔ معمول کے مطابق آگ کا عمل یہی ہے کہ وہ جلائے اور ہر آتش پذیر چیز اُس میں گر کر جل جائے۔ لیکن آگ کا یہ معمول اپنا ذاتی معمول نہیں ہے بلکہ اللہ تعالےٰ کا قائم کیا ہوا ہے۔ معمول اللہ کا پابند ہے، اللہ معمول کا پابند نہیں، کسی وقت بھی وہ حکم دے سکتا ہے کہ آگ اپنا عمل چھوڑ دے چنانچہ اس واقعہ میں ایسا ہی ہوا۔

قرآن حکیم نے اس پُراعجاز واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ

(العنکبوت آیات ۱۶ تا ۲۵)

قرآنی مضمون

"اور ابراہیمؑ کو ہم نے بھیجا جبکہ اُس نے اپنی قوم سے کہا، اللہ کی بندگی کرو اور اُس سے ڈرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔ تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پُوج رہے ہو وہ تو محض بُت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو۔ درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کر رہے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ اللہ سے رزق مانگو اور اُسی کی بندگی کرو اور اُس کا شکر ادا کرو، اُسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے بہت سی قوموں نے جھٹلایا ہے۔ اور رسول پر تو صرف صاف صاف پیغام

پہنچا دینے کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔ کیا اِن لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں کہ اللہ کس طرح خلق کی ابتدار کرتا ہے۔ پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے۔ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ کے لئے آسان تر ہے۔ اِن سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح خلق کی ابتدار کی ہے پھر اللہ دوسری بار بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جسے چاہے سزا دے اور جس پر چاہے رحم فرمادے۔ اُسی کی طرف تم پھیرے جانے والے ہو۔ تم نہ زمین میں (ہم کو) عاجز کرنے والے ہو نہ آسمان میں، اور اللہ سے بچانے والا کوئی سرپرست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا اور اُس سے ملاقات کا انکار کیا ہے وہ میری رحمت سے مایوس ہو چکے ہیں اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پھر اُسکی قوم کا جواب اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا قتل کردو یا جلا ڈالو اس کو۔ آخرکار اللہ نے اُسے آگ سے بچالیا۔ یقیناً اسمیں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لے آتے ہیں۔ اور ابراہیمؑ نے کہا تم نے دنیا کی زندگی میں تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو اپنے درمیان محبت کا ذریعہ بنالیا ہے مگر قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار اور ایک دوسرے پر لعنت کروگے۔ اور آگ تمہارا ٹھکانہ ہوگی اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّ لَا یَضُرُّکُمْ الخ (الانبیاء آیات ۶۶ تا ۷۳)

اُبراہیمؑ نے کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن چیزوں کو پوج رہے ہو جو نہ تمہیں نفع پہنچانے پر قادر ہیں نہ نقصان۔ تُف ہے تم پر اور تمہارے معبودوں پر جنکی تم اللہ کو چھوڑ کر پُوجا کر رہے ہو۔ کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟

اُنھوں نے کہا جلا ڈالو اِسکو اور حمایت کرو اپنے خداؤں کی اگر تمہیں کچھ کرنا ہے۔ ہم (اللہ) نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی

بن جا ابراہیم پر۔

وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ بُرائی کریں مگر ہم نے اُنکو بُری طرح ناکام کر دیا۔ اور ہم اُن کو اور لوطؑ کو بچا کر اُس سرزمین کی طرف نکال لے گئے جسمیں ہم نے دنیا والوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں۔ اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ عطا کیا اور یعقوب اس پر مزید عطا کئے گئے۔ اور ہر ایک کو صالح بنایا۔ اور ہم نے اُنکو امام بنا دیا جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے اور ہم نے اُنھیں وحی کے ذریعہ نیک کاموں کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی اور وہ ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔"

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ۔ الخ

(الصافات آیت ۹۷، ۹۸)

"اُن لوگوں نے آپسمیں کہا ابراہیم کے لئے ایک آتش خانہ تیار کرو اور اسے دہکتی آگ میں پھینک دو۔ اُنھوں نے ابراہیمؑ کے خلاف ایک کارروائی کرنی چاہی تھی مگر ہم نے اُنہی کو نیچا دکھا دیا۔"

ہجرتِ ابراہیمی

گزشتہ سطور میں یہ بات آچکی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت کے لئے کس درجہ مضطرب اور بے چین تھے۔ انہام و تفہیم کی وہ کون سی صورت نہ تھی جو انھوں نے قوم کو سمجھانے کے لئے اختیار نہ کی ہو؟ سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو سمجھایا پھر عوام کے سامنے توحید کی روشنی پیش کی۔ اور آخر میں بادشاہِ نمرود سے بحث و مباحثہ کر کے اسکے سامنے بھی اظہارِ حق کو بہتر سے بہتر اسلوب کے ساتھ ادا کیا۔ اور ہر لمحہ یہی سب کو تلقین کی کہ اللہ واحد کے علاوہ کسی کی پرستش درست نہیں ہے اور اصنام پرستی اور کواکب پرستی کا نتیجہ خُسران اور ذلت کے سوا دوسرا نہیں ہے۔ اس لئے شرک سے باز آنا چاہیئے۔ ملّت حنفی ہی کو صراطِ مستقیم سمجھنا چاہیئے جسکی اساس صرف توحید الٰہی پر قائم ہے۔ مگر بدبخت قوم نے کچھ نہ سُنا اور کسی طرح رُشد و ہدایت کو قبول نہ کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

بیوی سیدہ سارہؓ اور برادر زادے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا غالباً کوئی اور ایمان نہیں لایا۔ اور قوم کے اکثر افراد نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جلا دینے کا فیصلہ کرلیا۔ اسکے بعد دہکتی آگ میں ڈال بھی دیا۔

جب اللہ تعالٰی نے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں آگ کو "بَرْدًا وَّسَلَامًا" بنا دیا تو اب حضرت ابراہیمؑ نے ارادہ کرلیا کہ کسی دوسری جگہ جاکر پیغامِ الٰہی سنائیں اور دعوتِ حق پہنچائیں۔ یہ سوچ کر "فدّان آرام" سے (بابل (عراق) کا مشہور شہر جسمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے) ہجرت کا ارادہ کرلیا۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ۔

(الصافات آیت ۹۹)

"اور ابراہیمؑ نے کہا میں جانے والا ہوں اپنے پروردگار کی طرف عنقریب وہ میری رہنمائی کرے گا"

یعنی اب مجھے کسی ایسی آبادی میں ہجرت کرنا چاہیئے جہاں اللہ واحد کی صدا سُنی جاتی ہو۔ خدا کی زمین تنگ نہیں۔ میرا کام پہنچانا ہے۔ اللہ اپنے دین کی اشاعت کا سامان خود پیدا کر دیگا۔

بہر حال سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر اور قوم سے جُدا ہو کر دریائے فُرات کے غربی کنارہ کے قریب ایک بستی میں چلے گئے جو "اور کلدانیین" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا ہمراہ سیدہ سارہؓ اور برادر زادہ حضرت لوط علیہ السلام تھے۔ پھر کچھ دنوں کے بعد یہاں سے حرّان یا حاران کی جانب روانہ ہوگئے اور وہاں توحید کی دعوت پہنچاتے رہے۔ مگر اس عرصہ میں اپنے باپ آزر کے لئے بارگاہِ الٰہی میں دُعا اور استغفار کا سلسلہ جاری رکھا اور ہدایت کیلئے دُعا کرتے رہے۔

یہ سب کچھ اس لئے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نہایت رقیق القلب، رحیم وکریم صفت اور بہت ہی نرم و بُردبار تھے۔

باپ آزر کی جانب سے ہر قسم کی عداوت اور شدت کے باوجود انھوں نے

چلتے وقت یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اگرچہ میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں تا ہم میں آپ کے لئے برابر دُعا کرتا رہوں گا۔ اسی وعدہ کی پابندی میں باپ کے لئے دُعا اور استغفار کر رہے تھے۔

آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو وحی الٰہی نے مطلع کیا کہ آزر ایمان لانے والا نہیں ہے۔ اور یہ اُن افراد میں شامل ہے جنھوں نے اپنی نیک فطرت کو فنا کر کے خود کو اس کا مصداق بنا لیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے اپنے باپ آزر سے اپنی برأت کا صاف صاف اعلان کر دیا اور استغفار کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔

سورۂ توبہ میں اس برأت کا اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ الخ۔ (سورہ توبہ آیت ۱۱۳، ۱۱۴)

"نبیؐ اور اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یہ بات زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے دُعائے مغفرت کریں چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں (ایسی صورت میں) جبکہ اُن پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

(اے مسلمانو) ابراہیم (علیہ السّلام) نے اپنے باپ (آزر) کے لئے جو دُعائے مغفرت کی تھی وہ صرف اُس وعدہ کی وجہ سے تھی جو اُنھوں نے اپنے باپ سے کیا تھا۔ مگر جب ابراہیم (علیہ السلام) پر یہ بات کھل گئی کہ اُن کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ حق بات یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) بڑے رقیق القلب خدا ترس بُردبار تھے۔

ہجرت بجانب فلسطین

حضرت ابراہیم علیہ السلام شہر بابُل کے مختلف علاقوں میں تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے، اس سفر میں آپ کے ہمراہ زوجۂ محترمہ سیّدہ سارہؓ اور برادرزادہ حضرت لوط (علیہ السلام) اور اُن کی بیوی بھی تھیں۔

سورۂ عنکبوت میں اس ہجرت کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے :-

فَاٰمَنَ لَہٗ لُوْطٌ وَقَالَ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ اِنَّہٗ
ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ (عنکبوت آیت ۲۶)

"پس لوط (علیہ السلام) ابراہیم (علیہ السلام) پر ایمان لائے اور کہنے لگے میں اپنے پروردگار کی جانب ہجرت کرنے والا ہوں بیشک وہ غالب ہے حکمت والا ہے۔"

روایات حدیث میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے اپنی بیوی سیدہ رُقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کی پہلی ہجرت میں شہر مکہ مکرمہ سے ملک حبشہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا :-

اِنَّ عُثْمَانَ اَوَّلُ مُھَاجِرٍ بِاَھْلِہٖ بَعْدَ لُوْطٍ (علیہ السلام)
(الحدیث)

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عثمانؓ پہلے مہاجر ہیں جنھوں نے اپنی بیوی سمیت اللہ کے لیے ہجرت کی ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کے غربی اطراف میں سکونت اختیار کی۔ اس زمانے میں یہ علاقہ کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا۔ پھر جب قریبی شہر نابلس چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ اس کے بعد یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہیں کیا تبلیغ کے سلسلے میں آگے بڑھتے ہی چلے گئے حتیٰ کہ مصر تک جا پہنچے۔

ہجرت بجانب مصر

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب شہر نابُلس سے چلکر ملک مصر پہنچے تو بخاری و مسلم کی روایت کے مطابق اُن کو وہاں ایک ظالم بادشاہ سے سابقہ پڑا جس کی تفصیل یہ ہے :-

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہاں کا بادشاہ نہایت بدطینت آدمی ہے۔ شہر میں جو کوئی بھی نیا مسافر آجاتا ہے اگر اُسکے ساتھ اُسکی بیوی بھی ہو تو۔ بیوی کو اپنے حرم میں داخل کرلیتا ہے اور شوہر کو قتل کروا دیتا ہے۔ اور اگر مسافر کے ساتھ اُسکی بہن

یا اور کوئی عزیزہ ہو تو مسافر کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب یہ صورتِ حال معلوم ہوئی تو متفکر ہو گئے۔ پھر اپنی بیوی سیدہ سارہؓ سے فرمایا کہ اس مصیبت سے نجات پانے کے لئے تدبیر کرنی چاہیئے۔ چونکہ تم میری دینی بہن بھی ہو اور اس سرزمین پر میرے اور تمہارے علاوہ دوسرا کوئی مسلمان نہیں ہے۔ اس لئے اگر وہ ظالم تم کو پکڑ لے جائے تو میرے بارے میں اُس سے کہہ دینا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اُس ظالم کے کارندے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہؓ کو پکڑ لے گئے۔ سیدہ سارہؓ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرما دیا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ کلام خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ خاتون میری بہن ہے" (بخاری)

کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو چھوڑ دیا اور سیدہ سارہؓ کو اُس ظالم کے ہاں پہنچا دیا گیا۔ اور جب شب میں اُس ظالم نے ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک اُس کا ہاتھ شَل ہو گیا۔ اور وہ کسی طرح بھی سیدہ سارہؓ کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ یہ دیکھ کر اُس نے سیدہ سارہؓ کو کہا اے بندی تو اپنے خدا سے دُعا کر کہ وہ میرا ہاتھ درست کر دے میں تجھ کو رہا کر دوں گا۔ سیدہ سارہؓ نے اُسی وقت دُعا کی ہاتھ درست ہو گیا۔ معاً ظالم نے پھر ارادہ کیا دوبارہ اس کا ہاتھ اور زیادہ شَل ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی قصہ پیش آیا۔ تب اُس نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جنّی عورت ہے انسان نہیں اسکو جلد رخصت کر دینا چاہیئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بڑی آفت پہنچ جائے۔ چنانچہ سیدہ سارہؓ کو اُسی وقت اپنے محل سے رہا کر دیا اور ساتھ ہی (سیدہ) ہاجرہؓ کو بھی حوالہ کر دیا۔ (جو اسکی بیٹی تھیں اور باپ کے دین سے مختلف، شاید اسی وجہ سے سیدہ ہاجرہؓ کو سیدہ سارہؓ کے حوالہ کر دیا ہو)

سیّدہ سارہؓ، سیّدہ ہاجرہؓ کو اپنے ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچیں اور سارا قصہ بیان کیا اور مبارکباد بھی دی کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہم کو اس طرح اُس ظالم سے بچایا اور ساتھ ہی ایک بندی ہاجرہؓ کو بھی ہمراہ کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں یہاں تک بیان کرنے کے بعد فرمایا اے شریف النسب اہلِ عرب یہ ہیں وہ ہاجرہ رضؓ جو تم سب کی ماں ہیں۔

(بخاری ج ۶ ص ۳۰۱ (بخاری جزء ۴ ص ۱۷۱ مصر)

تورات کی روایت یہ کہتی ہے کہ فرعون مصر نے سیّدہ سارہؓ کے اس واقعہ کو کرامت سمجھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہ عتاب کیا کہ اُنھوں نے شروع ہی سے یہ کیوں نہ بتادیا کہ سیّدہ سارہؓ ان کی بہن نہیں بیوی ہیں۔ اور پھر بڑے اکرام و انعام کے ساتھ اُن کو مصر سے رخصت کر دیا۔

بہر حال بخاری و مسلم کی روایت ہو یا تورات کی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دونوں روایتوں کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف نہیں۔ البتہ ان تمام روایات سے اس قدر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سیّدہ سارہؓ اور اپنے برادر زادہ حضرت لوطؑ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے تھے اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں ہے جو سامی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اس طرح وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے نسبی سلسلہ میں وابستہ تھا۔ یہاں پہنچکر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اسکو یقین ہوگیا کہ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام اور اُنکا خاندان خدا کا مقبول و برگزیدہ خاندان ہے۔ یہ دیکھ کر اُس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپکی بیوی سیّدہ سارہ کا آخر میں بہت اعزاز و اکرام کیا اور ان حضرات کی ہر قسم کے مال و منال سے خدمت کی اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتہ کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے اپنی بیٹی ہاجرہؓ کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق پہلی اور بڑی بیوی

کی خدمت گزار قرار پائیں۔ چنانچہ اس تاریخی قیاس کی سب سے بڑی شہادت خود یہود کے ہاں بھی موجود ہے۔ اس طرح یہود کی معتبر روایات سے بھی یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے کہ سیدہ ہاجرہؓ شاہِ مصر فرعون کی بیٹی تھیں۔ تورات کا ایک معتبر مفسر ربی شلولو اسحاق کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱ کی تفسیر میں لکھتا ہے :-

"جب اُس (شاہ مصر) نے سارہؓ کی وجہ سے کرامات کو دیکھا تو کہا، میری بیٹی کا اس گھر میں لونڈی (خادمہ) ہوکر رہنا دوسرے گھر میں ملکہ ہوکر رہنے سے بہتر ہے۔" (ارض القرآن جلد ۲ صا۴۲)

اس تفسیر اور تورات کی آیت کو جمع کرنے سے یہ حقیقت آشکارا ہوجاتی ہے کہ تورات میں سیدہ ہاجرہؓ کو صرف اس لئے لونڈی کہا گیا کہ شاہِ مصر نے انکو سیدہ سارہؓ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سپرد کرتے وقت یہ کہا تھا کہ وہ سارہؓ کی خدمت گزار رہے گی۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے ملکِ جبار کی جو روایت ہے اُس میں بھی یہ جملہ موجود ہے وَاَخْدَمَهَا هَاجَرَ اور سیدہ ہاجرہؓ کو سیدہ سارہؓ کے حوالہ کردیا کہ ان کی خدمت گزار رہے۔

مشاہدہ حیات بعد الموت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا بچپن ہی سے اللہ تعالےٰ نے رُشد وہدایت، علم وفکر، عقل وشعور، طلب وجستجوئے حق کا طبعی ذوق عطا فرمایا تھا وہ ہر شے کی حقیقت تک پہنچنے کی سعی کو اپنی زندگی کا خاص مقصد سمجھتے تھے تاکہ اُس کے ذریعہ اللہ واحد کی ہستی، اُسکی وحدانیت اور اسکی قدرت کاملہ کے متعلق علم الیقین کے بعد حق الیقین حاصل کرسکیں۔ باپ آزر اور قوم اور بادشاہِ وقت نمرود کیساتھ مناظروں اور گفتگو میں اُن کے اس طبعی ذوق کا پتہ چلتا ہے۔

دعوت وتبلیغ کے انہی ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حیات بعد الممات یعنی مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے متعلق اللہ تعالےٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا؟ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا :-

"اے ابراہیم کیا تم کو اس مسئلہ پر یقین وایمان نہیں؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً جواب دیا کیوں نہیں میں بلا تردد اس پر ایمان رکھتا ہوں۔ البتہ میں چاہتا ہوں کہ قلب کو وہ کیفیت محسوس ہو جائے جو آنکھوں سے دیکھنے پر حاصل ہوتی ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا یہ سوال دراصل آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے متعلق تھا کہ مرنے کے بعد زندہ ہونے کی کیا شکل ہوگی۔ چونکہ یہ مسئلہ عقیدے سے بھی وابستہ تھا اور ہر ملت میں ہر نبی نے مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کی تلقین کی ہے۔ اور اس ملت میں بھی عقیدۂ آخرت کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے اللہ اور اسکی صفات پر ایمان لانے کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اُولو العزم رسول جو اس عقیدے کے مبلغ بھی ہیں کسی شک وشُبہ کی وجہ سے یہ مشاہدہ کرنا نہیں چاہتے تھے کہ موت کے بعد حیات کیوں کر ہوگی۔ بلکہ اللہ تعالےٰ سے یہ سوال کرنا اپنے طبعی ذوق و رُجحان "جستجوئے حق" کے ضمن میں تھا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ نے پوچھا اے ابراہیم کیا تم کو یقین نہیں؟ جواب میں فوراً فرمایا! کیوں نہیں ضرور ہے۔

مقصود صرف یہ تھا کہ علم ویقین کے باوجود حقیقت اور مشاہدہ بھی ظاہر ہو جائے چنانچہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی درخواست قبول فرمالی اور موت کے بعد حیات کا مشاہدہ کروایا۔ معلوم ہوا کہ سوال دراصل عینی مشاہدہ کا تھا جو علم ویقین کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔

اس بارے میں مختصر سی وضاحت مزید مفید ہوگی۔

علمی اصطلاح میں کسی بھی شئی کو جاننے پہچاننے کے تین۳ ذریعے ہوا کرتے ہیں۔

اوّل۱ علم الیقین۔ یعنی ایسا علم جو قوی اعتقاد کی حد تک آجائے جو کسی بھی حالت میں شک وشبہ کی راہ سے متزلزل نہ ہو سکے۔ ایسی حالت کو علم الیقین کہا جاتا ہے۔

دوم۲ عین الیقین۔ اگر یہی علم محسوس وادراک کی حد تک ہو جائے اسکو عین الیقین کہا جائیگا۔ (یعنی اتنا قوی اور پختہ ہو کہ محسوسات کی طرح ہو جائے)

سوم۳ حق الیقین۔ عین الیقین سے آگے کی کیفیت جسکی وجہ سے علم اور مشاہدہ

ایک ہو جائیں ایسی کیفیت حق الیقین کہلائیگی۔ اس علمی اصطلاح کو ایک محسوس تمثیل سے سمجھا جائے۔

مثلاً: زمزم ایک مقدس اور بابرکت پانی ہے اسکے جاننے اور معلوم کرنے کا پہلا درجہ یہ ہے کہ عوام و خواص، ثقہ وغیر ثقہ آدمی سے شہرتِ عام کی حد تک اس کے وجود اور اسکی تعریف کو سُنا ہے۔ جسکی وجہ سے انکار یا شک وشبہ کی گنجائش باقی نہ رہی ایسی کیفیت کو علم الیقین کہا جائے گا۔

پھر حُسنِ اتفاق سے مکۃ المکرمہ جاکر چاہِ زمزم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب علم کا یہ درجہ پہلے درجے سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوگیا۔ ایسی کیفیت کو "عین الیقین" کہا جائیگا۔

اس علم الیقین اور عین الیقین کے بعد اُس زمزم کو شکم سیر ہو کر پی لیا اور اُسکے ذائقہ کی لطافت وملاحت کو قلب کی گہرائی نے بھی محسوس کرلیا۔ اس کیفیت کو حق الیقین کہا جائے گا۔

علم کا یہ وہ آخری درجہ ہے جو فطرتِ انسانی کے تقاضائے تشنگی کی سیرابی کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ یہ ہی مرحلہ انسان کی طلب جستجو یا طمانیت کی آخری معراج سمجھا جاتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے رب سے اسی مرحلے کیلئے سوال کرتے ہیں کہ اے رب مجھے یہ بات دکھلا دے کہ تو مرنے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔ یعنی میری تمنا ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کروں کہ حیات بعد الممات کی کیا شکل ہوگی؟

تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا اگر تم کو اس مشاہدہ کی طلب ہے تو چار عدد پرندے لو اور اُن کو ذبح کر کے اُن کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے سامنے والے پہاڑ پر ڈال دو اور پھر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر اُن کو آواز دو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جب اُن کو آواز دی تو وہ سب اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر فوراً اپنی اپنی شکل پر آئے اور زندہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اُڑتے ہوئے آگئے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ الخ۔ (بقرہ آیت ۲۶۰)

قرآنی مضمون "اور وہ واقعہ بھی پیشِ نظر ہے جب ابراہیمؑ نے کہا تھا کہ اے رب میرے مجھے دکھا دے آپ مُردوں کو کیسا زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟"

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کو اُس کیفیت کے مشاہدہ کے بعد سکون ہو جاتا۔

فرمایا اچھا تو چار پرندے لو اور اُن کو اپنے سے مانوس کرلو۔ پھر اُن کا ایک ایک جُز ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر اُن کو آواز دو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے۔

تفسیر روح المعانی میں محدث ابن المنذر نے حضرت حسن رضؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کو ذبح کر کے اُن کے ٹکڑوں کو قریب کے پہاڑوں پر رکھ دیا اور پھر آواز دی آناً فاناً ہڈی سے ہڈی اور پَر سے پَر سب مل ملا کر اپنی اصلی شکل پر اُڑتے ہوئے آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیمؑ قیامت کے دن انسانوں کو اس طرح زندہ کیا جائیگا۔

سلف صالحین سے اس آیت کی یہ ہی تفسیر ثابت ہے اور روایاتِ حدیث بھی اسکی تائید کرتی ہیں۔

نتائج و عبر

انبیاء کرام کی ایمانی کیفیت

بعض حضرات نے اس واقعہ کی عجیب وغریب تاویلیں کیں ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اُسے اگر اچھی طرح ذہن نشین کرلیا جائے تو نہ کسی تاویل کی ضرورت پڑتی ہے نہ ہی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

ایک مسلمان کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے واقعات کو جس طرح وہ بیان کئے گئے ہیں تسلیم کرلے۔ یہ ہی ایمان کا تقاضہ بھی ہے اور اسی کا مطالبہ بھی لیکن انبیاء کرام کو جو خلافت اللہ تعالیٰ نے سُپرد کی تھی اور وہ جسکی دعوت کے لئے اس دنیا میں بھیجے گئے تھے اُن کیلئے ضروری تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے

وہ تمام حقیقتیں دیکھ لیں جن پر ایمان لانے کی دعوت اُنھیں دنیا کو دینی تھی۔ اُنھیں ساری انسانیت کو کامل اعتماد کے ساتھ یہ کہنا تھا کہ تم لوگ قیاس وتخمین کے سہارے چلتے ہو، مگر ہم آنکھوں دیکھی بات کہہ رہے ہیں، تمہارے پاس صرف گمان ہے اور ہمارے پاس علم ہے۔ تم اپنی آنکھوں سے صرف دیوار تک دیکھ سکتے ہو لیکن ہم دیوار کے پیچھے بھی دیکھ لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے سامنے فرشتے عیاناً آئے ہیں۔ اُن کو آسمان وزمین کے نظام حکومت (ملکوت) کا مشاہدہ کروایا گیا۔ اُن کو جنت ودوزخ آنکھوں سے دکھلائی گئی۔ قبر کی زندگی اُن پر کھول دی گئی - اسی طرح حیات بعد الموت کا اُن کے سامنے مظاہرہ کر کے دکھایا گیا ہے۔ نبیوں کے ایمان بالغیب کی حالت، نبوت سے پہلے کی ہوتی ہے۔ نبی ہونے کے بعد اِن کو ایمان بالشہادۃ کی نعمت دی جاتی ہے اور یہ نعمت صرف انہی کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو ایک ایسے عالم کی تبلیغ کرنی ہے جو انسانوں سے بالکل چھپا ہوا ہے۔ اب اگر ان حضرات پر یہ عالم منکشف نہ ہو تو ان کی دعوت وتبلیغ میں وہ زور کہاں جو آنکھوں سے دیکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

یہ اُسی قوتِ یقین کا زور ہے کہ اس اُمت میں ایسے حضرات بھی پیدا ہوئے جنھوں نے فرمایا:-

لَوْ كُشِفَتِ الْحِجَابُ مَا ازْدَادَتْ اِيْمَانِيْ

(غیب کے پردے اُٹھ بھی جائیں تو میرے ایمان ویقین میں کچھ بھی زیادتی نہ ہوگی)

یہ پُر اعتماد کیفیت دراصل انبیاء کرام کی اُسی دعوت وتبلیغ کا نتیجہ ہے جسکو انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور کانوں سے سُنکر انسانوں تک پہنچایا ہے۔

حیات بعد الموت کا ایک اور واقعہ

تفسیر روح المعانی میں بروایت حاکم حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ وحضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے یہ وضاحت بیان کی گئی کہ ایک دفعہ حضرت عُزیر علیہ السلام کا گزر ایک ایسی بستی پر ہوا جو

اپنی چھتوں پر اُوندھی گری پڑی تھی اور سب انسان مرے پڑے تھے۔ حضرت عُزیر علیہ السّلام نے اپنے دل میں کہا کہ یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اسے اللہ تعالےٰ کس طرح دوبارہ زندگی بخشے گا؟

اس سوال کے یہ معنی نہ تھے کہ حضرت عُزیر علیہ السّلام حیات بعد الموت کے مُنکر تھے یا انھیں اسمیں شک و شبہ تھا بلکہ وہ حقیقت کا عینی مشاہدہ چاہتے تھے جیساکہ انبیاء کرام کو کروایا جاتا ہے۔

حضرت عُزیر علیہ السّلام کے اس خیال پر اللہ تعالےٰ نے اُنکی روح قبض کرلی اور وہ پورے ۱۰۰ سَو برس تک مُردہ پڑے رہے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے اُنھیں دوبارہ زندگی بخشی اور اُن سے پوچھا بتاؤ کتنی مُدّت پڑے رہے ہو؟

حضرت عُزیر علیہ السّلام نے فرمایا ایک دن یا اُس سے بھی کچھ کم۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا تم پر ۱۰۰ سَو برس اسی حالت میں گزر گئے ہیں۔ اب تم ذرا اپنے کھانے پانی کو دیکھو (جو اس سفر میں اُن کے ساتھ تھا) اسمیں ذرّہ برابر بھی تغیّر نہیں آیا جوں کا توں تازہ رکھا ہوا ہے۔ دوسری جانب ذرا اپنے سواری کے خچّر کو دیکھو (کہ اسکی ہڈیاں تک بوسیدہ ہوگئی ہیں)

پھر اللہ تعالےٰ نے حضرت عُزیر علیہ السّلام سے فرمایا یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم آپکو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں (یعنی ایک ایسے شخص کا زندہ پلٹ آنا جسے دنیا ۱۰۰ سَو برس پہلے مُردہ سمجھ چکی تھی خود اسکو اپنے ہمعصروں میں ایک جیتی جاگتی نشانی بنا دینے کے لئے کافی تھا) پھر فرمایا اے عُزیر تم دیکھو اپنے خچّر کے اس بوسیدہ ہڈیوں کو ہم کس طرح اُٹھا کر گوشت پوست اسپر چڑھا دیتے ہیں۔ چنانچہ آناً فاناً خچّر زندہ ہو کر سامنے آگیا

یہ دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السّلام نے کہا میں کامل یقین رکھتا ہوں اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (بقرہ آیت ۲۵۹)

بنی قطورہ

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدہ سارہؓ اور سیدہ ہاجرہ رضؓ کے علاوہ ایک اور بھی نکاح کیا تھا۔ اِن خاتون کا نام قطورہ رضؓ تھا اِن کے بطن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھ بیٹے پیدا ہوئے۔ تورات میں اِنکے نام بھی لکھے گئے ہیں۔

انہی اولاد میں سے مدین یا مدیان کی نسل نے اپنی آبادی شہر مَدْیَنْ کے نام سے بسائی اور یہ بعد میں اصحاب مدین کہلائے جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے دُوان کی نسل اصحاب الایکہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ انہی دونوں قوم کی جانب حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث کئے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن حضرت قتادہؓ کی یہی رائے ہے۔

پہلی دُعاءِ ابراہیمی کی وضاحت

سورۂ شعراء میں بیشتر انبیاء کرام کی دعوت وہدایت کا ذکر آیا ہے

اسی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو توحید کی تلقین اور شرک وکفر سے بیزاری ونفرت کی ترغیب دیتے ہوئے یک بیک اللہ واحد کی جانب دست بدعا ہوجاتے ہیں عرض کرتے ہیں:۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔

پروردگار جس روز لوگ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے تو
اُس دن مجھکو رُسوا نہ کرنا۔ (شعراء، آیت ۸۷)

اس آیت کے تحت امام بخاری نے اپنی کتاب "صحیح البخاری" میں حضرت ابوہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے جو کتاب التفسیر میں مختصر اور کتاب الانبیاء میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔

کتاب التفسیر میں منقول حدیث کا یہ ترجمہ ہے:۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے (کافر) باپ کو نہایت پراگندہ حالت میں رُوسیاہ دیکھیں گے تو عرض کریں گے پروردگار دنیا میں تو نے میری اس دُعا کو قبول فرمالیا تھا

وَلَا تُخْزِنِی یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (پھر یہ رسوائی کیسے کہ میدانِ حشر میں اپنے باپ کو اس حال میں دیکھ رہا ہوں) اللہ تعالےٰ ارشاد فرمائینگے ابراہیمؑ! میں نے کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔"

(بخاری جلد ۶ صـ۱۳۹)

اور کتاب الانبیاء میں یہ روایت اِن اضافات کے ساتھ مذکور ہے:۔

"قیامت میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو پراگندہ حال اور رُوسیاہ دیکھیں گے تو اپنے باپ سے مخاطب ہوکر فرمائیں گے کیا میں نے بارہا آپ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میری راہِ ہدایت کی مخالفت نہ کرنا؟ آزر جواب دے گا جو ہوا سو ہوا آج کے دن سے میں تیری مخالفت نہیں کروں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام درگاہِ الٰہی میں عرض رسا ہوں گے پروردگار تو نے میری اس دعا کو قبول کر لیا تھا۔ وَلَا تُخْزِنِی یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ الٰہی اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ (آزر) آپ کی رحمت سے انتہائی دُور ہے۔ اللہ تعالےٰ فرمائیگا میں نے بلاشبہ کافروں پر جنت کو حرام کر دیا ہے۔

پھر ایک فرشتہ آواز دے گا اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالےٰ خود فرمائیں گے ابراہیم قدموں کے نیچے دیکھو کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھیں گے کہ گندگی میں لتھڑا ہوا ایک بجّو پیروں میں پڑا لوٹ رہا ہے۔ تب فرشتے اُسکی ٹانگیں پکڑ کر جہنم میں پھینک دیں گے۔ (بخاری جلد ۲ صـ۱۶۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کے اجزاء پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعـ آزر کو اس لئے مسخ کر دے گا تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حزن وملال جاتا رہے جو آزر کا بشکل انسان رہنے کی صورت میں پیدا ہوا تھا اور وہ اس کی نہایت قابل نفرت شکل دیکھ کر متنفر ہو جائیں اور فطرتِ ابراہیمی اس سے بیزار ہو جائے۔ چنانچہ اس حالت میں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ حزن وملال، جو فطرت

انسانی کا تقاضا تھا دور ہو گیا۔

بعض محدثین جن میں مشہور محدث اسمٰعیلیؒ شامل ہیں۔ اس حدیث کو باوجود صحتِ سند کے "سقم درایت" کی بنا پر قبول نہیں کرتے ہیں کیونکہ اس روایت میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی حالتِ شرک پر موت کو جانتے ہوئے اللہ تعالےٰ سے اُسکی مغفرت کی دُعا کر رہے ہیں جبکہ خود قرآن حکیم میں یہ صراحت موجود ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وحی الٰہی سے معلوم ہو گیا کہ ان کا باپ "عدوّ اللہ" ہے وہ ایمان نہیں لائے گا تو انھوں نے اُسکے لئے دُعائے مغفرت تو کُجا تعلق رکھنا بھی ترک کر دیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ حدیث قرآن حکیم کی وضاحت کے خلاف بھی ہے لہذا بخاری کی یہ تفصیلی روایت مجروح اور لائق طعن ہے۔ اور یہی بات مشہور محدث ابن کثیرؒ نے بھی فرمائی ہے اور اس حدیث پر تفرّد کا الزام لگایا ہے۔

> "محدّث کرمانیؒ نے بھی اس سُقم کو دُور کرنے کے لئے تفصیلی بحث کی ہے جو اپنی جگہ قابلِ مراجعت ہے۔"
>
> (فتح الباری جلد ۸ کتاب الانبیاء)

لیکن ان ساری تفصیلات سے قطع نظر خود دعائے ابراہیمی پر غور کیا جائے تو نہ یہ شبہ پیدا ہوتا ہے اور نہ روایت بخاری پر سُقم اور تفرّد کا الزام عائد ہوتا ہے۔ تفصیل اسکی یہ ہے:۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دُعا کا تذکرہ سورۂ شعراء میں اس طرح مذکور ہے:۔

> "اَے میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے نیکوں میں شامل کر دے، اور میرا اچھا تذکرہ آنے والے انسانوں میں مقرر کر دے، اور مجھے جنت النعیم کا وارث بنا، اور میرے باپ کی مغفرت فرما، کیونکہ وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور جس دن لوگ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے مجھکو رسوا نہ کر۔" (شعراء آیات ۸۳ تا ۸۷)

ان آیات میں وضاحت موجود ہے کہ یہ دُعا دنیاوی زندگی میں کی جارہی ہے اور یہ بھی صراحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام باپ کی مغفرت کے لئے دُعا کر رہے ہیں اور سورۂ توبہ آیت ۱۱۴ میں اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

بارے میں فرمایا :۔

"اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دُعا مانگی تھی وہ
ایک وعدہ کی وجہ سے مانگی تھی جو انھوں نے اپنے باپ سے کرلیا تھا
پھر جب اُن کو معلوم ہوگیا کہ یہ دشمنِ خدا ہے تو باپ سے دست بردار
ہوگئے بیشک ابراہیم بڑے نرم دل و بُرد بار تھے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ کے لئے مغفرت کی دعا کرنا ابتدائی دور کی بات ہے جبکہ باپ کا دشمنِ خدا ہونا معلوم نہ تھا اور جب معلوم ہوگیا تو دُعا کرنا بند کردیا اور بیزار ہوگئے۔ اور حدیث بخاری میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے اسمیں باپ کی مغفرت طلبی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حدیث میں صرف یہ بیان کیا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے دن اپنے باپ کو بُری شکل میں دیکھا پھر جناب باری میں فریاد کی: "اے رب آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن رُسوا
نہیں کروں گا، مگر اس سے زیادہ رُسوائی اور کیا ہوگی کہ میرا باپ
آزر جو رحمت سے دور ہے (میرے سامنے موجود ہے)"

حدیث شریف کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں :۔

يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَنْ لَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ
فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ الخ (بخاری ج ۴ ص ۱۶۹)

اس حدیث میں باپ کے لئے طلب مغفرت کا کوئی لفظ نہیں ہے اور نہ مضمونِ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مُشرک باپ کے لئے دُعا کی جارہی ہے۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ دنیا کی زندگی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لئے مغفرت کی دُعا سے دست برداری کرلی تھی اور عملاً اس کا ثبوت بھی دیا تھا۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر حدیث بخاری سے یہ مفہوم پیدا کرنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن مشرک باپ کے لئے پھر مغفرت کی دُعا کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ایفائے عہد یاد دلا رہے ہیں، حقیقت سے دور نہیں خلاف حقیقت بات ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ آزر کی اس بُری حالت پر اپنی رسوائی سے پناہ مانگ رہے ہیں کہ اے میرے رب میری اس رسوائی سے بڑھکر اور کیا رسوائی ہوگی اپنے باپ کو قیامت کے دن بُرے حال کے سامنے دیکھنا عام

نگاہوں میں رسوائی کا باعث ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس رسوائی کو اس طرح دور کر دیا کہ باپ آزر کو حیوانی مکروہ شکل بجّو میں تبدیل کر دیا جو انسانی شکل سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اب جبکہ آزر انسان ہی نہیں رہا جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ ہونے کا امکان پیدا ہو جائے تو عالم حشر میں رسوائی کا قطعاً امکان نہ رہا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رسوائی سے محفوظ ہو گئے۔ لہٰذا دُعائے ابراہیمی کا خلاصہ یہ ہوگا:۔

"اے اللہ قیامت کے دن یہ رسوائی مجھے نہ دکھا کہ میدانِ حشر میں تمام اوّلین و آخرین کی موجودگی میں ابراہیم (علیہ السلام) کا باپ آزر سزا پا رہا ہو اور ابراہیم (علیہ السلام) کھڑا دیکھ رہا ہو"

اس تشریح کے بعد روایت بخاری کا مطالعہ کیا جائے تو حدیث پر سُقم درایت جیسا کہ محدّث اسمٰعیلیؒ کا الزام ہے یا تفرّد کا اطلاق جیسا کہ محدّث ابن کثیرؒ نے کیا ہے کچھ معقول نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

دوسری دُعاء ابراہیمی کی وضاحت

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی دُعاؤں میں ایک مختصر دُعا یہ بھی موجود ہے:۔ وَاجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ۔

(الشعراء آیت ۸۴)

"اور بعد کے آنے والوں میں مجھکو سچی ناموری عطا فرما۔"

یعنی بعد کی نسلیں مجھکو ذکرِ خیر کے ساتھ یاد کریں جسکا خلاصہ یہ ہوا کہ دنیا میں مجھ سے وہ کارنامے انجام پائیں جن کی بدولت رہتی دنیا تک میری زندگی خلق خدا کے لئے روشنی کا مینار بنی رہے اور مجھکو انسانیت کے محسنوں میں شمار کیا جائے۔ نہ یہ کہ میں دنیا میں وہ کام کر جاؤں کہ نسل انسانی میرے بعد میرا شمار اُن ظالموں میں کرے جو خود بگڑے ہوئے تھے اور دنیا کو بھی بگاڑ کر چلے گئے۔

یہ محض شہرت یا ناموری کی دُعا نہیں ہے بلکہ سچی شہرت اور حقیقی ناموری کی دُعا ہے جو لازماً ٹھوس اور بیش بہا خدمت کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔ مقصود دینی

خدمات کی بجا آوری ہے جو انسانیت کے لیئے نور اور ہدایت ثابت ہو۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں ایک دعا اس قسم کی ملتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا۔ "اے اللہ مجھکو میری نگاہوں میں حقیر و کمتر بنا رکھ اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا و بزرگ تر"

کسی شخص کو سچی ناموری و عزت کا حاصل ہونا اپنے اندر دو فائدے رکھتا ہے۔

اوّل یہ کہ اُس کے نیک کارناموں سے آنے والی نسلوں کو نیک مثال ملتی ہے جس سے وہ بھلائی کا سبق حاصل کرتی ہیں۔

دوم یہ کہ آدمی کی چھوڑی ہوئی نیک مثال سے قیامت تک جتنے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوگی اُن سب کا ثواب اُس شخص کو بھی ملے گا جس نے نیک مثال چھوڑی ہے۔ علاوہ ازیں قیامت کے روز کروڑوں بندگانِ الٰہی کی یہ گواہی بھی اُسکے حق میں موجود ہوگی کہ وہ دنیا میں بھلائی اور خیر کے چشمے رواں کر کے آیا ہے جس سے نسل پر نسل سیراب ہوتی رہی ہے۔ یہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مقصد ہے کہ وہ رہتی دنیا تک اپنے لئے خیر کے چشمہ رواں طلب کر رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے آپؑ کی دعا کو اس طرح قبول فرمایا کہ اسلام کو جو آخری دین ہے "مِلّتِ ابراہیم" قرار دیا اور خود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو ابوالانبیاء (نبیوں کے جدِّ اعلیٰ) کا لقب عطا کیا گیا۔

تیسری دُعاءِ ابراہیمی کی وضاحت

سورۂ ممتحنہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص دُعا کا تذکرہ موجود ہے۔ وہ بارگاہِ الٰہی میں دستِ طلب دراز کئے عجز و نیاز کے ساتھ یہ عرض کر رہے ہیں :-

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ

(الممتحنۃ آیت ۵)

"اے ہمارے پروردگار ہمیں کافر لوگوں کا فتنہ (تختۂ مشق)

نہ بنانا" الخ

فِتنہ فَتَنِ سے ماخوذ ہے۔ جب سونے کو آگ پر تپا کر کھوٹ اور میل کو دور کیا جاتا ہے تو ایسے موقعہ پر کہا جاتا ہے فَتَنَ الذَّھَبُ سونا خالص ہو گیا یعنی نقصان سے محفوظ ہو گیا۔ لیکن اصطلاح میں امتحان و آزمائش اور پرکھنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے انسان پر جو مصائب وشدائد آتے ہیں وہ اسی مناسبت سے فتنہ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ انسان کو صبر یا بے صبری سے دوچار کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے مال، اولاد، اور جاہ ومنصب کو اسی معنی کے پیشِ نظر فتنہ کہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کافروں کے لئے اہل ایمان کے فتنہ بننے سے پناہ طلب کر رہے ہیں۔ فتنہ بننے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں جن سے ہر مومن کو اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔

مثال کے طور پر اسکی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافر اُن پر غالب آجائیں اور اپنے غلبے کو اس بات کی دلیل قرار دیں کہ ہم حق پر ہیں اور اہل ایمان برسر باطل، ورنہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اِن لوگوں کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی اور پھر بھی ہمیں اِن پر غلبہ حاصل ہوتا؟ یہ ایک بڑا فتنہ ہے جو اہل ایمان کے ایمان کو متاثر کر سکتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان پر کافروں کا ظلم وستم اُن کی حد برداشت سے بڑھ جائے اور آخر کار وہ اُن سے دب کر اپنے دین اور اخلاق کا سودا کرنے پر اُتر جائیں۔ یہ صورت دُنیا بھر میں مومنوں کی جگ ہنسائی کی موجب ہوگی اور کافروں کو اس سے دین اور اہل دین کی تذلیل کا موقعہ ملیگا۔ یہ فتنہ پہلے فتنہ سے زیادہ سخت تر ہے۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ گمراہی کے عام غلبہ اور تسلط کی حالت میں جب کچھ لوگ حق کی دعوت لیکر اُٹھتے ہوں تو انہیں مختلف قسم کے ظالموں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ایسے موقعہ پر اللہ تعالےٰ سے دُعا کی جاتی ہے کہ اے اللہ ہم پر ایسا فضل فرما کہ ہم ظالموں کے لئے صرف آزمائش بن کر نہ رہ جائیں اور ہماری دعوت پیچھے نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ جن مراحل سے گزری اسمیں

یہ تینوں مفہوم آجاتے ہیں۔ یہ دُعا بڑے وسیع مفہوم کو ادا کرتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا کا یہ پہلو ہمارے لئے صد ہزار سامانِ عبرت وبصیرت رکھتا ہے۔ غیر اسلامی حکومت ومعاشرت نے ہم کو اس درجہ حقیر و ذلیل بنا دیا ہے کہ ہم نے اپنے عمل کے علاوہ سوچنے سمجھنے کے زاویئے تک بدل دیئے ہیں۔

اللہ کے مقدّس رسول سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عجز وزاری کے ساتھ اس ناپاک زندگی سے محفوظ رہنے کے لئے دستِ طلب دراز کیا ہے کہ ہم پر وہ وقت کبھی نہ آئے کہ کفر وشرک کی طاقت وحکومت توحید کے ماننے والوں کو اس آزمائش میں مبتلا نہ کردے کہ حق و باطل کا امتیاز بھی ہم کھو بیٹھیں۔

ثلٰثِ کذبات

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے واقعات میں اُس موقعہ پر جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کے بعض افراد کے درمیان میلے کی شرکت کے لئے گفتگو ہو رہی تھی، قرآن حکیم نے حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول نقل کیا ہے:-

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ۔ (صافات آیت ۸۹)

"کہا میں بیمار ہوں"

اور جب بتوں کے توڑ پھوڑ کے سلسلے میں اُن سے دریافت کیا گیا تھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس کا جواب اس طرح دیا تھا:-

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ۔ (انبیاء آیت ۶۳)

"ابراہیمؑ نے کہا بلکہ اِن میں سے سب کے بڑے نے یہ کیا ہے۔ پس اِن سے پوچھو اگر یہ بول سکتے ہوں؟"

تیسری بات بخاری ومسلم اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مذکور ہے اور یہ حدیث اِن الفاظ سے شروع ہوتی ہے:-

لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ النَّبِیُّ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَطُّ اِلَّا ثَلٰثَ کَذِبَاتٍ الخ (بخاری جلد ۶ صہ ۳۰۱)

"جھوٹ نہیں کہا ابراہیم نبی اللہ علیہ السلام نے مگر تین جھوٹ"
۲دو تو وہی ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں آچکا ہے۔ تیسری بات اپنی زوجہ مطہرہ سیدہ سارہ رضؓ کے متعلق ہے جبکہ مصر کے ظالم بادشاہ کے کارندوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ یہ عورت کون ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ یہ میری بہن ہے۔ (بخاری ج ۴ ص۱۷۱) کتاب بدء الخلق۔
نیز بخاری میں کتاب التفسیر کے ضمن میں سورہ بقرہ کی تفسیر اور اسی طرح کتاب التوحید میں مذکور ہے۔

"میدان حشر میں جب تمام انسان حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام سے شفاعت کیلئے کہہ چکینگے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ خلیل الرحمن ہیں آپ ہماری سفارش بارگاہِ الٰہی میں کیجئے کہ جلد فیصلہ ہو اور ہم اس مصیبت سے نجات پائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ تعٰ کے حضور پہنچوں اس لئے کہ میں نے دنیا میں تین خطائیں کی ہیں۔ الخ

إِنِّي سَقِيمٌ۔ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ۔ إِنِّي أَخُوكَ۔ (ابن کثیر)

(بخاری جلد ۳ ص۱۴۹) مصری

کتاب التوحید۔

مَا مِنْهَا كَذِبَةٌ إِلَّا مَا حَلَّ بِهَا عَنْ دِينِ اللهِ

(ابن کثیر)

"رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام کے اِن تینوں جھوٹ میں سے ہر ایک صرف اللہ تعالٰے کے دین کی حمایت و مدافعت ہی کیلئے بولا گیا ہے (جو صورۃً جھوٹ ہے حقیقتاً نہیں)

اس وضاحت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کذب سے مراد عام معنی نہیں لئے ہیں اور نہ کذب کے وہ عام معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں جو بول چال میں عیب اور گناہ شمار کیا جاتا ہے بلکہ اسکے برعکس یہ واضح کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے یہ تینوں باتیں نہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے کہی ہیں اور نہ دُنیاوی مصلحت کے پیشِ نظر بلکہ مخالفینِ حق کے مقابلہ میں خالص اللہ تعالےٰ کے دین کی حمایت میں کہی ہیں۔ لہذا ایک لمحہ کے لئے بھی اسمیں تردّد کی گنجائش نہیں کہ کذب حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے اسی طرح دُور ہے جس طرح دن سے رات اور روشنی سے تاریکی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو ان امتیازی صفات کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ صدیق، مجتبیٰ، مہدی، نبی، رسول، حنیف، جو "سراپا صدق وصفا" والے اوصاف ہیں۔

علاوہ ازیں مفسرین کرام کی ایک جماعت ان واقعات کو "توریہ" کی شکل قرار دیتی ہے۔ توریہ کا مطلب یہ ہے کہ ایسا ذُومعنی لفظ بولا جائے جسکے دو معنی ہوں اور سُننے والا اُسکے قریب اور متبادر معنی مراد لے لیکن متکلم کی نیت اُسکے دوسرے معنی کی ہو۔ مثال کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ایک بوڑھی عورت سے فرمایا تھا۔ بوڑھی عورت جنت میں نہ جائیگی۔ یہ سُنکر خاتون رونے لگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَنشَأْنَاهُنَّ اِنشَاءً الآیۃ مطلب یہ کہ جنت میں بھی جس کا بھی داخلہ ہوگا جوانی کی حالت میں ہوگا۔ (بوڑھا کوئی نہ ہوگا)

ظاہر ہے آپؐ کے ارشاد بوڑھی عورت جنت میں نہ جائیگی کے دو معنی تھے اُس بڑھیا نے قریبی معنی سمجھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکے دوسرے معنی مراد لئے تھے اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں قرآن وحدیث میں موجود ہیں۔ "توریہ" علم بدیع کی ایک قسم ہے جو کلام میں نُدرت اور کشش پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اب اس وضاحت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے کذبات پر غور کیا جائے تو ان میں سے ایک بھی حقیقی جھوٹ نہیں صورۃً جھوٹ معلوم ہوتا ہے۔

پہلے واقعہ میں جیسا کہ تفصیل آچکی ہے قوم کے لوگ اپنے کسی مذہبی میلے میں جارہے تھے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے خاندان والوں نے اُن سے بھی چلنے کو کہا اسپر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ۔ ایک نگاہ تاروں پر ڈالی اور کہا میں بیمار ہوں۔

آسمان کی طرف نگاہ اُٹھانا ایک محاورہ ہے۔ جب آدمی کسی بات پر غور کرکے

جواب دینا چاہتا ہے اُس وقت فطری طور پر آسمان کی طرف ایک نگاہ اُٹھا لیتا ہے پھر جواب دیتا ہے بس ایسے عمل کی یہ ہی حقیقت ہے۔ لیکن مخاطب خاص طور پر جبکہ وہ ستارہ پرست آدمی ہو اسکو کسی اور معنی میں سمجھتا ہے۔ یہ اُسکی اپنی سمجھ ہے۔ دیکھنے والے کی غرض اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر "سقیم" کا لفظ جہاں شدید بیمار پر بولا جاتا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام اُس وقت گو زیادہ بیمار نہ ہوں لیکن طبیعت کی کسلمندی یا خفیف علالت سے متاثر ہوں گے۔ اسی وجہ سے سقیم کے دوسرے بعید معنی مراد لئے لیکن قوم نے پہلا اور قریبی معنی مراد لیا ہے۔ اس طرح جھوٹ بات نہ رہی۔

دوسرا واقعہ جسمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کے مرکزی بُت خانے میں داخل ہو گئے اور سارے بتوں کو توڑ دیا اور قوم نے جب پوچھا کہ

"اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے؟"

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا:-

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ

"کہا یہ سب کچھ ان کے اس بڑے سردار نے کیا ہے۔ انہی سے پوچھ لو۔"

(كَبِيرُهُمْ) (اُن کے بڑے) کا اشارہ بُت کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی جو اُن سب کے بڑے ہیں۔

اگر پہلی بات ہے تو یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اُن کے عقائد پر ایک طنز و اعتراض کا ہم معنی ہے یعنی اگر ان کے نزدیک واقعی یہ خدا ہیں تو انہیں اپنے بڑے خدا کے متعلق یہ شبہ ہونا چاہیئے کہ شاید بڑے حضرت اِن چھوٹے حضرتوں سے کسی بات پر بگڑ گئے ہوں اور سب کا یہ حشر بنا دیا ہو۔ یا پھر بڑے حضرت سے یہ پوچھیں کہ حضور آپ کی موجودگی میں یہ کیا ہوا؟ قوم نے یہ ہی معنی مراد لیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے معنی مراد لئے ہیں۔ اس طرح حقیقی جھوٹ ثابت نہیں ہوتا۔

تیسرا واقعہ ظالم بادشاہ کے کارندوں سے اپنی بیوی حضرت سارہ رضہ کے

بارے میں یہ کہنا کہ یہ میری بہن ہے۔ کوئی جھوٹی بات نہیں ہوسکتی۔

ایک عورت بہن بھی ہو اور بیوی بھی ہو ایسا ممکن ہے؟ سیدہ سارہ رضؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دینی بہن بھی تھیں، بیوی کے رشتہ سے اسلامی اُخوت کا رشتہ ختم نہیں ہوجاتا۔ علاوہ ازیں ابن کثیرؒ اور دیگر مؤرخین کی تحقیق ہے کہ حضرت سارہؓ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا حاران کی بیٹی تھیں اسلئے چچازاد بہن بھی تھیں اس لحاظ سے بیوی کو بہن کہنا جھوٹ بھی نہیں۔ دینی بہن ہونے کی صراحت خود بخاریؒ کی مذکورہ روایت میں موجود ہے:۔

قَالَ يَا سَارَةُ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِيْ وَغَيْرُكِ وَاِنَّ هٰذَا سَاَلَنِيْ فَاَخْبَرْتُهٗ اَنَّكِ اُخْتِيْ۔

(بخاری جزء رابع ص۱۷۱ مصر)

اُے سارہؓ اس وقت روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کوئی مومن نہیں اور اس ظالم نے تمہارے بارے میں پوچھا ہے میں نے اُسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔

بہرحال یہ بخاری ومسلم کی دونوں روایات ہیں جو ہر قسم کے سُقم روایت سے پاک صاف ہیں۔ اگرچہ یہ روایات سیدنا ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر رسول کی جانب کذب کی نسبت کررہی ہیں لیکن انہی روایات میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر کذب سے وہ عام معنی مراد نہیں لئے جو اخلاقی و دینی ماحول میں گناہ سمجھے جاتے ہیں۔ مَا مِنْهَا كَذِبَةٌ کے الفاظ موجود ہیں۔

"اُن میں سے کوئی ایک بھی جھوٹ نہ تھا"

(رواہ ابن ابی حاتم وابن کثیر)

الغرض "ثلٰث کذبات" سے مراد ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کیلئے بولا گیا ہو لیکن سُننے والا اُس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے بلکہ اِن الفاظ کو اپنی ذہنی مراد کے مطابق سمجھے۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

مشرک کیلئے دعائے مغفرت

قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے ظلم سے تنگ آکر جب گھر سے نکلنے لگے تو رخصت ہوتے ہوئے فرمایا تھا:-

سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔

"آپ کو سلام ہے میں آپ کے لئے اپنے رب سے بخشش کی دُعا کروں گا وہ مجھ پر بہت مہربان ہے"

اسی وعدے کی بنا پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے دعائے مغفرت نہ صرف اپنے باپ کے لئے کی بلکہ ایک دوسرے مقام پر بیان ہوا ہے کہ ماں اور باپ دونوں کیلئے کی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ (ابراہیم آیت ۴۱)

"اے رب میری اور میرے والدین کی مغفرت فرما"

لیکن بعد میں انھیں خود احساس ہو گیا یا اللہ کی وحی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ باپ حق کا دشمن ہے چاہے وہ نبی کا باپ ہی کیوں نہ ہو دعائے مغفرت کا مستحق نہیں ہے۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔

(توبہ آیت ۱۱۴)

"ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لئے دُعائے مغفرت کرنا محض اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اُس سے کیا تھا۔ مگر جب یہ بات اُن پر کھُل گئی کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو ابراہیم (علیہ السلام) نے اُس سے اظہار بیزارگی کر دیا۔"

یہاں یہ بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ (مشرک) اللہ کے باغیوں کے ساتھ جو ہمدردی ممنوع ہے وہ صرف ایسی ہمدردی ہے جو دین کے معاملہ میں دخل انداز ہوتی ہو۔ البتہ انسانی ہمدردی اور دنیوی تعلقات جیسے صلہ رحمی، لین دین، رحمت وشفقت کا برتاؤ تو یہ ممنوع نہیں ہے بلکہ پسندیدہ عمل ہے۔ رشتہ دار خواہ کافر ہو یا مومن اُسکے دنیوی حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے۔ مصیبت زدہ انسان کی بہرحال ہمدردی

کی جائے گی۔ حاجت مند آدمی کو بہر حال سہارا دیا جائے گا۔ بیمار اور زخمی کے ساتھ ہمدردی علاج معالجہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے گی۔ یتیم کے سر پر یقیناً شفقت کا ہاتھ رکھا جائے گا۔ اس قسم کے معاملات میں ہرگز یہ امتیاز نہ برتا جائے گا کہ کون مسلم ہے اور کون غیر مسلم۔

مشرکوں اور کافروں کے لئے جس دُعا کی ممانعت ہے وہ آخرت کی معافی ونجات سے متعلق ہے کہ ان کے لئے مغفرت یا نجات کی دُعا کرنا سخت ترین جرم ہے اللہ تعالیٰ کو یہ بات قطعاً گوارہ نہیں کہ مشرک کے لئے زندگی میں یا بعد موت مغفرت کی دُعا کی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ جو لوگ شرک کی حالت پر فوت ہوجاتے ہیں وہ کسی بھی قیمت معاف نہیں کئے جائیں گے۔

قرآن حکیم کی یہ وضاحت اس آیت میں ملتی ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ الآیۃ

"بیشک اللہ معاف نہ کریگا شرک کرنے والوں کو اور اس کے علاوہ چاہے تو معاف کردے جسکو چاہے۔"

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

"یہ حقیقت ہے کہ جس نے شرک کیا اُس پر اللہ نے جنّت حرام کردی ہے۔"

ایک شبہ کی وضاحت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ جو بیان کیا گیا کہ جب رات طاری ہوئی تو اُنھوں نے ایک تارا دیکھا اور جب وہ ڈوب گیا تو کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو اللہ نہیں سمجھتا۔ پھر چاند دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو یہی فیصلہ کیا، پھر سورج دیکھا اور جب وہ بھی ڈوب گیا تو فرمایا کہ اے قوم میں ہراُس معبود سے بَری ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ پھر اللہ واحد کی حقیقت کو پہچان لیا۔

اس واقعہ پر ایک عام شخص کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ

کھولتے ہی روزِ آنہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی ؟ اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں، سورج کو طلوع وغروب ہوتے نہ دیکھتے تھے ؟

پھر یہ قصّہ اس طرح کیوں بیان کیا گیا ؟ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس واقعہ سے پہلے انھیں اِن چیزوں کے دیکھنے کا اتفاق ہی نہ ہوا تھا ؟

جواب بالکل صاف ہے اس کے لئے پہلے بطور مثال یہ مشہور بات ذہن میں لے آئیے :-

نیوٹن (مشہور فلسفی) کے بارے میں یہ بات عام ہے کہ اُس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اُس سے اُس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں ؟ آخر کر وہ اُوپر کیوں نہیں جاتیں ؟ یہاں تک وہ غور کرتے کرتے "قانونِ جذب و کشش" کی حقیقت تک پہنچ گیا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعہ سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی ؟

جواب ظاہر ہے بارہا دیکھی ہوگی ! پھر کیا وجہ ہے کہ اُسی خاص تاریخ کو سیب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روزمرّہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوئی تھی ؟

اِس کا جواب یہی ہے کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متأثر نہیں ہوا کرتا۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اُس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی. مگر ایک وقت اُسی چیز کو دیکھ کر یکایک ذہن میں ایک کھٹک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں. یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں ذہن اُلجھ رہا ہوتا ہے اور یکایک روزمرّہ ہی کے مشاہدات میں سے کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ سرا ہاتھ لگ جاتا ہے جس سے ساری اُلجھنیں سُلجھتی چلی جاتی ہیں۔

تقریباً ایسا ہی کچھ معاملہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے ساتھ پیش آیا ہوگا جبکہ وہ کفر اور شرک کے عام ماحول میں اپنی شرک بیزار فطرت کو اُس ماحول سے علیحدہ

کر لینے کے لئے ایک رات چاند، ستاروں کا سہارا لیا اور غور کرتے کرتے بالآخر "توحید الٰہ" کی مرکزی حقیقت تک پہنچ گئے۔ حالانکہ راتیں روز آتی تھیں، چاند، سورج، ستارے سب ہی ہر رات دن ڈوبتے اُبھرتے رہتے تھے۔ لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے اُن کے ذہن کو اُس راہ پر ڈال دیا اور اللہ کی توفیق نے اُنھیں منزل تک پہنچا دیا۔

آثارِ کائنات سے رَبِّ کائنات تک

سورۂ انعام کی آیت ۷۵ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اسی طرح کہا گیا ہے:۔

"اور ایسے ہی ہم ابراہیم کو زمین و آسمانوں کا نظام سلطنت دکھاتے تھے۔ اور اس لئے دکھاتے تھے کہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہوجائیں۔"

(انعام آیت ۷۵)

یعنی جس طرح عام انسانوں کے سامنے آثارِ کائنات نمایاں ہیں اور اللہ کی نشانیاں دکھلائی جاتی رہتی ہیں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی یہی آثار تھے اور یہی نشانیاں تھیں۔ مگر عام لوگ انھیں دیکھنے کے باوجود بھی اندھوں کی طرح کچھ نہیں دیکھتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انھیں آنکھیں کھول کر دیکھا۔ یہی چاند، سورج، ستارے جو ہر روز طلوع و غروب ہوتے ہیں عام انسان کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ لیکن جب اُنھیں اُس آنکھوں والے انسان (ابراہیمؑ) نے دیکھا تو انہی نشانات سے وہ حقیقت تک پہنچ گئے۔

دو ٹوک بات

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بُت ساز باپ کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں:۔

"ابراہیم کا واقعہ یاد کرو جبکہ اُس نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کیا تو بتوں کو خدا بناتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔" (انعام آیت ۷۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اتنا کُھل کر صاف صاف کہہ دینا کیا نتائج پیدا کیا ہوگا؟ اور اُسکے نتائج و عواقب سے کس طرح دوچار ہونا پڑا ہوگا؟

اس جرأت و بیباکی پر باپ اور قوم کا جوش و خروش کس طرح پیچ و خم کھایا ہوگا؟ اس کا کچھ اندازہ بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے معتقدوں اور قادری النسب پیرزادوں کے سامنے حضرت شیخؒ کی اصل تعلیمات اور اُن کی زندگی کے واقعات پیش کر کے یہ کہہ دے کہ جن بزرگ کے تم نام لیوا ہو، تمہارا اپنا طریقہ اِنکے بالکل خلاف ہے۔ اور تم نے آج ان ہی گمراہ لوگوں کی روش اختیار کر لی ہے جن کے خلاف تمہارے مقتدا نے تمام عمر جہاد کیا ہے۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا کتنا عظیم جہاد ہے؟

اندھی تقلید

سورۂ شعراء آیت ۹۰ تا ۱۰۲ کا مضمون پیشِ نظر ہے:-

وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ الخ

"اُس روز جنت پرہیزگاروں کے قریب لے آئی جائے گی اور دوزخ بہکے ہوئے لوگوں کے سامنے کھول دی جائے گی اور اُن سے پوچھا جائے گا کہ اب کہاں ہیں وہ جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے؟ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر رہے ہیں یا خود اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں؟ پھر وہ معبود اور یہ بہکے ہوئے لوگ اور ابلیس کے لشکر سب کے سب اُس دوزخ میں اُوپر تلے دھکیل دیئے جائیں گے۔ وہاں یہ سب آپس میں جھگڑیں گے اور یہ بہکے ہوئے لوگ (اپنے اپنے پیشوا مقتدا سے) کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں مبتلا تھے جبکہ تم کو رب العالمین کی برابری کا درجہ دے رہے تھے۔ اور وہ مجرم لوگ ہی تھے جنھوں نے ہم کو اس گمراہی میں ڈالا۔ اب نہ ہمارا کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست۔ کاش ہمیں ایک دفعہ پھر پلٹنے کا موقع مل جائے تو ہم مؤمن ہوں۔"

یہ پیروی کرنے والے معتقدین کی طرف سے اُن لوگوں کی تواضع ہو رہی ہوگی جنہیں

یہی لوگ دنیا میں اپنا بزرگ، پیشوا اور رہنما مانتے رہے تھے، جن کے ہاتھ پاؤں چومے جاتے تھے، جن کے قول و عمل کو سند مانا جاتا تھا، جن کے حضور نذریں گزرانی جاتی تھیں، جو خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر گئے۔ آخرت میں جا کر جب حقیقت کھلے گی اور پیچھے چلنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ آگے چلنے والے خود کہاں آئے ہیں اور ہمیں کہاں لے آئے ہیں تو یہی معتقدین اِن کو گمراہ و مجرم ٹھیرائیں گے اور ان پر لعنتیں بھیجیں گے۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ عالم آخرت کا یہ "عبرت ناک نقشہ" کھینچا گیا ہے تاکہ اندھی تقلید کرنے والے دنیا میں آنکھیں کھولیں اور کسی کے پیچھے چلنے سے پہلے دیکھ لیں کہ وہ ٹھیک بھی جا رہے ہیں یا نہیں۔

سورۂ اعراف میں فرمایا گیا:-

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا الخ

(اعراف آیت ۳۸)

"ہر گروہ جب جہنم میں داخل ہوگا تو اپنے ساتھ کے گروہ پر لعنت کرتا جائے گا یہاں تک کہ جب سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ہر بعد والا گروہ پہلے گروہ کے متعلق کہے گا کہ اے ہمارے رب یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اب اُنھیں آگ کا دوہرا عذاب دے۔ اللہ فرمائیگا سب ہی کے لئے دوہرا عذاب ہے مگر تم جانتے نہیں ہو۔

سورہ حٰمٓ السجدہ میں اس طرح ارشاد ہے:-

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا الخ

(آیت ۲۹)

"اور کافر اس وقت کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اُن جنوں اور انسانوں کو ہمارے سامنے لائیے جنھوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تاکہ ہم اُنھیں پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ پست و ذلیل ہو کر رہیں"۔

اور یہی مضمون سورۂ احزاب میں اس طرح مذکور ہے:-

وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا الخ (آیت ۶۷-۶۸)

"اور وہ کہینگے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی اور اُنھوں نے ہم کو سیدھے راستے سے بھٹکا دیا۔ اے ہمارے رب اُن کو دُوگنا عذاب دے اور اُن پر سخت لعنت کر۔"

سورۂ ابراہیم میں اس طرح مذکور ہے:۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا الخ

(ابراہیم آیت ۲۱)

"اور یہ لوگ جب سب کے سب اللہ کے حضور پیش ہونگے تو اُس وقت اُن میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ اُن لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لئے بھی کچھ کر سکتے ہو؟ وہ جواب دیں گے اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔ اب تو یکساں ہے خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر، بہرحال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔"

سورۂ سبا میں اس طرح بیان کیا گیا:۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ الخ

(آیت ۳۱، ۳۲، ۳۳)

"کاش تم دیکھو اِن کا حال اُس وقت جب یہ ظالم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اُس وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ جو لوگ دنیا میں دبا کر رکھے گئے تھے وہ بڑے بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مؤمن ہوتے۔ وہ بڑے بننے والے اِن دبے ہوئے لوگوں کو جواب دیں گے، کیا ہم نے تمہیں اُس ہدایت سے روکا تھا جو تمہارے پاس آئی تھی؟ نہیں! بلکہ تم خود مجرم تھے۔ وہ دبے ہوئے لوگ اِن بڑے بننے والوں سے کہیں گے نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں نے روکا تھا۔ جب تم ہم کو

فرمائش کرتے رہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اُسکے لئے شریک قرار دیں۔ اور وہ لوگ پشیمانی کو مخفی رکھینگے جبکہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ہم اُن منکروں کے گلوں میں طوق ڈال دیں گے۔ کیا لوگوں کو اسکے سوا اور کوئی بدلہ دیا جاسکتا ہے کہ جیسے اعمال اُنکے تھے ویسی ہی جزا وہ پائیں؟

اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا الخ

(آیت ۱۶۶، ۱۶۷)

"اُس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما جنکی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروی کرنے والوں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے اور عذاب کو (آنکھوں سے) دیکھ لینگے۔ اور اُن کے سارے اسباب اور وسائل ٹوٹ جائیں گے۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں اُن کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو ایک موقعہ دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم اُن سے بیزار ہوکر دکھائیں گے۔ یوں اللہ اِن لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔"

مذکورہ بالا آیات میں خاص طور پر گمراہ کرنے والے رہنماؤں اور لیڈروں اور اُن کے نادان پیروی کرنے والوں کا انجام اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہوکر پچھلی اُمتیں بھٹک گئیں اس سے مسلمان ہوشیار رہیں اور رہبروں اور رہزنوں میں امتیاز سیکھیں اور غلط پیروی کرنے والوں سے احتیاط رکھیں۔

علم و یقین کی ایک علامت

جب انسان کسی عقیدے کو علم و یقین کی روشنی میں قائم کرلیتا ہے اور وہ عقیدہ اُسکے قلب میں جاگزیں ہوجاتا ہے اور اُسکی روح میں پیوست تو ایسے شخص کا فکر و خیال، طور و طریقہ اس درجہ زبردست اور ثابت و راسخ ہوجاتا ہے کہ کائنات کا

کوئی حادثہ، دنیا کی کوئی سخت سے سخت مصیبت بھی اُسکو اس عقیدے سے نہیں ہٹا سکتی وہ اس کے لئے آگ میں بے خطر کود پڑتا ہے، تختۂ دار پر بے خوف چڑھ جاتا ہے، دشمنوں کے ہجوم میں اپنے آپ کو تنہا نہیں سمجھتا۔

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام کو نمرود کی عدالت نے آگ میں ڈالدینے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عزم وثبات میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔

بے دھڑک کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ع

علم ویقین کے اُس گہرے عقیدے نے آگ کو باغ و بہار کر دیا۔

آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اسلام کا حُسنِ سلوک

اگر ایک مسلم کے ماں باپ مشرک و کافر ہوں اور وہ کسی طرح شرک سے باز نہ آتے ہوں تو اُن کی مشرکانہ زندگی سے بیزار وعلیحدہ رہتے ہوئے بھی اُن کے ساتھ معاملات اور حُسن سلوک میں کسی قسم کی سختی یا زیادتی روا نہیں سمجھی گئی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ آزر کے ساتھ ادب واخلاق کا معاملہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔ باپ کی دھمکی اور سختی کا جواب سَلَامٌ عَلَيْكَ کہہ کر دیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل اپنے محسن چچا خواجہ ابوطالب کے ساتھ اس مسئلہ کی قطعی شہادت ہے۔

مَثَلُ الْاَعْلیٰ

دسترخوان کی وُسعت وکشادگی اگر ریا ونام ونمود سے پاک ہو اور فطری تقاضے کے پیش نظر مہماں نوازی میں وسعتِ قلب اور بلند حوصلگی پائی جاتی ہو تو یہ بات اخلاقِ کریمانہ میں قابلِ تحسین شمار کی جاتی ہے اسکو "سخاوتِ نفس" اور "جود وکرم" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

یہ وصف گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حقیقتِ نفس بن چکا تھا، مہمان نوازی، دسترخوان کی وسعت، آنے والوں کا اکرام ایسے اوصاف تھے جو

سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی "مَثَلُ الاَعْلیٰ" کی حد تک پہنچ گئے تھے۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک عجیب واقعہ منقول ہے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حسب دستور حضرت ابراہیم علیہ السلام کسی مہمان کے انتظار میں کھڑے تھے، کیونکہ بغیر مہمان نہ اُن کا دسترخوان بچھتا تھا اور نہ وہ تنہا کھاتے تھے۔ سامنے ایک بہت بوڑھا آدمی نظر پڑا جسکی کمر بھی کمان ہوگئی تھی اور لکڑی کے سہارے بمشکل چل رہا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھے اور مسرت کے ساتھ اُسکو سہارا دیکر گھر لائے۔ دسترخوان بچھایا اور محبت و پیار سے اُسے خوب کھلایا۔ جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اُس اللہ واحد کا شکر ادا کر جس نے ہم سب کو یہ نعمتیں دی ہیں۔ بوڑھے مہمان نے غصے میں کہا میں نہیں جانتا کہ تیرا اللہ واحد کون ہے؟ میں تو اپنے معبود کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے گھر میں موجود ہے۔

یہ جواب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بہت شاق گزرا اور اُسکو اپنے گھر سے فوراً رخصت کر دیا لیکن کچھ دیر نہ ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل پر اپنے اس طرز عمل کا شدت سے احساس ہوا۔ خیال آیا کہ جس اللہ واحد کا شکر میں اس بوڑھے سے کروانا چاہتا تھا اُسکی شان تو یہ ہے کہ اُس نے اس بوڑھے کی اس طویل عمر تک اپنی نعمتیں برقرار رکھیں اور اُسکی بت پرستی و کفر و شرک سے ناراض ہوکر ایک وقت بھی اُس پر اپنے رزق کا دروازہ بند نہیں کیا۔ پھر مجھکو کیا حق تھا کہ اگر اُس نے میری بات نہ مانی اور کلمۂ حق کو قبول نہ کیا تو میں اسکو گھر سے رخصت کر دوں؟ اس حقیقت پسند احساس نے بے چین کر دیا اور اُسکی تلاش میں خود گھر سے نکل پڑے اور اسکو پاکر ندامت و معذرت پیش کی اور اکرام کے ساتھ پھر اپنے گھر لے آئے (کہا جاتا ہے کہ وہ مہمان فرشتہ تھا جو آزمائش کے طور پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے گھر آیا تھا)

بہرحال یہ واقعہ تاریخی حیثیت سے قابل قبول ہو یا نہ ہو لیکن اس حقیقت کا ضرور اعلان کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاقِ کریمانہ کی وہ بلندی جو مثل الاعلیٰ تک پہنچی ہوئی تھی ضرب المثل اور زبان زد خلائق بن گئی۔

بڑوں کا بچپن

اللہ تعالےٰ جن ہستیوں کو اپنے پیغام و رسالت کے لئے چن لیتا ہے

اُن کے قلب و دماغ کو اپنے نور سے اس درجہ روشن کر دیتا ہے کہ ان کے سامنے حق وصداقت کے ماسوا کوئی اور چیز باقی نہیں رہتی۔ اُن میں ابتدائی عمر ہی سے یہ استعداد و صلاحیت پرورش پاتی ہے۔ وہ اپنے بچپن ہی میں اپنے ہم عمروں میں ممتاز اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ راہِ حق میں ابتلاء اور آزمائش کو خوشی سے سہنا، تسلیم و رضا کا اُسوۂ حسنہ پیش کرنا اُنکی فطرت بن جاتا ہے۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا کم عمری میں ذبح کے لئے آمادہ ہو جانا اس حقیقت کا شاہد عدل اور باعث صد ہزار عبرت و عظمت ہے۔

تذکرہ ذبیح اللہ
سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام
اور تعمیرِ کعبہ

ذکرِ ولادت

قرآن حکیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کا کوئی واضح ذکر نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں جسقدر بھی تفصیلات ملتی ہیں وہ یا تو تورات کے بیان کردہ واقعات ہیں یا پھر تاریخی روایات۔

اکثر مؤرخین نے ولادت کی تفصیلات انہی ذرائع سے حاصل کی ہیں، البتہ سورۂ صافات میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب نمرود نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلوادیا تھا اور اللہ تعالےٰ نے اُسکی اس تدبیر کو ناکام کر کے ان کو صحیح وسالم آگ سے باہر کیا اُسوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ملک سے ہجرت کر جانے کا ارادہ کرلیا اور چلتے وقت اپنے رب سے دُعا مانگی۔

"الٰہی مجھے نیک وصالح لڑکا عطا فرما!" (صافات آیت ۱۰۰)

اس دُعا پر اللہ تعالےٰ نے اُنھیں ایک "بردبار لڑکے کی بشارت دی" (صافات آیت ۱۰۱)

اس لڑکے سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

تورات اور دیگر تاریخی کتب میں اُنکی ولادت کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے:۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف اسّی سال سے اوپر ہو چکی تھی لیکن گود اولاد سے خالی تھی۔ ایک غلام کو خانہ زاد بنالیا تھا جسکے ساتھ اولاد جیسا معاملہ کیا کرتے تھے۔ اسوقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ بڑی بیوی کا نام سیدہ سارہؓ (عراقیہ)

اور چھوٹی کا نام سیدہ ہاجرہ (مصریہ) سیدہ سارہؓ اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکیں تھیں اس لئے اولاد کے نہ ہونے سے بے چین رہا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کیا ہمارے گھر کوئی اولاد نہ ہوگی؟ اور کیا یہ ہی خانہ زاد ہمارا وارث ہوگا؟ آپؑ اللہ تعالےٰ سے کیوں نہیں دُعا فرماتے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی، اللہ تعالےٰ نے فرشتے کے ذریعہ یہ خوشخبری پہنچائی کہ عنقریب تم کو ایک لڑکا ہوگا جس کا نام اسمٰعیل رکھنا، کچھ عرصہ بعد حضرت ہاجرہؓ پر اُمید ہوگئیں، حضرت سارہؓ کو جب اس کا عِلم ہوا تو انہیں بہ تقاضائے بشریت حضرت ہاجرہؓ سے رشک پیدا ہوگیا۔ بات بڑھتی گئی۔ آخر حضرت ہاجرہؓ سے رنجش پیدا ہوگئی۔ حضرت ہاجرہؓ مجبور ہوکر ایک دفعہ گھر سے دُور چلی گئیں درمیان راہ فرشتے سے ہمکلامی ہوئی، فرشتے نے خوشخبری دی اور تسلّی کے کلمات کہے، حضرت ہاجرہؓ اپنے گھر واپس آگئیں، پھر وقت مقررہ پر بشارت کے مطابق لڑکا پیدا ہوا اور اُس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔

اسمٰعیل "اِسمع" اور "اِیل" دو لفظوں سے مرکب ہے۔ عبرانی زبان میں "اِیل" کے معنی اللہ کے ہیں اور عربی میں اِسمع کے معنی ہیں سُن۔

چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سُن لی اور حضرت ہاجرہؓ کو فرشتہ سے بشارت ملی اس لئے ان کا یہ نام رکھ دیا گیا۔ عبرانی میں اسکا تلفظ "شماع اِیل" ہے۔ شماع کے عبرانی معنی بھی سُن کے ہیں۔"

سیّدنا اسمٰعیل علیہ السّلام اور قرآنِ حکیم

قرآن حکیم نے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا تعارف اس طرح کروایا ہے:۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا

نَبِیًّا ۔ الخ (مریم آیت ۵۴ تا ۵۵)

"اور آپ اس کتاب (قرآن) میں اسمٰعیل کا ذکر کیجئے۔ بیشک وہ وعدہ کے بڑے سچے اور اللہ کے نبی اور رسول تھے۔ اور وہ حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ شخصیت تھے۔"

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر خیر تذکرہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے ضمن میں بھی بکثرت آیا ہے لیکن مستقل طور پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل سورتوں میں موجود ہے۔

- سورۃ بقرہ ——— آیات ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰
- " الانعام ——— آیت ۸۶
- " النساء ——— آیت ۱۶۳
- " ابراہیم ——— آیت ۳۹
- " الصافات ——— آیت ۱۰۱
- " مریم ——— آیت ۵۴
- " انبیاء ——— آیت ۸۵

وَادِیٔ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا سیدہ ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ کا پیدا ہو جانا سیدہ سارہؓ کے لئے باعثِ رشک تھا اور شدہ شدہ یہ حالت رنجش کے حدود میں آگئی۔ سیدہ سارہؓ کا اصرار تھا کہ ہاجرہؓ کو مجھ سے دور کر دیا جائے۔ ان کے ساتھ قیام کرنا میرے لئے تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی افہام و تفہیم اس بارے میں کچھ کارگر ثابت نہ ہوئی اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدہ سارہؓ کا یہ اصرار بیحد ناگوار تھا مگر اللہ تعالیٰ نے جو علیم و حکیم بھی ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ سارہؓ کا مطالبہ پورا کر دیا جائے اسمیں ہر ایک کیلئے بھلائی و خیر ہی ہوگا۔

اسوقت سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار بچہ ہی تھے اور سیدنا اسحٰق ع ابھی پیدا نہ ہوئے تھے۔ اگرچہ تورات اور بعض تاریخی کتب کی صراحت کے مطابق سیدنا اسحٰق پیدا ہو چکے تھے۔ لیکن کتاب بخاری اور بعض دیگر کتب تاریخ میں اسکے خلاف موجود ہے۔

بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رض سے یہ تفصیلی روایت ملتی ہے :۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے شیر خوار بچے اسمٰعیل ع اور بیوی سیدہ ہاجرہ رض کو لیکر اپنے وطن سے چلے اور جہاں آج خانہ کعبہ ہے اُس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام کے بالائی حصے پر اُن کو چھوڑ گئے۔ یہ جگہ اُس وقت غیر آباد اور ویران تھی۔ پانی کا بھی دُور دُور تک کوئی نشان نہ تھا، اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک مشکیزہ پانی اور تھیلی کھجور بھی اُنکے پاس رکھ دیا اور پیٹھ پھیر کر روانہ ہوگئے۔ سیدہ ہاجرہ رض اُن کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں اے ابراہیم ہم کو ایسی وادی میں تنہا کہاں چھوڑے جا رہے ہو؟ جہاں نہ آدم ہے نہ آدم زاد، نہ کوئی مونس و غمخوار؟ سیدہ ہاجرہ رض مسلسل یہ کہتی جاتی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام خاموش چلے جا رہے تھے۔ آخر تھک کر حضرت ہاجرہ رض نے پوچھا ابراہیم کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا ہاں یہ اللہ کا حکم ہے۔ سیدہ ہاجرہ رض نے جب یہ سُنا تو کہنے لگی پھر تو وہ ہمیں ضائع و برباد نہ کرے گا۔ یہ کہہ کر واپس لوٹ آئیں اور اپنے بچے سے آملیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے جہاں اُن کا شیر خوار بچہ اسمٰعیل ع اور بیوی ہاجرہ رض نگاہ سے اُوجھل ہوگئے تو اُس جانب جہاں کعبہ ہے رُخ کیا ہے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دُعا فرمائی :۔

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ

ذَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ الخ　　　(ابراہیم آیت ۳۷، ۳۸)

"پروردگار! میں نے ایک بے آب و دانہ وادی میں اپنی اولاد میں سے ایک کو تیرے محترم گھر کے پاس بسایا ہے (یہ میں نے اسلئے کیا ہے) کہ پروردگار یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے قلوب کو ان کی جانب متوجہ فرما اور انہیں کھانے کو پھل عطا فرما۔ شاید کہ یہ شکر کرنیوالے بنیں۔ پروردگار! تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔"　　(ابراہیم آیت ۳۷، ۳۸)

سیدہ ہاجرہؓ چند روز تک تو مشکیزہ کا پانی پیتی اور تھیلی کے کھجور کھاتی اور اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہی لیکن جب پانی ختم ہو گیا اور کھجور بھی باقی نہ رہے تو سخت پریشان ہوئیں چونکہ وہ بھوکی و پیاسی تھیں اس لئے بچے کے لئے دودھ بھی سوکھ گیا اور بچہ بھوک، پیاس سے بلبلانے لگا۔ جب بچے کی حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہو کر ایڑیاں گھسنے لگا تو یہ حال دیکھا نہ گیا۔ اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر کچھ دور جا بیٹھیں تاکہ یہ حالت ناگہانی اس آنکھوں سے نظر نہ آئے۔ کچھ دیر کے بعد قرار نہ آیا تو قریب کی پہاڑی صفا پر چڑھ گئیں شاید کوئی انسان یا پانی کا نشان مل جائے مگر کچھ نظر نہ آیا پھر بچے کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آگئیں۔ اسکے بعد دوسری جانب کی پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں۔ جب وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچے کے پاس آگئیں۔ اسطرح سات مرتبہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک بیان فرما کر ارشاد فرمایا، یہی وہ سعی بین الصفا والمروہ ہے جو حج میں لوگ کیا کرتے ہیں۔ آخر جب سیدہ ہاجرہؓ مروہ پہاڑ پر تھیں کان میں آواز آئی، چونک پڑیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی آواز دیتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی، سیدہ ہاجرہؓ نے بلند آواز سے کہا اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ! تمہاری آواز سنی گئی۔ دیکھا تو اللہ کا فرشتہ، جبرئیلؑ ہے، اس فرشتے نے اپنا پیر اُس جگہ مارا جہاں آج زمزم کا کنواں ہے، پانی اُبلنے لگا۔ سیدہ ہاجرہؓ نے جب یہ منظر دیکھا تو خوشی اور مسرت میں پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں مگر پانی برابر اُبلتا رہا۔" یہاں تک بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

"اللہ اُمِّ اسمٰعیلؑ (سیدہ ہاجرہؓ) پر رحم فرمائے اگر وہ زمزم کو اسطرح نہ روکتیں تو وہ آج جاری چشمہ ہوتا۔"

سیدہ ہاجرہؓ نے پانی پیا پھر اسمٰعیلؑ کو دودھ پلایا۔ فرشتے نے سیدہ ہاجرہؓ سے کہا، غم و خوف نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تجھ کو اور بچے کو ضائع نہ کریگا۔ یہ مقام "بیت اللہ" ہے جسکی تعمیر اس بچے اور اسکے باپ کی قسمت میں مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ اس خاندان کو ہلاک نہیں کریگا۔"

"بیت اللہ" کی یہ جگہ قریب کی زمین سے نمایاں تھی مگر پانی کا بہاؤ دائیں بائیں اس حصہ کو برابر کرتا جا رہا تھا۔

انہی دنوں میں قبیلہ بنی جرہم کا ایک قافلہ اس وادی کے قریب گزر رہا تھا دیکھا کہ تھوڑے فاصلے پہ پرندے اُڑ رہے ہیں۔ اہل جرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت ہے وہاں پانی ضرور ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں پہنچے اور سیدہ ہاجرہؓ سے اجازت طلب کی کہ ہم بھی یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

سیدہ ہاجرہؓ نے کہا کہ قیام کر سکتے ہو لیکن پانی کی ملکیت کے حصہ دار نہ ہو گے۔ جرہم نے یہ بات بخوشی منظور کر لی اور مقیم ہو گئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاجرہؓ خود بھی باہمی اُنس و رفاقت کے لئے یہ چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آکر مقیم ہو۔

اسکے بعد جرہم نے کچھ آدمی بھیجکر اپنے باقی ماندہ اہل خاندان کو بھی بلایا اور یہاں مکانات بنا کر رہنے لگے۔ اُن ہی میں اسمٰعیل بھی رہتے اور کھیلتے اور اُن کی زبان سیکھتے، جب اسمٰعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے تو ان کے عادات و اطوار اور اُن کی خوبصورتی جرہم کو بہت پسند آئی اور انھوں نے اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے اُنکی شادی کر دی۔ اسکے کچھ عرصہ بعد سیدہ ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وقفہ وقفہ سے اپنے اہل و عیال کو دیکھنے آیا کرتے تھے۔ معمول کے مطابق ایک مرتبہ تشریف لائے تو اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔ اُن کی بیوی سے دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ روزی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انجانے میں بہو سے دریافت کیا تمہارے گھر کا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگیں سخت مصیبت و پریشانی ہے اور ہمارا بُرا حال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا جب اسمٰعیل آجائے تو میرا سلام کہہ دینا اور یہ بھی کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ تبدیل کر دو۔ یہ کہہ کر واپس ہو گئے۔ کچھ دیر بعد جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے گھر میں نورِ نبوت کے اثرات محسوس کئے۔ پوچھا کہ کیا کوئی شخص یہاں آیا تھا؟

بی بی نے سارا قصہ بیان کیا اور پیغام بھی دیا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ بی بی وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام تھے اور اُن کا یہ مشورہ ہے کہ میں تم کو طلاق دے دوں۔ لہٰذا میں تجھ کو جدا کرتا ہوں۔

اسکے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے دوسری شادی کرلی حسب معمول حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مرتبہ پھر تشریف لائے، اُس وقت بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔

خیریت کے بعد اُسی طرح کے سوالات کئے نیک بی بی نے کہا خدا کا شکر واحسان ہے اچھی گزر رہی ہے۔ دریافت کیا کھانے کو کیا ملتا ہے؟ نیک خاتون نے جواب دیا گوشت! پوچھا اور پینے کو؟ جواب دیا میٹھا پانی! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس موقعہ پر دُعا مانگی:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي اللَّحْمِ وَالْمَاءِ۔

اے اللہ ان کے گوشت و پانی میں برکت عطا فرما۔

پھر جب چلنے لگے تو فرمایا کہ اپنے شوہر کو میرا السلام کہنا اور یہ پیغام بھی دینا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کو محفوظ رکھنا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جب گھر تشریف لائے تو بی بی نے سارا واقعہ سنایا۔

اسپر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام تھے اور اُن کے پیغام کا یہ مطلب ہے کہ تم زندگی بھر میری رفیقۂ حیات رہو۔ الخ

یہ طویل روایت بخاری "کتاب الرؤیا" اور "کتاب الانبیاء" دونوں جگہ موجود ہے۔ دونوں روایت سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام وادی غیر ذی زرع (بن کھیتی کی وادی) میں (یعنی مکہ مکرمہ) بحالت شیرخوارگی پہنچے تھے۔

اگرچہ قرآن حکیم نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت کے متعلق ان کا نام لے کر صاف صاف کوئی ذکر نہیں کیا، البتہ بغیر نام لئے اُن کی ولادت کی بشارت کا تذکرہ کیا ہے۔

کی گود ابھی تک اولاد سے خالی تھی اس لئے بارگاہِ الٰہی میں ایک نیک و صالح فرزند کے لئے دُعا مانگتے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اُن کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا اور لڑکے کی ولادت کی بشارت دی۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ. فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ. (الصافات آیت ۱۰۰، ۱۰۱)

"اے رب مجھکو ایک نیک لڑکا عطا فرما، پس ہم نے اُسکو ایک بُرد بار لڑکے کی بشارت دی۔"

یہ غُلامِ حلیم کون ہے؟ وہی اسمٰعیل علیہ السّلام جو سیّدہ ہاجرہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے کیونکہ قرآن حکیم نے اس بشارت کے بعد ہی آیت ۱۱۲ میں حضرت اسحٰقؑ کی بشارت کا ذکر کیا ہے:-

وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ. وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ إِسْحَاقَ. (الصافات آیت ۱۱۲)

"اور بشارت دی ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ کی جو بلند نیکوکار نبیوں میں سے ایک نبی ہوگا۔ غلامِ حلیم کی بشارت کے بعد اسحٰق علیہ السّلام کا نام لے کر بشارت دینا کھُلی دلیل ہے کہ پہلی بشارت سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السّلام ہو نہیں سکتے۔ سوائے اسکے کہ اسمٰعیل علیہ السّلام مراد ہوں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دو ہی لڑکے تھے۔

ذبحِ عظیم

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی حیاتِ طیبہ میں کم از کم تین واقعات سخت ترین امتحان کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ کے نیک بندوں خصوصاً بارگاہ الٰہی کے مقربین کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہے۔ اُن کو امتحان و آزمائش کی سخت سے سخت منزلوں سے گزرنا بھی پڑتا ہے جسکے نتیجے میں اُن کی زندگی میں قدم قدم پر تسلیم و رضا کے مظاہرے ظاہر ہوتے ہیں جسکے نتیجے میں رہتی دنیا تک انسان اور

انسانیت کے لئے بہترین نمونہ اور مثال قائم ہو جاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا تھا۔

"ہم انبیاء اپنے اپنے مراتب کے لحاظ سے امتحان کی صعوبتوں میں ڈالے جاتے ہیں۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی چونکہ اولوالعزم انبیاء میں شمار ہوتے ہیں اسی قانون الٰہی کے تحت مختلف آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ ہر دفعہ امتحان میں کامل و مکمل طور پر ثابت قدم رہے ہیں۔

جب ان کو آگ میں ڈالا گیا تو اُس وقت جس صبر و استقامت اور تسلیم و رضا کا ثبوت دیا ہے وہ تاریخ انبیاء کا انمول اور نادر واقعہ ہے۔

اسکے بعد اپنے شیر خوار بچے اسمٰعیلؑ اور نیک بیوی سیدہ ہاجرہؓ کو فاران (مکہ) کے بیابان میں چھوڑ آنے کا حکم ملا وہ بھی کچھ معمولی امتحان نہ تھا۔ آزمائش اور سخت آزمائش کا وقت تھا۔ بڑھاپے اور بیوی کی تمناؤں کے مرکز، دن رات کی دعاؤں کے ثمر اور گھر کے چشم و چراغ اسمٰعیلؑ کو صرف خوابی حکم کی تعمیل اور امتثال میں ایک بے آب و دانہ وادی میں چھوڑ آنا اور اس طرح کے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کہیں پدری شفقت جوش میں آجائے اور تعمیل حکم میں لغزش پیدا ہو جائے۔

یہ دونوں امتحان کچھ کم نہ تھے کہ تیسرے امتحان کا آغاز ہو گیا۔

ان ہی ایام میں جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام بیوی اور بچے کی خیر خبر لینے کے لئے مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے تین شب مسلسل خواب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

"اے ابراہیم اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کرو۔"

انبیاء کرام کا خواب بھی وحی الٰہی کا ایک حصہ ہوتا ہے اس لئے سیدنا ابراہیم علیہ السلام رضا و تسلیم کا پیکر بن کر تیار ہو گئے کہ اللہ تعالےٰ کی اس مرضی کو جلد سے جلد پورا کر دیں، مگر چونکہ معاملہ صرف اپنی ذات سے متعلق نہ تھا بلکہ اس آزمائش میں کمسن بیٹا بھی شریک تھا اس لئے بیٹے کو اپنا یہ خواب سنایا اور اللہ کی مرضی کو ظاہر کیا کمسن صاحبزادے نے فوراً سرِ تسلیم خم کر دیا اور کہنے لگے ابا جان اگر اللہ تعالےٰ

کی یہی مرضی ہے تو انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

اس گفتگو کے بعد باپ بیٹے اپنی قربانی پیش کرنے کے لئے جنگل روانہ ہو گئے۔

اس مرحلہ پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر شریف کیا تھی؟ اگرچہ بعض مفسرین نے تیرہ ۱۳ سال اور بعض نے کچھ زیادہ لکھی ہیں لیکن کسی مستند روایت میں اس کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔ قرآن حکیم نے اس عمر کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ الآیۃ (الصافات آیت ۱۰۲)

"جب وہ لڑکا ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔"

اور بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہونچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگا۔"

اور بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے:۔

"سو جب وہ لڑکا ایسی عمر کو پہونچا کہ ابراہیم کے ساتھ جدوجہد کرے۔"

دراصل قرآن حکیم نے اَلسَّعْیَ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی جہاں چلنے اور دوڑنے کے آتے ہیں وہاں جدوجہد کرنے کے بھی ہیں یعنی باپ کے ساتھ جدوجہد میں شریک ہوا، غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے تیرہ ۱۳ سال عمر لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض دونوں حضرات اللہ تعالےٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لئے کعبۃ اللہ سے دُور چلے گئے۔ بعض تاریخی و تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیانِ راہ شیطان نے تین مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے سات کنکریاں مار کر بھگا دیا تھا۔ یہ منیٰ کا میدان تھا جو پہاڑیوں کے درمیان واقع ہے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس عمل کو قیامت تک حج کے مناسک میں داخل فرما دیا۔ ہر سال منیٰ کے تینوں جمرات پر لاکھوں حُجاج اسی پسندیدہ عمل کی یادگار میں کنکریاں مارتے ہیں۔ بالآخر جب دونوں باپ بیٹے یہ

بے مثال عبادت انجام دینے کے لئے منیٰ کی قربان گاہ پہنچے تو سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نے فرمایا ابا جان! ذبح کرنے سے پہلے مجھے ذرا اچھی طرح باندھ دیجئے تاکہ ذبح کے عمل میں تاخیر نہ ہونے پائے اور آپ اللہ تعالےٰ کے منشا کو جلد پورا فرمادیں۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح تیاری کی اور بیٹے کو آخری بوسہ دیا اور پیشانی کے بَل خاک پر لٹا دیا۔ قرآن حکیم نے اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ۔ (الصافات آیت ع۱۰۳)

"اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بَل خاک پر لِٹا دیا۔"

لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس کا مطلب اس طرح منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح کروٹ لٹا دیا کہ پیشانی کا ایک کنارہ زمین سے چھُونے لگا۔ (تفسیر مظہری)

لغت کے لحاظ سے یہ تفسیر زیادہ قریب ہے اس لئے کہ جَبین عربی زبان میں پیشانی کی دونوں کروٹوں کو کہا جاتا ہے۔ اور پیشانی کا درمیانی حصہ جَبْہَہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح بیٹے کو لٹا کر گردن پر چھُری چلانی شروع کی۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت سے پیتل کا ایک ٹکڑا بیچ میں حائل کر دیا۔ اچانک آواز آئی "اے ابراہیم بس کرو تم نے خواب کو سچ کر دکھایا" بیشک یہ بہت سخت آزمائش تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہاتھ روک لیا، آسمان کی جانب نظر اُٹھائی دیکھا کہ حضرت جبرئیل امین ایک فربہ مینڈھا لئے کھڑے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مینڈھا تھا جس کی قربانی حضرت آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیلؓ نے پیش کی تھی۔ واللہ اعلم۔

الغرض یہ جنتی مینڈھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کو اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کے عوض ذبح کر دیا۔

اسکو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔ (الصافات آیت ع۱۰۷)

"اور ہم نے ابراہیم کو ایک عظیم ذبیحہ اسکے عوض دے دیا۔"

اس ذبیحہ کو عظیم اس وجہ سے کہا گیا کہ یہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے آیا تھا۔ سورہ الصافات میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنِ۔ الخ

(الصّافات آیات ۹۹ تا ۱۱۳)

اُور ابراہیمؑ نے کہا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف (ہجرت کرکے) وہ مجھے سیدھی راہ دے گا (چنانچہ ملکِ شام پہنچے اور یہ دُعا کی) اے پروردگار مجھے ایک نیک لڑکا عطا فرما۔ پس ہم نے بشارت دی اُسکو ایک بُردبار لڑکے کی (یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی) پھر جب وہ ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ چلنے پھرنے لگے ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو تمہاری کیا رائے ہے؟ وہ بولے ابّا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے انشاء اللہ آپ مجھکو صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔

غرض جب دونوں نے اللہ تعالےٰ کے حکم کو تسلیم کرلیا اور باپ نے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کی کروٹ لٹادیا۔ اور ہم نے اُن کو آواز دی کہ اے ابراہیم (علیہ السلام) تم نے خواب کو خوب سچ کر دکھایا (وہ وقت بھی عجیب تھا) ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ تھا بھی بڑا امتحان۔ اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ اُسکے عوض دے دیا۔ اور ہم نے آنی والی نسلوں میں اُنکے متعلق یہ بات رہنے دی کہ ابراہیمؑ پر سلام ہو (چنانچہ آپ کے نام کیساتھ ابتک علیہ السلام لکھا اور بولا جارہا ہے) اسی طرح ہم نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بیشک وہ (ابراہیم علیہ السلام) ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُنھیں اسحٰقؑ کی بشارت دی جو نبی

ہوگا اور نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ اور برکت دی ہم نے ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ
پر اور اُن دونوں کی نسلوں میں بعضے اچھے بھی ہیں اور بعضے ایسے بھی
جو صریح اپنا نقصان کر رہے ہیں۔"

ذبیح اللہ آیات مذکورہ میں ذبیح کا نام نہیں لیا گیا صرف "غلامٌ حلیمٌ" کہا گیا کہ وہ نہایت متحمل، صاحبِ برداشت، صابر و شاکر لڑکا تھا۔

باپ نے ابھی مشورہ ہی کیا تھا کہ وہ آمادۂ تعمیل ہوگیا۔ اس طرح سخت ترین امتحان میں پورا اُترا، اللہ نے اُسکے اِس تسلیم و رضا کو قبول فرما لیا اور آسمان سے "ذبحِ عظیم" نازل کیا اور وہ اُسکا بدل قرار پایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبارکباد دی گئی اور اُن کے اس عمل کو یادگار بنا دیا گیا (چنانچہ ہر سال ذی الحجہ کی دس تاریخ کو لاکھوں حاجی اور کروڑوں مسلمان اسی ذبحِ عظیم کی یاد میں اللہ تعالےٰ کے حضور قربانی پیش کرتے ہیں) حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ کا سلام آیا اور حضرت اسحٰق کی بشارت دی گئی۔ مضمون کی ترتیب اور بیان واضح طور پر ظاہر کر رہا ہے کہ "غلام حلیم" حضرت اسحٰقؑ کے علاوہ کوئی دوسرا ہی لڑکا تھا، اور ظاہر ہے کہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو ہی لڑکے تھے۔

سورۂ ہود میں مزید وضاحت ملتی ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا تفصیل اسکی یہ ہے کہ قوم لوطؑ پر جب عذاب کے فرشتے آئے تو ان کی پہلی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں اور ساتھ ساتھ آپ کو بشارت بھی دینا ہے کہ عنقریب آپ کو اسحٰق نامی لڑکا پیدا ہوگا۔ اور اسحٰقؑ سے یعقوبؑ پیدا ہوگا (علیہم السلام)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی جو عمر طبعی کو پہنچ گئی تھیں اس بشارت پر تعجب کرنے لگیں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ تم پر اللہ کی رحمتیں و برکتیں ہیں اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ آیتِ مذکورہ اس طرح ہے:۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ۔ (ہود آیت ۷۱)

"اور ابراہیم کی بیوی کھڑی تھیں پس ہنس پڑیں سو ہم نے
اُن کو بشارت دی اسحٰقؑ کی اور اسحٰقؑ کے بعد یعقوبؑ کی۔"

اس آیت میں جب حضرت اسحٰق علیہ السّلام کو صاحبِ اولاد ہونے کی بشارت ہو چکی تو پھر حضرت اسحٰق علیہ السّلام کو ذبح کرنے کا کوئی مطلب نہ ہوتا اور نہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے لئے عظیم امتحان قرار پاتا۔ اس لئے پہلی بشارت میں غلامٍ حلیم سے مراد حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہیں اور جنھوں نے باپ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے مشورہ کرنے پر کہا تھا انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔

سورۂ مریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا یہی وصف بیان کیا گیا ہے جو سورۂ ہود والی آیت میں موجود ہے:-

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّہٗ کَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ۔ (مریم آیت ۵۴)

"اور اے نبیؐ اس کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر کرو بلاشبہ وہ
وعدہ کے سچے تھے۔"

یہ وہی وعدہ تھا جو اُنھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السّلام سے کیا تھا کہ وہ آپ کے امتحان میں ثابت قدم ہوں گے اور وعدہ پورا کر دکھائیں گے۔

قصص الانبیاء کے مؤلف علامہ عبدالوہاب نجار نے ایک اور قرآنی استدلال بھی پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ذبحِ عظیم کا یہ واقعہ بیان کر کے آخر میں اس بات پر قصے کو ختم فرمایا ہے:-

وَبَارَکْنَا عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ ۔ الخ۔

(الصّافات آیت ۱۱۳)

"اور ہم نے برکت نازل کی اُس پر اور اسحٰقؑ پر۔"

عَلَیْہِ کی ضمیر کا مرجع ذبیح قرار دیا ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے۔

"اور ہم نے برکت نازل کی اُس ذبیح پر اور اسحٰقؑ پر۔"

اسکے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ پورا قصہ بیان کرنے کے بعد اسحٰق علیہ السّلام کی بشارت

کا ذکر اس بات کے لئے قطعی صراحت ہے کہ صاحبِ قصہ لڑکا حضرت اسحٰق کے علاوہ ہے اور وہ صرف حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام ہی ہو سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ کے قریب مِنیٰ کے میدان میں پیش آیا۔ اس لئے اہلِ عرب میں زمانہ قدیم سے حج کے دوران قربانی کا طریقہ رائج رہا ہے۔ چنانچہ جو مینڈھا جنّت سے ذبح کے لئے اُتارا گیا تھا اُس کے سینگ سالہا سال تک خانہ کعبہ کے اندر لٹکے رہے ہیں۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اس کی تائید میں کئی ایک روایات نقل کی ہیں۔

حضرت عامر شعبیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے :-

"میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ کے اندر خود دیکھے ہیں"۔

(ابن کثیرؒ ج ۴ صفحہ ۱۸)

"مشہور محدث سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اس مینڈھے کے سینگ مسلسل خانہ کعبہ میں لٹکے رہے یہاں تک کہ جب حجاج بن یوسف کے زمانے میں کعبتہ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے۔"

(ابن کثیر ج ۲ ص ۱۷)

اور تاریخی روایات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام۔ لہذا ذبح عظیم کا واقعہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے ساتھ پیش آیا۔ رہیں وہ روایات جن میں مختلف صحابہؓ و تابعین کے بارے میں مذکور ہے کہ اُنھوں نے ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السّلام کو قرار دیا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن کثیرؒ کی رائے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے وہ لکھتے ہیں :-

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن بظاہر یہ سارے اقوال کعب الاحبارؓ (نو مسلم عالم) سے منقول ہیں۔ اس لئے کہ جب وہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا تو حضرت عمرؓ کو اپنی پُرانی کتابوں کی باتیں سُنایا کرتے تھے، بعض اوقات حضرت عمرؓ ان کی باتیں سُن لیا کرتے تھے، اس سے اور لوگوں کو بھی گنجائش ملی اور

اُنھوں نے بھی کعب احبارؒ سے روایات سُنکر انھیں نقل کرنا شروع کیا۔ ان روایات میں ہر طرح کی رطب و یابس باتیں جمع تھیں ،لیکن اس امّت کو ان باتوں میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ اعلم"۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ صفحہ ۱۷)

الغرض قرآن حکیم نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر بیت اللہ کا تعمیری تذکرہ، تعمیر کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی دُعا و مناجات، اقامتِ صلوٰۃ کا اہتمام، مناسک حج کا بیان اور بیت اللہ کا مرکزِ توحید ہونے کا اعلان، نہایت وضاحت کے ساتھ کئی جگہ بیان کیا ہے۔ ذیل کی آیات انہی تذکروں پر مشتمل ہیں۔

قرآنی مضمون

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ الخ

بیشک پہلا گھر جو انسانوں کے لئے (خدا پرستی کا مرکز) بنایا گیا وہ یہی (عبادت گاہ) ہے جو مکّہ میں ہے برکت والا اور تمام انسانوں کے لئے سرچشمۂ ہدایت۔ اسمیں (دین حق کی) روشن نشانیاں ہیں ؛ اُن میں سے ایک مقامِ ابراہیم ہے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے کھڑے ہونے اور عبادت کرنے کی جگہ جو اُس وقت سے لے کر آج تک بغیر کسی شک وشبہ مشہور و معیّن رہی ہے) اور جو کوئی اُسکے حدود میں داخل ہوا وہ امن وحفاظت میں آگیا اور اللہ کی طرف سے لوگوں کے لئے یہ بات ضروری ہوگئی ہے کہ اگر اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت پائیں تو اس گھر کا حج کریں اور جو کوئی اس حقیقت سے انکار کرے تو یاد رکھو اللہ کی ذات تمام دنیا سے بے نیاز ہے"۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا۔ الخ

(بقرہ آیات ۱۲۵ تا ۱۲۹)

"اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جس وقت ہم نے خانہ کعبہ

کو لوگوں کا معبد اور مقامِ امن مقرر کیا اور آخر میں امت محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت کے لئے) مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کی عبادت کے لئے اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔ (اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے) جس وقت ابراہیمؑ نے عرض کیا اے میرے پروردگار اس جگہ کو ایک آباد شہر بنادیجئے امن وامان والا اور وہاں کے بسنے والوں کو پھلوں کی قسم سے بھی عنایت کیجئے اُن کو جو کہ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اُس شخص کو بھی جو کافر ہے ایسے شخص کو تھوڑے روز یعنی دنیا میں تو خوب آرام دوں گا، پھر اُس کو کشاں کشاں عذابِ دوزخ میں پہنچا دوں گا اور وہ بُری جگہ ہے رہنے کی۔

اور جب اُٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السّلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے) اے ہمارے پروردگار ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ آپ خوب سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار اور ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی فرمانبردار ہو اور ہم کو ہمارے حج کے احکام بھی بتادیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے اور مہربانی کرنے والے۔

اے ہمارے پروردگار اور اُس جماعت کے اندر اُن ہی میں کا ایک ایسا رسول بھی مقرر کیجئے جو اُن لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کرے اور اُن کو کتاب (الٰہی) اور دانائی کی تعلیم دیا کرے اور اُن کو پاک کردے بلاشبہ آپ ہی ہیں بڑے زبردست بڑے حکمت والے۔

وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ۔ الخ

(الحج آیات ۲۶ تا ۳۳)

(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب ہم نے ابراہیمؑ کے لئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کردی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اور میرا یہ گھر اُن لوگوں کے لئے پاک رکھنا جو طواف کرنیوالے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں۔ رکوع سجدہ کرنے والے ہوں۔ (اور حکم دیا کہ) لوگوں میں حج کا اعلان کردے لوگ تمہارے پاس دنیا کے تمام دور دراز راہوں سے آیا کریں گے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو مشقت سفر سے تھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ اس لئے آئینگے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ہوجائیں اور چند مقرر دنوں میں اُن جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اُس نے اُنھیں بخشے ہیں۔ پھر اُس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگ دست محتاج کو بھی کھلائیں۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

(یہ تھا تعمیر کعبہ کا مقصد) اور جو کوئی اللہ کی قائم کردہ حرمتوں کا احترام کرے تو یہ اُسکے رب کے نزدیک خود اُسی کے لئے بہتر ہے اور تمہارے لئے مویشی جانور حلال کئے گئے ماسوا اُن چیزوں کے جو تمہیں بتائی جاچکی ہیں پس بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔ یکسو ہوکر اللہ کے بندے بنو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا اب یا تو اُسے پرندے اُچک لے جائینگے یا ہوا اُسکو کسی دور دراز جگہ پھینک دیگی۔

یہ ہے اصل معاملہ (اسے سمجھ لو) اور جو اللہ کے مقرر کردہ شعائر (یادگار جگہ) کا احترام کرے تو یہ دلوں کی تقوے کی بات ہے۔

تمہیں ایک وقت مقرر تک اُن (قربانی کے جانوروں) سے فائدہ اُٹھانے کا حق ہے۔ پھر اُن (کے قربان کرنے) کی جگہ اسی قدیم گھر کے پاس ہے۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ الخ

(الحج آیات ۳۶ تا ۳۷)

"اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ میں شامل کیا ہے۔ تمہارے لئے اُن میں بھلائی ہے۔ پس اُنہیں کھڑا کر کے اُن پر اللہ کا نام لو اور جب قربانی کے بعد اُنکی پُشتیں زمین پر ٹک جائیں (یعنی پوری طرح ذبح ہو جائیں) تو اُن میں سے خود بھی کھاؤ اور اُنھیں بھی کھلاؤ جو قناعت کئے بیٹھے ہیں اور اُنکو بھی جو اپنی حاجت پیش کریں، ایسے ہی ہم نے اِن جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ تم شکر ادا کرو۔

نہ اُن (قربانیوں) کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ خون مگر اُس کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ ایسے ہی اُس نے اُن (جانوروں) کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے تاکہ اُس کی بخشی ہوئی ہدایت پر تم اُسکی تکبیر کرو اور اے نبیؐ بشارت دیدو نیکوکاروں کو۔"

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کا ذکر قرآن حکیم یا احادیث نبوی میں تفصیلاً نہیں ملتا، البتہ تورات نے ان کی تفاصیل بیان کی ہیں۔ تورات کے قول کے مطابق سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے جو بعد میں بارہ سردار کہلائے اور یہ ہی قبائلِ عرب کے جدِ اعلیٰ بنے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایک لڑکی کا نام بشامہ یا محلاۃ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ تورات کی تصریح کے مطابق اِن لڑکوں کے یہ نام ہیں:۔

نابت[1]، قیدار[2]، ادبئیل[3]، مبشام[4]، مشماع[5]، دومہ[6]، مسّا[7]، حدار

تیما[۹]، یطور[۱۰]، نافیش[۱۱]، قیدما[۱۲]۔

یہ اپنی جماعتوں کے بارہ رئیس تھے۔

ان میں دو بڑے بیٹے نابت اور قیدار نے بہت شہرت پائی، عرب مؤرخین نے بھی ان کے حالات بیان کئے ہیں۔

نابت کی اولاد اصحاب الحجر کہلائی اور قیدار کی نسل اصحاب الرس کے نام سے مشہور ہوئی ان ہر دو کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اور قرآنِ حکیم

سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکر مبارک قرآن حکیم میں متعدد بار آیا ہے۔ ان میں ایک جگہ "ذبح عظیم" والی آیت ہے اور دو مقام پر اُس بشارت کے موقعہ پر ذکر آیا ہے جسمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی بشارت دی گئی ہے اور سورۂ مریم میں اُن کا نام لے کر اُن کے اوصاف جمیلہ بیان کئے گئے ہیں:-

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمٰعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ (مریم آیت ۵۴، ۵۵)

"اور یاد کرو کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر، بلاشبہ وہ وعدہ کے بڑے سچے اور رسول و نبی تھے اور وہ حکم کرتے تھے اپنے گھر والوں کو نماز کا اور زکوٰۃ کا اور وہ تھے اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ۔"

وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ۔ وَأَدْخَلْنَاهُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ۔ (الانبیاء آیت ۸۵، ۸۶)

"اور اسمٰعیلؑ اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ یہ سب صبر کرنے

والوں میں سے تھے۔ اور اُن سب کو ہم نے اپنی رحمتِ خاص میں شامل کرلیا۔ بلاشبہ وہ سب نیکوکاروں میں سے ہیں۔"

سیّدنا اسمٰعیل علیہ السّلام کی وفات

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام نے ایک سو چھتّیس (۱۳۶) سال کی عمر میں وفات پائی، اس وقت اُن کی اولاد کا سلسلہ دور دراز علاقوں میں پھیل گیا تھا۔ جس میں حجاز، شام، عراق، فلسطین اور مصر تک شامل ہیں۔

عرب مؤرخین کے بیان کے مطابق حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام اپنی ماں حضرت ہاجرہؓ کے پہلو میں بیت اللہ کے قریب حرم شریف میں مدفون ہیں۔ واللہ اعلم۔

نتائج و عبر

....پہلا وہ گھر خدا کا

بیت اللہ کی مستقل تعمیر سے پہلے دُنیا کے مختلف حصوں میں بتوں اور ستاروں کی پرستش کے لئے ہیکل اور مندر موجود تھے اور اُن ہی کے نام پر بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی تھیں۔

مصریوں کے یہاں سورج دیوتا اور بعل دیوتا کے ہیکل اور مندر تھے، کنعانیوں نے مشہور قلعہ بعلبک میں اسی بعل کا مشہور ہیکل بنایا تھا جو آج تک یادگار چلا آرہا ہے۔ غزّہ کے باشندے "داجون" مچھلی دیبی کے مندر پر چڑھاوے چڑھاتے تھے جسکی شکل انسان کی اور جسم مچھلی کا تھا۔

عمونیوں نے سورج دیوتا کے ساتھ چاند کو بھی دیوی بنا کر پوجا ہے اور اسکے لئے بڑا ہیکل تعمیر کیا۔

فارس نے آگ کی تقدیس مان کر آتشکدے تیار کئے۔

رومیوں نے حضرت مسیحؑ اور پاک دامن مریم کے بُت بنا کر کلیساؤں

کو زینت دی۔ ہندیوں نے مہاتما بدھ، رامچندر، مہاویر، اور مہادیو کو دیوتا اور اوتار مان کر اور کالی دیوی، سیتا دیوی اور پاربتی دیوی کے ناموں سے ہزاروں بتوں کی پرستش کے لئے بڑے بڑے مندر تعمیر کئے۔

مگر ان سب کے برعکس صرف خدائے واحد کی پرستش اور اسکی یکتائی کے اقرار میں سرِ نیاز جھکانے کے لئے دنیا کے بتکدوں میں پہلا اور سب سے پہلا گھر جو اللہ کا گھر کہلایا وہ یہی "خانہ کعبہ" ہے۔

"وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا"

تعمیر کعبہ

کعبہ مشرفہ کا وجود انسانی تاریخ سے بہت پہلے بیان کیا جاتا ہے۔ زمین پیدا بھی نہ ہوئی تھی اس خطہ پر صرف پانی ہی پانی تھا اسوقت موجودہ خانہ کعبہ کی جگہ پانی پر ایک کثیف قسم کا جھاگ رہا کرتا تھا۔ یہ ہی جگہ کعبۃ اللہ کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ملائکۃ اللہ اسکے اطراف طواف کیا کرتے تھے۔ پھر جب اللہ نے زمین پیدا کرنی چاہی تو اسی جھاگ والے حصے سے زمین کا آغاز ہوا اور پانی کے ⅔ حصے پر زمین آگئی۔ کعبۃ اللہ ویسے ہی ابھرا ہوا برقرار رہا جو چھوٹے ٹیلے کی شکل میں تھا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اتارے گئے تو اللہ تعالےٰ نے انھیں بذریعہ وحی اس جگہ کی نشان دہی کی حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے اسکو کچھ اونچا کیا۔ اور وہ اور ان کی اولاد اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کا طواف کیا کرتے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ کعبۃ اللہ دس مرتبہ تعمیر کیا گیا۔ کسی عربی شاعر نے اس کو ثلاثی میں نظم کیا ہے:۔

بنیٰ بیتَ ربِ العرش عشرٌ فَخُذْ هُمُ
مَلائِکَۃُ اللہ الکرامِ و آدَمُ
فشیثٌ فابراهیمُ ثُمَّ عمالِقٌ
قُصَیٌّ وقُرَیشٌ قَبْلَ هٰذین جُرْهُمُ

وعبد اللہ بن الزبیر بنیٰ کذا
بناہ حجاج وھذا مستمر

اللہ کا یہ گھر دس مرتبہ از سر نو تعمیر کیا گیا۔

(۱) فرشتوں نے (۲) حضرت آدم علیہ السلام نے (۳) حضرت شیث علیہ السلام نے (۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (۵) قوم عمالقہ نے (۶) قبیلہ جُرہُم نے (۷) قصیّ نے (۸) قریش نے (۹) عبداللہ بن زبیرؓ نے (۱۰) حجاج بن یوسف نے۔

لیکن قرآن حکیم نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کعبۃ اللہ کا بانی اوّل کہا ہے۔ وہ اور اُن کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اسکے معمار اوّل شمار کئے گئے ہیں۔ اگرچہ کعبۃ اللہ کا وجود دنیا کے روزِ اوّل ہی سے تسلیم کیا گیا ہے لیکن اس کی باقاعدہ تعمیر و عمارت سازی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل وجود میں نہ آئی تھی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں ایک روایت نقل کی ہے کہ بیت اللہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں رکھی گئی اور ملائکۃ اللہ نے اُن کو وہ مقام بتایا جہاں کعبہ کی تعمیر ہوئی تھی مگر ہزاروں سال کے حوادث نے عرصے سے اُسکو بے علامت کر دیا تھا لیکن ہر دور میں وہ ایک ٹیلہ یا اُبھری ہوئی زمین کی شکل میں موجود تھا۔ یہی وہ مقام ہے جسکو وحی الٰہی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بتایا، اُنھوں نے حضرت اسمٰعیل کی مدد سے وہاں کھودنا شروع کیا تو سابق تعمیر کی بنیادیں منظر آنے لگیں۔ انہی بنیادوں پر بیت اللہ کی پہلی باقاعدہ تعمیر کی گئی۔

کہا جاتا ہے کہ جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبۃ اللہ کی دیوار اُٹھا رہے تھے وہ غیر محسوس طور پر بلند ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ کعبۃ اللہ کی دیواریں اپنی بلندی تک آگئیں۔ یہ ہی پتھر آج "مقام ابراہیم" کے نام سے معروف ہے جسکے پیچھے طواف کی دو رکعت ادا کی جاتی ہیں۔

جب تعمیر اس حد پر پہنچی جہاں آج حجر اسود نصب ہے تو جبرئیل امین نے اُن کی رہنمائی کی اور حجر اسود جو قریب کی پہاڑی میں منجانب اللہ محفوظ تھا

نکال کر دیا۔ یہ جنت سے نازل شدہ پتھر تھا تاکہ وہ کعبۃ اللہ میں نصب کر دیا جائے۔

کعبۃ اللہ کی موجودہ تعمیر کے بارے میں یہ تفصیل بھی تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف ۲۵ یا ۳۵ سال کی تھی اُس وقت کسی بڑے سیلاب کی وجہ سے عمارت کعبہ منہدم ہوگئی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قریش اُسکے متولّی اور نگران کار تھے۔ سیلاب کے اختتام پر قریش کے سرداروں نے اس کی ازسرنو تعمیر کرنی چاہی اور اسکے لئے انھوں نے یہ طے کیا کہ اس تعمیر میں حلال و پاک روپیہ استعمال کیا جائے۔

اس طرح تعمیر شروع کی گئی لیکن سرمایہ کم ثابت ہوا اور حلال روپیہ فراہم نہ ہو سکا۔ مشورہ کے بعد اُنھوں نے طے کیا کہ جسقدر بھی تعمیر ممکن ہو سکے کر دی جائے چنانچہ اساس ابراہیمی کا کچھ حصہ (جسکا نام حطیم کعبہ ہے) تعمیر سے رہ گیا تعمیر کی اساس میں دوسرا تغیّر یہ کیا کہ خانہ کعبہ کے دو دروازوں میں سے ایک مغربی دروازہ بند کر دیا مشرقی دروازہ باقی رکھا۔

تیسرا تغیّر یہ کیا کہ خانہ کعبہ کی چوکھٹ کو اپنی اصلی حالت سے تبدیل کر کے بہت اُونچا کر دیا۔

قواعد ابراہیمی میں یہ تبدیلی اپنے اپنے مفادات کے تحت کی گئی تھی اسطرح وہ جسکو چاہتے تھے خانہ کعبہ کے اندر جانے سے روک دیتے تھے۔

۸ھ میں مکّہ فتح ہوا اسلامی دور کا مکّہ معظمہ میں آغاز ہوا۔ خانہ کعبہ کو آثار شرک سے پاک کیا گیا اور اسمیں داخلہ کو عام کر دیا گیا۔ لیکن آخر وقت یعنی چراغِ نبوّت گُل ہونے تک تعمیری شکل وہی باقی رہی جسکو قریش نے قائم کی تھی۔

خلافت راشدہ میں جبکہ اسلام مکّہ مکرمہ و مدینہ منورہ سے نکل کر عرب و عجم میں پھیل گیا تھا اُسوقت بھی اس جانب توجہ نہ دی گئی۔ ان ادوار میں خانہ کعبہ کے یہ تینوں تغیرات بدستور باقی رہے۔ ۶۰ھ ملکِ شام میں حضرت معاویہ رضؓ کی حکومت تھی۔

حضرت معاویہ بن سفیان نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو اپنا جانشین و خلیفہ نامزد کیا۔ چنانچہ وفات کے بعد یزید بن معاویہؓ کی بیعت

لوگوں نے قبول کر لی لیکن اسکی بیعت سے بہت سے لوگوں کو اختلاف بھی تھا۔
بعض اسلامی ریاستوں میں اسکی مخالفت بھی ہوئی لیکن اسکو قوت سے دبا دیا گیا خاص طور پر مدینہ منورہ میں اس بیعت کا استقبال نہ کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں جو دار الاسلام و دار الایمان کی حیثیت رکھتا تھا اسمیں بھی اس بیعت کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی اور لوگ کسی صحیح خلیفہ کی تلاش میں تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اس وقت قریش کے سب سے پر اعتماد اور صاحب علم تقویٰ بزرگ کی حیثیت سے معروف تھے مکہ مکرمہ میں لوگوں نے اصرار کر کے انکے ہاتھ بیعت کر لی اور انھیں اپنا خلیفہ نامزد کر لیا۔
اس بیعت کی اطلاع جب یزید بن معاویہؓ کو ہوئی تو وہ غضبناک ہوا اور ابتدائً مصالحت و بات چیت کے لئے اپنے قاصد کو مکہ مکرمہ روانہ کیا، لیکن یہ بات چیت ناکام رہی، آخر کار یزید بن معاویہؓ نے اپنی فوج کے ایک سردار مُسلم بن عُقبہ کو حضرت ابن زبیرؓ کی گرفتاری کے لئے ایک بڑی فوج دے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا لیکن درمیان راہ مُسلم کی وفات ہو گئی۔ وفات سے قبل اُس نے اپنی فوج کے ایک اور سردار حُصین بن نُمیر کندی کو اس مہم کے لئے نامزد کر دیا اس نے مکہ مکرمہ پہنچکر سخت حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے چند دن اس کا مقابلہ کیا پھر بعد مشورہ حرم شریف میں اپنے اصحاب کے ساتھ پناہ لی۔ حُصین نے حضرت ابن زبیرؓ اور اُن کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا اور اپنا دباؤ سخت تر کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ حُصین اور اُس کے ساتھیوں نے پہاڑ کے اوپر سے منجنیق (گوپی) چلائے جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا۔
اسی طوفان بدتمیزی میں حصین کو ملک شام سے خبر ملی کہ یزید بن معاویہؓ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اس خبر سے فائدہ اُٹھا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قریش کے چند با اثر افراد کو حصین کی طرف بھیجا تا کہ گفتگو کریں ان میں مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمروؓ بھی شریک تھے اُنھوں نے حُصین کو ملک شام واپس ہو جانے پر راضی کر لیا اس طرح یہ نامرضی قضیہ اختتام کو پہنچا۔
اسکے بعد حضرت ابن زبیرؓ نے قریش کے با اثر افراد کو جمع کیا اور اُنھیں اپنی خالہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ کی وہ روایت بیان کی جسکو وہ اکثر سنا کرتے تھے۔
"سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی تھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ خواہش تھی کہ خانہ کعبہ کو ابراہیمی بنیاد پر پورا کر دیا جائے، قریش نے خرچ کی کمی کے باعث حطیم کو خانہ کعبہ سے خارج کر دیا تھا لیکن اسکو گرا کر از سر نو تعمیر کرنے میں بعض نو مسلموں کے قلوب میں شک و شبہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا اس لئے آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (بخاری و مسلم)

اب جبکہ مکہ مکرمہ میں خلافت مکمل ہو گئی ہے تو پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کو پوری کر دینا چاہیئے اور اللہ کے گھر کا حق بھی یہی ہے کہ اسکو اپنی قدیم بنیادوں پر قائم کر دیا جانا چاہیئے۔ اس رائے کی اگرچہ اکثر صحابہ نے تائید کی لیکن بعض نے خاص طور پر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے مخالفت کی کہ اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو ہر آنے والا خلیفہ اپنے پیشرو کی مخالفت میں خانہ کعبہ کو قصیل کا میدان بنالے گا۔

آخر کار یہ طے ہوا کہ خانہ کعبہ کو بنا ابراہیمی پر قائم کر دیا جائے۔ چنانچہ اسکو گرا کر قواعد ابراہیمی پر از سر نو قائم کر دیا گیا۔ یہ خانہ کعبہ کی نویں تعمیر تھی جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے ہاتھوں پوری ہوئی۔

اس طرح خانہ کعبہ کے وہ تینوں تغیرات ختم کر دیئے گئے اور خانہ کعبہ اپنی اصلی حالت پر لوٹ آیا۔ پھر ملک شام میں یزید بن معاویہؓ کی وفات کے بعد لوگوں نے اسکے بیٹے معاویہ بن یزید کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن اس خدا ترس بیٹے نے تین دن کے بعد یہ کہہ کر خلافت سے دستبرداری کر لی کہ میں ایسی خلافت پر رہنا نہیں چاہتا جسکی بنیاد ظلم اور فساد پر رہی ہے۔

اسکے بعد لوگوں نے عبد الملک بن مروان کو اپنا خلیفہ بنا لیا۔ عبد الملک بن مروان نے مدینہ منورہ کی گورنری کے لئے حجاج بن یوسف کو نامزد کیا اور حکم دیا کہ یزید بن معاویہ کی ناکام مہم کو پورا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو جائے۔ حجاج نے مکہ مکرمہ پہنچکر حملہ کیا اور شدید معرکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور اُن کے بہت سارے ساتھی اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ واقعہ ۷۳ھ کا ہے۔

اسکے بعد حجاج نے اپنے امیر عبد الملک بن مروان کو لکھا کہ ابن زبیرؓ نے ہمارے آباء و اجداد قریش کی بنا کردہ تعمیر کعبہ کو منہدم کر کے خانہ کعبہ کی تعمیر جدید

کی ہے اس بارے میں امیر المومنین کی کیا رائے ہے؟

عبد الملک بن مروان نے حکم دیا کہ خانہ کعبہ کو اپنے آباء و اجداد کی بنا کردہ بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کر دیا جائے۔ چنانچہ حجاج بن یوسف نے خانہ کعبہ کو منہدم کر کے بنائے قریش پر از سر نو تعمیر کر دیا اور اس تعمیر میں وہ تینوں امور شامل کر دیئے گئے۔

(۱) حطیم کو خانہ کعبہ سے جدا کر دیا گیا

(۲) خانہ کعبہ کے دونوں دروازوں میں سے ایک مغربی دروازہ بند کر دیا گیا۔

(۳) کعبہ کی چوکھٹ کو سابقہ کی طرح بلند کر دیا گیا۔

یہ خانہ کعبہ کی دسویں تعمیر جدید تھی جو مشہور زمانہ گورنر حجاج بن یوسف کے ہاتھوں عمل میں آئی اور آج سنہ ۱۴۰۸ھ مطابق سنہ ۱۹۸۸ء میں انہی بنیادوں پر قائم ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس تعمیر کے بعد عبد الملک بن مروان عمرہ ادا کرنیکی غرض سے مکہ مکرمہ آیا۔ بیت اللہ کے طواف کے بعد یہ کلمات کہے:-

قَاتَلَ اللّٰهُ ابنَ الزُّبیرِ حیثُ یَکذِبُ عَلٰی اُمِّ المُؤمِنِینَ عَائِشَۃَ رضہ۔

"اللہ ابن الزبیر کا برا کرے اس نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رض پر جھوٹی بات منسوب کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر کعبہ کے سلسلے میں اپنی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔"

لیکن حارث بن ابی ربیعہ رح نے جو موقعہ پر موجود تھے فوری اسکی تردید کر دی اور فرمایا کہ میں نے خود بھی حضرت عائشہ رض سے یہ حدیث سنی ہے۔

اسپر عبد الملک بن مروان نے افسوس کا اظہار کیا اور کہنے لگا اگر یہ بات مجھے پہلے معلوم ہو جاتی تو میں اس تغیر کی جرأت نہ کرتا۔

چنانچہ جب یہ واپس ملک شام پہنچا تو وہاں کے علماء سے مزید مشورہ لیا کہ کیا میں پھر کعبہ کو اسکی اصلی حالت پر تعمیر کر دوں؟

لیکن کسی نے بھی اسکو اس بات کی اجازت نہیں دی۔ وہ ہمیشہ اس پر افسوس ہی کرتا رہا۔

"اسکے بعد ہارون رشید المتوفی سنہ [illegible] یا مہدی بن المنصور نے

اپنے دورِ حکومت میں امام مالک بن انسؒ سے فتویٰ لینا چاہا کہ خانہ کعبہ کو بنائے قریش سے تبدیل کر کے قواعدِ ابراہیمی پر پورا کر دیا جائے؟ اسپر امام مالکؒ نے سختی سے منع کر دیا اور اس عمل کو خانہ کعبہ کی توہین اور تحقیر قرار دیا۔ اسکے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

(قصص الانبیاء۔ ابن کثیرؒ)

اور آج خانہ کعبہ بنائے قریش ہی پر قائم ہے۔ مغربی دروازہ بند ہے۔ حطیم خانہ کعبہ سے باہر ہے۔ اور کعبہ کا دروازہ بلند چوکھٹ پر قائم ہے۔

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَۃِ۔

تذکرہ
سیّدنا اسحٰق علیہ السّلام

ولادت باسعادت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف جب ۱۰۰ سَو برس کی ہوئی تو اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کے ذریعہ انھیں بشارت پہنچائی کہ حضرت سارہؓ کے بطن سے بھی تمہیں ایک اور لڑکا ہوگا اس کا نام اسحٰق رکھنا۔ اسوقت حضرت سارہؓ کی عمر شریف نوّے سال تھی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے عمر میں تیرہ ۱۳ سال چھوٹے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق کی بشارت بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح ملی۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی بشارت ملی تھی تو غُلَامٌ حَلِیْمٌ (ایک بُردبار لڑکا) کے الفاظ سے ملی تھی۔ اور حضرت اسحٰقؑ کی بشارت غُلَامٌ عَلِیْمٌ (علم والا لڑکا) کے الفاظ سے ملی جسکی تفصیل یہ ہے:-

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا تاریخی زمانہ ایک ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے ہیں جو شہر سدُوم کی طرف مبعوث کیئے گئے تھے۔ قوم لوط کی سرکشی و بغاوت جب اُس حد کو پہنچ گئی جو علم اللہ میں کسی قوم کے تباہ و برباد کرنے کی آخری حد ہوتی ہے تو اللہ تعالےٰ نے اُس شہر کو اوندھا کر دینے کے لئے چند فرشتے بھیجے اور ساتھ ساتھ حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سنانے کا حکم دیا۔ فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر آئے۔ چونکہ ابتداءً اُنھوں نے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اسلئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خیال کیا کہ یہ کوئی اجنبی مہمان ہیں سلام کا جواب دے کر فوراً اُن کی ضیافت کے انتظام میں مشغول ہو گئے، اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ ایک بھُنا ہوا بچھڑا اُن کی ضیافت کے لئے لے آئے، لیکن مہمانوں نے دسترخوان پر اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور کھانے میں تامّل کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان پر شُبہ ہونے لگا اور یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ کسی بُرے ارادے سے تو نہیں آئے؟ اس سے دل میں کچھ خوف سا بھی پیدا ہوا۔

اُس زمانے کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی کی ضیافت قبول کرنے سے انکار کرتا تو یہ سمجھا جاتا کہ وہ مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا ہے بلکہ قتل و غارت کی نیت سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کھاتے کیوں نہیں؟

مہمانوں نے اس استقبال کا یوں جواب دیا:۔

"ڈرو نہیں ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں (اسلئے کھانے پینے کی ہمیں ضرورت نہیں پڑتی) ہم تو قوم لوطؑ پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں۔"

اسپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ خوف دُور ہوا جو دل میں پیدا ہوا تھا، اسکے بعد فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک لڑکے کی بشارت دی جو ذی علم ہوگا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح نبی ہوگا۔ کیونکہ انسانوں میں سب سے زیادہ علم انبیاء کرام ہی کو ہوتا ہے۔ اس لڑکے سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کیا تم مجھ کو اس حالت میں لڑکے کی بشارت دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آگیا ہے؟ ایسی حالت میں مجھکو کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟ فرشتے بولے ہم آپ کو امرِ واقعی کی بشارت دیتے ہیں عنقریب تمہاری بیوی سارہؓ کو لڑکا

ہوگا آپ نا اُمید نہ ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون نا اُمید ہو سکتا ہے؟ سوائے گمراہ لوگوں کے۔

جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو سیّدہ سارہؓ قریب ہی کھڑی سُن رہی تھیں اولاد کی خبر سنکر حیرت سے بولتی پکارتی آئیں۔ اِنکے اس تعجب کو دور کرنے کے لئے فرشتوں نے اِنھیں بھی یہی خوشخبری سُنائی کہ تمہارے ہاں اسحٰقؑ نامی جلیل القدر بیٹا ہوگا بلکہ مزید یہ بھی خوشخبری دی کہ اس بیٹے کے بعد پوتا بھی یعقوبؑ نامی عالیشان پیغمبر ہوگا۔

اس دُہری بشارت پر سیّدہ سارہؓ نے فرطِ حیرت اور تعجب میں اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں ہائے میری کم بختی کیا اب میرے ہاں اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا اور بانجھ بھی ہوں اور یہ میرے میاں بھی تو بوڑھے ہو چکے ہیں؟

فرشتوں نے کہا تعجب نہ کرو اللہ کا یہی منشا ہے اور اللہ کا فضل و کرم تو تم اہل خاندان پر ہمیشہ ہی رہا ہے۔

فرشتوں نے سیّدہ سارہؓ کو یہ خوشخبری اس لئے بھی سنائی کہ اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری بیوی سیّدہ ہاجرہؓ سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہو چکے تھے مگر سیّدہ سارہؓ اس وقت تک بے اولاد تھیں اور اس وجہ سے وہ ہمیشہ ملولِ خاطر رہا کرتی تھیں۔"

فرشتوں کی آمد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ضیافت، سیّدہ سارہؓ کا تعجب، اور فرشتوں کی بشارت کا ذکر ذیل کی آیات میں اس طرح موجود ہے:۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ۔ الخ

(ہود آیات ۶۹ تا ۷۳)

قرآنی مضمون "اور بلاشبہ ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس بشارت

لے کر آئے اُنھوں نے ابراہیمؑ کو سلام کیا اور ابراہیمؑ نے سلام کا جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیمؑ بچھڑے کا بُھنا گوشت لائے، اور جب اُنھوں نے دیکھا کہ مہمانوں کے ہاتھ اُس طرف نہیں بڑھتے تو ابراہیمؑ نے اُن کو اجنبی محسوس کیا اور اُن سے خوف کھایا۔ مہمان کہنے لگے خوف نہ کرو ہم لوطؑ کی قوم پر عذاب کیلئے بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم (علیہ السّلام) کی بیوی (سارہؓ) جو قریب ہیں کہیں کھڑی تھیں ہنس پڑیں۔ پس ہم نے اسکو اسحٰقؑ کی اور اسکے بعد اسکے بیٹے یعقوبؑ کی بشارت دی۔

سارہؓ کہنے لگیں ہائے میری کم بختی کیا میرے اولاد ہوگی جبکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر ہیں بالکل بوڑھے، واقعی یہ بھی عجیب بات ہے۔

فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو؟ اس خاندان کے لوگوں پر تو اللہ (تعالےٰ) کی رحمت اور اسکی برکتیں ہیں بیشک وہ تعریف کے لائق بڑی شان والا ہے۔"

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ الخ

(الذاریات آیات ۲۴ تا ۳۰)

کیا ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں (فرشتوں) کی حکایت آپ تک پہنچی ہے؟

جب کہ وہ اُن کے پاس آئے پھر اُن کو سلام کیا، ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی کہا سلام (اور کہنے لگے کہ) تم انجان لوگ معلوم ہوتے ہو؟

پھر ابراہیمؑ اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک فربہ بچھڑا بُھنا ہوا لائے اور اُس کو اُن کے پاس لاکر رکھا کہنے لگے آپ لوگ کھاتے کیوں نہیں؟ (جب پھر بھی نہ کھایا) تو اُن سے دل میں خوف پیدا ہوا۔ اُنھوں نے کہا تم ڈرو نہیں (ہم انسان نہیں بلکہ فرشتے ہیں) اور یہ (کہکر)

ان کو ایک فرزند کی بشارت دی جو بڑا عالم (یعنی نبی) ہوگا۔ اتنے میں ان کی بیوی (حضرت سارہؓ جو کہیں کھڑی سُن رہی تھیں اولاد کی خبر سنکر) بولتی پکارتی آئیں پھر (جب فرشتوں نے اُن کو بھی یہ ہی خبر سنائی تو تعجب سے) ماتھے پر ہاتھ مارا اور کہنے لگیں کہ (اوّل تو) بُڑھیا (پھر) بانجھ بھی ہوں۔

فرشتے کہنے لگے تمہارے پروردگار نے ایسے ہی فرمایا ہے اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑا حکمت والا بڑا جاننے والا ہے (یعنی اگرچہ یہ بات تعجب کی ہے مگر تم تو خاندانِ نبوت میں رہتی ہو تم کو تعجب نہ ہونا چاہیئے)۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ۔ الخ

(الحجر آیات ۵۱ تا ۵۶)

اور آپ ان لوگوں کو ابراہیم کے مہمانوں (کے قصہ) کی بھی اطلاع دیجیئے۔ جب کہ وہ مہمان (جو کہ واقع میں فرشتے تھے) اُن کے پاس آئے پھر (آکر) انھوں نے السلام علیکم کہا۔ ابراہیم نے کہا ہم تو تم سے خائف ہیں۔

انھوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں کیونکہ ہم (فرشتے ہیں) آپکو ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جو بڑا عالم ہوگا۔

ابراہیمؑ کہنے لگے کیا تم مجھ کو اس حالت پر (فرزند کی) بشارت دیتے ہو کہ مجھ پر بڑھاپا آگیا ہے سُو (ایسی حالت میں مجھکو) کس چیز کی بشارت دیتے ہو؟

وہ بولے کہ ہم آپ کو ایک یقینی بات کی بشارت دیتے ہیں (یعنی آپکے ہاں ایک لڑکا ہونے والا ہے)

سُو آپ نا امید نہ ہوں (مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں)

ابراہیم نے کہا کہ بھلا اپنے رب کی رحمت سے کون نا امید ہوتا ہے بجز گمراہ لوگوں کے۔"

نتائج و عبر

(۱) **سُنّتِ ابراہیمی** حضرت اسحٰق علیہ السلام جب آٹھ یوم کے ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کا ختنہ کروایا۔

اسحٰق کا اصلی تلفظ یصحق ہے۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جسکا عربی ترجمہ یَضْحَکُ ہے جسکے معنی (ہنستا ہے)

اللہ تعالٰے کے فرشتوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سَو برس کی عمر اور سیدہ سارہؓ کو نوّے سال کی عمر میں جب بیٹا ہونے کی بشارت دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب و اچنبھا ہوا تھا اور سیدہ سارہؓ ہنس پڑی تھیں اسلئے بیٹے کا نام اسحٰق تجویز ہوا۔ یا اس لئے یہ نام رکھا گیا کہ ان کی پیدائش سیدہ سارہؓ کی مسرت و شادمانی کا باعث بنی۔ واللہ اعلم۔

(۲) **سیّدنا اسحٰقؑ کا نکاح** قرآن حکیم میں اس تعلق سے کوئی ذکر نہیں اور نہ احادیث میں ایسا کوئی قصہ ملتا ہے جیسا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے۔ البتہ توراۃ میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کے نکاح کا ایک طویل قصہ مذکور ہے جسکا خلاصہ درج کیا جاتا ہے:۔

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے منھ بولے بیٹے الیعزر دمشقی سے فرمایا کہ میں نے طے کیا ہے کہ اسحٰق کی شادی اپنے خاندان اور باپ دادا کی نسل میں کروں؟ اس لئے تو ساز و سامان لیکر جا اور شہر فدّان آرام میں میرے بھتیجے بتوئیل بن ناحور کو یہ پیغام دے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اسحٰق سے کردے۔ اگر وہ راضی ہوجائے تو اُس سے یہ بھی کہدینا کہ میں اسحٰقؑ کو اپنے پاس سے جُدا کرنا نہیں چاہتا۔ لہذا اپنی لڑکی کو میرے ساتھ رخصت کردے۔ الیعزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حکم کے مطابق فدّان آرام روانہ ہوگیا۔ جب آبادی کے قریب پہنچا تو اپنے اونٹ کو بٹھایا تاکہ حالات

معلوم کرے، الیعزر نے جس جگہ اپنا اونٹ بٹھایا تھا اُسی کے قریب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بتوئیل کا خاندان آباد تھا۔ ابھی یہ اسی میں مشغول تھا کہ سامنے ایک حسین لڑکی نظر آئی جو پانی کا گھڑا لئے اپنے مکان جارہی تھی، الیعزر نے اُس سے پانی مانگا۔ لڑکی نے پانی دیا اور اُسکے اونٹ کو بھی پلایا اسکے بعد اُس لڑکی نے مسافر کا حال پوچھا الیعزر نے بتوئیل کا پتہ دریافت کیا، لڑکی نے کہا وہ میرے باپ ہیں، اسکے بعد الیعزر کو مہمان بناکر اپنے گھر لے آئی، مکان پہنچکر اپنے بھائی لابان کو اطلاع دی لابان نے الیعزر کی بیحد خاطر و مدارات کی اور آمد کی غرض پوچھی۔ الیعزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیغام پہنچایا۔ لابان کو اس سے بیحد مسرت ہوئی اور اس نے بہت سارا ساز و سامان دے کر اپنی بہن جسکا نام رُفقہ کہا جاتا ہے الیعزر کے ہمراہ رخصت کر دیا۔ اگرچہ یہ روایت تورات سے منقول ہے لیکن اپنے مضامین کے لحاظ سے ناقابل اعتبار سمجھی گئی ہے۔ واللہ اعلم

(۳) حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی اولاد

سیدہ رُفقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے توأم دو لڑکے علی الترتیب عیصو اور یعقوب پیدا ہوئے، اسوقت حضرت اسحٰق علیہ السّلام کی عمر شریف ساٹھ سال تھی اور بعض نے چالیس سال لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

تذکرہ
سیدنا لوط علیہ السلام

تعارف
حضرت لوط علیہ السلام سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے ہیں، دونوں کا اصلی وطن عراق کے شہر بصرہ کے قریب "ارض بابُل" کے نام سے معروف تھا۔ شہر بابُل کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں موجود ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ بُت پرستی و بت سازی میں مشہور تھا اور ساری قوم بُت پرست تھی۔ اس قوم کی ہدایت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مسلسل جدوجہد، دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں قوم نے، ماں باپ نے، بادشاہِ وقت نے انکو شہر بدر کر دیا تھا۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی حضرت سارہؓ اور بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ وطن عراق سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی۔ نہر اردن پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالٰی کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام علاقہ کنعان میں جاکر مقیم ہوگئے جو بیت المقدس کے قریب ہے اور حضرت لوط علیہ السلام اُردن اور بیت المقدس کے درمیان شہر سَدوم کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مامور کئے گئے۔

سَدوم کا علاقہ پانچ بڑے شہروں پر مشتمل تھا جن کے یہ نام بیان کئے جاتے ہیں:۔

اہل سدوم
سَدوم[1]، عمورہ[2]، ادمہ[3]، صبوبیم[4]، بالع (دیا)[5] صوغر۔

اِن شہروں کے مجموعہ کو قرآن حکیم نے مُؤتَفِکَہ، مُؤتَفِکَات (تلپٹ شدہ بستیاں) کے الفاظ سے کئی ایک جگہ بیان کیا ہے۔

سَدُوم اِن شہروں کا دار السلطنت اور مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام

نے یہیں قیام فرمایا تھا۔ زمین نہایت سرسبز و شاداب تھی۔ ہر طرح کے غلّے اور پھلوں کی کثرت تھی۔

اِن شہروں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے تھے، دولت و ثروت کے نشہ میں مبتلا ہو کر یہ لوگ عیش و عشرت ہوا و ہوس کے اُس کنارے تک پہنچ گئے تھے جہاں انسان غیرت و حیا، اور اچھے و بُرے کی فطری تمیز بھی کھو بیٹھتا ہے ایسے خلافِ فطرت فواحش میں مبتلا ہو گئے جو حرام و گناہ ہونے کے علاوہ فطرتِ سلیمہ کے لئے باعثِ نفرت ہیں۔ اور ایسے گھناؤنے کام کرنے لگے جو جانوروں میں بھی غالباً رائج نہیں ہیں۔

یہ لوگ خباثت میں ڈوب گئے تھے، بات صرف اس حد تک ہی نہیں رہی بلکہ وہ فطرت اور پاکیزگی کی راہ سے ہٹکر ایک گندی خلافِ فطرت راہ پر چل پڑے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ اِن کی ساری رغبت اور تمام دلچسپی اب اسی گندی راہ ہی میں تھی۔ یہ اخلاق کے زوال اور نفس کے بگاڑ کا انتہائی مرتبہ ہے جس سے فروتر کسی مرتبہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قوم اپنے عیوب و فواحش کے علاوہ ایک خبیث عمل کی موجد تھی، یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے وہ عورتوں کے بجائے نوعمر لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے۔ دنیا کی قوموں میں اِس عمل کا اُس وقت تک قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہی بدبخت قوم تھی جس نے اس ناپاک عمل کو ایجاد کیا ہے۔ وہ اپنی اس بدکرداری کو کوئی عیب ہی نہیں سمجھتے تھے علی الاعلان فخر کے ساتھ اس کو کرتے تھے۔

ملک اُردن جہاں آج بحرِ میّت یا بحرِ لوط واقع ہے یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورہ کی بستیاں آباد تھیں اسکے قریب بسنے والوں میں آج بھی یہ اعتقاد ہے کہ پہلے وہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اُس پر شہر آباد تھے۔ یہ مقام شروع سے سمندر نہ تھا بلکہ قوم لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے جسکے نتیجے میں یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر کے نیچے چلی گئی اور پانی اُبھر آیا۔ اسی لئے اس کا نام بحرِ میّت (بحرِ مُردار) اور بحرِ لُوط ہے۔

تین قومی جرائم

اہل سدوم کے معاشرے میں بیشمار جرائم کی فہرست ملتی ہے لیکن اس معاشرے کے تین جرائم ایسے ہیں جنکو تاریخی حیثیت کے اعتبار سے اُم الخبائث کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اوّل مرد کی مرد کے ساتھ بدفعلی۔ دُوم مسافروں کو لوٹ لینا۔ سُوم اپنے مجالسِ عام میں اعلاناً سب کے سامنے گناہ کرنا۔

قرآن حکیم نے اِنکے پہلے دُو گناہ کی تصریح کی ہے لیکن تیسرے جرم کی تعیین نہیں کی کہ وہ کس قسم کا تھا؟ اجمالاً یہ وضاحت کی ہے کہ وہ اپنی مجالسِ عام میں علی الاعلان گناہ کرتے تھے۔

ان تین گناہوں میں سب سے بدترین گناہ پہلا عمل ہے جو اِن سے پہلے دُنیا میں کسی نے نہیں کیا تھا اور جنگل کے جانور بھی اس سے پرہیز کرتے ہیں مصنف روح المعانی نے لکھاہے کہ یہ گناہ باتفاق امت زنا سے زیادہ شدید ہے۔

اسکے علاوہ اِن کی بداعمالیوں میں ایک عمل یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کا مال ایک نئے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے چنانچہ اِن کا یہ طریقہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر شہر سدوم میں آکر مقیم ہوجاتا تو اس کے مال کے دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اُٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر حیران و پریشان ہوکر رہ جاتا، اب اگر وہ اپنے مال کا شکوہ کرتا اور رونے دھونے لگتا تو اِن لُٹیروں میں سے ایک آتا اور لُوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھلا کر کہنے لگتا کہ بھائی میں تو صرف اتنا لے گیا تھا تو تمہاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ تاجر رنجیدہ آواز میں کہتا کہ میں اسکو لے کر کیا کروں گا؟ جہاں میرا سارا سامان لُٹ گیا وہاں یہ بھی سہی۔ جا تو ہی اپنے پاس رکھ لے۔ جب یہ معاملہ ختم ہوجاتا تو دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج وغم میں اس سے بھی پہلی بات کہہ کر لوٹا دیتا اسی طرح سب لوگ اُس کا مال ہضم کرجاتے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہؓ نے ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی خیروعافیت معلوم کرنے کے لئے

اپنے خانہ زاد الیعزر دمشقی کو سدوم بھیجا۔ جب یہ اُس بستی کے قریب پہنچا اسکو اجنبی سمجھکر ایک سدومی نے اسکے سر پر ایک پتھر ماردیا۔ الیعزر کے سر سے خون جاری ہوگیا، پھر آگے بڑھکر وہ سدومی کہنے لگا کہ میرے پتھر کی وجہ سے تیرا سر سُرخ ہوگیا ہے لہذا مجھے اس رنگریزی کا معاوضہ ادا کر؟ اور اس مطالبے پر اسکو کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا۔ حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سنکر کہا کہ بیشک الیعزر کو سدومی کے پتھر مارنے کی اُجرت دینی چاہیئے۔

الیعزر یہ فیصلہ سنکر غصہ میں آگیا اور ایک پتھر اٹھاکر حاکم کے سر پر دے مارا اور حاکم کا سر سُرخ کردیا اور پھر کہنے لگا کہ میرے پتھر مارنے کی جو اُجرت ہے وہ تو اِس سدومی کو دیدے اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ آیا۔

یہ واقعات اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح ہوں یا غلط لیکن اِن سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ اہل سدوم کس قدر فحش، ظلم، بے حیائی، بداخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اُس زمانے میں قوموں نے اُن کی جانب اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کئے ہیں۔

دعوت و تبلیغ

ان حالات میں حضرت لوط علیہ السّلام نے ان کو اِن کی بیحیائیوں اور خباثتوں پر ملامت کی اور شرافت وطہارت کی زندگی پر رغبت دلائی اور ممکن طریقوں سے اُن کو اللہ تعالےٰ کا پیام سنایا اور گزشتہ اقوام کی بداعمالیوں کے نتائج وعواقب بتاکر عبرت دلائی مگر اِن بے نصیبوں نے اس کا کچھ بھی اثر قبول نہیں کیا بلکہ حضرت لوط علیہ السّلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر تمہارا یہی حال رہا تو تمہیں شہر بدر کردیا جائے گا۔ تم بڑے پاکباز بننے کی کوشش کرتے ہو۔ پھر اپنے سرداروں کو آواز دیتے کہ لوط اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو۔ یہ لوگ پاکباز ہیں اور پاکی وطہارت کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہمارے یہ کام اگر حرام وناجائز ہیں تو پھر تم کو ہمارے شہر میں رہنے کی کوئی گنجائش نہیں کوئی اور شہر دیکھ لو اور ہمیں اپنا یہ کام آزادانہ کرنے چھوڑدو۔ یہ لوگ نہ صرف بے حیا و بدکردار اور بداخلاق تھے بلکہ اخلاقی پستی میں اس حد تک گر گئے تھے کہ انھیں اپنے درمیان چند ایک

نیک انسانوں اور نیکی کی طرف بلانے والوں اور بدی پر ٹوکنے والوں کا وجود تک گوارہ نہ تھا، وہ فحش کاری میں یہاں تک آگے بڑھ گئے تھے کہ اصلاح وخیر خواہی کی آواز کو بھی برداشت نہ کرسکتے تھے اور پاکی وطہارت کے اس تھوڑے سے مقدس عنصر کو بھی نکال باہر کرنا چاہتے تھے جو ان کی گندی فضا میں باقی رہ گیا تھا۔

ایسے تباہ کن حالات میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے انکو دی گئی مہلت اپنے آخری حد تک آگئی اور علم اللہ میں وہ ڈھیل جو مجرم قوموں کو دی جاتی ہے پوری پوری ہوچکی تو اب اُنکے استیصال کا فیصلہ صادر ہوا۔ کیونکہ جس قوم کی اجتماعی زندگی میں پاکیزگی کا ذرا سا بھی عنصر باقی نہ رہ سکے پھر اُسکے زمین پر زندہ رہنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ سڑے ہوئے پھلوں کے ٹوکرے میں جب تک چند ایک اچھے پھل موجود ہوں اُس وقت تک تو ٹوکرے کو رکھا جاسکتا ہے مگر جب اچھے پھل بھی اس میں سے نکل جائیں تو پھر اس ٹوکرے کا کوئی مصرف اِسکے سوا نہیں رہتا کہ اس کو کسی کچرے کی جگہ پر اُلٹ دیا جائے۔

ملائکۃُ اللہ کی آمد

اہل سدوم اپنی خرمستیوں میں منہمک تھے ادھر دوسری جانب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جو شہر سدوم سے بارہ پندرہ میل پر مقیم تھے یہ واقعہ پیش آیا:۔

حضرتِ ابراہیم علیہ السلام شکار کے لئے جنگل کی سیر کر رہے تھے کہ دیکھا کہ تین آدمی کھڑے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت متواضع ومہمان نواز تھے اور ہمیشہ اُن کا دسترخوان مہمانوں کے لئے وسیع تھا۔ اس لئے ان تینوں کو دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور ان کو اپنے گھر لے گئے اور ایک فربہ بچھڑا تل بھون کر مہمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ مگر مہمان کھانے کی طرف کچھ مائل نہ ہوئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سمجھا کہ شاید یہ دشمن لوگ ہیں جو عام رواج کے خلاف کھانے سے انکار کر رہے ہیں۔ پھر ان کو کچھ خوف ہونے لگا کہ آخر یہ کون لوگ ہیں اور کس لئے آئے ہیں؟

مہمانوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو اُن سے ہنس کر کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم اللہ تعالےٰ کے فرشتے ہیں اور قوم لوط کی تباہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اور یہاں سے شہر سدوم جائیں گے۔

اور آپ کو ایک فرزند کی بشارت بھی دینے آئے ہیں جو عنقریب آپ کے ہاں پیدا ہوگا۔ اس وضاحت پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اطمینان ہوگیا کہ یہ کوئی دشمن نہیں ہیں بلکہ اللہ کے فرستادہ فرشتے ہیں تو اب اُنکی قلبی رقت اور محبت وشفقت جو ایک نبی کو امت سے ہوتی ہے اُبھر آئی اور اُنھوں نے فرشتوں سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنا شروع کر دیا فرمانے لگے تم اس قوم کو کیسے برباد کرنے جارہے ہو جس میں لوط (علیہ السلام) جیسا برگزیدہ بندہ موجود ہے۔ وہ تو میرا برادر زادہ بھی ہے اور وہ مجھ پر ایمان بھی لاچکا ہے بھلا تم لوگ ایسی قوم کو کس طرح ہلاک کروگے جبکہ وہ اُن میں موجود ہے؟

فرشتوں نے جواب دیا، ہم یہ سب کچھ جانتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ قومِ لوط اپنی سرکشی، بغاوت، بے حیائی اور فواحش پر اصرار کی وجہ سے ہلاک کر دی جائے۔

ہاں لوط (علیہ السلام) اور اُن کا خاندان اس ہلاکت سے محفوظ رہے گا۔ البتہ لوط (علیہ السلام) کی بیوی اپنی قوم کی حمایت اور اُن کا ساتھ دینے پر قوم کے ساتھ عذاب کا مزہ چکھے گی۔

قرآن حکیم کا یہ مضمون ذیل کی آیات میں تفصیلاً موجود ہے:-

قرآنی مضمون

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ الخ

(ہود آیات ۷۴ تا ۷۶)

پھر جب ابراہیم (علیہ السلام) سے خوف جاتا رہا اور اُن کو ہماری بشارت (ولادتِ اسحٰق) کی پہنچ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کے متعلق جھگڑنے لگے۔

بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بُردبار، نہایت نرم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع ہونے والے تھے۔ (آخر کار ہمارے فرشتوں نے اُن سے کہا) اے ابراہیم (علیہ السلام) اس معاملے میں نہ پڑو بلاشبہ

رب کا حکم آچکا ہے اور بلاشبہ اُن پر عذاب آنے والا ہے جو ٹل نہیں سکتا۔

سورۂ الذاریات میں بھی یہی تذکرہ موجود ہے :۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ. قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ. الخ

(الذاریات آیات ۳۱ تا ۳۷)

"ابراہیم (علیہ السّلام) نے کہا اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کس لئے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا ہم مجرم قوم کی جانب بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ اُن پر پتھروں کی بارش کریں۔ (ایسے پتھر) جو نشان کر دیئے گئے ہیں تیرے رب کی جانب سے حد سے گزرنے والوں کیلئے (جو اُن کو ہلاک کر دیں) پھر ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے علیحدہ کر دیا۔ بجز مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر ہم نے نہیں پایا (یعنی پورا شہر تہس نہس ہو گیا) اور ہم نے اس واقعہ میں ایسے لوگوں کے لئے عبرت رکھی ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں"۔

سورۂ عنکبوت میں بھی یہی تذکرہ ملتا ہے :۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ.

(العنکبوت آیات ۳۱ تا ۳۲)

"اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت (اسحٰق) لے کر آئے کہنے لگے بیشک ہم ہلاک کرنے والے ہیں اس (سدوم) شہر کے بسنے والوں کو بلاشبہ اس کے باشندے ظالم ہیں۔

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اس شہر میں تو لوط (علیہ السلام) (پیغمبر) موجود ہے؟ بولے ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں آباد ہے۔ البتہ ہم لوط (علیہ السّلام) اور اُن کے خاندان کو نجات دینگے مگر انکی

بیوی کو نہیں کہ وہ بھی شہر میں رہ جانے والوں کے ساتھ ہے۔"

ملائکۃُ اللہ اور سیدنا لُوط علیہ السّلام

حضرت لوط علیہ السّلام اللہ تعالےٰ کا پیام اپنی قوم کو مسلسل دیتے رہے لیکن قوم اپنی بداخلاقیوں پر اُسی طرح قائم رہی۔ حضرت لوط علیہ السّلام نے یہاں تک غیرت دلائی کہ اے قوم تم اس بات کو نہیں سوچتے کہ میں رات دن تمہاری نصیحت وخیر خواہی میں مشغول ہوں کبھی بھی میں نے تم سے اپنی سعی وکوشش کا کوئی بدلہ طلب نہیں کیا ہے اور نہ کسی اُجرت کا طالب ہوں۔ میرے پیش نظر صرف اور صرف تمہاری خیر خواہی اور سعادت وفلاح کے سوائے اور کچھ نہیں مگر تم ذرا بھی توجہ نہیں کرتے، لیکن اس ساری خیر خواہی کا اثر اُنکے مجرم دلوں پر کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ حضرت لوط علیہ السلام کو شہر بدر کرنے اور سنگسار کرنے کی دھمکی دیتے رہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی اور اُن کی سیاہ بختی نے کسی طرح انکو پاکیزہ زندگی پر آمادہ نہ ہونے دیا تب اُس قوم کو بھی وہی سابقہ پیش آیا جو اللہ تعالےٰ کے قانونِ جزا کا یقینی وحتمی نتیجہ ہوتا ہے۔

الغرض اللہ کے یہ فرستادہ فرشتے جن کے بارے میں حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ :۔

"حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ تھے۔ یہ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے پاس سے روانہ ہو کر شہر سدوم پہنچے اور حضرت لوط علیہ السّلام کے ہاں مہمان ہوئے۔ فرشتے حسین وجمیل نوعمر لڑکوں کی شکل وصورت میں آئے تھے۔ حضرت لوط علیہ السّلام نے جب ان مہمانوں کو دیکھا تو گھبرا گئے اور اندیشہ کیا کہ بدبخت قوم میرے ان مہمانوں کے ساتھ معلوم نہیں کیا معاملہ کرے گی ؟

کیونکہ ابھی تک مہمانوں نے یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم فرشتے ہیں اور قوم کو سزا دینے آئے ہیں۔ ابھی اسی تردد میں تھے کہ قوم کو خبر لگ گئی کہ لوط (علیہ السّلام) کے گھر چند حسین وجمیل لڑکے مہمان آئے ہیں۔ بس کیا تھا یکدم ٹوٹ پڑے اور حضرت لوط علیہ السّلام

سے مطالبہ کرنے لگے کہ تم اِن لڑکوں کو ہمارے حوالے کر دو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اِن سے کہا کہ یہ میرے معزز مہمان ہیں، میں انہیں تمہارے کیوں کر حوالہ کر دوں؟ یہ سخت بات ہے کہ مہمانوں کی بے عزتی کی جائے۔

اے قوم کے لوگو! کیوں اس لعنت میں گرفتار ہو، خواہشات نفس کے لئے فطری طریقہ اختیار کرو، حلال طور پر عورتوں کو اپنا رفیقۂ حیات بناؤ، قوم میں لڑکیوں کی کمی نہیں، اپنے عقد نکاح میں انھیں داخل کر لو، لیکن قوم نے اِسکا یہ ہی جواب دیا کہ اے لوطؑ تم کو معلوم ہے کہ ہم کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم جانتے ہی ہو کہ ہمارا ذوق اور مزاج کیا ہے؟ حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ایسا ہی ہے تو تم میرے مہمانوں کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ ارے یہ میرے مہمان ہیں مہمان۔ اِسپر بدبخت قوم نے جواب دیا اے لوطؑ ہم نے تم سے بارہا کہہ دیا تھا کہ تم دوسروں کی ذمہ داری قبول نہ کرو۔

حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا اے قوم! کیا تم میں کوئی سمجھدار آدمی بھی نہیں ہے کہ کم از کم وہ بات تو سمجھے' اللہ کے لئے مجھے رسوا نہ کرو اور مجھکو معاف کرو۔ لیکن قوم اپنی مستی میں اندھی ہو چکی تھی۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام پکار اُٹھے اے کاش! کہ آج میرے ہاں کوئی قوت و طاقت ہوتی تو اپنے مہمانوں کی حفاظت کر لیتا اور تمہیں مزہ چکھاتا۔ اِدھر حضرت لوط علیہ السلام کی بیقراری و پریشانی دیکھ کر مہمانوں نے کہا اے لوطؑ گھبرایئے نہیں ہم اللہ کے فرستادہ فرشتے ہیں یہ ہرگز ہرگز ہمارے قریب بھی نہیں آسکتے چہ جائیکہ کچھ بدتمیزی کریں۔ ہم اس قوم کا عذاب لے آئے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ ٹلنے والا نہیں۔ ابھی صبح بھی نہ ہونے پائے گی کہ اسکا کام تمام ہو جائے گا۔

پھر فرشتوں نے کہا اے لوطؑ تم اور تمہارے گھر والے صبح سے پہلے پہلے شہر سے باہر ہو جائیں اور یاد رکھو کہ کوئی بھی تم میں سے پلٹ کر

بھی نہ دیکھے۔ البتہ آپکی بیوی انہی بے حیاؤں کے ساتھ رہے گی اور تمہارا ساتھ نہ دے گی۔ آپ اُسکی فکر نہ کریں وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہے۔

حضرت لوط علیہ السّلام اپنے اہل خاندان اور مسلمین کو لیکر گھر سے باہر ہوگئے۔ چلتے وقت بیوی نے آپکی رفاقت سے انکار کر دیا اور قوم کا ساتھ دینا پسند کیا۔ آخر حضرت لوط علیہ السّلام نے رات ہی کو شہر چھوڑ دیا۔ جب آخر شب ہوئی تو ابتداءً ایک ہیبت ناک چیخ نے شہر والوں کو دہلا دیا اور پھر پورے شہر کو مع زمین اوپر اُٹھا کر انتہائی بلندی سے الٹ دیا گیا اور اسکے بعد پتھروں کی تیز بارش بھی برسائی گئی، وہی سب کچھ ہوا جو نافرمان قوموں کی سرکشی کا انجام ہوا کرتا ہے۔"

صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے :۔

"اللہ تعالےٰ لوط (علیہ السّلام) پر رحم فرمائیں وہ کسی مضبوط جماعت کی پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔"

اور ترمذی کی روایت میں اسکے ساتھ یہ اضافہ بھی ملتا ہے کہ :۔

"حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اللہ تعالےٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جسکا کُنبہ قبیلہ اُسکا حمایتی نہ رہا ہو۔" (قرطبی)

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار قریش نے ہزار تدبیریں کیں لیکن آپکے خاندان نے آپکی حمایت کی، اگرچہ مذہباً وہ آپؐ کے موافق نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ پورے بنی ہاشم اُس مقاطعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے جس میں کفار قریش نے آپکا کھانا پانی بند کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ :۔

"اُس وقت جب قوم لوط اِن کے گھر پر چڑھ آئی تھی تو حضرت لوط علیہ السّلام نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا تھا اور یہ گفتگو اس

شریر قوم سے اس طرح ہو رہی تھی کہ فرشتے مکان کے اندر تھے۔ اِن لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر گھُسنے کا ارادہ کیا اُسپر حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آگئے "اے کاش! آج مجھے کسی مضبوط جماعت کی حمایت حاصل ہوتی"۔

مہمانوں نے جب حضرت لوط علیہ السلام کا اضطراب دیکھا تو حقیقت کھول دی اور کہنے لگے کہ آپ دروازہ کھول دیں اب ہم اِن کو عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں۔ دروازہ کھولا تو جبرئیل امین نے اپنے ایک پَر کا اشارہ قوم کی آنکھوں کی طرف کیا جس سے وہ سب اندھے ہو گئے اور بھاگنے لگے۔ اسکے بعد فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لیکر یہاں سے نکل جائیے اور ہر ایک کو ہدایت کیجئے کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے"۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ساتھ چلی مگر جب قوم پر عذاب کا دھماکہ سنا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور قوم کی تباہی پر افسوس کرنے لگی اسی وقت ایک پتھر آیا جس نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔ (قرطبی ومظہری)

اس عذاب کی کیفیت کو قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا کہ:-

"جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر کا حصہ نیچے کر دیا اور اُن پر ایسے پتھروں کی بارش کی جن پر ہر ایک کے نام کی علامت تھی۔ یہ چار بڑے شہر تھے جن میں یہ خبیث قوم آباد تھی، قرآن حکیم نے اِن شہروں کو "مُؤْتَفِكَاتِ" کے نام سے موسوم کیا ہے (تل پٹ شدہ بستیاں)

انہی روایات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ:-

"جبرئیل امین نے اپنا پَر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اُٹھا لیا کہ ہر چیز اپنی جگہ قائم رہی، پانی کے برتن سے پانی تک گرنے نہ پایا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اِن سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اُٹھائے

کے بعد اوندھا کر کے پلٹ دیا۔ جو ان کے خبیث عمل کے مناسب حال تھا۔"

ملائکۃ اللہ کی حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں آمد اور گفتگو، قوم کا ہجوم کرنا، اور رُسوا کن عذاب کی تفصیلات ذیل کی آیات میں موجود ہے :-

قرآنی مضمون فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ۔ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ۔ الخ (الحجر آیات ۶۱ تا ۷۷)

پس جب بھیجے ہوئے فرشتے خاندانِ لوطؑ کے پاس آئے۔ لوطؑ نے کہا تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو؟ اُنھوں نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کیا کرتے ہیں (یعنی ہلاکتِ قوم کی خبر) ہمارا آنا ایک امرِ حق کے لئے ہے اور ہم اپنے بیان میں سچے ہیں۔ پس چاہیئے کہ رات کے آخری حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر نکل جایئے۔ اور اُن کے پیچھے قدم اُٹھایئے اور اس بات کا خیال رکھیے کہ کوئی پیچھے مڑکر نہ دیکھے اور جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے چلے جایئے۔

اور ہم نے لوط (علیہ السلام) پر یہ حقیقت ظاہر کر دی کہ شہر والوں کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اُکھڑ جانے والی ہے۔

(اور اسی اثناء میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے لوط (علیہ السلام) کے گھر آپہنچے۔ لوط (علیہ السلام) نے کہا دیکھو یہ میرے مہمان ہیں تم میری رسوائی نہ کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھ کو رُسوا نہ کرو۔

وہ کہنے لگے کیا ہم آپ کو دنیا بھر کے لوگوں سے منع نہ کر چکے تھے؟ لوط (علیہ السلام) نے کہا یہ میری بہو بیٹیاں ہیں اگر تم کو کچھ کرنا ہی ٹھیرا ہے۔

اے نبیؐ آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

پس سورج نکلتے نکلتے اُن کو سخت آواز نے آدبایا۔ پھر ہم نے اُن بستیوں کا اوپری تختہ نیچے کر دیا اور اُن پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے۔ اس

واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لئے۔ اور یہ بستیاں ایک آباد سڑک پر ملتی ہیں۔ اُن بستیوں میں اہلِ ایمان کے لئے بڑی عبرت ہے"۔

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ الخ۔

(العنکبوت آیات ۳۳ تا ۳۵)

اُور جب ہمارے وہ فرستادہ لوط (علیہ السلام) کے پاس پہنچے تو لوط (علیہ السّلام) اُنکے آنے کی وجہ سے مغموم ہوئے (کیونکہ فرشتے نہایت حسین لڑکوں کی شکل میں آئے اور لوط (علیہ السلام) کو اپنی قوم کی نامعقول حرکت کا خیال آیا) اور اُن کے سبب سے دل تنگ ہوا اور وہ فرشتے کہنے لگے آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں ہم آپ کو اور آپکے خاص متعلقین کو بچا لینگے بجز آپکی بیوی کے کہ وہ عذاب میں رہ جانے والوں میں ہوگی۔

ہم اس بستی کے باشندوں پر ایک آسمانی عذاب اُن کی بدکاریوں کی سزا میں نازل کرنے والے ہیں۔

اور ہم نے اس بستی کے کچھ ظاہری نشان (ابتک) رہنے دیئے ہیں اُن لوگوں کے عبرت کے لئے جو عقل رکھتے ہیں"۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ۔ الخ

(ہود آیات ۷۷ تا ۸۳)

اور جب ہمارے وہ فرشتے لوط (علیہ السّلام) کے پاس آئے تو لوط (علیہ السلام) اُن کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے سبب تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بہت بھاری ہے (کیونکہ قوم حسین لڑکوں پر فریفتہ تھی) اور اُن کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور وہ پہلے سے نامعقول حرکتیں کیا ہی کرتے تھے، لوط علیہ السلام کہنے لگے اے میری قوم یہ میری بہو بیٹیاں (جو تمہارے گھروں میں

ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھکو رسوا نہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلا مانس نہیں ؟ وہ لوگ کہنے لگے آپ کو معلوم ہے کہ ہم کو آپ کی اِن بیٹیوں کی کوئی ضرورت نہیں اور آپ کو تو معلوم ہے جو ہمارا مطلب ہے۔

لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے کیا خوب ہوتا اگر میرا تمپر کچھ زور چلتا یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑتا۔ فرشتے کہنے لگے اے لوطؑ ہم تو آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں آپ تک ہرگز انکی رسائی نہیں ہوگی سُو آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر چلے جائیے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑکر بھی نہ دیکھے ہاں مگر آپ کی بیوی نہ جائیگی اُس پر بھی وہی آفت آنے والی ہے جو اور لوگوں پر آئے گی، انکی دعوے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح کا وقت قریب نہیں ؟

سو جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اس زمین کا اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور زمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کئے جو لگاتار گر رہے تھے جن پر آپ کے رب کا خاص نشان بھی تھا اور یہ بستیاں اِن ظالموں (یعنی مشرکینِ مکّہ) سے کچھ دُور نہیں ہیں۔"

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۔ الخ

(الشعراء آیات ۱۶۰ تا ۱۷۵)

"قُوم لوطؑ نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جبکہ اُن کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں تم سے اسپر کوئی صلہ نہیں چاہتا۔ بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمّہ ہے۔ کیا تمام دنیا جہان والوں میں تم مردوں سے یہ فعل کرتے ہو۔ اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے بیویاں پیدا کی ہیں اُن کو نظر انداز کئے رہتے ہو بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔

وہ لوگ کہنے لگے اے لوط (علیہ السلام) اگر تم باز نہیں آؤ گے

توضرور نکال دیئے جاؤ گے۔

لوط (علیہ السلام) فرمانے لگے میں تمہارے اس کام سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔

لوط (علیہ السّلام) نے دُعا کی اے میرے رب مجھ کو اور میرے متعلقین کو اُن کے اس کام سے نجات دے۔

سو ہم نے اُن کو اور اُن کے متعلقین سب کو نجات دی۔ بجز ایک بڑھیا بیوی کہ وہ رہ جانے والوں میں رہ گئی۔ (یہ عورت دل سے کافر تھی اور قوم کے بدمعاشوں سے ملی ہوئی)

پھر ہم نے اور سب کو ہلاک کر دیا۔ اور ہم نے اُن پر ایک خاص قسم کی بارش برسائی سُو کیا بُرا برساؤ تھا جو اُن لوگوں پر برسا جنکو ڈرایا گیا تھا۔

بیشک اسمیں عبرت ہے اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے اور بیشک آپ کا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔"

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ۔ الخ (التحریم آیت ۱۰)

اللہ تعالےٰ کافروں کے لئے نوح (علیہ السّلام) کی بیوی اور لوط (علیہ السّلام) کی بیوی کا حال بیان کرتا ہے وہ دونوں ہمارے خاص بندوں میں سے دو بندوں کے نکاح میں تھیں سو اُن عورتوں نے اُن دونوں بندوں کا حق ضائع کیا تو وہ دونوں نیک بندے اللہ کے مقابلے میں اُن دونوں کے ذرا کام نہ آسکے اور حکم ہوگیا کہ اور جانے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی دوزخ میں جاؤ۔"

نتائج و عبر

قومِ لوطؑ کا وطن

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اپنے چچا کے ساتھ ملک عراق سے نکلے اور کچھ مدت تک شام فلسطین اور مصر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ انکی دعوت و تبلیغ میں مشغول رہے، پھر مستقل نبوت سے سرفراز ہوئے، اللہ نے انہیں شہر سدوم کے باشندوں کی اصلاح کے لئے مامور فرمایا، جنمیں لواطت جیسا قابل نفرت عمل رائج تھا۔ بقول حضرت عمرو بن دینار یہ فعل دنیا میں اس سے پہلے کسی نے رائج نہیں کیا تھا۔ یہ قوم اسکی موجد تھی۔ تفسیر درّ منثور میں حضرت حذیفہ رضؓ سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جیسا کہ اس قوم کا مرد، مرد سے ملوث تھا، اسی طرح اس قوم کی عورتوں میں بھی اسی جیسا فعل (مُساحقت) رائج تھا۔

یہ قوم اُس زمانے میں اِس علاقہ میں رہتی تھی جسے آجکل شرق اُردن کہا جاتا ہے۔ بائبل میں اس قوم کا صدر مقام "سدوم" بتایا گیا ہے جو یا تو بُحیرۂ مُردار کے قریب کسی جگہ واقع تھا یا اب بُحیرۂ مُردار میں غرق ہوچکا ہے۔

سدوم کے علاوہ اِن کے چار بڑے شہر اور بھی تھے جنکو قرآنِ حکیم نے "مُؤتَفِکَاتِ" (اُلٹ پٹ شدہ بستیاں) کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ان شہروں کے درمیان کا علاقہ ایسا گلزار بنا ہوا تھا کہ میلوں تک بس ایک باغ معلوم ہوتا تھا۔ جس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر انسان پر مستی طاری ہوجائے مگر آج اس رُسوائے زمانہ قوم کا نام و نشان دنیا سے بالکل ناپید ہوچکا ہے۔ اور یہ بھی ٹھیک طرح سے متعین نہیں کیا جاسکتا کہ یہ بستیاں کس مقام پر واقع تھیں۔ اب صرف بُحیرۂ مُردار ہی اسکی ایک یادگار باقی رہ گیا ہے جسے آج بحرِ لوط کہا جاتا ہے۔ اس حصے میں پانی کے نیچے کچھ ڈوبی ہوئی بستیوں کے آثار کا پتہ چلا ہے۔ ماہرین طبقات الارض کا خیال ہے یہ بستیاں قوم لوط ہی کے شہر تھے۔

نرالا گناہ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام جس قوم کی جانب مبعوث کیے گئے تھے وہ قوم اپنی اخلاقی گراوٹ میں اس قدر دور جاچکی تھی کہ اب اس کا پلٹ آنا ناممکن ہوگیا تھا۔ اہل جرائم نے جُرم کو جُرم ہی سمجھا ہے لیکن اس قوم نے جرائم کو "قومی شعار" قرار دے لیا تھا۔ مجالس اور عام مقامات پر علی الاعلان فحش و بے حیائی کرنا اِن کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ ایسا عمل تھا جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔

مرد سے مرد مشغول ہو جائے اور عورت، عورت سے ملوّث ہو۔ یہ ایسا عمل تھا جو عموماً جنگل کے جانوروں میں بھی نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ یہ قوم اپنے میں چند نیک انسانوں اور نیکی و شرافت کی دعوت دینے والوں کو برداشت نہ کرتی تھی وہ پاکی وطہارت کے اس تھوڑے سے عنصر کو بھی نکال باہر کردینا چاہتی تھی جو اِنکے گھناؤنے ماحول میں نورِ ہدایت کا ذریعہ تھے۔

قرآن حکیم نے اس قوم کے تین بڑے جرائم کا ذکر کیا ہے :-

"تم مردوں سے بدفعلی کرتے ہو، مسافروں کو لوٹ لیا کرتے ہو، عام مجلسوں میں علی الاعلان فحش کرتے ہو۔"

(العنکبوت آیت ۲۹)

جن تین گناہوں کا آیت میں ذکر ہے ان سب میں شدید ترین پہلا گناہ ہے جو اِن سے پہلے دنیا میں کسی نے ایجاد نہیں کیا۔ باتفاق امت یہ گناہ زنا سے بھی زیادہ شدید ہے۔

لواطت کی شرعی سزا قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لواطت ایک بدترین گناہ ہے جس پر ایک پوری کی پوری قوم اللہ کے شدید ترین غضب میں گرفتار ہوئی۔ اسکے بعد روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرے کو پاک رکھنے کے لئے حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ اس جُرم کے مرتکبین کو سخت ترین، عبرت ناک سزا دی جانی چاہیئے۔ حدیث شریف میں مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-
اُقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُوْلَ بِہٖ۔ (الحدیث)
"فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔"
ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے :-
اَحْصَنَا اَوْ لَمْ یُحْصِنَا۔
(شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ)
ایک اور روایت میں یہ حکم بھی ملتا ہے :-
فَارْجُمُوا الْاَعْلٰی وَالْاَسْفَلَ۔ (الحدیث)
اوپر والا اور نیچے والا دونوں سنگسار کر دیئے جائیں۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کوئی مقدمہ پیش نہیں ہوا اسلئے آپؐ نے عملاً ایسی کوئی سزا جاری نہیں فرمائی۔

صحابہ کرام میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایسے مجرم کو تلوار سے قتل کر دیا جائے اور دفن کر دینے کے بجائے اُسکی لاش کو جلا دیا جائے۔

اسی رائے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اتفاق فرمایا تھا۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی رائے یہ ہے کہ ایسے مجرم کو کسی بوسیدہ عمارت کے نیچے کھڑا کر کے وہ عمارت اُن پر ڈھا دی جائے۔

حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ یہ ہے کہ بستی کی سب سے اونچی عمارت پر سے اُسکو سر کے بل پھینک دیا جائے اور پر سے پتھر برسائے جائیں۔ یہ ہی قول امام ابو حنیفہؒ کا بھی ہے تاکہ قرآن حکیم نے اس لوطی قوم پر عذاب کی جو صورت بیان کی ہے اس سے مماثلت پیدا ہو جائے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فاعل و مفعول واجب القتل ہیں۔

امام شعبیؒ، زہریؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کے ہاں اسکی سزا سنگساری ہے۔

حضرت سعید بن مُسیبؒ، عطاءؒ، حسن بصریؒ، ابراہیم نخعیؒ، سفیان ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کی رائے ہے کہ اس جرم پر وہی سزا دی جائیگی جو زنا کی سزا ہے۔ یعنی غیر شادی شدہ کو سَو کوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کر دیا جائے گا اور شادی شدہ

کو رجم (سنگسار) کیا جائے گا۔

سزاؤں کے اختلاف کی وہی وجہ ہے جو اوپر بیان کی گئی کہ اس سلسلے میں کوئی مخصوص حدِ شرعی ثابت نہیں ہے۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے جرائم ہیں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نہایت قبیح اور بدترین قسم کے شمار کئے جاتے ہیں، ایسے تمام جرائم پر امیر المؤمنین کو شریعتِ اسلامی کی جانب سے تعزیرات جاری کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اور تعزیرات کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ جیسے حالات و تقاضے ہوں اُس لحاظ سے ایسے مجرم کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ کا ایک قول لوطی کے بارے میں یہ ہی منقول ہے۔ (اعاذنا اللہ منہا)

ایک ضروری تنبیہ

فعلِ لواطت اپنی قباحت و شناعت میں جسقدر بھی شدید ہے ویسے ہی شدید سزا کا بھی مستحق ہے اس لئے ہر زمانے میں ایسے مجرموں کو مختلف سزائیں دی جاتی رہیں ہیں۔ اور اس فعل کو کسی بھی حیثیت سے کبھی روا نہ رکھا گیا۔

اس سلسلے میں یہ بات قطعی طور پر ملحوظ رکھی جانی چاہیئے کہ شوہر کا اپنی بیوی سے لواطت کرنا بھی حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتَى الْمَرْأَةَ فِيْ دُبُرِهَا۔ (ابوداؤد)

"اپنی بیوی سے یہ فعل کرنے والا ملعون ہے۔"

اور ایک حدیث میں اسطرح بیان کیا گیا ہے:۔

لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ جَامَعَ اِمْرَأَتَهٗ فِيْ دُبُرِهَا۔

(ابن ماجہ، مسند احمد)

"اللہ اس مرد پر ہرگز نظرِ رحمت نہیں کریگا جو اپنی بیوی کیساتھ یہ عمل کرتا ہے۔"

جامع ترمذی کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

مَنْ اَتٰى حَائِضًا اَوْ اِمْرَأَةً فِيْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا

فَصَدَّقَہٗ فَقَدْ کَفَرَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔ (الحدیث)

"جس نے حائضہ عورت سے مجامعت کی، یا عورت کے ساتھ عمل قوم لوط کیا، یا کاہن کے پاس گیا اور اُسکی پیش گوئی کی تصدیق کی، اُس نے ان تمام باتوں کا انکار کر دیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئیں ہیں۔"

پاکیزہ طریقہ اور شُبہ کا جواب

عذاب کے فرشتے جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے تو حضرت لوط علیہ السلام بہت گھبرائے اور دل تنگ ہوا اور زبان سے یہ الفاظ نکل پڑے کہ:-

"آج بڑی مصیبت کا دن ہے۔"

یہ فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں تھے جو قوم کی مرغوب ترین شئے تھی۔ ان مہمانوں کا آنا ہی تھا کہ قوم کے لوگ بے تحاشا حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر ٹوٹ پڑے۔ کیونکہ پہلے سے وہ ایسی ہی بدکاریوں کے خوگر تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کہا بھائیو! یہ میری بیٹیاں موجود ہیں یہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں، غیر فطری طریقہ کیوں اختیار کرتے ہو۔ کچھ تو خدا کا خوف کرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے ذلیل و رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں؟ جو موقعہ و محل کا پاس و لحاظ کرے۔

حضرت لوط علیہ السلام کا یہ ارشاد "یہ میری بیٹیاں موجود ہیں" سر سری نظر میں یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ نبی اپنی پاک اولاد کو اس ناپاک کام کے لئے کس طرح پیش کر سکتا ہے؟ جب کہ حضرت لوط علیہ السلام نے پیش کر دیا۔

یہ شبہ دراصل قرآنی اسلوب کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ خود آیت سے ایسا کوئی مفہوم ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیوں کو بُرائی کے لئے پیش کیا ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:-

قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ۔ (ہود آیت ۷۸)

"کہا اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں "وہ تمہارے

لئے پاکیزہ تر ہیں۔"

وہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں کا فقرہ ایسا غلط مفہوم لینے کی کوئی گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ زنا کبھی بھی کسی بھی ملت وجماعت میں پاکیزہ تر نہیں سمجھا گیا ہے۔ پھر آیت کا دوسرا فقرہ "اللہ سے ڈرو" اور زیادہ تاکید کرتا ہے کہ تم اپنے ارادے میں اللہ سے ڈرو۔

حضرت لوط علیہ السلام کا منشا صاف طور پر یہ ہی تھا کہ اپنی شہوتِ نفس کو اُس فطری اور جائز طریقے سے پورا کرو جو اللہ نے مقرر کیا ہے اور اس کے لئے عورتوں کی کمی نہیں۔ اور اس مفہوم کا واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی صرف ۲ دو ہی بیٹیاں تھیں۔ ظاہر ہے نعوذ باللہ پوری قوم کے لئے کس طرح پیش کی جاتیں اور پوری قوم جو گھر پر چڑھ آئی تھی اُن کی تعداد سینکڑوں تھی۔ لہذا آیت کا وہ مفہوم نہیں جس پر شبہ پیدا ہو۔

تفسیر قرطبی میں ایک اور جواب نقل کیا گیا ہے:۔

"حضرت لوط علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ قوم کی مدافعت مشکل ہے تو ان کو شر سے باز رکھنے کے لئے فرمایا کہ تم اس شر و فساد سے باز آجاؤ میں اپنی دونوں لڑکیاں تمہارے سرداروں کے نکاح میں دے دوں گا۔ اُس قوم میں ۲ دو سردار بڑے تسلیم کئے جاتے تھے اور وہی اس ہجوم کے بانی مبانی بھی تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اتفاق کرلیا کہ اپنی صاحبزادیوں کا نکاح ان ۲ دو سرداروں سے کردیا جائے۔ اُس ملت میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا، جیسا کہ اسلام کے ابتدائی دور میں بھی مسلم و کافر کا نکاح جائز تھا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ۲ دو صاحبزادیوں کا نکاح عتبہ بن ابی لہب اور ابوالعاص بن ربیع سے کیا تھا۔ حالانکہ یہ دونوں کافر تھے۔ بعد میں وہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے حرام قرار پایا۔" (قرطبی)

الغرض حضرت لوط علیہ السلام نے رفع فساد کے لئے قوم سے اس طرح خطاب فرمایا کہ یہ میری لڑکیاں موجود ہیں جو تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں۔ اور بعض دیگر مفسرین نے ایک دوسری حیثیت سے جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ سے پوری قوم کی لڑکیاں مراد ہیں۔ کیونکہ پیغمبر اپنی قوم کے لئے "مثل باپ" ہوتا ہے اور پوری امّت اس کی اولاد ہوتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ۔ (الاحزاب آیت ۶)

نبیؐ تو اہل ایمان کے لئے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے اور نبی کی بیویاں اُن کی مائیں ہیں۔"

حضرت ابن مسعودؓ کی تفسیر وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ کے الفاظ بھی ملتے ہیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمّت کا باپ کہا گیا ہے۔ اب اس تفسیر کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کے اس قول کا یہ مطلب ہوگا کہ:۔

"اے قوم تم اپنی خبیث عادت سے باز آجاؤ، شرافت کے ساتھ قوم کی لڑکیوں سے نکاح کرو، اُن کو اپنی بیویاں بناؤ، یہ سب میری بیٹیاں ہی تو ہیں۔"

امام تفسیر حضرت مجاہدؒ سے منقول ہے:۔

كُلُّ نَبِیٍّ اَبٌ لِاُمَّتِهٖ۔

ہر نبی اپنی امّت کا باپ ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت ام سلمہؓ (زوجۃ النبیؐ) کا ارشاد ہے:۔

اَنَا اُمُّ الرِّجَالِ مِنْكُمْ وَ النِّسَآءِ۔

میں تمہارے مرد و عورتوں کی ماں ہوں۔ (روح المعانی)

دو اہم وضاحتیں

قوم لوط پر عذاب نازل ہونے سے پہلے شہر سدوم کا حال سورۂ الذاریات کی آیات ذیل اس طرح بیان کرتی ہیں:۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

(الذاریات آیت ۳۵-۳۶)

"پھر ہم نے اُن سب لوگوں کو نکال لیا جو اُس بستی میں مؤمن
تھے (یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور اہل ایمان) سو ہم نے اُس
بستی میں سوائے ایک گھر کے مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا (یعنی صرف
حضرت لوط علیہ السلام کا گھر، باقی سب کافروں کے گھر تھے)

۱۔ اقوام و ملل سابقہ میں اللہ تعالٰے کا قانونِ مکافات، اُس وقت تک کسی قوم کی کامل تباہی کا فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک اُس قوم میں کچھ قابلِ لحاظ بھلائی موجود رہی ہو۔

مگر جب حالات یہ ہو جائیں کہ کسی قوم کے اندر آٹے میں نمک کے برابر بھی خیر باقی نہ رہے تو ایسی صورت میں اللہ کا قانون یہ تھا کہ نبیؑ اور اُن پر ایمان لانے والوں کو اپنی قدرتِ خاص سے کسی نہ کسی طرح بچا کر نکال دیتا تھا اور باقی لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا تھا جو ہر ہوشمند تاجر اپنے ٹوکرے کے سڑے ہوئے پھلوں کے ساتھ کیا کرتا ہے کہ اچھے پھلوں کو نکال لیتا ہے اور سڑے حصے کو پھینک دیتا ہے۔ یہی حال قوم لوط کے ساتھ پیش آیا۔

۲۔ مسلمان صرف اُسی امت کا نام نہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیرو ہے بلکہ آپؐ سے پہلے کے تمام انبیاء کرام اور اُن کے پیرو بھی مسلمان ہی تھے ان سب کا دین یہی اسلام تھا۔

قرآن حکیم نے آیت مذکورہ بالا میں مؤمن اور مسلم کو ایک قرار دیا ہے۔ مؤمن اور مُسلم کے الفاظ اس آیت میں بالکل ہم معنیٰ استعمال ہوئے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جو مؤمن ہے وہ مسلم ہے اور جو مسلم ہے وہ مؤمن بھی ہے۔ ایمان اور اسلام قرآن حکیم کی دو ہم معنیٰ اصطلاحیں ہیں اگرچہ لغت کے لحاظ سے آپس میں کچھ فرق ہو جائے ممکن ہے لیکن قرآن حکیم کی زبان میں اسلام اُس کامل مکمل دین حق کا نام ہے جو نوعِ انسانی کے لئے آسمان سے نازل کیا گیا ہے جسکے مفہوم میں ایمان (تصدیق) اور اسلام (اطاعت) دونوں شامل ہیں۔

اس سلسلے میں چند ایک آیات ملاحظہ ہوں جو ایمان اور اسلام کے اتحاد کو ثابت کرتی ہیں:۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ۔

"یقیناً اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے"۔ (آل عمران آیت ۱۹)

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ الخ

"اور جو اسلام کے سوا اور کوئی دین چاہے گا اُسکا دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہوگا"۔ (آل عمران آیت ۸۵)

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدہ آیت ۳)

"اور میں نے تمہارے لئے دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کرلیا ہے"

فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۲۰)

"پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو اُنھوں نے ہدایت پالی"۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران آیت ۱۰۲)

"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تم کو ہرگز موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو"۔

ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا۔ الآیۃ

"اُس اللہ نے تمہارا نام پہلے بھی مسلم رکھا اور اس کتاب (قرآن) میں بھی (تم کو مسلمان کہا گیا)" (الحج آیت ۷۸)

مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ الآیۃ (آل عمران آیت ۶۷)

"ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی، بلکہ وہ تو ایک خالص مسلم تھے"۔

یہ اور اس مضمون کی کئی ایک آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اور ایمان ایک ہی معنی کے دو عنوان ہیں۔ اور یہ خیال کچھ درست نہیں کہ مسلم سے مراد وہ شخص ہے جو دل سے ایمان نہ لایا ہو بلکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کرلیا ہو۔ اور مومن سے مراد وہ شخص ہے جو دل سے تصدیق کرچکا ہو۔ اگرچہ بعض حضرات نے اس قسم کی تعریف کی ہے لیکن اُن کا منشا صرف اتنا ہے کہ لغت کے لحاظ سے یہ دونوں لفظ مختلف

معنی رکھتے ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

ظاہر ہے اوپر کی آیات پڑھکر کون خیال کرسکتا ہے کہ اللہ کے ہاں صرف ظاہری طور پر اسلام قبول کرلینا پسندیدہ بات ہوگی؟ اور یہ کہ اللہ تعالے نے صرف ظاہری اسلام کو آسمانی دین بنایا ہے؟ اور یہ کہ صرف ظاہری اسلام فلاح کا ذریعہ ہے؟ اور یہ کہ (نعوذ باللہ) حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف مسلم ہی تھے؟

اس لئے یہ خیال کرنا قطعی درست نہیں کہ اسلام سے مراد اطاعت بلا ایمان ہے اور مسلم قرآن کی زبان میں ظاہراً اسلام قبول کرنے والے کو کہتے ہیں یہ بات درست نہیں۔ البتہ یہ بات بھی پائی جاتی ہے کہ بعض مقامات پر ایمان اور اسلام کے لغوی معنیٰ مراد لئے گئے ہیں جو اپنے سیاق وسباق کے لحاظ سے متعین کئے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ قرآن حکیم کی زبان میں ایمان اور اسلام ایک ہی دین کا نام ہے جو آسمان سے نازل ہوا ہے۔ لہذا اسلام کے ماننے والے کو مؤمن اور مسلم کہا جائے گا۔

آیتُ اللہ | قومِ لوط پر عذاب کے بعد قرآن حکیم نے شہر کے کھنڈرات کو آیت (نشانی) سے تعبیر کیا ہے:-

وَ تَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۔

(الذاریات آیت ۳۷)

"اُس عذاب کے بعد ہم نے وہاں بس ایک نشانی اُن لوگوں کے لئے چھوڑ دی جو عذاب الیم سے ڈرتے ہیں۔"

اس نشانی سے مراد بحیرۂ مردار (سمندر) ہے جسکا جنوبی علاقہ آج بھی ایک عظیم تباہی کے آثار پیش کررہا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ قوم لوط کے پانچ بڑے شہر شدید زلزلے سے زمین میں دھنس گئے ہوں اور اُن کے اوپر بحیرۂ مردار کا پانی پھیل گیا ہو۔ کیونکہ بحیرہ کا وہ حصہ جو "اللسان" نامی چھوٹے سے جزیرہ نما کے جنوب میں واقع ہے۔ واضح طور پر بعد کی پیداوار معلوم ہوتا ہے اور قدیم بحیرۂ مردار کے جو آثار اس جزیرہ نما کے شمال تک نظر آتے ہیں وہ جنوب میں پائے جانے والے آثار سے بہت مختلف ہیں۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے اس سے یہ بات اخذ کی ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے

اس بُحیرے کی سطح سے بلند تھا بعد میں کسی زلزلے سے دھنس کر نیچے چلا گیا، اسکے دھنسنے کا زمانہ بھی ڈیڑھ دو ہزار برس قبلِ مسیح کے قریب معلوم ہوتا ہے اور یہ قیاس تاریخی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ ہے۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں آثارِ قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان جزیرہ پر ایک بہت بڑا قبرستان ملا جسمیں بیس ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر آباد تھا چونکہ ایسے کسی شہر کے آثار آس پاس کہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان ہے وہ بُحیرے میں غرق ہو چکا ہو۔ بُحیرے کے جنوب میں جو علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرح تباہی کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک، رال، کول تار، اور قدرتی گیس کے اتنے ذخائر پائے جاتے ہیں جنھیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ کسی وقت بجلیوں کے گرنے سے یا آتش فشاں کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی۔ ممکن ہے قرآن حکیم کی آیت مذکورہ :- وَ تَرَكْنَا فِيهَآ اٰيَةً سے مراد بھی آثارِ تباہی مراد ہوں۔

(ہم نے اس شہر میں ایک نشانی چھوڑ دی)

واللہ اعلم۔

تذکرۂ لوط (علیہ السلام) کا قرآنی درس

سورۂ ہود میں حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ نقل کرنے کے بعد اس تذکرے کو اس آیت پر ختم کیا گیا :- وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۔ (ہود آیت ۸۳)

(پتھراؤ کا یہ عذاب آج بھی ظالموں سے کچھ دور نہیں)

یعنی جو لوگ اس قوم کی طرح ظلم و بے حیائی پر جمے بیٹھے ہیں وہ اپنے آپ کو اس جیسے عذاب سے دور نہ سمجھیں آج بھی یہ عذاب آسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں بھی کچھ لوگ وہ عمل کریں گے جو قوم لوط کیا کرتی تھی، جب ایسا ہونے لگے تو انتظار کرو کہ اُن پر بھی وہی عذاب آئے جو قوم لوط پر آیا تھا۔ اعاذنا اللہ منہ۔

چند اعلیٰ خصلتیں

تذکرہ حضرت لوط علیہ السلام میں یہ بات آچکی ہے کہ جب

فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب لے کر آئے تو ان کی پہلی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام انھیں سلام کا جواب دیکر اپنے گھر لے آئے اور ایک بچھڑا ذبح کر کے بھُنا گوشت مہمانوں کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کیا آپ حضرات کھائیں گے نہیں ؟

مفسرین میں ابن کثیرؒ نے اس مختصر معاملے سے میزبانی کے چند اہم نکات بیان کئے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ مہمانوں سے پہلے پوچھا نہیں کہ کیا میں آپ کیلئے کھانا لاؤں؟ بلکہ چپکے سے چلے گئے اور اُن کی مہمانی کے لئے اپنے پاس جو سب سے اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچھڑا ذبح کیا اسکو بھُونا اور لے آئے۔ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ۔ الآیۃ

دوسری بات یہ کہ کھانا لانے کے بعد مہمانوں کو زحمت نہیں دی کہ اُنہیں کھانے کے لئے بلاتے بلکہ جہاں وہ مہمان بیٹھے ہیں وہیں لاکر سامنے رکھ دیا۔ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ۔ الآیۃ

تیسری بات یہ کہ میزبانی کے وقت انداز گفتگو میں کھانے پر اصرار نہ تھا بلکہ اسطرح فرمایا اگرچہ آپ کو حاجت نہ بھی مگر ہماری خاطر کچھ نوش فرمالیں۔ اَلَا تَاْكُلُوْنَ۔ الآیۃ

میزبانی کے یہ اعلیٰ طور طریقے ہیں جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی پاکیزہ فطرت میں موجود تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

"جو شخص اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیئے کہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔" (الحدیث)

تذکرہ
سیدنا یعقوب علیہ السلام

تعارف حضرت یعقوب علیہ السلام سیدنا اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ اِن کی والدہ کا نام رُفقہ تھا۔ یہ اپنی والدہ کے چہیتے اور پیارے تھے۔ اِن کے حقیقی بھائی عیسُو کو حضرت اسحٰق علیہ السلام بہت چاہتے تھے۔

توراۃ کی روایت کے مطابق دونوں بھائیوں میں نااتفاقی کے باعث حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی والدہ کے مشورے پر جب شہر فدّان آرام کو چلے گئے تو اِن کے حقیقی ماموں لابان نے اُن سے عہد لیا کہ وہ دس سال تک اُن کے ہاں رہ کر اُنکی بکریاں چرائیں تو وہ اس مدّت کو مہر قرار دے کر اپنی لڑکی سے شادی کر دینگے۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُس مدت کو پورا کیا تو لابان نے اپنی بڑی لڑکی لئیہ کا نکاح اُن سے کرنا چاہا مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا رجحان چھوٹی لڑکی راحیل کی طرف تھا۔ لابان نے یہ عذر کیا کہ یہاں کے دستور کے مطابق بڑی لڑکی کے نکاح سے پہلے چھوٹی لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا اس لئے تم اس رشتے کو منظور کرلو اور یعقوب کے قیام میں مزید دس سال اور اضافہ کر کے اُن کو میری خدمت میں رکھو تو راحیل بھی نکاح میں دیدی جائے گی (اُس شریعت میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا جائز تھا) چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُس مدت کو بھی پورا کیا اور راحیل یعنی چھوٹی لڑکی سے بھی نکاح کرلیا۔ اِن دونوں کے علاوہ لئیہ (بڑی بیوی) کی کنیز زُلفا اور راحیل کی کنیز بَلہا بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زوجیت میں آگئیں۔ ان سب خواتین سے اولاد بھی ہوئی اور بنیامین (حضرت یوسفؑ کے چھوٹے

بھائی) کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی تمام اولاد اپنے ماموں ہی کے ہاں زمانۂ قدیم میں پیدا ہوئی۔ اور جب حضرت یعقوب علیہ السّلام وطن واپس آگئے تو یہاں بنیامین پیدا ہوئے۔

لابان نے حضرت یعقوب علیہ السّلام کو اپنے ہاں بیس سال رکھنے کے بعد بہت سارا ساز و سامان دے کر رخصت کیا اور یہ وہاں اپنے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دار الہجرت فلسطین میں آکر مقیم ہوگئے اور اپنی بقیہ زندگی وہاں ہی گزاری۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام جس زمانے میں شہر فدّان آرام اپنے ماموں کے ہاں چلے گئے تھے اُس زمانے میں اِنکے بھائی عیسُو ناراض ہو کر اپنے چچا حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے پاس آبسے تھے اور اُن کی صاحبزادی سے شادی کرکے قریب ہی کے شہر میں آباد ہو گئے تھے۔ یہ صاحب تاریخی کتب میں ادوم کے نام سے مشہور ہیں۔ اس عرصہ میں دونوں بھائیوں کے تعلقات اُستوار ہوگئے اور وہ ایک دوسرے کو تحفے تحائف بھیجا کرتے تھے۔

یہ تمام تفصیلات تورات اور اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔ قرآن حکیم اِن تمام باتوں سے یکسر خاموش ہے اور وہ صرف حضرت یعقوب علیہ السّلام کے جلیل القدر نبی، صاحب صبر و استقامت رسول، اور سیدنا یوسف علیہ السّلام کے برگزیدہ باپ ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اسی ضمن میں نام کی صراحت کے بغیر یوسف علیہ السّلام کے دوسرے بھائیوں کا بھی ذکر آجاتا ہے:۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ الآیۃ۔

تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السّلام کے ضمن میں حضرت یعقوب علیہ السّلام کا ذکر جا بجا آیا ہے چنانچہ یہی تذکرہ حضرت یعقوب علیہ السّلام کا بھی تذکرہ شمار کیا گیا ہے۔ تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السّلام میں یہ باتیں مطالعہ کیجئے:۔

سیّدنا یعقوبُ علیہ السّلام قرآن حکیم میں

قرآن عزیز میں سیّدنا یعقوب علیہ السّلام کا اسمِ گرامی دسؔ جگہ ملتا ہے۔ اگرچہ سورۂ یوسفؑ میں جا بجا ضمائر اور اوصاف کے لحاظ سے ان کا تذکرہ موجود ہے۔

آیات متعلقہ کی تفصیل یہ ہے :-

سورۂ بقرہ	آیات	۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۶، ۱۴۰
سورۂ انعام	آیت	۸۴
سورۂ مریم	آیت	۶
سورۂ انبیاء	آیت	۷۲
سورۂ نساء	آیت	۱۶۳
سورۂ یوسف	آیات	۶، ۳۸
سورۂ صٓ	آیت	۴۵

بنی اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا عبرانی نام اسرائیل ہے۔ قرآن حکیم میں جا بجا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اِسرا کے معنی (عبد) اور ایل کے معنی (اللہ) یعنی عبداللہ اور بنی اسرائیل کے معنی "اولادِ یعقوب" قرآن حکیم نے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو بنی اسرائیل کہہ کر مخاطب کیا ہے (یعنی اولادِ یعقوب) حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم گرامی مشہور و معروف ہے۔ انہی کی نسل میں ہزارہا انبیاء و رسل پیدا ہوئے ہیں جنہیں انبیاء بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔

اولادِ یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ ۱۲ لڑکے تھے۔ گزشتہ سطور میں آچکا ہے کہ بنیامین کے علاوہ اُن کی ساری اولاد شہر فدّان آرام میں ہی پیدا ہوئی تھی۔ صرف بنیامین (حضرت یوسف ؑ کے چھوٹے حقیقی بھائی) فلسطین (ارض کنعان) میں پیدا ہوئے، حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد آپکی مختلف بیویوں سے ہوئی ہے جنکی تفصیل یہ ہے :-

زوجہ ۱ محترمہ لئیہ بنت لابان سے مندرجہ ذیل اولاد ہوئی۔

(۱) راؤبین (۲) شمعون (۳) لاوی (۴) یہودا (۵) ویساکر (۶) زبولون۔

زوجہ ۲ ثانیہ راحیل بنت لابان سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔

(۷) یوسف علیہ السلام (۸) بن یمین (بن یامین)
زوجہ ثالثہ بلہا سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔
(۹) دان (۱۰) نفتالی۔
زوجہ رابعہ زُلفا سے دو لڑکے تولد ہوئے۔
(۱۱) جاد (۱۲) اشیر۔
یہ بارہ لڑکے اپنی اپنی قوم کے سردار بنے اور اُن کی اولاد کثرت سے پھیلی۔
یہ تفصیل تورات سے منقول ہے اور دیگر تاریخی کتب میں بھی پائی جاتی ہے۔
واللہ اعلم۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کا بیشتر تذکرہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ میں آرہا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی سیدنا یعقوب علیہ السلام کا تذکرہ مستقل طور پر ذکر نہیں کیا البتہ کئی ایک جگہ اِن کا اسم گرامی اور اِن کا اُولوالعزم رسول ہونا بیان کیا ہے۔ کنعانیوں کی اصلاح و تبلیغ کے لئے حضرت یعقوب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ساری زندگی کنعان (فلسطین) ہی میں تبلیغ فرماتے رہے۔ البتہ آخری عمر میں اپنے عظیم المرتبت صاحبزادے سیدنا یوسف علیہ السلام سے ملنے کے لئے مصر تشریف لائے اور غالباً وہیں وفات پائی۔

تذکرہ
سیّدنا یوسف علیہ السّلام اور عزیزِ مصر

تعارف سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی تیسری پُشت سے سیّدنا یوسف علیہ السلام کا وجودِ باسعادت ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔

یوسفؑ بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام)

حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی راحیل بنت لابان ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بارہ بیٹوں میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے حد محبت و تعلق خاطر تھا، کسی بھی وقت اُن کی جُدائی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:۔

"تمام انسانوں میں اللہ کے ہاں مکرّم کون ہے؟"

آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

"اَکْرَمُ النَّاسِ یوسف نبیُ اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن نبی اللّٰہ ابن خلیل اللّٰہ (علیہم السّلام)"

(بخاری کتاب التفسیر)

امام احمدؒ نے اپنی مُسند میں ایک روایت ابن عمرؓ سے نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

"اَلکریمُ اِبْنُ الکریم اِبْنُ الکریم اِبْنُ الکریم یُوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراھیم (علیہم السلام)"

سیّدنا یوسف علیہ السلام بھی اپنے والد، دادا، پردادا کی طرح سنِ رُشد کو پہنچ کر نبوت و رسالت سے سرفراز ہوئے اور ملّتِ ابراہیمی کی دعوت و تبلیغ کے علمبردار

ہے، قرآن حکیم میں تذکرۂ انبیاء کے ضمن میں غالباً یہ ہی ایک ایسا تذکرہ ہے جو نہایت تفصیل کے ساتھ صرف یکجا ملتا ہے۔

قرآن حکیم اور حضرت یوسف علیہ السلام

سیدنا یوسف علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم کی چھبیس (۲۶) آیات میں موجود ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:۔

سورۂ انعام	آیت	۸۴۔
سورۂ یوسف	آیات	۴، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۷، ۲۱، ۲۹، ۴۶، ۵۱، ۵۶، ۵۸، ۶۹، ۷۶، ۷۷، ۸۰، ۸۴، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۰، ۹۴، ۹۹۔
سورۂ مومن	آیت	۳۴۔

اَحْسَنُ الْقَصَص

قرآن حکیم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے کو احسن القصص (نہایت عمدہ قصہ) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ قصہ صرف اس ایک سورت میں ملتا ہے۔ پورے قرآن میں کسی اور جگہ موجود نہیں جیسا کہ دیگر انبیاء و رسل کے تذکرے بار بار اپنے خاص مقصد کے تحت ملتے ہیں۔

پورا قصہ ایک جگہ ہونے کے باعث جسقدر عبرتیں، حکمتیں اور مواعظ و نصائح اس سورت میں یکجا ملتی ہیں کسی اور قصہ میں یکجا جمع نہیں ہیں۔

قصص اور واقعات کے بیان کرنے میں صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے عبرت و نصیحت، وعظ و تذکیر، سورۂ یوسف اس حیثیت سے پورا کا پورا وعظ و تذکیر ہے۔

سورۂ یوسف کے شانِ نزول کے بارے میں روایاتِ حدیث کا خلاصہ یہ ہے:۔

"مکہ مکرمہ کے مشرکین نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علماءِ یہود سے گفتگو کی اور اپنی عاجزی و پریشانی کا اظہار کیا کہ

ہم انکو جھوٹا ثابت کرنے میں ناکام ہوگئے ہیں، کوئی ایسی تدبیر بتائی جائے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جھوٹا ثابت کر دیا جائے اور وہ عاجز ہو جائے۔

یہود کے علماء نے اُن مشرکین سے کہا کہ اس مدعی نبوت کو تنگ کرنے اور جھوٹا بنانے کے لئے تم لوگ اُن سے یہ سوال کرو کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ اگر یہ نبی نہیں تو ہرگز ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفارِ مکہ نے یہود علماء کی ہدایت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا، اِن کے اِس مطالبہ پر سورۂ یوسف ؑ نازل ہوئی اور آپ ؐ نے وہ سب کچھ اُن کو سُنا دیا جو سورۂ یوسف ؑ میں موجود ہے۔" (ابن کثیر)

واقعہ یہ ہے کہ یہودی علماء نے اس سوال کا اس لئے انتخاب کیا تھا کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں مشہور نہ تھا اور نہ ہی وہاں کوئی یہودی یا عیسائی عالم تھا جو کسی کو بتا سکے۔ ایسے حالات میں جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی لقب تھے نہ کسی مکتب میں درس لیا تھا اور نہ مکہ مکرمہ میں کوئی درسگاہ تھی اور نہ ہی آپ ؐ نے نبوت سے پہلے کبھی یہ واقعہ کسی سے سنا تھا۔ ان مخصوص حالات میں نہایت تفصیل اور کامل وضاحت کے ساتھ حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کا طویل واقعہ بیان کر دینا خود نبوت کی ایک کھلی دلیل تھی اور آنحضورؐ کا یہ صریح معجزہ تھا لیکن جس کی قسمت میں بے نصیبی ہو بھلا اُسکو اِس سے کہاں ہدایت مل سکتی تھی۔ جو ہدایت کے طالب تھے وہ تو ایمان لائے اور بقیہ عناد و سرکشی ہی میں پڑے رہے۔

چند تمہیدی باتیں

تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام سے پہلے چند باتیں بطور "تمہید" واقعہ کی وضاحت کے لئے ضروری ہیں:-

جیسا کہ لکھا گیا حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ ۱۲ بیٹے تھے جو اُن کی چار بیویوں سے پیدا ہوئے۔ اِن میں حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین ایک بیوی سے ہیں۔ (یعنی حقیقی بھائی)

حضرت یعقوب علیہ السلام کا قیام فلسطین میں تھا جہاں حضرت اسحٰق علیہ السلام اور اُن سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام رہا کرتے تھے۔

تورات کی تحقیق کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کی پیدائش ۱۹۰۶ء قبل مسیح یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال پہلے بتائی جاتی ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر شریف سولہ سترہ سال کی ہوئی بھائیوں نے سازش کر کے اُنھیں کنوئیں میں پھینک دیا تھا، اور جس قافلہ نے اُنھیں کنوئیں سے نکالا تھا وہ شرق اُردن سے آرہا تھا اور مصر کی جانب رواں دواں تھا۔

قافلے نے حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام سمجھ کر بازارِ مصر میں فروخت کر دیا۔ مصر کا دار السلطنت اُس زمانے میں (منف) تھا جسکے کھنڈرات آج بھی قاہرہ کے جنوب میں چودہ پندرہ میل کے فاصلہ پر پائے جاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں وہاں پہنچے تھے۔ دو چار سال عزیز مصر کے شاہی محل میں مقیم رہے پھر عزیز مصر کی بیوی کی سازش پر آٹھ نو سال جیل میں زندگی بسر کی۔ جب تختِ مصر پر بیٹھے اِسوقت آپکی عمر شریف تیس ۳۰ سال تھی اور اس کے بعد تقریباً اسی ۸۰ سال تک تخت و تاج کے تنہا وارث رہے اور جس عدل و انصاف سے حکمرانی کی وہ تاریخِ عالم کا بے مثال نمونہ ہے۔

اپنی حکومت کے نویں یا دسویں سال اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام اور پورے خاندان کو فلسطین سے مصر منتقل کر دیا اور اپنی عمر کے ایکسو دس (۱۱۰) سال میں وفات پائی۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آغاز قصہ اور نزالاخواب

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی تمام اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام سے بے حد

محبت و پیار رکھتے تھے۔ خود نبی تھے، نورِ نبوّت کے حامل تھے۔ اپنے علم و فراست سے مستقبل قریب میں حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت و رسالت کو دیکھ رہے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دیگر بھائیوں سے اخلاق وعادات میں یکسر مختلف تھے۔ ماں باپ کا احترام، اطاعت شعاری، خلوص وخدمت یہ ایسی اوصاف تھے جو ایک ہونے والے نبی کے لئے ویسے بھی ضروری تھے حضرت یوسف علیہ السلام میں جمع تھے، باپ کی یہ محبت وچاہت برادرانِ یوسف کے لئے بیحد شاق اور ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئی وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے کہ کسی طرح بھی اپنے باپ کے قلب سے یوسف علیہ السلام کی محبت کو دُور کردیں یا پھر خود یوسف علیہ السلام ہی کو دُور کر دیا جائے تاکہ سارا قصہ ہی ختم ہوجائے۔ انہی سازشوں کے دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور شمس وقمر اُن کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ یہ عجیب وغریب خواب تھا جو دنیائے انسانیت نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار سے یہ خواب بیان کیا، حضرت یعقوب علیہ السلام پر خواب کی حقیقت منکشف ہوگئی۔ بیٹے سے کہا یہ خواب کسی کے آگے نہ دُھرایا جائے ایسا نہ ہو کہ اُس کو سُنکر تیرے بھائی بُرائی سے پیش آئیں۔ کیونکہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اس موقعہ پر قرآن حکیم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعبیرِ خواب کو بیان نہیں کیا تا آنکہ وہ خواب حقیقت بنکر سامنے آگیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور شمس وقمر سے والدین مراد ہیں۔

تفسیر قرطبی میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ راحیلؓ اگرچہ اس خواب سے پہلے وفات پاچکی تھیں مگر انکی بہن حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں آگئی تھیں۔ خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے خصوصاً جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آجائے تو عرفاً اسکو ماں ہی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ۔ الحدیث
(خالہ ماں کے قائم مقام ہے)

خوابِ یوسفی کا یہ تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون الٓرٰ تِلْكَ اٰيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِيْنِ ۔ الخ

(یوسف آیات ۱ تا ۶)

"الٓرٰ۔ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔

اے نبیؐ ہم اس قرآن کے ذریعہ سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے ایک نہایت اچھا قصہ تمہیں سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے (اس قصہ سے) بے خبر تھے۔

جب یوسف (علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا اے ابا میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج و چاند کو دیکھا ہے، دیکھتا کیا ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

باپ نے کہا اے میرے بیٹے تو اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کریں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی خفیہ چال چل جائیں، بلاشبہ شیطان انسان کے لئے کھلا دشمن ہے۔ اور اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ کریگا اور تجھ کو (تاویلِ حدیث) خواب کی تعبیریں سکھائیگا اور اپنی نعمتیں تجھ پر اور اولادِ یعقوب پر پوری کرے گا۔ جس طرح کہ اُس نعمتِ نبوت کو پورا کیا تیرے اجداد پر پہلے سے یعنی ابراہیم و اسحٰق (علیہم السلام) پر بیشک تیرا پروردگار بڑا علم والا حکمت والا ہے۔"

برادرانہ سازش جامع ترمذی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سچا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جُز ہے۔ اور خواب معلق رہتا ہے جبکہ کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ جب بیان کر دیا گیا اور سُننے والے نے کوئی تعبیر دیدی تو تعبیر کے مطابق واقع ہو جاتا ہے۔

اس لئے خواب ہر کسی سے بیان نہ کیا جائے۔ صرف عالم سے یا پھر اپنے خیر خواہ سے بیان کیا جائے۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا اور اسکو محفوظ رکھا، اس خواب کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت اور زیادہ ہوگئی۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سے جُدا ہونے نہیں دیتے' باپ کا یہ عمل سوتیلے بھائیوں کو اور زیادہ مشتعل کر دیا، اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ یوسف علیہ السلام کے خلاف کوئی آخری کارروائی کر دی جائے، چنانچہ حسد کی بھڑکتی ہوئی آگ نے ایک روز برادرانِ یوسف کو یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش کرنے پر مجبور ہی کر دیا۔

سب بھائیوں نے مشورہ کیا پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت خیر خواہی و محبت کے پیرایہ میں کہنے لگے اباجان! آپ یوسفؑ کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے کیوں نہیں بھیجتے؟ آپ اسکو ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتے ہیں؟ وہ بھی بچہ ہے کھیل کود کا اسکو بھی موقعہ ملنا چاہیے آخر آپ کو اُسکے بارے میں کیا اندیشہ ہے؟ اور ہم اتنے بھائی کیا اُسکی کوئی حفاظت نہیں کر سکیں گے؟ آپ کو ہم پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراستِ نبوت سے جان گئے کہ اِن سوتیلے بھائیوں کے دلوں میں کھوٹ ہے اور وہ یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں مگر آپ نے صاف صاف لفظوں میں اس اندیشہ کو ظاہر نہیں فرمایا تاکہ کہیں وہ بگڑ کر علانیہ دشمنی پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ اس لئے بجائے واضح طور پر اپنا اندیشہ ظاہر کرنے کے اشارۃً کنایۃً اُن پر یہ بات واضح کر دی کہ واقعی مجھ کو یوسف علیہ السلام کے بارے میں اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی بھیڑیا اُسکو اُٹھا نہ لے جائے اور تم کو اُس کی خبر تک نہ ہو۔

سب بھائیوں نے بیک زبان کہا اگر ایسا ہوا تو یقیناً ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔ بھلا کہیں ایسا ممکن بھی ہے؟ ہم اتنے ہو کر اپنے ایک عزیز بھائی کی حفاظت تک نہ کر سکیں؟ اباجان! آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور ہر طرح مطمئن رہیں ہم اسکی پوری حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ اندیشہ اور بھائیوں کی سازشی تفصیلات قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہیں :۔

قرآنی مضمون لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۔الخ

(یوسف آیات ۷ تا ۱۴)

"یقیناً یوسف (علیہ السلام) اور اُسکے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں۔ جبکہ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ یوسف (علیہ السلام) اور اس کا بھائی (بن یامین) ہمارے باپ کو زیادہ محبوب ہے۔ حالانکہ ہم ایک پورا جتھا ہیں۔ بلاشبہ ہمارا باپ صریح خطا پر ہے۔ یوسف کو قتل کر ڈالو یا کسی ملک میں پھینک آؤ تاکہ تمہارے باپ کی توجہ و محبت تمہاری طرف سمٹ آجائے اور یہ کام کرنے کے بعد نیک قوم بن کر رہنا۔

اِن میں سے ایک نے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اور اسکو کسی گمنام کنویں میں ڈال دو تاکہ کوئی اس کو اُٹھالیجائے۔ اگر تم کو ایسا کرنا ہی ہے۔ (مشورہ کرنے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے) کہنے لگے اے ابا جان آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اسکے خیر خواہ ہیں۔ کل اسکو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ وہ کھائے پئے اور کھیلے کودے اور بلاشبہ ہم اسکے نگہبان ہیں۔

یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مجھے اس سے رنج و دُکھ پہنچتا ہے کہ تم اُسکو اپنے ساتھ لے جاؤ اور مجھے یہ خوف و اندیشہ ہے کہ اسکو بھیڑیا کھا جائے اور تم غافل رہو (کیونکہ اُس جنگل میں بھیڑیے بہت تھے) سب نے کہا اگر اسکو بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم سب طاقتور ہیں تو بلاشبہ ایسی صورت میں تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا (بھلا ایسا کہیں ممکن ہے)"

جھوٹا خون حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی مزید انتقامی کارروائی سے

بچنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُنکے ہمراہ جانے کی اجازت دے دی اسطرح برادران یوسف نے اپنے مکر و فریب میں کامیابی حاصل کی اور یوسف علیہ السلام کو سیر و تفریح کے بہانے جنگل لے گئے اور پھر اپنے متفقہ مشورے کے مطابق ایک ایسے کنویں میں ڈال دیا جسمیں پانی نہ تھا اور عرصہ سے خشک پڑا تھا۔ قرآن حکیم نے اس کنویں کو "غَیٰبَتِ الْجُبِّ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ غیابہ ہر اُس چیز کو کہتے ہیں جو دوسری چیز کو چھپالے اور غائب کر دے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے (کیونکہ وہ لاش کو چھپا دیتی ہے) اور جُبّ ایسے کنویں کو کہتے ہیں جسکی من پختہ بنی ہوئی نہ ہو۔ یعنی ایک ایسا ویران اور بے آب گڑھا جو آبادی سے دُور درختوں میں چھپا ہوا ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جبراً و قہراً اسمیں اُتار دیا گیا۔ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ اسوقت حضرت یوسف علیہ السلام نابالغ تھے اور تفسیر مظہری میں تصریح ہے کہ اسوقت ان کی عمر سات سال تھی۔

امام قرطبی اور دیگر مفسرین نے کنویں میں ڈالنے کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :-

جُب اُن کو کنویں میں ڈالنے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی مَن سے چمٹ گئے۔ بھائیوں نے اُن کا کُرتا اُتارا اور اُن کے ہاتھ باندھے۔ اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے پھر رحم کی درخواست کی مگر وہی جواب ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھ کو سجدہ کرتے تھے اُن ہی کو بُلا وہ تیری مدد کریں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ خواب کسی طرح بھائیوں کو معلوم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی آتش غضب بھڑک اُٹھی تھی۔ الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکا دیا۔ جب درمیان تک پہنچے تو رسّی کاٹ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی، نیچے گرنے کی وجہ سے چوٹ نہ آئی اور قریب ہی ایک چٹان نظر آئی اسپر حضرت یوسف علیہ السلام صحیح سالم بیٹھ گئے۔ بعض روایات میں یہ وضاحت ہے کہ جبرئیل امین کو حکم دیا گیا تھا کہ تہہ میں گرنے سے پہلے اُنہیں چٹان پر بٹھا دیا جائے۔

تین یوم تک کنویں میں رہے اُن کا ایک بھائی جسکا نام یہودا بیان کیا جاتا ہے اور جو اپنے بھائیوں کی اس سازش کا مخالف تھا، لیکن بھائیوں کی مخالفت کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ ہر روز روٹی اور پانی چُھپکے سے کنویں میں اُتار دیا کرتا تھا لیکن اُسکی ہمت اتنی نہ ہوئی کہ باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ واقعہ بیان کر دے۔ اِدھر اللہ تعالےٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی تسلی اور اطمینان کے لئے اُن پر وحی نازل کی جسمیں کسی آئندہ زمانے میں بھائیوں کی ملاقات اور اُن پر بالا دستی کی خوشخبری تھی اور یہ کہ وہ لوگ محتاج و فقیر بنکر آپ کے پاس آئیں گے آپ اُن کو پہچان لیں گے لیکن وہ لوگ آپ کو پہچان نہ سکیں گے۔"

یہ وحی جو کنویں میں نازل ہوئی (بقول تفسیر مظہری) وحی نبوت نہ تھی کیونکہ وہ چالیس سال کی عمر میں عطا ہوتی ہے بلکہ یہ وحی ایسے ہی تھی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو بذریعہ وحی مطلع کیا گیا تھا یا جیسے حضرت مریمؑ سے کلام کیا گیا یا شہد کی مکھی کی طرف وحی کی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی نبوت کا سلسلہ مصر پہنچنے اور جوان ہونے کے بعد شروع ہوا جیسا کہ اسی سورہ میں تصریح ہے:-

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا۔ (آیت ۲۲)

اور جب یوسفؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچے تو ہم نے انہیں علم و حکمت (نبوت) عطا کی۔

مگر دیگر مفسرین جیسے ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ نے اسکو وحی نبوت ہی قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں نبوت عطا کی گئی۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر واپسی کے وقت ایک جانور کے خون سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتہ سُرخ کیا اور عشاء کے وقت روتے پیٹتے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت یعقوب علیہ السلام اِنکی آواز سُن کر باہر آئے پوچھا کہ کیا واقعہ ہے؟ کیا تمہاری بکریوں کے گلّے پر کسی نے حملہ کر دیا ہے؟ اور یوسف کہاں ہے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے آپس میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس درمیان میں بھیڑیا آیا اور یوسفؑ کو کھالیا۔ دیکھئے یہ اس کا کُرتہ ہے جو ہم کو مقامِ حادثہ پہ ملا ہے۔ اے ابا جان! آپ کو تو یقین نہیں آئے گا خواہ ہم کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں؟

قرآن حکیم نے اس خون آلود کرتے کا وصف بِدَمٍ كَذِبٍ (جھوٹا خون) بیان کیا ہے۔ حقیقتاً یہ جھوٹا خون تو تھا ہی لیکن صورۃً بھی جھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اُن بھائیوں کو غافل اور بے عقل بنا دیا کہ کُرتے پر خون لگانے کے ساتھ اُس کو جا بجا سے پھاڑ بھی دیتے۔ جس سے بھیڑیے کا کھا جانا ثابت ہوتا، انھوں نے یوسف علیہ السلام کے صحیح و سالم کُرتے پر جانور کا خون لگا کر باپ کو دھوکہ میں ڈالنا چاہا (لیکن جھوٹے کو عقل نہیں ہوتی) خود دھوکہ کھا گئے کرتے کو پھاڑا نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صحیح و سالم کُرتہ دیکھ کر فرمایا:۔

میرے بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم و عقلمند تھا کہ یوسف کو اسطرح کھایا کہ کہیں سے کُرتہ تک نہ پھٹنے پایا؟

اسطرح حضرت یعقوب علیہ السلام پر اُن کا مکر و فریب و جعل سازی کا راز فاش ہو گیا۔ فرمایا یوسف علیہ السلام کو تو بھیڑیے نے نہیں کھایا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے۔ اب میرے لئے بہتر یہ ہی ہے کہ میں صبر کروں اور جو کچھ تم کہتے ہو اُس پر اللہ سے مدد طلب کروں چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام سب سے الگ ہو کر یکسو ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کرنے لگے۔ اس ساری سازش اور جھوٹے خون اور مکر و فریب کا تذکرہ ان آیات میں اس طرح مذکور ہے:۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ الخ (یوسف آیات ۱۵ تا ۱۸)

اور (سابقہ طے شدہ فیصلہ کے مطابق) سب نے پختہ عزم کر لیا کہ اُن کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دیں (تو جو کچھ تجویز کیا تھا عمل درآمد کیا) (۱ اور اُس وقت اُنکی تسلی کے لئے) ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) اُن کے

پاس وحی بھیجی کہ (اے یوسف غم نہ کرنا ہم تم کو یہاں سے نجات دیکر بڑے درجے پر پہنچادیں گے اور ایک دن وہ ہوگا کہ) تم اُن لوگوں کو یہ بات جتلاؤ گے اور وہ تم کو (بوجہ اسکے کہ تم ایک اونچی حالت میں ہوگے) پہچان تک نہ سکیں گے۔

(غرض یوسف علیہ السلام کا تو یہ قصہ ہوا) اور اُدھر) وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے پہنچے۔

کہنے لگے ابا جان ہم سب تو آپس میں دوڑنے لگ گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا۔ بس ایک بھیڑیا (آیا اور) انکو کھا گیا اور آپ تو ہمارا کیوں یقین کریں گے گو ہم کیسے ہی سچے ہوں۔

اور یوسفؑ کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے (تاکہ اپنے قول کی سند میں پیش کریں) یعقوب (علیہ السلام) نے (دیکھا تو کرتہ کہیں سے پھٹا نہیں پھر انہیں پتا تو کہا کہ یوسف کو بھیڑیا وغیرہ نے نہیں کھایا) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے سو (خیر) صبر ہی کروں گا جسمیں شکایت کا نام ونشان نہ ہوگا اور جو باتیں تم بناتے ہو اُن میں اللہ ہی مدد کرے۔"

دورِ غلامی

حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کی اس مکروفریب والی گفتگو کے بعد تھک ہار کر یکسو ہوگئے اور غالباً وحی الٰہی یا پھر الہام وفراست نبوت سے اطمینان ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام کا فراق ایک طویل عرصہ تک برقرار رہے گا۔ سکوت اختیار کرلیا۔ اِدھر ملک شام سے ایک قافلہ مصر جارہا تھا۔ راستہ بھول کر اس غیر آباد کنویں پر پہنچا، پانی کی ضرورت ویسے بھی سفر میں پیش آتی ہے۔ خاص طور پر جبکہ دُور دُور تک پانی کا نشان نہ ملتا ہو کنویں کو دیکھ کر ایک شخص نے جسکا نام مالک بن دُعبر بتایا جاتا ہے ڈول کنویں میں ڈالا حضرت یوسف علیہ السلام نے خدائی قدرت کا مشاہدہ کیا۔ اُس ڈول کی رسی پکڑلی اُوپر پہنچے، اس کمسن حسین وجمیل لڑکے کو دیکھ کر وہ پکار اُٹھا:۔ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلَامٌ۔ (اے بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک بڑا اچھا لڑکا نکل آیا۔)

حدیثِ معراج میں یہ عبارت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شبِ معراج میں یوسف علیہ السلام سے ملا تو دیکھا کہ اللہ تعالٰے نے پورے عالم کے حُسن وجمال میں سے آدھا حُسن اُن کو عطا فرمایا ہے اور باقی آدھا سارے جہاں میں تقسیم ہوا ہے۔ (صحیح مسلم)

ابتداءً تو مالک بن دُعبر نے تعجّب سے پکارا تھا مگر بعد میں اُسکو خیال آیا کہ اِسکا چرچا نہ کیا جانا مناسب ہے تاکہ اِسکو چُھپا کر رکھا جا سکے اور پھر فروخت کر کے رقم وصول کر لی جائے۔ اصل میں قرآنی الفاظ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً یعنی چُھپا لیا اسکو ایک مالِ تجارت سمجھکر، ممکن ہے قافلہ کے چند لوگوں نے ایسا کیا ہو یا یہ بھی تفسیر ممکن ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حقیقتِ واقعہ کو چُھپا کر یوسف علیہ السلام کو ایک مالِ تجارت بنا لیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ بڑا بھائی یہودا روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں روٹی و پانی خفیہ طور پر پہنچانے آیا کرتے تھے، تیسرے روز جب اُن کو کنویں میں نہ پایا تو واپس آکر اپنے دیگر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا۔ یہ سب بھائی جب وہاں پہونچے اور تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے ہاں یوسف علیہ السلام برآمد ہوئے تو اُن سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے بھاگ کر یہاں آگیا تھا تم نے بہت بُرا کیا کہ اسکو اپنے قبضہ میں رکھا۔ مالک بن دُعبر اور اسکے ساتھی سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائینگے اسلئے بھائیوں سے یوسف علیہ السلام کی خریداری پر بات چیت ہونے لگی تو اب آیت کے یہ معنی ہوئے کہ برادرانِ یوسف نے خود ہی یوسف علیہ السلام کو ایک مالِ تجارت بنا لیا اور فروخت کر دیا:۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ یعنی اللہ تعالٰے کو اِن کی سب کارگزاریاں معلوم تھیں۔ اسکے بعد برادرانِ یوسف نے یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا (یا) قافلہ والوں نے یوسف علیہ السلام کو بہت تھوڑی سی قیمت میں خرید لیا یعنی گنتی کے چند درہم کے معاوضہ میں دونوں تفسیریں منقول ہیں۔

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت کے مطابق بیسؔ درہم میں یہ معاملہ ہوا۔" (ابن کثیر، جلالین)

دسؔ بھائیوں نے دوؔ دوؔ درہم تقسیم کر لئے۔ اِس معاملت کے اختتام کو قرآنی جملہ نہایت بلیغ پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔

"برادرانِ یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہشمند نہ تھے۔" (یعنی اِن کا اصل مقصد تو یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لئے تھوڑے سے درا ہم میں معاملہ کرلیا)

قرآن حکیم میں قافلہ والوں کا تذکرہ اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ. الخ (آیت ۱۹-۲۰)

"(اُدھر) ایک قافلہ آنکلا (جو مصر کو جاتا تھا) اُنھوں نے اپنا آدمی پانی لانے کے واسطے (یہاں کنویں پر) بھیجا اور اُس نے اپنا ڈول ڈالا (تو یوسف نکل آئے مارے خوشی کے) کہنے لگا اے خوشخبری یہ تو (خوبصورت) لڑکا ہے اور اسکو مالِ تجارت قرار دیکر چھپالیا اور اللہ کو اِن سب کی کارگزاریاں معلوم تھیں اور اُن کو بہت ہی کم قیمت میں بیچ ڈالا یعنی گنتی کے چند درہم کے بدلے اور وہ لوگ کچھ ان کے قدر دان تو تھے ہی نہیں۔"

بازارِ مصر میں غرض اسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کو تاجروں کے قافلہ نے خرید کر اپنا غلام بنالیا اور مالِ تجارت کے ساتھ اُن کو بھی مصر لے گئے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی زندگی کا یہ پہلو جو صورۃً غلامی کی شکل میں پیدا ہوا لیکن اپنے اندر نبوّت اور تخت و تاج کی عظمتیں پوشیدہ رکھتا ہے۔ یہ ہی وہ پہلا زینہ تھا جس نے انھیں مصر کے تختِ شاہی پر لا بٹھایا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر، اور اللہ کے فیصلہ پر راضی، سر نیاز خم کئے مصر کے بازار میں فروخت ہونے جا رہے ہیں۔

ابن کثیرؒ نے امام مجاہدؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ برادرانِ یوسف کچھ دُور قافلہ والوں کے ساتھ چلے اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس غلام کو بھاگ جانے کی عادت ہے کھُلا نہ چھوڑنا یہاں تک کہ اسکو لے کر مصر نہ پہنچ جانا۔ جب بھائیوں کوابس

کو اس بات کا اطمینان ہوگیا کہ قافلہ مصر کے راستہ پر چل پڑا تو اپنے گھر واپس ہوگئے۔ مصر پہنچکر قافلہ والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو "بازار مصر" میں فروخت کرنے کا اعلان کیا۔ تفسیر قرطبیؒ میں مذکور ہے کہ لوگوں نے بڑھ بڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کیا یہاں تک کہ وزنِ یوسف علیہ السلام کے برابر سونا اور اسی کے برابر مُشک اور ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی۔

یہ دولت اللہ تعالےٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدّر کی تھی، مصری افواج کا ایک افسر، شاہی خاندان کا رئیس جس کا نام فوطیفار تھا۔ مصر کے بازار سے گزر رہا تھا یوسف علیہ السلام پر نظر پڑی تو صورت و شکل سے بیحد متأثر ہوگیا اور منہ بولی قیمت دے کر اپنے گھر لے آیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ دیکھو اسکو عزت سے رکھنا۔ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اسوقت یہ رئیس لاولد تھا۔ قرآن حکیم نے اسکا نام عزیز مصر بیان کیا ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ شخص ملکِ مصر کا وزیر خزانہ تھا اور بادشاہ مصر اس زمانے میں قوم عمالقہ کا ایک شخص ریّان بن اُسید تھا جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام پر ایمان لایا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی ہی میں انتقال کر گیا۔

عزیز مصر جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تھا اسکی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا بیان کیا جاتا ہے اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ نہ کرنا، اِن کی ضروریات کا اچھا انتظام کرنا (قرآن حکیم نے اس عورت کو امرأۃ العزیز (عزیز کی بیوی) کہا ہے۔

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام شاہی خاندان میں اولاد کی طرح رہنے لگی اسی نازونعمت میں سِنِ شعور کو پہنچے۔

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تینؔ آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے ہیں:۔

اوّل[1] عزیز مصر جس نے اپنے قیاس و اندازے سے اپنی بیوی کو یہ ہدایت دی کہ یوسف کا اکرام کرنا۔

دوم[2] حضرت شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے حضرت

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ کو مشورہ دیا کہ ابا جان انکو ملازم رکھ لیجئے اسلئے کہ بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی اور امانتدار بھی ہو۔
سوم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ جنھوں نے اپنی وفات سے پہلے حضرت عمر فاروق رضؓ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا۔ (قرطبی)
بازارِ مصر میں خریداری کا تذکرہ اس طرح آیا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَأَتِهٖٓ اَکْرِمِیْ الخ
(یوسف آیت ۲۱-۲۲)

مصر کے جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا اسکے قیام کا اچھا انتظام کرنا بعید نہیں کہ یہ ہمارے لئے فائدہ مند ثابت ہو، یا ہم اسے بیٹا بنالیں (مشہور یہ ہے کہ اُسکے ہاں اولاد نہ تھی) اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو زمین کی حکومت دے دی اور تاکہ اُن کو خوابوں کی تعبیر دینا بتلادیں اور اللہ تعالےٰ اپنے کام پر غالب ہے (جو چاہے کر دے) لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں۔

سخت ترین آزمائش

فارسی کا ایک مقولہ ہے "مقرّبان رابیش بود حیرانی" بڑوں کی آزمائش بھی بڑی ہوتی ہے۔
چاہِ کنعان کی مصیبت کم نہ تھی۔ دورِ غلامی سے بھی سابقہ پڑا۔ بازارِ مصر میں غلاموں کی طرح فروخت ہوئے۔
اب جوانی کی وہ کٹھن آزمائش شروع ہوئی جسمیں صرف اور صرف خدا کی حفاظت سہارا بنتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سن بلوغ کو پہنچ گئے ہیں۔ جوانی کا عالم تھا، حُسن و خوبروئی کا کوئی ایسا پہلو نہ تھا جو ان کے اندر موجود نہ ہو۔ عزیز مصر کی بیوی اُن پر بُری طرح فریفتہ ہوگئی۔
قرآن حکیم نے اس حادثہ کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا (الآیۃ آیت ۲۳)

"اور پھسلایا یوسفؑ کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اسکے نفس کے معاملہ میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں"

اگرچہ یہ عورت عزیز مصر کی بیوی ہے جیسا کہ دوسرے موقعہ پر بیان کیا گیا ہے لیکن مذکورہ آیت میں اَلَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا (وہ عورت جس کے گھر میں یوسف رہا کرتے تھے) کے مبہم عنوان سے اُس عورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس عنوان میں یہ نزاکت ملحوظ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی مشکلات میں اس بات نے اور بھی اضافہ کر دیا تھا کہ وہ اسی عورت کے مکان میں اسی کی پناہ میں رہتے تھے۔ اس کے کہنے کو نظر انداز کرنا کچھ آسان نہ تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ تھے، خود بھی منصبِ نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ بقول حسن بصریؒ اس وقت عمر شریف چالیسؒ سال ہو چکی تھی۔ بھلا ان سے یہ کیونکر ممکن تھا کہ اس ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو جائیں، لیکن عورت بے قابو ہو کر جب کمرے کا دروازہ بند کر دے اور اصرار کرنے لگے تو یہ وقت ہر ایک کے لئے سخت آزمائش کا ہو جاتا ہے۔ شاہی خاندان کی عورت، حسن و بہار سے معمور، محبوب نہیں عاشق بنکر جب کسی کا پیچھا کرے تو کونسا ذریعہ ہے جو آدمی کو گناہ سے باز رکھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو چوطرف سے گھرا ہوا پایا تو پیغمبرانہ انداز میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی مَعَاذَ اللّٰہِ (اللہ کی پناہ) (یعنی اپنے عزم و ارادہ پر بھروسہ نہیں کیا) اسکے بعد حکمت و موعظت کے ساتھ زلیخا کو نصیحت کرنا شروع کیا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آجائے۔ فرمایا:۔

"وہی میرا رب ہے اُس نے مجھے عزت کی جگہ دی اور مجھ کو کہاں سے کہاں پہنچایا ایسے محسن و مُربّی کے حکم میں خیانت کروں اور اسکو نظر انداز کر دوں؟ یقیناً ظلم کرنے والوں کو کبھی فلاح نصیب نہیں ہوتی"

قرآن حکیم نے اس نازک ترین کشمکش کو اس طرح واضح کیا ہے:۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا۔ الخ (آیت ۲۲ تا ۲۴)

"اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچے ہم نے انھیں حکمت و علم عطا فرمایا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور جس عورت کے گھر میں یوسف رہا کرتے تھے وہ اُن سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے اُن کو پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی بس آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں، یوسفؑ نے کہا اللہ بچائے وہ میرا مربیّ ہے کہ مجھ کو اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی اور البتہ اُس عورت نے یوسفؑ سے ارادہ کیا اور وہ بھی اُس سے ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے بُرہان کو نہ دیکھ پاتے۔ اسی طرح ہوا تاکہ ہٹائیں ہم اُن سے بُرائی اور بے حیائی کو بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہیں۔"

"بُرہانِ رب" (دلیل و معجزہ) صاحب جلالین نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر نقل کی ہے کہ زلیخا کے اس ہیجان خیز ارادے کے وقت اللہ کی قدرت سے حضرت یوسف علیہ السّلام کو اپنے والد محترم حضرت یعقوب علیہ السّلام اچانک نظر آئے اور انھوں نے حضرت یوسف علیہ السّلام کے سینے پر ہاتھ رکھا جس سے معاً قلب کے وساوس تک جاتے رہے۔" (جلالین)

عظیم کامیابی

پچھلی آیات میں یہ بیان آیا ہے کہ جس وقت عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السّلام کو شریک گناہ کرنے کی کوشش میں مشغول تھی اور حضرت یوسف علیہ السّلام اس سے بچ رہے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے پسندیدہ بندے کی اعانت کے لئے بطور معجزہ کوئی چیز سامنے کر دی جس سے قلب کے سارے وساوس دور ہو گئے۔

اس "برہان رب" کا مشاہدہ کرتے ہی حضرت یوسف علیہ السّلام وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور باہر نکلنے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے، عزیز مصر کی بیوی اُن کو پکڑنے کے لئے پیچھے دوڑی اور حضرت یوسف علیہ السّلام کا کُرتہ پکڑ لیا

لیکن وہ اپنے عزم کے مطابق نہ رُکے تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا اور وہ باہر نکل آئے۔ اسی کشمکش میں وہ بھی باہر نکل پڑی۔ جب دونوں باہر آئے تو دیکھا کہ عزیز مصر سامنے کھڑا ہے۔ زلیخا سہم گئی اور بات نبھانے کے لئے یوں الزام تراشا: اے میرے سرتاج! جو شخص آپکی بیوی کے ساتھ بُرا ارادہ کرے اُسکی سزا اِسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسکو قید خانے میں ڈال دیا جائے یا اور کوئی سخت سزا دی جائے۔ عورت کا عشق ابھی خام تھا اس لئے صحیح حال ظاہر کر دینے پر قادر نہ ہوئی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شرافت اور عفو و درگزر کی بنا پر ممکن ہے اس کا یہ رازِ بد فاش نہ کرتے مگر جب اُسی نے پیش قدمی کر کے حضرت یوسف علیہ السلام پر ہی بدترین تہمت کا اشارہ کر دیا تو مجبور ہو کر اُنھوں نے حقیقت کا اظہار کر دیا:۔

"اے عزیز مصر یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھُسلا رہی تھی۔"

معاملہ بڑا پُرخطر اور نازک تھا۔ عزیز مصر کے لئے اِس کا فیصلہ کرنا بڑا دشوار تھا۔ کہ ان میں کسکو سچّا سمجھے؟ شہادت وثبوت کا کوئی موقعہ نہ تھا۔ مگر اللہ تعالےٰ کی دائمی سنت اپنے برگزیدہ بندوں کے بارے میں جاری رہی ہے کہ وہ جہاں اپنے نیک بندوں کو گناہ سے بچا لیتے ہیں ایسے ہی ان کو اِس دُنیا کی رسوائی سے بھی بچانے کا انتظام معجزانہ انداز سے فراہم کر دیتے ہیں۔ عموماً ایسے مواقع پر ایسے چھوٹے معصوم بچوں سے کام لیا گیا جو عادۃً شہادت دینا تو درکنار بولنا اُن کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ مگر بطور معجزہ اُن کو گویائی عطا کر دی جاتی ہے تاکہ اپنے مقبول بندوں کی برأت وطہارت کا انتظام ہو جائے۔ جیسے حضرت مریمؑ پر جب لوگوں نے تہمت لگائی تو صرف ایک دن کے بچے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالےٰ نے گویائی عطا فرما کر اُن کی زبان سے اپنی والدہ کی پاکی ظاہر فرما دی۔ (مریم آیت ۳۰)

"بنی اسرائیل کے ایک بزرگ جُریجؒ پر اسی طرح کی ایک تہمت ایک بڑی سازش کے ساتھ باندھی گئی تو نوزائیدہ بچے نے اُن کی برأت کے لئے شہادت دی۔" (بخاری)

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کو شبہ ہُوا جب کہ وہ

صندوق سے برآمد ہوئے تھے تو زوجۂ فرعون کی خادمہ کی شیر خوار بچی کو گویائی عطا ہوئی اُس نے حضرت موسیٰؑ کو بچپن میں فرعون سے بچا لیا۔

(بخاری شریف)

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ایک شیر خوار بچے کو گویائی عطا کی اور وہ بھی نہایت حکیمانہ انداز کی، یہ چھوٹا بچہ اسی گھر کے گہوارے میں پڑا تھا یہ کس کو گمان ہوسکتا تھا کہ وہ زلیخا کی اس نازیبا حرکات کو دیکھ رہا ہے اور سمجھ رہا ہے اُس نے عزیز مصر کے اس تذبذب کو اس طرح دُور کر دیا، اچانک یوں گویا ہوا :-

"یوسف کے کُرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زُلیخا کا کہنا سچّا ہے اور یوسف جھوٹے ہیں، اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچّے ہیں، اور یہ جھوٹی (کیونکہ جب وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں اسکے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ یوسف بھاگ رہے تھے اور زلیخا انکو روکنا چاہتی تھی اسی کشمکش میں کُرتہ پھٹ گیا)

جب بتلائی ہوئی علامت کے مطابق کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا مشاہدہ کیا گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی برارت ظاہر ہوگئی۔

(مسند احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم)

عزیز مصر نے موقعہ کی نزاکت جان کر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو درگزر کرتے ہوئے کہا یوسف علیہ السلام سچے تم ہی ہو، اس عورت کے معاملے کو درگزر کرو اور اس قصہ کو یہیں ختم کرو۔ پھر بیوی سے کہا یہ سب تیرا مکر و فریب ہے اور تم عورتوں کا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے۔ اے زلیخا تو اپنی اس حرکتِ بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ!

آزمائش میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کامیابی کا تذکرہ قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے :-

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَّأَلْفَيَا

سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ. الخ　　(یوسف آیات ۲۵ تا ۳۵)

اور دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے اور اُس عورت نے اُن کا کُرتہ (کھینچ کر) پھاڑ دیا اور دونوں نے (اتفاقاً) اُس عورت کے شوہر کو دروازہ کے پاس (کھڑا) پایا، عورت (شوہر کو دیکھ کر سٹ پٹائی اور بات بناکر) بولی کہ جو شخص تیری بیوی کے ساتھ بدکاری کا ارادہ کرے اُس کی سزا بجز اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ جیل خانہ بھیجا جائے یا اور کوئی دردناک سزا ہو۔ یوسفؑ نے کہا (یہ بالکل جھوٹ ہے) یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لئے پھسلاتی تھی اور (اُس موقع پر) اُس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے (جوکہ شیر خوار بچہ تھا) گواہی دی کہ اِن کا کُرتہ (دیکھو کہاں سے پھٹا ہے) اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور یہ جھوٹے ہیں اور اگر وہ کُرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یہ سچے ہیں۔ (غرض اس فیصلہ کے مطابق وہ کُرتہ دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹا ہوا نکلا) سو جب (عزیز نے) اُن کا کرتہ پیچھے سے پھٹا دیکھا (عورت سے) کہنے لگا یہ تم عورتوں کی چالاکی ہے بیشک تمہاری چالاکیاں بھی بہت بڑی ہوتی ہیں۔

(پھر یوسف کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا) اے یوسفؑ اس بات کو جانے دو (یعنی اس کا چرچا نہ کرو) اور (عورت سے کہا) اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ بیشک سر تا سر تو ہی قصوروار ہے۔

حُسنِ یوسفی کا آشکارا

عزیز مصر نے اگرچہ رسوائی سے بچنے کے لئے اس قصہ کو یہیں ختم کر دیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی۔ شُدہ شُدہ شاہی خاندان کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیزِ مصر کی بیوی کسقدر بے حیا ہے کہ اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی۔ اتنے بڑے خاندان کی عورت غلام کے ساتھ تعلق پیدا کرنا چاہتی ہے۔

یہ طعن و تشنیع جب عام ہوگئے تو زلیخا پر یہ بات سخت گراں گزری اور چاہا کہ اس بدنامی کو دور کر دینا چاہیئے اور اسکے لئے شاہی خاندان کی عورتوں سے ایسا انتقام لینا چاہیئے کہ وہ بھی اس بدنامی میں شریک ہوجائیں۔

یہ سوچ کر اُس نے ایک دن شاہی خاندان کی عورتوں کو ایک پُر تکلف دعوت دے دی جب سب دسترخوان پر بیٹھ گئیں جو غالباً ہمہ قسم کے پھلوں سے پُر ہوگا سب کے ہاتھوں میں چھریاں دے دی گئیں تاکہ پھل کاٹ کر کھائیں۔ عین اس موقعہ پر جب وہ پھل کاٹ کاٹ کر کھا رہی تھیں عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ دسترخوان پر آئیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام مالکہ کے تعمیلِ حکم میں باہر نکلے تو تمام عورتیں جمالِ یوسف کو دیکھ کر مبہوت رہ گئیں اور اس قدر بے خبر ہوگئیں کہ پھلوں کو کاٹنے کے بجائے خود اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انھیں احساس بھی نہ ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور بے ساختہ زبانوں پر یہ جملہ آیا کہ کون کہتا ہے کہ یہ انسان ہے ؟ خدا کی قسم یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے۔ یہ منظر دیکھ کر عزیز مصر کی بیوی نہایت خوش ہوگئی اور اپنی کامیابی اور طعن کرنے والیوں کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی یہی تو وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھ کو بدنام کر رکھا ہے۔

اب تمہارا خود کیا حال ہے ؟ بتاؤ میرا فریفتہ ہونا بیجا ہے یا بجا ؟ بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اب میں تم سب سے کہتی ہوں کہ اگر یہ میرا کہا نہ مانا تو یہ قید خانہ جائیگا یا ذلیل و رسوا ہوگا۔

قرآن حکیم نے اس دعوت کا تذکرہ اس طرح کیا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۔ الخ

(یوسف آیات ۳۰ تا ۳۲)

"اور (جب اس قصہ کا چرچا ہوا تو) چند عورتوں نے جو شہر میں رہتی تھیں یہ بات کہی کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام سے اپنا (ناجائز) مطلب حاصل کرنے کے واسطے پھسلاتی ہے (کیسی پست طبیعت ہے

کہ غلام پر گرتی ہے) اُس غلام کا عشق اُسکے دل میں جگہ کر گیا ہے ہم تو اُسکو صریح غلطی میں دیکھتے ہیں۔

سو جب اُس عورت نے اُن عورتوں کی بدگوئی (کی خبر) سُنی تو کسی کے ہاتھ اُن کو بُلا بھیجا (کہ تمہاری دعوت ہے) اور اُنکے واسطے مسند تکیے لگایا اور (جب وہ آئیں اور اُن کے روبرو مختلف کھانے اور میوے حاضر کئے) اور ہر ایک کو اُن میں سے ایک ایک چاقو (بھی) دیئے اور یوسف ع سے کہا ذرا اِن کے سامنے تو آجاؤ سو عورتوں نے جو اُن کو دیکھا تو (اُن کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور (اُسی حیرت میں) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا للہ یہ شخص آدمی ہرگز نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔

وہ عورت بولی تو (دیکھ لو) وہ شخص یہی ہے جسکے بارے میں تم مجھکو بُرا بھلا کہتی تھیں اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا اور پھر اگر یہ آئندہ کو میرا کہنا نہ کرے گا (جیسا کہ اب تک نہیں کیا) تو بیشک جیل خانہ بھیج دیا جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا۔ (یہ حالت دیکھ کر جب سب عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنا شروع کیا کہ تم کو اپنی محسنہ سے ایسی بے توجہی مناسب نہیں تھی جو یہ کہے تم کو ماننا چاہیئے) یوسف علیہ السلام نے جو یہ باتیں سُنیں تو اللہ تعالےٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب جس کام کی طرف یہ عورتیں مجھکو بلا رہی ہیں اس سے تو جیل خانہ جانا ہی مجھ کو زیادہ پسند ہے اور اگر آپ اے رب اِن کے داؤ پیچ کو مجھ سے دفع نہ کریں گے تو میں اُن کی (طلب) کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانی کا کام کر بیٹھوں گا۔ سو اُن کی دُعا اُن کے رب نے قبول کی اور اُن عورتوں کے داؤ پیچ کو اُن سے دُور رکھا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سُننے والا (اور اُن کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے۔ (پھر یوسف

علیہ السلام کی پاک دامنی کی مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد اُن لوگوں کو یہی مصلحت معلوم ہوئی کہ اُن کو ایک وقت (خاص) تک قید میں رکھیں۔

قید خانے میں

جب یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا متفقہ فیصلہ سُنا اور ایک نہیں ساری عورتیں ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں تو اللہ کے حضور دستِ بدُعا ہوئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوئی اور اللہ نے اُن عورتوں کے سب مکر و فریب دُور کر دیئے، لیکن حکمتِ الٰہی میں یہ ہی بہتر تھا کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ چلے جائیں، حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے گھر میں رہ کر عصمت بچانا ایک مشکل کام تھا۔

الغرض حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اس طرح ایک بے خطا کو خطا کار اور معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ عزیز کی بیوی ذلت اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے۔ تورات کی تصریح کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام کے علمی و عملی جوہر قید خانے میں بھی چھُپ نہ سکے۔ قید خانے کا داروغہ ان کا معتقد ہو گیا۔ قرآن حکیم سے بھی اس بات کی تائید نکلتی ہے اس لئے کہ اُس زمانے کے قید خانوں کے حالات کے پیشِ نظر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس قیدیوں کا آنا جانا اور انکی عظمت و نیک نفسی کا اعتراف کرنا اسکو واضح کرتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاک اوصاف کی قید خانہ میں کافی شہرت تھی۔ حسن اتفاق سے یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان بھی داخل قید خانہ ہوئے اِن میں سے ایک شاہی ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا داروغہ۔

ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں اس الزام میں گرفتار ہوئے کہ انھوں نے بادشاہ کے کھانے پینے میں زہر دینے کی کوشش کی تھی۔ مقدمہ زیرِ تحقیق تھا اس لئے دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔ یوسف علیہ السلام اپنے پیغمبرانہ اخلاق کے سبب سب قیدیوں کی دلداری کرتے، جسکو غمگین دیکھا تسلّی دیتے، کوئی بیمار ہوتا تو عیادت کرتے، صبر کی تلقین کرتے، رہائی کی اُمید دلاتے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے۔ ان کے یہ حالات دیکھ کر جیل کے سب قیدی غیر معمولی متأثر تھے۔ یہ دو قیدی جو حضرت یوسف علیہ السلام

کے ساتھ جیل میں داخل ہوئے تھے ایک روز انھوں نے کہا کہ آپ ہمیں نیک معلوم ہوتے ہیں اس لئے ہم اپنا ایک خواب بیان کرتے ہیں تاکہ آپ اس کی تعبیر بتائیں۔ ایک نے یعنی شاہی ساقی نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ انگور سے شراب نکال رہا ہوں، اور دوسرے نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ میرے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا ہے اُس میں سے جانور نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

براہِ کرم انکی تعبیر بتائیں آپ یقیناً نیک لوگوں میں سے ایک ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن سے نرمی اور محبت سے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ نے جو علم مجھے عطا فرمایا ہے ان میں علم تعبیر کے علاوہ یہ علم بھی شامل ہے کہ میں تمہارا مقررہ کھانا جو تمہارے لئے آتا ہے اسکے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کیسا اور کتنا اور کس وقت آئے گا اور وہ ٹھیک اُسی طرح نکلتا ہے: ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي (یعنی یہ کوئی رَمل یا جفر کا فن نہیں کوئی کہانت یا شعبدہ نہیں بلکہ) میرا رب مجھے بذریعہ وحی تعلیم کرتا ہے

مگر میں تم سے ایک اور بات کہتا ہوں ذرا اس پر بھی غور کر لیجئے اُن لوگوں کی ملت کو اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں، میں نے اپنے باپ دادا یعنی ابراہیم، اسحق، یعقوب کی ملت کی پیروی اختیار کرلی ہے۔ ہم کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتے، یہ اللہ کا فضل ہے جو اس نے ہم پر اور ایمان والوں پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اے دوستو! کیا تم نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ کئی ایک معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ وحدہٗ لاشریک اور سب پر غالب ہے۔ تم اسکے علاوہ جس جس کی بھی عبادت کرتے ہو اُن کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ چند نام نہیں جنکو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے، اللہ نے اُن کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی ہے حکومت تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے اُس نے یہ حکم دیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی اس بات کو نہیں جانتے۔

اس دعوت و تبلیغ کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام اِن دونوں کے خواب کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

دوستو! جس نے یہ دیکھا ہے کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے وہ آزاد ہوکر بادشاہ کے ساقی کی خدمت پھر انجام دے گا۔ اور جس نے روٹیوں والا خواب دیکھا ہے اُسکو سولی دی جائیگی اور پرندے اُسکے سر کو نوچ نوچ کھائیں گے۔ جس کی تعبیر تم نے چاہی ہے وہ نافذ ہو چکی ہے اور فیصلہ یہی ہے۔"

چنانچہ ایسے ہی ہوا ابھی کچھ وقت گزرا نہ تھا کہ ایک آزاد ہوکر اپنی سابقہ خدمت پر بحال ہو گیا دوسرا مجرم ثابت ہوکر سولی پر چڑھا دیا گیا اور پرندوں نے اُسکی بوٹیاں اُڑا دیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب دونوں کی تعبیر خواب بیان کر دیئے تو ساقی سے یہ بھی کہا تھا کہ جب تو دربار میں جائیگا اپنے بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا کہ ایک بے گناہ قید خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

لیکن وہ شخص اُس بات کو بھول گیا اور اُسکو یاد نہ رہا کہ اپنے ایک محسن کو قید خانے سے چھڑوانا باقی ہے۔ اگرچہ یہ بات قرین قیاس نہیں کہ اپنے ایسے محسن کو آدمی بھول جائے لیکن قرآن حکیم نے اسکی حقیقت یہ بتلائی کہ شیطان اُسپر مسلط ہو گیا اور اُسے یہ بات یاد کرنے کا موقعہ ہی نہ دیا اور اس پر ایک عرصہ ایسے ہی گزر گیا۔ اس طرح چند سال مزید قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کو رہنا پڑا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا قید خانے میں جانا، وہاں قیدیوں میں تبلیغ کرنا، خواب کی تعبیر دینا، آیاتِ ذیل میں اس طرح موجود ہے:۔

قرآنی مضمون

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ ۔الخ۔

(یوسف آیت ۳۶ تا ۴۲)

"اور یوسف کے ساتھ اور بھی دو نوجوان جیل خانے میں

داخل ہوئے، اُن میں سے ایک نے یوسف علیہ السلام سے کہا میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ شراب (بنانے کے لئے انگور کا رس) نچوڑ رہا ہوں۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں اپنے آپ کو اس طرح دیکھ رہا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیوں کا ٹوکرا لئے ہوئے ہوں (اور) اُس میں سے پرندے (نوچ نوچ) کر کھا رہے ہیں، ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیے آپ ہم کو نیک آدمی معلوم ہوتے ہیں۔

(حضرت) یوسف (علیہ السلام) نے (چاہا کہ جب یہ میرے معتقد ہیں تو ان کو اوّلاً ایمان کی دعوت دینا چاہیئے) فرمایا کہ (دیکھو) جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے جو کہ تم کو کھانے کے لئے (جیل خانے) میں ملتا ہے۔ میں اُس کے آنے سے پہلے اسکی حقیقت تم کو بتلا دیا کرتا ہوں (کہ فلاں چیز آئے گی اور ایسی ہوگی) اور یہ بتلا دینا اُس علم کی بدولت ہے جو مجھکو میرے رب نے تعلیم فرمایا ہے (یعنی بذریعہ وحی معلوم ہو جاتا ہے) میں نے تو ان لوگوں کا مذہب (پہلے ہی سے) چھوڑ رکھا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے بھی منکر ہیں۔

اور میں نے اپنے ان (بزرگوار) باپ دادوں کا مذہب اختیار کر رکھا ہے ابراہیمؑ کا اور اسحٰقؑ کا اور یعقوبؑ کا۔ ہم کو کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی شئے کو شریک عبادت قرار دیں اور یہ (عقیدۂ توحید) ہم پر اور لوگوں پر بھی خدا تعالےٰ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا) شکر ادا نہیں کرتے۔

اے قید خانہ کے رفیقو (ذرا سوچ کر بتاؤ کہ عبادت کے واسطے) متفرق معبود اچھے ہیں یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے؟ تم لوگ تو اللہ کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادت کرتے ہو جنکو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی آپ) ٹھیرالیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل بھیجی نہیں (اور) حکم (دینے کا اختیار صرف) اللہ ہی کو ہے

(اور) اُس نے حکم دیا ہے کہ بجز اُس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اے قید خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہوکر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پاکر) سولی دیا جائے گا اور اُس کے سر کو پرندے (نوچ نوچ) کھائیں گے جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا۔ اور (جب وہ جیل خانے سے جانے لگے تو) جس شخص پر رہائی کا گمان تھا اُس سے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا (کہ ایک شخص بے قصور قید میں ہے اُس نے وعدہ کرلیا) پھر اسکو اپنے آقا سے (یوسف علیہ السلام) کا تذکرہ کرنا شیطان نے بھلا دیا تو (اس وجہ سے) قید خانے میں اور بھی چند سال اُن کا رہنا ہوا۔"

خوابِ سُلطانی

حضرت یوسف علیہ السلام اسی طرح قید خانے میں مقیم رہے بعض مفسرین نے اس مدت کو سات سال بیان کیا ہے۔ اسی درمیان میں بادشاہِ وقت جسکا نام ریّان اور لقب فرعون تھا ایک خواب دیکھا اور خواب کی نوعیت سے سخت پریشان ہوا دربار کے اہل علم اور کاہنوں کو جمع کر کے تعبیر معلوم کرنی چاہی لیکن وہ خواب کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا سب نے یہ جواب دیا کہ یہ پراگندہ قسم کا خواب ہے جسکی کوئی حقیقت نہیں ہے اگر کوئی صحیح خواب ہوتا تو ہم اسکی تعبیر بیان کردیتے۔ خواب یہ تھا:۔

"سات عدد موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی گائیں، یہ دُبلی گائیں موٹی گائیوں کو نگل گئیں۔ اسی طرح سات سرسبز و شاداب بالیں ہیں اور سات خشک (خوشہ گندم) ان خشک بالیوں نے سرسبز بالیوں کو کھالیا۔"

بادشاہ دربار کے اِن کاہنوں کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ اسی اثناء رہا شدہ ساقی کو یوسف علیہ السلام کی بات یاد آئی اور اُس نے آگے بڑھکر کہا اے بادشاہ اگر مجھے کچھ مہلت دیں تو میں اسکی تعبیر لاسکتا ہوں۔

بادشاہ نے اجازت دے دی وہ اُسی وقت قید خانہ پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کا خواب سُنایا اور کہا کہ آپ اسکی تعبیر بیان فرمائیے کیوں کہ آپ سچائی کے پیکر ہیں آپ ہی اسکو حل کر سکتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں صحیح تعبیر لے کر اُن کے پاس واپس جاؤں تو وہ لوگ آپ کی حقیقی قدر و منزلت جان لیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے صبر و تحمّل کا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ساقی کو نہ ملامت کی اور نہ برسوں بھولے رہنے پر تعجّب کیا اور نہ تعبیر علم میں بخل سے کام لیا، نہ یہ سوچا کہ جن ظالموں نے مجھے برسوں بے قصور زندان میں ڈالے رکھا ہے وہ اگر تباہ ہو جائیں اور خواب کا حل نہ پاکر برباد ہو جائیں تو اچھا ہے ان کی یہی سزا ہونی چاہیئے، ایسا کچھ بھی نہیں کیا بلکہ اُسی خواب کی تعبیر دی اور اپنی جانب سے اس سلسلہ میں صحیح تدبیر بھی بتلادی کہ خواب کے مضر اثرات سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔

"فرمایا اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر جو کچھ تم کو کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ تم سات برس تک لگاتار کھیتی کرتے رہو گے اور یہ تمہاری خوشحالی کے سال ہیں۔ اور جب کھیتی کے کٹنے کا وقت آئے تو جس قدر مقدار تمہارے سال بھر کھانے کے لئے ضروری ہے اسکو الگ کرلو اور باقی غلّہ کو اُن کی بالیوں ہی میں رہنے دو تاکہ محفوظ رہے گلے سڑے نہیں اسکے بعد سات برس مسلسل قحط سالی کے ہوں گے وہ تمہارا جمع کیا ہوا تمام ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ اسکے بعد پھر ایک سال ایسا آئے گا کہ خوب پانی برسیگا کھیتیاں ہری بھری ہو جائیں گی اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اور تیل کثرت سے نکالیں گے۔ یعنی موٹی گائیں اور سرسبز بالیں خوشحالی کی علامت ہیں اور دُبلی گائیں اور خشک بالیں قحط سالی کی علامت ہیں جو خوشحالی کی پیداوار کو کھا جائیں گے۔"

بادشاہ کے خواب میں تو بظاہر اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہوں گے۔ پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر ایک اضافہ یہ بھی بیان کر دیا کہ:۔

قحط سالی کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ بطور وحی بیان کیا تاکہ اُن لوگوں کو مزید اطمینان ہو اور تعبیر کا منجانب اللہ ہونا معلوم ہو جائے۔

دوسرا حکیمانہ مشورہ یہ بھی دیا کہ غلّے کو خوشوں ہی میں رہنے دیا جائے تاکہ قحط کے سالوں میں کام آسکے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ غلّہ جب تک خوشوں میں رہتا ہے اسکو کیڑا وغیرہ متاثر نہیں کرتا۔

الغرض جب یہ ساقی تعبیر خواب لیکر بادشاہ کے پاس آیا اور اسکو خبر دی، بادشاہ اور اہل دربار اس تعبیر سے غیر معمولی متاثر ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے علم فہم کا اعتراف کیا۔

تعبیرِ خواب کا تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں اس طرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّىٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ الخ

بادشاہ نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنکو سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور اناج کی سات بالیں ہری ہیں اور دوسری طرف سات سوکھی، اے اہل دربار مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہو۔

اُنھوں نے کہا یہ تو پریشان خواب ہیں اور ہم اس طرح کے خوابوں کا مطلب نہیں جانتے۔

اُن دو قیدیوں میں سے جو نجات پایا تھا اور اُسے ایک مدّتِ دراز کے بعد اب بات یاد آئی کہا میں آپ حضرات کو اسکی تعبیر بتاتا ہوں مجھے ذرا (قید خانے میں یوسفؑ کے پاس) بھیج دیں۔

(اُس نے جا کر کہا) یوسفؑ اے سراپا صدق مجھے اس خواب کا مطلب بتائیے کہ سات موٹی گائیں ہیں جنکو سات دُبلی گائیں

کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیں ہیں اور سات سوکھی، تاکہ میں اُن کے پاس جاؤں (اور بیان کروں) تاکہ (اس کی تعبیر اور اس سے آپ کا حال اُن کو بھی معلوم ہوجائے۔

یوسف (علیہ السلام) نے کہا سات برس تک لگاتار تم لوگ کھیتی باڑی کرتے رہوگے، اس دوران جو فصلیں تم کاٹو اُن میں سے بس تھوڑا سا حصہ جو تمہاری خوراک کے کام آئے نکال لو اور باقی کو اُس کی بالیوں ہی میں رہنے دو۔

پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت (قحط) کے آئیں گے جوکہ اُس (تمام) ذخیرے کو کھا جائیں گے۔ جسکو تم نے اِن برسوں کے واسطے جمع کرکے رکھا ہوگا۔ البتہ تھوڑا سا جو (بیج کے واسطے) رکھ چھوڑو گے۔ پھر ان (سات برس) کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں لوگوں کیلئے خوب بارش ہوگی اور اُس میں رس نچوڑیں گے" (یعنی کثرت سے پیداوار ہوگی)"

دربارِ مصر میں

ساقی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی ساری گفتگو بادشاہ کو سنائی اور ساتھ ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق وعادات جسکا اُس نے قیدخانے میں مشاہدہ کیا تھا بیان کیا، بادشاہ اس عجیب ونادر تعبیر کو سنکر متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور اس بات کا خواہشمند ہوا کہ ایسے شخص کو دیکھنا چاہیئے۔ چنانچہ اپنے ایک قاصد کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاں بھیجا اور اپنے شوقِ ملاقات کا اظہار کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے باہر نکلنے سے معذرت چاہی اور فرمایا کہ اس طرح تو میں قیدخانے سے باہر آنہیں سکتا جب تک کہ اُن عورتوں کا معاملہ واضح نہ ہوجائے جنھوں نے بےخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے آخر ایسا کیوں ہوا؟ میرا پروردگار تو اِن کے مکروفریب کو خوب جانتا ہی ہے۔

اللہ تعالےٰ اپنے انبیاء کو جس طرح دین کامل عطا فرماتے ہیں ایسے ہی عقلِ کامل اور معاملہ فہمی کی بھی پوری پوری صلاحیتیں مہیا فرماتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے

ایسے اہم موقعہ پر جب کہ خود بادشاہ دعوت رہائی دے رہا ہو قابل توجہ نہ سمجھا۔

اس وقت دانشمندی کا تقاضہ یہی تھا کہ رہائی سے پہلے جس عیب کی تہمت لگائی گئی تھی اور جس وجہ سے جیل میں برسوں ڈالا گیا تھا اُسکی حقیقت بادشاہ اور عام لوگوں پر پوری طرح واضح ہوجائے اور عصمتِ یوسفی پر کوئی شُبہ باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں منصبِ نبوّت کی ادائیگی کے لئے جس اعتماد واعتقاد کی عوام کو ضرورت ہے وہ اس تہمت کے ساتھ مفید ثابت نہیں ہوتی اور دعوت وتبلیغ کا کام جو آپ کا نصب العین تھا کامل طور پر جاری وساری نہ ہوسکتا تھا

حضرت یوسف علیہ السّلام نے قاصد کو یہ کہہ کر واپس کردیا کہ بادشاہ سے کہو کہ وہ پہلے اُس تہمت کی حقیقت کو واضح کرے اُس کے بعد میری رہائی کا اعلان کرے۔

قرآن حکیم نے قید خانے سے نہ نکلنے کی یہی وجہ بیان کی ہے، حضرت یوسف علیہ السّلام نے فرمایا میں نے قید خانے سے نکلنے میں یہ تاخیر اس لئے کی ہے کہ عزیزِ مصر کو یقین ہوجائے کہ میں نے اُسکی غیر موجودگی میں اُسکے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔

(یوسف آیت ۵۲)

اور دوسری حکمت یہ بھی ارشاد فرمائی گئی کہ اس تحقیقات سے لوگوں کو معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالےٰ خیانت کرنے والوں کے مکر وفریب کو چلنے نہیں دیتا۔

الغرض بادشاہ نے جب یہ سُنا تو اُن عورتوں کو طلب کیا اور اُنہیں پابند کیا کہ حقیقی واقعات بیان کردیں تاکہ معاملہ کی اصل صورت سامنے آئے۔ صورتِ حال کچھ ایسی ہوچکی تھی کہ عورتوں کو حقیقی واقعات بیان کئے بغیر چارہ نہ رہا، سب نے یک زبان ہوکر کہا :-

"خدا کی پناہ! ہم نے یوسفؑ میں کوئی بُرائی نہیں پائی"

عزیز کی بیوی نے جب یہ منظر دیکھا کہ شہر کی ساری معزز خواتین یک زبان ہیں تو اسی میں اپنی عافیت سمجھی کہ جُرم کا اقرار کرلیا جائے۔ آخر وہ بھی بول پڑی کہ اب تو حق بات ظاہر ہو ہی گئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے ہی اُن سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بیشک سچے تو وہی ہیں۔

بادشاہ اور اہل دربار پر جب یہ حقیقت واضح ہوئی تو سب نے حضرت یوسفؑ

سے ملاقات کرنے اور انھیں باعزت دربار میں تشریف لانے کے لئے آدمی بھیجے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام بازارِ مصر سے دربارِ مصر پہنچے۔

اس شاہی اعزاز و اکرام کا شہرہ ملکِ مصر میں جسقدر بھی ہوا ہوگا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق و کردار کے بارے میں اس حد سے آگے ہو رہے تھے جو انسانی اخلاق و کردار کی آخری حد ہوا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو انسانی فطرت کا اظہار کرنا پڑا اور یہ کہ کوئی انسان اللہ کے فضل و کرم اور تائید کے بغیر فلاح نہیں پاسکتا۔ قید خانے کی رہائی سے پہلے یہ اعلان فرمارہے ہیں:۔

"لوگو! میں اپنے نفس کو بالذات بری اور پاک نہیں بتلاتا کیونکہ نفس تو ہر ایک کا بُری ہی بات بتلاتا ہے، بجز اس نفس کے جس پر میرا رب رحم کرے (یعنی میری یہ پاکدامنی صرف خدائے کریم کا فضل و کرم ہے)"

بادشاہ اور اُمراء نے دربار میں حضرت یوسف علیہ السلام کا شاہی استقبال کیا اور انکو اپنا مقرّب خاص قرار دیا اور اعزاز و خطاب سے موسوم کیا۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل انہی تفصیلات پر مشتمل ہیں:۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ۔ الخ

(یوسف آیات ۵۰ تا ۵۷)

(غرض وہ شخص تعبیر لیکر دربار میں پہونچا) اور (جاکر بیان کیا) بادشاہ نے (جو سنا تو متاثر ہوا) اور حکم دیا کہ اُن کو میرے پاس لاؤ پھر جب اُن کے پاس قاصد پہنچا تو آپؑ نے فرمایا تو اپنی سرکار کے پاس لوٹ جا پھر اُس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے میرا رب اُن عورتوں کے فریب کو خوب جانتا ہے۔

(چنانچہ بادشاہ نے اُن عورتوں کو جمع کیا اور) کہا کہ تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی؟ عورتوں نے جواب دیا کہ حاشا للّٰہ ہم کو اُن میں ذرہ برابر بھی تو بُرائی کی بات نہیں معلوم ہوئی (وہ بالکل پاک ہیں) عزیز کی بیوی (جو کہ حاضر تھی) کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہی ہوگئی (اب چھپانا بیکار بات ہے سچ یہی ہے کہ) میں نے ہی اُن سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی (نہ کہ اُنھوں نے) اور بیشک وہی سچے ہیں۔ (اُس وقت) یوسفؑ نے فرمایا کہ یہ تمام اہتمام (جو میں نے کیا) محض اس وجہ سے تاکہ عزیز کو معلوم ہوجائے بیقین کے ساتھ کہ میں نے اسکی عدم موجودگی میں اُسکی آبرو میں دست درازی نہیں کی اور یہ (بھی معلوم ہوجائے) کہ اللّٰہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ اور (باقی) میں اپنے نفس کو (بالذات) بری (اور پاک) نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بُری ہی بات بتلاتا ہے۔ بجز اُس (نفس) کے جس پر میرا رب رحم کرے۔ بیشک میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔

اور بادشاہ نے کہا ان کو میرے پاس لاؤ میں اُن کو خاص اپنے کام کے لئے رکھوں گا۔ پس جب بادشاہ نے اُن سے باتیں کیں (اور باتوں سے اور زیادہ فضل و کمال ظاہر ہوا) تو بادشاہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک آج سے تم بڑے معزز اور امانت دار ہو۔

یوسف علیہ السلام نے کہا اے بادشاہ مُلکی خزانوں پر مجھ کو مامور کر دیجئے میں اُن کی حفاظت (بھی) رکھوں گا اور (حساب کتاب کے طریقہ سے بھی) خوب واقف ہوں۔

(پھر بعد میں یہ ہی بادشاہ ہوگئے چنانچہ اللّٰہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور ہم نے ایسے (عجیب) طور پر یوسف علیہ السلام کو ملک (مصر) میں بااختیار بنا دیا کہ اُس میں جہاں چاہیں رہیں سہیں ہم جس پر چاہیں اپنی عنایت متوجہ کر دیں اور ہم نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

اور آخرت کا اجر تو کہیں زیادہ بڑھ کر ہے ایمان اور تقوی والوں کیلئے۔

دربارِ یوسفی اور بھائیوں کی آمد

اللہ تعالیٰ کے عطا و کرم کا یہ کیسا عجیب وغریب واقعہ ہے کل تک جو کنعان میں "گلہ بانی" کر رہا تھا وہ آج وقت کی سب سے بڑی متمدن قوم کا مختار و مالک بنکر "جہاں بانی" کر رہا ہے۔ بادشاہِ وقت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی تمام مملکت کا امین اور کفیل بنا دیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں اُن کے حوالہ کر کے اپنا مختار عام قرار دے لیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت مصر کے مختار عام ہونے کے بعد خواب سلطانی سے متعلق وہ تمام تدابیر شروع کر دیں جو چودہ سال کے اندر مفید کار ہوسکتی تھیں تاکہ رعایا قحط سالی کے ایام میں بھوک اور پریشان حالی سے محفوظ رہ سکے، انہی ایام میں عزیز مصر کا انتقال ہوگیا اور زلیخا کا نکاح حضرت یوسف علیہ السلام سے انجام پایا۔
(درمنثور)

غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو یہ قحط صرف ملک مصر ہی میں نہ تھا بلکہ دور دراز علاقوں تک پھیلا ہوا تھا ارضِ کنعان جو فلسطین کا ایک حصہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا وطن ہے (اور آج بھی یہ ارض کنعان خلیل نامی ایک پُر رونق شہر کی صورت میں موجود ہے جہاں حضرات ابراہیم و اسحٰق و یعقوب اور یوسف علیہم السلام کے مزارات معروف ہیں۔) یہ خطہ بھی قحط کی زد سے نہ بچا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں بے چینی پیدا ہوئی ساتھ ساتھ مصر کی یہ شہرت عام ہوگئی تھی کہ وہاں غلہ قیمتاً مل جاتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں بادشاہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس بڑی مقدار میں غلہ موجود ہے تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ اور چونکہ یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں دیا جاتا اس لئے سب صاحبزادوں کو روانہ کرنے کی تجویز ہوئی مگر سب سے چھوٹے بیٹے بنیامین کو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے روک لیا گیا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام

کے گُم ہوجانے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان سے زیادہ محبت ہوگئی تھی اور وہ کسی وقت بھی ان کو اپنے سے جدا نہیں ہونے دیتے تھے۔

دسؔ بھائیوں کا یہ قافلہ کنعان سے مصر روانہ ہوا جب دربار میں پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں شاہانہ تخت و تاج کے مالک ہونے کی حیثیت سے سامنے آئے۔ معلوم ہوا کہ کنعان کا قافلہ ہے۔ سرسری گفتگو میں پہچان لیا کہ یہ سب بھائی ہیں لیکن بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا کیونکہ ان بھائیوں نے اپنے بھائی کو سات سال کی عمر میں فروخت کر دیا تھا جسکو اس وقت حضرت ابن عباس رضؓ کی روایت کے مطابق چالیس سال ہو چکے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پہچان لینے کے تعلق سے ابن کثیرؒ میں مزید یہ وضاحت درج ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے مزید اطمینان کے لئے چند ایسے سوالات بھی کئے جو مشتبہ انسانوں کے تعلق سے کئے جاتے ہیں۔ ایک سوال یہ بھی تھا کہ آپ لوگوں کی زبان عبرانی ہے یہاں کیسے پہونچے؟ انھوں نے کہا بادشاہ ہمارے ملک میں قحط واقع ہے اور ہم نے آپ کی تعریف سُنی اس لئے غلّہ لینے آئے ہیں ہم اگرچہ غیر ملکی ہیں لیکن کسی دشمن کے جاسوس نہیں ہم لوگ کنعان کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے باپ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں جنکا نام یعقوب بن اسحٰق علیہم السلام ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے بارے میں دریافت کیا کہ تمہارے والد کی اور بھی کوئی اولاد ہے؟ جواب دیا کہ ہم بارہ ۱۲ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹے بھائی کو بچپن میں بھیڑیے نے کھا لیا تھا اور ہمارے والد کو سب سے زیادہ اُسی سے محبت تھی اسکے بعد اُسکے چھوٹے بھائی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگے اور اسی لئے اس وقت بھی اس کو سفر میں ہمارے ساتھ نہیں بھیجا ہمیشہ اسکو اپنے پاس ہی رکھتے ہیں۔

یہ تفصیلات سُنکر حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمانخانے میں ٹھیرایا جائے اور قاعدہ کے مطابق غلّہ دے دیا جائے۔

غلّہ کی تقسیم میں یہ ضابطہ قائم کیا تھا کہ ہر شخص اپنا غلّہ خود حاصل کرے۔ امام قرطبیؒ نے اس کی مقدار ایک وَسَق یعنی ساٹھ صاع لکھی ہے جو ہمارے موجودہ وزن کے لحاظ سے ذو سو دس سیر کے قریب ہوتی ہے۔

جب بھائیوں نے غلّہ لے لیا اور قیمت ادا کر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں جانے کی اجازت دے دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ جب دوبارہ ضرورت پڑے تو پھر آ جانا اور اپنے سوتیلے بھائی کو بھی ضرور لانا تاکہ اُسکا حصّہ بھی دیدیا جائے۔ تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ میں ہر ایک کو پورا پورا غلّہ دیا کرتا ہوں اور اکرام و مہمانی میں بھی کوئی کمی نہیں کرتا۔ سب بھائیوں نے شکریہ ادا کر کے واپس ہونے کا ارادہ کیا، اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے غلّے کے کارندوں کو خُفیہ حکم دے دیا تھا کہ ان کے غلّے کے اندر اُنکی ادا کردہ قیمت چُھپا کر رکھدی جائے اسطرح کہ اُنھیں خبر تک نہ ہو تاکہ جب یہ اپنے گھر پہنچ کر سامان کھولیں گے تو اپنی نقدی واپس ملنے پر دوبارہ جلد آنے کا ارادہ کریں گے۔ ابن کثیرؒ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس تدبیر کی کئی ایک مصلحتیں لکھی ہیں۔ ممکن ہے بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا پسند نہ کیا ہو اور اپنے پاس سے قیمت ادا کر دی ہو۔ یا یہ خیال آیا ہو کہ ممکن ہے ان کے پاس مزید نقدی یا زیور نہ ہو جسکی وجہ سے دوبارہ نہ آسکیں۔

ایک تیسری وجہ اور بھی لکھی ہے جو نہایت لطیف ہے وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ جب اُن کی قیمت اُن کو واپس پہنچ جائیگی اور والد ماجد کو اسکا علم ہوگا تو وہ اللہ کے رسول ہیں اس واپس شدہ رقم کو مصری خزانے کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیج دیں گے۔ اس طرح بھائیوں کا دوبارہ آنا یقینی ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

چنانچہ ایسے ہی ہوا جب اِن لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو اُس میں اُن کی اداشدہ رقم مل گئی کہنے لگے اباجان! مصری کارندوں کی غلطی سے ہماری نقدی ہمارے سامانِ غلّہ میں واپس آگئی ہے اسکو واپس کر دینا چاہیئے۔ ویسے بھی اُس بادشاہ نے ہمارا اکرام واحترام کیا ہے اور ہمیں ہر طرح کی راحت پہنچائی ہے۔ ہم اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی بحفاظت اپنے ساتھ لے جائیں گے اور اُسکا حصّہ بھی لیتے آئیں گے۔

بیٹوں کے اصرار پر اور غلّہ کی قیمت واپس آجانے پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہی مناسب سمجھا کہ بچّوں کو دوبارہ بھیجنا چاہیئے۔ لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کا واقعہ بھی یاد تھا بیٹوں سے فرمایا کیا میں تم پر ایسا ہی اعتماد کروں جیسا کہ اس سے پہلے اسکے بھائی یوسفؑ کے بارے میں کیا تھا؟

مطلب یہ تھا کہ تمہاری بات کا کیا اعتبار؟ تم پر اعتماد کرکے ایک دفعہ اپنے عزیز بیٹے کو کھو چکا ہوں تم نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ ہم اتنے ہوتے ہوئے بھی (یوسف) کی حفاظت نہ کرسکیں گے۔

غور کرکے فرمایا اچھا اب میں پھر اللہ پر ہی بھروسہ کرتا ہوں اور وہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ میری ضعیفی پر دوہرا صدمہ نہ ڈالے گا۔ اس طرح اپنے چھوٹے بیٹے بنیامین کو ساتھ کرنے پر راضی ہوگئے اور بیٹوں سے عہد و پیمان لیا کہ بنیامین کو اپنے ساتھ رکھوگے اور اُسکو واپس لے آؤگے۔

جب بیٹے چلنے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے شہر مصر میں داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت کی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جارہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے سب داخل نہ ہونا بلکہ شہر پناہ کے قریب پہنچ کر متفرق ہوجانا اور پھر مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ وصیت کیوں فرمائی؟ اس کا کیا مقصد تھا؟ قرآن حکیم اسکی وضاحت سے ساکت ہے البتہ اسقدر تذکرہ ضرور ملتا ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی احتیاطی تدبیر تھی جو اللہ کی مشیت کے آگے کچھ بھی کام نہ آسکی۔ بس حضرت علیہ السلام کے دل میں ایک کھٹک سی تھی جسکو دور کرنے کے لئے انھوں نے اپنی سی کوشش کرلی۔ قرآن حکیم نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ

(اور بیشک وہ ہماری دی ہوئی تعلیم سے صاحب علم تھا)

کے عنوان سے تعارف کروایا ہے۔

یعنی بیٹوں کی حفاظت کے لئے ایک طرف تو دُنیاوی تدبیر اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسری طرف اس بات کا بھی اظہار فرمایا کہ کوئی انسانی تدبیر اللہ کی مشیّت کو نافذ ہونے سے روک نہیں سکتی اور اصل حفاظت اللہ کی حفاظت ہے۔ بھروسہ اپنی تدبیروں پر نہیں بلکہ اللہ کے فضل و کرم پر ہونا چاہیئے۔ تدبیر اور توکل کا یہ توازن انبیاء کرام کی سیرت سے معلوم ہوسکتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو سفر سے پہلے اسی تعلیم کی تلقین فرمائی تھی۔

بعض دیگر مفسرین نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی ایک حکمت یہ لکھی ہے کہ یہ سب بیٹے صحت مند، صاحب جمال، صاحب وجاہت تھے۔ ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب ایک باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں تو کسی بدنظر کی نظر لگ جائے جس سے ان کو کوئی تکلیف پہونچے، یا اجتماعی طور سے داخل ہونے پر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں اور تکلیف پہنچائیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اِن کو یہ وصیت پہلے سفر میں نہیں کی اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی اسکی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر میں مسافرانہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے نہ کوئی انھیں جانتا تھا اور نہ کسی کے توجہ دینے کا خطرہ تھا، مگر پہلے سفر میں جب ان کا غیر معمولی اکرام و اعزاز ہوا جس سے ارکان دولت اور شہر کے لوگوں تک میں تعارف ہو گیا تو اب یہ خطرہ قوی ہو گیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا کچھ لوگ حسد کرنے لگیں۔ واللہ اعلم۔

دربارِ یوسفی میں بھائیوں کی آمد، اور غلّے کا حاصل کرنا اور بادشاہ سے ہمکلامی، اور غلّے کے لئے دوبارہ سفر کرنا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹوں سے عہد و پیمان لینا، قرآن حکیم کی آیات ذیل میں واضح طور پر موجود ہے :-

قرآنی مضمون

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۔ الخ (یوسف آیات ۵۸ تا ۶۸)

"اور یوسفؑ کے بھائی (مصر) آئے پھر یوسفؑ کے پاس پہونچے سو یوسف نے تو اُن کو پہچان لیا اور اُنھوں نے یوسفؑ کو نہ پہچانا۔ اور جب یوسفؑ نے اُن کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا کہ اپنے علّاتی بھائی کو بھی لانا، تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں اور میں سب سے زیادہ مہمان نوازی کرتا ہوں۔ اور اگر تم (دوبارہ آئے اور) اُس کو میرے پاس نہ لائے تو نہ میرے پاس تمہارے نام کا غلّہ ہوگا اور نہ تم میرے پاس آنا۔

وہ بولے (دیکھیے ہم (اپنی حدِ امکان تک تو) اُس کے باپ

سے اسکو مانگیں گے اور ہم اس کام کو ضرور کر دیں گے (آگے باپ کے اختیار میں ہے)

اور (جب وہ لوگ وہاں سے چلنے لگے تو) یوسفؑ نے اپنے نوکروں سے کہہ دیا کہ ان کی جمع کردہ پونجی (جسکے عوض انھوں نے غلّہ مول لیا ہے) اِن ہی کے اسباب میں (چھپا کر) رکھدو تاکہ جب اپنے گھر جائیں تو اس کو پہچانیں شاید (یہ دیکھ کر) پھر دوبارہ واپس آئیں۔ غرض جب لوٹ کر اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کے پاس پہنچے کہنے لگے اے ابّا (ہماری بڑی خاطر ہوئی اور غلّہ بھی ملا مگر بنیامین کا حصّہ نہیں ملا بلکہ بغیر بنیامین کے آئندہ بھی) ہمارے لئے (مطلقاً) غلّہ کی بندش کر دی گئی سو (اس صورت میں ضروری ہے کہ) آپ ہمارے بھائی (بنیامین) کو ہمارے ساتھ بھیجدیجئے تاکہ ہم (پھر) غلّہ لاسکیں اور ہم اُن (بنیامین) کی پوری حفاظت رکھیں گے۔

یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کہ بس (رہنے دو) میں اس کے بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے اسکے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں تمہارا اعتبار کرچکا ہوں۔ سو (خیر اگر لے ہی جاؤ گے تو) اللہ (کے سپرد) وہی سب سے بڑھکر نگہبان ہے۔ (میری نگہبانی سے کیا ہوتا ہے) اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

اور (اس گفتگو کے بعد) جب اُنھوں نے اسباب کھولا تو (اُس میں) اُنکی جمع کردہ پونجی (بھی) ملی کہ اُن ہی کو واپس کر دی گئی ہے کہنے لگے اے ابّا دیکھئے) اور ہم کو کیا چاہیئے یہ ہماری جمع کردہ پونجی بھی تو ہم ہی کو لوٹا دی گئی (ایسا کریم بادشاہ ہے) اور اپنے گھر والوں کے واسطے اور غلّہ لائیں گے اور اپنے بھائی (بنیامین) کی خوب حفاظت رکھیں گے۔ اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلّہ اور زیادہ لائیں گے (کیونکہ جسقدر اسوقت لائے ہیں) یہ تو تھوڑا سا غلّہ ہے۔ یعقوب (علیہ السلام) نے کہا کہ اس وقت تک ہرگز اسکو تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک

اللہ کی قسم کھا کر مجھ کو پکا قول نہ دو گے کہ تم اسکو ضرور لے ہی آؤ گے ہاں اگر کہیں گھر ہی جائے تو مجبوری ہے (چنانچہ سب نے اس پر قسم کھائی) سو جب وہ قسم کھا کر اپنے باپ کو قول دے چکے تو اُنھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ جو کچھ بات چیت کر رہے ہیں یہ سب اللہ کے حوالے۔

اور (چلتے وقت) یعقوب نے (اُن سے فرمایا) کہ اے میرے بیٹو! جب مصر پہنچو تو) سب کے سب ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ علیٰحدہ علیٰحدہ دروازوں سے جانا اور (یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے) (باقی) اللہ کے حکم کو تم پرے ٹال نہیں سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اُسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اُسی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اور جب (مصر پہنچکر) جس طرح اُن کے باپ نے کہا تھا (اُسی طرح) شہر کے اندر داخل ہوئے تو باپ کا ارمان پورا ہو گیا۔ (باقی) اُن کے باپ کو اُن سے (یہ تدبیر بتلا کر) خدا کا حکم ٹالنا مقصود نہ تھا لیکن یعقوب کے جی میں (بدرجہ تدبیر) ایک ارمان (آیا) تھا جس کو اُنھوں نے ظاہر کر دیا اور بلاشبہ وہ بڑے عالم تھے بایں وجہ کہ ہم نے اُن کو علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ اسکا علم نہیں رکھتے۔"

دربارِ یوسفی اور دوسرا داخلہ

صورت یہ پیش آئی کہ جب برادرانِ یوسف کنعان سے دوبارہ روانہ ہوئے تو راستہ میں بنیامین کو تنگ کرنا شروع کیا کبھی اسکو باپ کی محبت و عشق کا طعنہ دیتے، کبھی اس بات پر حسد کرتے کہ عزیزِ مصر نے خصوصیت کے ساتھ اِسکو کیوں طلب کیا ہے؟ بنیامین یہ سب کچھ سنتے اور خاموش رہتے۔ جب یہ منزلِ مقصود پر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ یہ لوگ وعدہ کے مطابق ان کے حقیقی بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے آئے ہیں تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو خاص اپنے ساتھ ٹھیرایا۔

امام تفسیر قتادہؒ نے لکھا ہے کہ سب بھائیوں کے قیام کا حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ انتظام کیا تھا کہ دو دو کو ایک ایک کمرے میں ٹھیرایا گیا۔ یہ گیارہ بھائی تھے بنیامین تنہا رہ گئے اُن کو اپنے ساتھ قیام کرنے کا حکم دیا۔ جب تنہائی کا موقع آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی پر راز فاش کر دیا اور بتلایا کہ میں ہی تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں اب تم کوئی اندیشہ نہ کرو اب بُرائی کا دور ختم ہو گیا اب یہ لوگ تم کو کسی قسم کی ایذا نہیں دیں گے۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی بڑی خاطر مدارات کی نوکروں کو حکم دیا کہ انکو شاہی مہمان خانوں میں اُتاریں اور انکے لئے پُرتکلف دعوت کا سامان کیا، چند روز کے قیام کے بعد جب یہ رخصت ہونے لگے تو یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ اِن کے اونٹوں کو غلے سے اسقدر لاد دیا جائے جتنا کہ یہ برداشت کر سکیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح اپنے عزیز بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیں مگر انتہائی اضطراب و بے چینی کے باوجود اُن کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اس لئے کہ حکومت مصر کے قانون میں کسی غیر مصری کو بغیر کسی معقول وجہ کے روک لینا سخت ممنوع تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت لوگوں پر یا اُن کے بھائیوں پر اصل حقیقت منکشف ہو۔ اس وجہ سے خاموش رہے اور جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو کسی کو اطلاع کئے بغیر نشانی کے طور پر اپنا چاندی کا پیالہ بنیامین کے سامان میں رکھ دیا۔

کنعان کے اس قافلہ نے ابھی تھوڑی ہی مسافت طے کی ہو گی کہ یوسف علیہ السلام کے کارندوں نے شاہی برتنوں کی دیکھ بھال کی تو اُس میں قیمتی پیالہ نہ پایا سمجھے کہ شاہی محل میں کنعانیوں کے سوا دوسرا کوئی نہیں آیا اس لئے اُنھوں نے ہی یہ چوری کی ہے فوراً دوڑے اور چلائے، قافلے والو ٹھہرو تم چور ہو۔

برادرانِ یوسف کارندوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے ہم پر خواہ مخواہ کیوں الزام لگاتے ہو آخر معلوم تو ہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟

کہا گیا کہ بادشاہ کا قیمتی پیالہ گم ہو گیا ہے اور اُن میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ جو شخص چوری کا پتہ لگا دیگا اُس کو ایک اونٹ غلہ انعام میں ملے گا

اور میں اس بات کا ضامن ہوں۔

برادرانِ یوسف نے کہا خدا جانتا ہے کہ ہم مصر میں فساد کرنے کی غرض سے نہیں آئے اور تم لوگ جانتے ہو کہ ہم اس سے پہلے بھی غلّہ لینے آئے تھے۔

ہم لوگ چور نہیں ہیں کارندوں نے کہا۔ اچھا جس کے پاس یہ چوری ثابت ہوجائے اُسکی سزا کیا ہونی چاہیئے؟

برادرانِ یوسف نے کہا وہ خود آپ اپنی سزا ہے۔ یعنی وہ تمہارے حوالہ کر دیا جائے گا تاکہ اپنے جرم کی پاداشں میں پکڑا جائے اور ہم اپنے ملک میں ایسی زیادتی کرنے والوں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

کارندوں نے یہ جواب سُنا تو غلّے کی تلاشی لی اور جب اُن میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی اُس میں پیالہ موجود تھا۔ کارندوں نے قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر کی خدمت میں معاملہ پیش کیا۔

حضرت یوسف علیہ السّلام نے معاملہ کی نوعیت کو سُنا تو دل میں بیحد مسرور ہوئے کہ میری معمولی سی تدبیر پر اللہ تعالےٰ نے میرا مقصد پورا کر دیا، ادھر بنیامین بھی اس واقعہ کو اپنی مرضی کے مطابق پا کر خاموش رہے۔

برادرانِ یوسف نے جب یہ دیکھا تو اُن کی آتشِ حسد بھڑک اُٹھی اور اُنھوں نے یہ جھوٹ بھی بولنے کی جرأت کی کہ اگر بنیامین نے یہ چوری کی ہے تو تعجب کا مقام نہیں ہے اس سے پہلے اسکا بڑا بھائی یوسفؑ بھی چوری کر چکا ہے (چوری کی یہ کہانی آئندہ صفحات پر آرہی ہے) حضرت یوسف علیہ السّلام نے جبکہ یہ دیکھا کہ میرے منہ پر ہی جھوٹ بول رہے ہیں ضبط سے کام لیا اور پھر بھی راز فاش نہ کیا (کیونکہ بذریعہ وحی الٰہی آپ پر اسکی پابندی تھی)

کہنے لگے تمہارے لئے سب سے بُری جگہ ہے کہ تم ایسا جھوٹا الزام لگا رہے ہو اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ تعالےٰ اسکی حقیقت کا خوب جاننے والا ہے۔

برادرانِ یوسف نے جب یہ ماحول دیکھا تو بہت گھبرائے اور باپ کا عہد و پیمان یاد آگیا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس صورت سے بنیامین کو حاصل کریں؟ اور باپ تک پہنچائیں۔

ہم تو پہلے ہی اپنا قول ہار چکے ہیں صرف ایک صورت یہ باقی ہے کہ بادشاہ سے خواہش کریں اور عرض معروض کریں کہ عزیزِ مصر بنیامین کو اپنی مہربانی سے معاف کر دے۔ چنانچہ کہنے لگے عزیزِ مصر! ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اُس کو اِسکے پہلے بھائی یوسفؑ کا بھی بیحد غم ہے۔ اب اگر یہ بھی اُن سے جُدا ہو جائیگا تو وہ شدت غم سے ہلاک ہو جائیں گے۔

اے بادشاہ اگر ایسا ممکن نہیں تو اسکی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو سزا کیلئے روک لیجئے آپ رحم و کرم والے ہیں۔

عزیزِ مصر نے کہا اللہ کی پناہ! یہ بات کیسے ممکن ہے؟ ہم اگر ایسا کریں تو ظالم قرار پائیں گے۔ جب سب اس جانب سے مایوس ہو گئے تو اب تنہائی میں بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے۔

اِن میں سے بڑے نے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ والد نے بنیامین کے متعلق کسقدر سخت اور پختہ عہد و پیمان ہم سے لیا تھا اور اس سے پہلے تم نے یوسف کے ساتھ جو ظلم و زیادتی کی ہے وہ بھی سامنے ہے۔ اس لئے میں تو اب اس جگہ سے اس وقت تک ٹلنے والا نہیں کہ یا والد مجھے کنعان آنے کی اجازت دیں۔ یا اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کردے۔ لہذا تم سب باپ کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری بیٹے بنیامین نے چوری کی اور جو بات ہمارے سامنے آئی ہے وہی صاف صاف آپ کے سامنے کہہ دی گئی ہے۔ ہم کو کچھ غیب کا علم تو تھا نہیں کہ پہلے سے جان لیتے کہ بنیامین سے ایسی حرکت سرزد ہونے والی ہے۔ اور یہ بھی ذکر کر دینا کہ آپ مصر والوں سے اسکی تصدیق کر لیں۔ نیز اُس قافلہ سے بھی جس کے ساتھ ہم مصر سے یہاں آئے ہیں۔

اس مشورہ کے بعد وہ سب کنعان واپس ہو گئے اور اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے سب کچھ واقعہ کہہ سنایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی فراستِ نبوّت اور اپنے سابقہ تجربے کی بنا پر جو بیٹوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا شدت سے محسوس کیا کہ یہ واقعہ بھی جھوٹا ہے۔ فرمایا کہ نہیں نہیں یہ بات ایسی نہیں تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے لیکن اب صبر کے سوا کوئی اور چارہ بھی نہیں بس میں صبر

کرتا ہوں مجھے اللہ سے اُمید ہے کہ وہ ایک دن اِن گم کردہ گان کو پھر جمع کر دیگا اور ایک ساتھ مجھے ملا دے گا۔ بلاشبہ وہ علیم و حکیم ہے۔ اسکے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے یکسوئی کرلی اور رُوتے روتے اپنی آنکھیں سفید کرلیں۔ بیٹوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے بخدا کیا آپ اسی طرح یوسف کی یاد میں گھلتے رہو گے؟ اور کیا اسی غم میں اپنی جان دے دوگے؟

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ سنکر فرمایا:۔

"میں تم سے تو شکوہ نہیں کرتا اور نہ تم کو کچھ کہتا ہوں۔ میں اپنے غم و مصیبت کو اپنے اللہ ہی کی طرف پیش کرتا ہوں"

اسکے بعد بھی بیٹوں سے فرمایا:۔

"دیکھو ایک مرتبہ پھر مصر جاؤ اور یوسف علیہ السلام اور اسکے بھائی کی تلاش و جستجو کرو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو اس لئے کہ اللہ کی رحمت سے نا امیدی و مایوسی کافروں کا شیوہ ہے"

قرآن حکیم نے دربارِ یوسفی میں بھائیوں کی دوبارہ آمد اور بادشاہ کے پیالہ کی گمشدگی کا تذکرہ اور بنیامین (برادر یوسف) کو عزیزِ مصر کے حوالہ کرنے کا ذکر اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے اور بنیامین کے حادثہ کی تفصیل اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا صبر و ضبط اِن آیات میں بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ الخ

(یوسف آیات ۶۹ تا ۸۷)

"اور جب یہ لوگ (برادرانِ یوسف) یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے (اور بنیامین کو پیش کرکے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق انکو لائے ہیں) یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے ساتھ ملالیا (اور تنہائی میں اُن سے کہہ

دیا کہ میں بھائی) یوسف) ہوں سو یہ لوگ جو کچھ (بدسلوکی کرتے رہے ہیں اُسکا رنج نہ کرنا۔

پھر جب یوسف (علیہ السلام) نے اُن کا سامان غلہ اور روانگی کا انتظام کر دیا تو (بطور نشانی) پانی پینے کا برتن اپنے بھائی کے اسباب میں رکھ دیا پھر (کارندوں کو اس کی اطلاع ہونے پر کہ پیالہ موجود نہیں ہے) ایک پکارنے والے نے پکارا کہ اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے ؟

(کارندوں نے) کہا کہ ہم کو بادشاہی پیمانہ نہیں ملتا (وہ غائب ہے) اور جو شخص اُسکو لا کر حاضر کرے اُسکو ایک شتر بار غلّہ (بطور انعام) ملے گا اور میں اُسکے دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔

یہ لوگ کہنے لگے بخدا تم کو خوب معلوم ہے کہ ہم ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے ہیں اور نہ ہم لوگ چوری کرنے والے ہیں۔

اُن (کارندوں نے) کہا اچھا اگر تم جھوٹے نکلے (اور تم میں سے کسی پر سرقہ ثابت ہو جائے) تو اُس (چور) کی کیا سزا ہو گی ؟

بھائیوں نے (شریعت یعقوبی) کے مطابق جواب دیا کہ اُسکی سزا یہ ہے کہ وہ شئے جس شخص کے اسباب میں ملے پس وہی شخص اپنی سزا ہے (یعنی جسکا مال ہے وہ اُسکو اپنا غلام بنالے) ہم لوگ ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

پھر اُس نے یوسف کے (حقیقی) بھائی کے تھیلے کی تلاشی سے پہلے اُن سب کے تھیلوں کی تلاشی لی پھر (آخیر میں) اُس برتن کو اُنکے بھائی کے تھیلے سے برآمد کر لیا ہم نے یوسف (علیہ السلام) کی خاطر سے اس طرح (بنیامین کو روکنے کی) تدبیر فرمائی (کیونکہ) یوسفؑ اپنے بھائی کو اُس بادشاہ (مصر) کے قانون کی رُو سے نہیں لے سکتے تھے (کیونکہ قانون مصر میں چوری کی سزا تادیب یا جرمانہ تھا) مگر یہ ہے کہ اللہ ہی کو منظور تھا۔ (اس لئے یوسف علیہ السلام کے دل

میں تدبیر آئی اور بھائیوں کے منہ سے یہ جواب خود نکلا) ہم جس کو چاہتے ہیں (علم میں) خاص درجوں تک بڑھا دیتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھکر ایک بڑا علم والا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ)

(حاصل یہ کہ جب ان کے اسباب سے وہ برتن برآمد ہوا اور بنیامین روک لئے گئے تو وہ سب بڑے شرمندہ ہوئے اور) کہنے لگے کہ (صاحب) اگر اُس نے چوری کی تو (تعجب نہیں کیونکہ) اسکا ایک بھائی (تھا وہ) بھی (اسی طرح) اس سے پہلے چوری کر چکا ہے۔

(جسکا قصہ تفسیر درمنثور میں اس طرح لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُنکی پھوپی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بہن پرورش کیا کرتی تھیں۔ جب یہ ذرا ہوشیار ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے لینا چاہا لیکن وہ بہت چاہتی تھیں اس لئے اپنے پاس اور رکھنا چاہا اس کے لئے پھوپی نے یہ تدبیر کی کہ یوسف علیہ السلام کی کمر میں ایک پٹکا کپڑوں کے اندر باندھ کر مشہور کر دیا کہ پٹکا گم ہو گیا اور سب کی تلاشی لی تو یہ یوسف علیہ السلام کی کمر سے برآمد ہوا۔ اس طرح قانون یعقوبی کی دفعہ سے فائدہ اٹھا کر یوسف علیہ السلام کو مزید اپنے پاس اور کچھ مدت رکھ لیا۔ اسی واقعہ کی طرف بھائیوں نے اشارہ کیا کہ اگر یہ بنیامین نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب نہیں اس سے پہلے اسکے بھائی یوسف نے بھی بچپن میں چوری کی ہے)

پس یوسف (علیہ السلام) نے اس بات کو (جو آگے آرہی ہے) اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو اُن کے سامنے (زبان سے) ظاہر نہیں کیا یعنی (دل میں) یوں کہا کہ اس (چوری کے) درجہ میں تم تو اور بھی زیادہ بُرے ہو (یعنی ہم دونوں بھائیوں سے تو حقیقی سرقہ صادر نہیں ہوا اور تم نے تو اتنا بڑا کام کیا کہ کوئی مال غائب کرتا ہے تو تم نے آدمی غائب کر دیا کہ مجھ کو باپ سے جُدا کر دیا) اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو (کہ ہم چور ہیں) اسکی (حقیقت) کا اللہ ہی کو خوب علم ہے۔

(جب بھائیوں نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو ماخوذ کر لیا اور اُس پر قابض ہو گئے تو براہ خوشامد) کہنے لگے اے عزیز! اس (بنیامین) کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے (اور وہ اِس کو بہت چاہتا ہے اسکے غم میں خُدا جانے اسکا کیا حال ہو جائے) سو آپ (ایسا کیجئے) کہ اسکی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیجئے (اور اپنا غلام بنا لیجئے) ہم آپ کو نیک مزاج دیکھتے ہیں۔

یوسف (علیہ السلام) نے کہا ایسی (بے انصافی) کی بات سے خدا بچائے کہ جسکے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اُسکے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کے رکھ لیں (اگر ہم ایسا کریں تو) اس حالت میں ہم بڑے بے انصاف سمجھے جائیں گے۔

پھر جب اِن کو یوسف (علیہ السلام) سے (انکے صاف جواب پر) بالکل اُمید نہ رہی (کہ بنیامین کو دیں گے) تو (اس جگہ سے) علیحدہ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے سب سے بڑا جو تھا اُس نے کہا (کہ تم لوگ جو واپس چلنے کی صلاح کر رہے ہو تو) کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ تم سے اللہ کی قسم پر پکّا قول لے چکے ہیں (کہ تم بنیامین کو اپنے ساتھ ضرور لاؤ گے) اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم لوگ کوتاہی کر ہی چکے ہو (سو ان حالات میں) میں تو اس زمین سے ٹلتا نہیں تاوقتیکہ میرے باپ (خود) مجھکو (حاضری کی) اجازت نہ دیں یا اللہ تعالےٰ اس مشکل کو سلجھا دے اور وہی خوب سلجھانے والا ہے۔ (لہٰذا مجھکو تو یہاں چھوڑ دو اور) تم واپس اپنے باپ کے پاس جاؤ (اور جا کر اُن سے) کہو کہ ابا جان آپ کے صاحبزادے (بنیامین) نے چوری کی (اس لئے گرفتار کر لئے گئے) اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کو (مشاہدہ سے) معلوم ہوا ہے اور ہم (قول و قرار دیتے وقت) غیب کی خبروں کے حافظ تھے نہیں (کہ یہ چوری کرے گا ورنہ ہم تو کبھی عہد و پیمان نہ کرتے) (اگر ہمارے کہنے کا یقین نہ ہو تو)

اُس بستی (یعنی مصر) والوں سے پوچھ لیجئے جہاں ہم (اُس وقت) موجود تھے (جب چوری برآمد ہوئی) اور اُس قافلہ والوں سے پوچھ لیجئے جن میں ہم شامل ہوکر (یہاں) آئے ہیں اور یقین جانئے ہم بالکل سچ کہتے ہیں۔ (چنانچہ سب بھائیوں نے بڑے کو وہاں چھوڑا اور خود آکر سارا قصہ بیان کیا) یعقوب (علیہ السلام) (واقعہ یوسفؑ کے سبب اِن سے غیر مطمئن ہوگئے تھے) فرمانے لگے (کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی ہے لہٰذا (پہلے کی طرح) میں صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا۔ اللہ سے اُمید ہے کہ اُن سب کو مجھ تک پہنچا دے گا کیونکہ وہ (حقیقت حال سے) خوب واقف ہے اور وہ بڑی حکمت والا ہے۔

اور (یہ جواب دیکر) اُن سے دوسری طرف رُخ کرلیا اور (بوجہ اس نئے غم سے پرانا غم تازہ ہوگیا) کہنے لگے ہائے یوسف افسوس اور (غم سے (روتے روتے) اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ (غم کی شدت سے اپنے آپ) گھٹا کرتے تھے۔

بیٹے کہنے لگے بخدا (معلوم ہوتا ہے) تم سدا کے سدا یوسفؑ کی یاد میں لگے رہو گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جان بلب ہوجاؤ گے یا یہ کہ بالکل مر ہی جاؤ گے۔

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا (تم کو میرے رونے سے کیا بحث) میں تو اپنے رنج وغم کی صرف اللہ ہی سے شکایت کرتا ہوں (تم سے تو کچھ نہیں کہتا) اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر) جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔

دربارِ یوسفی اور تیسرا داخلہ | حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک

طویل وقفہ کے بعد بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ یوسف علیہ السلام اور اُسکے بھائی کو تلاش کرو اور مایوس نہ ہو۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس سے پہلے کبھی اس طرح کا حکم نہ دیا تھا ورنہ اس سے قبل بھی تلاش کا کام لیا جاسکتا تھا۔ دراصل یہ سب چیزیں تقدیر الٰہی کے تابع تھیں۔ اس سے پہلے ایسا حکم دینا یا اسکا خیال آنا مقدر نہ تھا، اب غالباً اللہ کے علم میں ملاقات کا وقت آچکا تھا اس لئے اسکے مناسب تدبیر دل میں ڈال دی گئی۔ آیت میں دونوں کی تلاش کا رُخ ملکِ مصر ہی کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ بنیامین کے بارے میں تو معلوم تھا کہ انکو عزیز مصر نے روک لیا ہے مگر یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی بظاہر کوئی قابل اعتبار توجیہہ معلوم نہیں ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کے مناسب اسباب جمع فرمادیتے ہیں اور وہ چیز حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس مرتبہ تلاش و تفتیش کے لئے پھر مصر جانے کی ہدایت فرمائی۔

الغرض برادران یوسف نے کچھ تو باپ کے اصرار اور کچھ اس لئے بھی کہ قحط کی شدت انتہائی درجہ پر پہنچی ہوئی تھی اور غلّے کا آس پاس نام ونشان نہ تھا تیسری بار مصر کا ارادہ کیا اور جب دربار شاہی میں پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط نے سخت پریشانی میں ڈال دیا ہے اور اس مرتبہ ہم پونجی (قیمت غلّہ) بھی بہت تھوڑی لائے ہیں جو حاضر ہے۔ اب معاملہ خرید فروخت کا نہیں ہے ہم سے قیمت ادا نہیں ہوسکتی اس لئے آپ کی خدمت میں یہ درخواست ہے کہ ازراہ کرم ہم کو غلّے کی پوری مقدار دے دیجئے اور ہمیں ضرورتمند جان کر اپنی جانب سے احسان فرمائیے، اللہ تعالےٰ صدقہ وخیرات کرنے والے کو نیک بدلہ دیتا ہے۔

بھائیوں کی اس درخواست میں تین گزارشیں نہایت ہی رقت آمیز تھیں جس کو قرآن حکیم نے ان الفاظ سے ادا کیا ہے:-

يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا۔ (آیت ۸۸)

اے سردار با اقتدار، ہم اور ہمارے اہل وعیال سخت مصیبت

ہیں مبتلا ہیں۔ اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہمیں بھر پور غلہ عنایت فرمائیے اور ہم کو خیرات دیجیے۔ یعنی ہماری اس گزارش پر جو کچھ آپ دیں گے وہ گویا آپ کا صدقہ ہوگا۔ یہ حقیر سی پونجی کیا تھی قرآن وحدیث میں اسکی کوئی وضاحت نہیں ملتی البتہ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ کھوٹے دراہم تھے جو بازار میں رائج نہ تھے۔ بعض نے کہا کچھ گھریلو قسم کا سامان تھا۔ یہ لفظ مزجٰۃٍ کا ترجمہ ہے۔ اسکے اصل معنی ایسی چیز کے ہیں جو خود نہ چلے بلکہ اسکو زبردستی چلایا جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کا یہ گیا گزرا حال دیکھا تو دل بھر آیا، طبعی طور پر قوت ضبط ٹوٹ رہی تھی اظہار حقیقت کی جو پابندی منجانب اللہ مقرر تھی غالباً اُسکے خاتمہ کا وقت بھی آچکا تھا۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت درج ہے کہ اس موقعہ پر یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

منجانب یعقوب صفی اللہ ابن اسحٰق نبی اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ،

بخدمت عزیز مصر!

"امابعد، ہمارا پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف رہا ہے، میرے دادا ابراہیم خلیل اللہ کا نمرود کی آگ سے امتحان لیا گیا، پھر میرے والد اسحٰق کا شدید امتحان لیا گیا۔ اسکے بعد میرے ایک لڑکے کے ذریعہ میرا امتحان لیا گیا جو مجھ کو سب سے زیادہ محبوب تھا، یہاں تک کہ اُسکی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی، اس کے بعد اسکا ایک چھوٹا بھائی مجھ غمزدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ نہ ہم نے کبھی چوری کی ہے نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا ہے"۔

والسلام

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خط پڑھا تو بے ساختہ رونے لگے، کچھ سنبھل کر بھائیوں سے سوال کیا تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جبکہ تم لوگ جہالت میں سرشار تھے؟

برادرانِ یوسف نے یہ سوال سُنا تو چکرا گئے کہ عزیز مصر کو اس قصہ سے کیا واسطہ؟ پھر کچھ غور و تامل کیا تو بچپن کے کچھ علامات محسوس ہوئے، شک و شبہ کے انداز میں کہا :-

کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیا مین میرا حقیقی بھائی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور جو شخص بھی برائیوں سے بچے اور ثابت قدم رہے تو اللہ تعالےٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

اب برادرانِ یوسف کے ہاں سوائے ندامت اور اعتراف جرم کے اور کوئی سہارا نہ تھا۔ اپنی ساری حاسدانہ حرکتوں کا نقشہ سامنے آگیا جس کو کل کنعانیوں کے کنویں میں پھینکا تھا وہ آج مصر کے تخت و تاج کا مالک ہے۔ شرم سے سر جھکا کر کہنے لگے :-

"بخدا اس میں شک نہیں کہ اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور واقعی ہم خطاکار ہیں۔"

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خطاکار بھائیوں کی خستہ حالی اور پشیمانی کو دیکھا تو اپنی عالی ظرفی اور پیغمبرانہ اخلاق کے مطابق وہی کہا جو تمام انبیاء کی سنت رہی ہے :-

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔"

یعنی جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا اب پچھلی باتوں کو فراموش کر دینی چاہیئے۔ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہاری خطاؤں کو معاف فرماوے۔

اب تم لوگ کنعان واپس جاؤ اور ساتھ میرا پیراہن بھی لیتے جاؤ۔ یہ میرے والد کی آنکھوں پر ڈال دینا۔ انشاء اللہ اسکی خوشبو آنکھوں کو روشن کر دیگی اور

پھر تمام خاندان کو مصر لے آنا۔

امام تفسیر ضحاکؒ اور مجاہدؒ سے منقول ہے کہ اس کرتے کی خصوصیت عام کپڑوں سے مختلف تھی۔ یہ کرتہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جبکہ اُن کو برہنہ کرکے آگِ نمرود میں ڈالا گیا تھا۔ پھر یہ جنت کا لباس ہمیشہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں محفوظ رہا اور ان کی وفات کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے ہاں رہا۔ پھر اُن کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا، آپ نے ایک بڑی متبرک شئی کی حیثیت سے اسکو ایک نلکی میں بند کرکے حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دیا تھا تاکہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ برادرانِ یوسف نے جب اُن کا کرتہ والد کو دھوکہ دینے کے لئے اُتار لیا اور وہ برہنہ کرکے کنویں میں ڈال دیے گئے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی کھول کر اُس سے کرتہ برآمد کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا، اور یہ اُن کے پاس برابر محفوظ چلا آیا اس وقت بھی جبرئیل امین نے حضرت یوسف کو مشورہ دیا کہ یہ جنت کا لباس ہے۔ اسکی خاصیت یہ ہے کہ نابینا کے چہرے پر ڈال دیا جائے تو وہ بینا ہوجائے اور فرمایا کہ اسکو اپنے والد کے ہاں بھیج دیا جائے وہ بینا ہوجائیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن وجمال اور ان کا وجود خود جنت کی ہی ایک چیز تھی اس لئے ان کے جسم سے متصل ہونے والے ہر کرتے میں یہ خاصیت ہوسکتی ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر حال برادرانِ یوسف کا یہ قافلہ اپنے وطن کنعان روانہ ہوا ساتھ میں "پیراہنِ یوسفی" بھی تھا۔ ابھی قافلہ شہر مصر سے باہر ہی ہوا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اسکی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھ کو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

شہر مصر سے کنعان تک حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق آٹھ دن کی مسافت کا راستہ تھا، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اسّی فرسخ تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔

یہ عجائب قدرت سے ایک بات تھی کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے

وطن کنعان ہی کے ایک کنوئیں میں تین روز تک پڑے رہے اُس وقت یہ خوشبو محسوس نہیں ہوئی۔

الغرض گھر والوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس ارشاد پر تعجب اور افسوس کے ساتھ کہا بخدا آپ تو اپنے اُسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ زندہ ہیں اور وہ پھر ملیں گے۔ یعنی اس قدر زمانہ گزر جانے کے باوجود آپ کو یوسفؑ ہی کی رٹ لگی ہے۔

کچھ دن نہ گزرے تھے کہ کنعانی قافلہ بخیر تمام پہنچ گیا اور برادرانِ یوسفؑ نے ان کا پیراہن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈال دیا آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں فرمانے لگے؛ دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟

برادرانِ یوسف کے لئے یہ وقت بڑا رُسوا کن تھا شرم وندامت میں سر جھکائے بولے اباجان! آپ اللہ کی جناب میں ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے دُعا فرمائیے۔ بلاشبہ ہم سخت خطاکار اور قصوروار ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا عنقریب میں اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دُعا کروں گا، بلاشبہ وہ بڑا بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

دربارِ یوسفی میں برادران یوسف کی تیسری آمد اور اپنی خستگی وزبوں حالی کا اظہار اور حضرت یوسف علیہ السلام سے تعارف اور معافی کی درخواست اور پیراہنِ یوسفی کا تذکرہ آیاتِ ذیل میں تفصیلاً مذکور ہے۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ.

(یوسف آیات ۸۸ تا ۹۸)

(الغرض تیسری مرتبہ برادران یوسف مصر پہنچکر) جب یوسف (علیہ السلام) کے پاس (جنکو عزیز مصر سمجھ رہے تھے) پہنچے کہنے لگے

اے عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو (قحط کی وجہ سے) بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے اور (چونکہ ہم کو ناداری نے گھیر لیا ہے اس لئے خریداری کے لئے کھرے دام میسر نہیں ہوئے) ہم کچھ یہ نکمی چیز لائے ہیں سو آپ (اپنی مہربانی سے اسکے بدلہ) پورا غلّہ دے دیجئے اور ہم کو خیرات سمجھ کر دیجئے بیشک اللہ تعالےٰ خیرات دینے والوں کو (اچھی) جزا دیتا ہے۔ یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا (کہو) وہ بھی تم کو یاد ہے جو کچھ تم نے یوسفؑ اور اسکے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب کہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا۔

کہنے لگے کیا سچ مچ تم ہی یوسف ہو؟ اُنھوں نے فرمایا (ہاں) میں یوسف ہوں اور یہ (بنیامین) میرا (حقیقی) بھائی ہے ہم پر اللہ نے بڑا احسان کیا واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور (مصائب پر) صبر کرتا ہے تو اللہ تعالےٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

کہنے لگے بخدا کچھ شک نہیں تم کو اللہ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم خطاوار تھے۔

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا کہ نہیں تم پر آج (میری طرف سے) کوئی الزام نہیں ہے (بے فکر رہو) اللہ تعالےٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

اب تم (میرے باپ کو جاکر بشارت دینا اور بشارت کے ساتھ) میرا یہ کُرتہ (بھی) لیتے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو (اس سے) اُن کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور اپنے گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

اور جب قافلہ (شہر مصر سے) چلا تو اُن کے باپ (یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے) کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو میں ایک بات کہوں کہ

مجھ کو یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔

وہ (پاس والے) کہنے لگے کہ بخدا آپ تو اپنے اُسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں (کہ یوسف زندہ ہے اور ملاقات کرے گا)

(حضرت یعقوب علیہ السلام خاموش رہے) پس جب خوشخبری لانے والا آپہنچا تو (آتے ہی) اُس نے وہ کُرتہ اُن کے منہ پر لاکر ڈال دیا پس فوراً ہی اُن کی آنکھیں کُھل گئیں۔

آپؑ نے بیٹوں سے فرمایا کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے (اسی لئے میں نے یوسف کی تلاش کے لئے تم کو بھیجا تھا)

سب بیٹوں نے کہا اے ہمارے باپ ہمارے لئے (خدا سے) ہمارے گناہوں کی دعائے مغفرت کیجئے ہم بیشک خطاوار تھے۔

یعقوب (علیہ السلام) نے فرمایا عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے دُعائے مغفرت کروں گا بیشک وہ غفور رحیم ہے۔"

دربار یوسفی اور چوتھا داخلہ

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بینائی کے لوٹ آنے کے بعد سفر کی تیاری شروع فرمادی،

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس مرتبہ اپنے بھائیوں کے ساتھ دوسو[۲۰۰] اونٹوں پر لدا ہوا بہت سامان اور کپڑا اور دوسری ضروریات روانہ کیں تھیں تاکہ پورا خاندان مصر کے لئے تیار ہوکر آئے۔ خاندانِ یعقوبی کے جملہ افراد بہتر[۷۲] یا ترانوے[۹۳] نفوس مرد اور عورتوں پر مشتمل تھے۔ دوسری طرف جب مصر کے قریب یہ قافلہ پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام اور اعیان سلطنت اور ملک مصر کے ہزاروں باشندے استقبال کے لئے شہر سے باہر موجود تھے۔

جب یہ قافلہ مصر پہنچا تو حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والدین اور افرادِ خاندان کو شاہی سواریوں میں بٹھا کر شہر لے آئے اور شاہی محل میں اُتارا۔

اس وقت مصر کا دار السلطنت رعمسیس تھا اور وہ "جشن کا شہر" کہلاتا تھا۔

جب تمام باتوں سے فراغت پالی تو ارادہ کیا کہ دربار منعقد کریں تاکہ بزرگ باپ اور افراد خاندان کا تعارف ہو اور تمام درباری اُن کے عزت و احترام سے آگاہ ہو جائیں۔ دربار منعقد ہوا تمام درباری اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام شاہی محل سے نکل کر تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس وقت تمام درباری دستور کے مطابق سجدہ کے لئے گر پڑے۔ صورت حال کچھ ایسی تھی کہ خاندانِ یوسفی نے بھی یہی عمل کیا۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے بچپن کا خواب یاد آیا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا:-

"اے اباجان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا میرے رب نے اُسے سچ کر دکھایا۔"

یعنی والدین اور سب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا، حضرت ابن عباس رضؓ نے فرمایا یہ سجدۂ شکر تھا جو اللہ تعالےٰ کے لئے کیا گیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے نہیں کیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام اِن تمام آغاز و انجام کے اس حُسن خاتمہ کو دیکھ کر بے اختیار ہو گئے اور اللہ کی جناب عالی میں اس طرح گویا ہوئے:-

"اے پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا کی اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر کا علم عطا کیا، اے آسمان و زمین کے خالق تو ہی دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھکو حالت فرمانبرداری میں دُنیا سے اُٹھائیے اور مجھ کو نیک بندوں میں شامل رکھئے۔"

تفسیر ابن کثیر رح میں حضرت حسنؒ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کو جس وقت بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تھا تو اُن کی عمر سات سال کی تھی، پھر اسّی سال والد سے غائب رہے اور والدین کی ملاقات کے بعد تیئیس ۲۳ سال زندہ رہے۔ اور ایکسو دس ۱۱۰ برس سال کی عمر میں وفات پائی اور دریائے نیل کے کنارے سپردِ خاک کئے گئے۔

مؤرخ ابن اسحاق نے حضرت عروہ بن زبیرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ

جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی اُن کو یہ حکم ملا تھا کہ یوسف علیہ السلام کی لاش کو بھی مصر میں نہ چھوڑیں اُسکو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں اور اُن کے آباء واجداد کے قریب دفن کریں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی جو ایک سنگِ مرمر کے تابوت میں تھی اس کو اپنے ساتھ لیکر ارض کنعان (فلسطین) لے گئے اور حضرت اسحٰق و حضرت یعقوب علیہما السّلام کے پہلو میں دفن کر دیا۔

(مظہری)

الغرض چوتھی مرتبہ برادرانِ یوسف کا مع والدین دربارِ یوسفی میں آنا، اہلِ دربار اور برادرانِ یوسف کا سجدہ میں گر پڑنا اور بچپن کے خواب کا حقیقت اختیار کرنا آیاتِ ذیل میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ۔ الخ

(یوسف آیات ۹۹ تا ۱۰۴)

پھر جب یہ سب کے سب یوسف (علیہ السّلام) کے پاس پہنچے تو اُنھوں نے (سب سے مل ملا کر) اپنے والدین کو اپنے پاس (تعظیماً) جگہ دی اور کہا سب مصر میں چلئے انشاء اللہ وہاں امن چین سے رہیئے۔

(وہاں پہنچکر تعظیماً) اپنے والدین کو تختِ شاہی پر اُونچا بٹھایا (اُس وقت سب کے قلوب پر یوسف علیہ السّلام کی ایسی عظمت طاری ہوئی کہ) سب کے سب اُن کے سامنے سجدہ میں گر گئے (یہ حالت دیکھ کر یوسف علیہ السّلام) کہنے لگے کہ اے ابا جان یہ ہے میرے خواب کی تعبیر جو پہلے زمانے میں دیکھا تھا (کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے مجھ کو سجدہ کرتے ہیں) یہ میرے رب نے اُس (خواب) کو سچا کر دیا اور میرے

ساتھ (ایک) اُس وقت احسان فرمایا جس وقت مجھ کو قید سے نکالا (اور اس رتبۂ سلطنت تک پہنچایا) اور بعد اسکے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان میں فساد ڈلوادیا تھا (مگر اللہ کی عنایت ہے کہ وہ) تم سب کو باہر سے (یہاں) لے آیا (اور سب کو ملادیا) بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اُس کی تدبیر لطیف کر دیتا ہے۔ بلاشبہ وہ بڑا علم والا حکمت والا ہے۔

اے میرے رب آپ نے مجھ کو سلطنت کا بڑا حصہ دیا اور مجھ کو خوابوں کی تعبیر دینا تعلیم فرمایا۔ اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے آپ میرے کارساز ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ فرمانبرداری کی حالت میں مجھکو دنیا سے اُٹھالیجئے اور خاص نیک بندوں میں شامل کر دیجئے۔ یہ قصہ (جو بیان کیا گیا) غیب کی خبروں میں سے ہے، ہم وحی کے ذریعے آپ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور آپ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اُن (برادرانِ یوسف) کے پاس اُس وقت موجود نہ تھے جبکہ انھوں نے اپنا ارادہ (یوسف کو کنویں میں ڈال دینے کا پختہ) کر لیا تھا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔ آپ اُن سے اس (قرآن) پر کچھ معاوضہ تو چاہتے نہیں یہ (قرآن) تو صرف تمام جہان والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔"

قصہ کا اختتام

حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ عجیب و غریب قصہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اپنے پہلو میں نہایت اہم اخلاقی مسائل رکھتا ہے۔ در اصل یہ قصہ ایک واقعہ ہی نہیں بلکہ کمالات و اخلاق کی ایک ایسی زریں داستان ہے جسکا ہر پہلو وعظ و نصیحت، عبرت و بصیرت کے جواہر سے لبریز ہے۔

قوتِ ایمانی، استقامت، ضبطِ نفس، صبر و شکر، عفت و دیانت، امانت عفو و درگزر، جذبۂ تبلیغ، اعلاءِ کلمۃ اللہ کا عشق، صلاح و تقویٰ جیسے اخلاقِ فاضلہ اور

صفاتِ کاملہ کا ایک نادر الوجود سلسلۃ الذہب ہے جو اس قصہ کے ہر نقش میں نظر آتا ہے۔
چند امور خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

نتائج و عبر

پاکیٔ فطرت

اگر کسی شخص کی ذاتی سرشت عمدہ ہو اور اسکا ماحول بھی پاک و مقدس اور لطیف ہو تو ایسے شخص کی زندگی اخلاق و کردار میں نمایاں صفات کی حامل ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی مقدس زندگی اسکی بہترین مثال ہے۔ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت اسحٰق علیہ السلام و حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے اُولوالعزم نبیوں کی اولاد تھے اس لئے نبوت و رسالت کے گہوارہ میں نشو نما پائی اور خانوادۂ نبوت کے ماحول میں تربیت حاصل کی۔ ذاتی نیک نہادی اور فطری پاکی نے جب ایسے لطیف ماحول کو دیکھا تو تمام کمالات اور اوصاف حمیدہ چمک اُٹھے۔

عقل انسانی اس مجموعۂ کمالاتِ ہستی کو دیکھ کر محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔

استقامت کا اثر

اگر کسی شخص میں ایمان باللہ مستقیم و مستحکم ہو اور اُس پر اسکا اعتماد و یقین راسخ و مضبوط ہو جائے تو پھر زندگی کی تمام صعوبتیں اور مشکلات اس پر آسان بلکہ خوشگوار ہو جاتی ہیں، حضرت یوسف علیہ السّلام کی تمام زندگی میں یہ اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ تختِ مصر پر فائز ہونے کے بعد اپنے محبوب والدین کو طلب فرما سکتے تھے لیکن مرضیٔ خداوندی کے انتظار میں نصف صدی سے زائد عرصہ اپنا تعارف نہیں کروایا۔

ابتلاء و آزمائش دولت و ثروت کی شکل میں ہو یا مصیبت و ہلاکت کی

صورت میں ہو ہر حالت میں انسان کو اللہ تعالےٰ ہی کی جانب رجوع ہونا چاہیئے اور اُسی سے التجا کرنی چاہیئے کہ وہ ثابت قدم رکھے اور استقامت بخشے۔

عزیز مصر کی بیوی اور حسین وجمیل مصری عورتوں کی ترغیبات اور اُنکی مرضیات پوری نہ کرنے پر قید کی دھمکیاں اور پھر قید وبند کے مصائب، اِن تمام حالات میں حضرت یوسف علیہ السلام کا اعتماد اور اُن کی دُعاؤں اور التجاؤں کا مرکز صرف ایک ہی اللہ بزرگ وبرتر کی ذات تھی۔ تذکرہ سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ پہلو استقامت (ثابت قدمی) کا بہترین نمونہ ہے۔

عزتِ نفس | خود اعتمادی انسان کے بلند اوصاف میں ایک بڑا وصف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے جس کسی کو یہ دولت بخش دی وہی دنیا کے مصائب وآلام سے گزر کر دنیوی اور دینی بلندی حاصل کرتا ہے۔ خود اعتمادی کی مختلف اقسام ہیں ایک قسم "عزتِ نفس" بھی ہے جو شخص خودداری اور عزتِ نفس سے محروم ہے وہ انسان نہیں ایک مضغۂ گوشت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عزتِ نفس کا یہ عالم ہے کہ برسوں کی مظلومانہ قید بندی سے رہائی کا حکم ملا تو مسرت وشادمانی کے ساتھ فوراً اُسکو لبیک نہیں کہا بلکہ صاف انکار کر دیا کہ میں اُس وقت تک قید خانے سے باہر نہیں آؤں گا تاوقتیکہ یہ فیصلہ نہ ہو جائے کہ مصری عورتوں نے مکر وفریب سے جس قسم کا معاملہ میرے ساتھ کیا تھا اُسکی اصل حقیقت کیا ہے؟

جب حقیقت واضح ہوگئی تو عزت وسرفرازی کے ساتھ قید خانے سے باہر آئے اسی کا نام عزتِ نفس ہے۔

حقیقتِ صبر | صبر ایک عظیم الشان خصلت ہے جو بہت سی بُرائیوں کے لئے سپر اور ڈھال کا کام دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ستّر سے زائد مقامات پر اسکی فضیلت کا اعلان آیا ہے اور بہت سے مراتب ودرجات کا مدار اسی فضیلت پر رکھا گیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کو نصف ایمان قرار دیا ہے۔ صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔ صبر کی مختلف اقسام ہیں۔ یعنی جن اشیاء کی جانب صبر کو منسوب کیا جاتا ہے اُس کے مختلف نام ہوجاتے ہیں:۔

(۱) اگر بطن و شرمگاہ کی ناجائز خواہشات کے مقابلہ میں صبر کیا جائے تو اس کا نام "عِفّت" قرار پاتا ہے۔

(۲) اگر دولت و ثروت کی فراوانی میں صبر کیا جائے یعنی بُخل و تکبّر سے پرہیز کیا جائے تو اس کو "ضبطِ نفس" کہا جاتا ہے۔

(۳) اگر میدانِ جنگ اور اس قسم کے خطرناک حالات پر صبر ہے تو اس کو "شجاعت" کہا جاتا ہے۔

(۴) اگر غیظ و غضب کے حالات پر صبر کیا جائے تو اس کو "حلم" کہا جاتا ہے۔

(۵) اگر حوادث زمانہ پر صبر کیا جائے تو اس کا نام "وُسعتِ صدر" (کشادہ دلی و حوصلہ مندی) کہا جاتا ہے۔

(۶) اگر دوسروں کے پوشیدہ عیوب پر صبر کیا جائے یعنی اسکو ظاہر نہ کیا جائے تو اس کا نام "شرافت" قرار پاتا ہے۔

(۷) اگر بقدرِ ضرورت معیشت پر صبر کیا جائے (یعنی جو مل جائے اسپر راضی رہنا اور افسوس نہ کرنا) اسکو "قناعت" کہا جاتا ہے۔

(۸) اگر لذائذ اور عیش پسندی کے مقابلے میں صبر ہو تو اس کا نام "زہد" قرار پاتا ہے۔

(۹) اگر گناہ و معصیت (نافرمانی پر صبر کیا جائے (یعنی احتیاط کی جائے) اس کا نام "تقویٰ" ہے۔

(۱۰) اگر مصیبتوں پر صبر ہے تو اس کا نام "صبر" ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو صبر و رضا کے ان تمام مراحل میں وہ

کمال عطا فرمایا تھا جسکو "مثلِ اعلیٰ" کہا جاتا ہے۔ مثلاً:-

(۱) برادرانِ یوسف کی ایذا رسانیوں پر صبر (۲) آزاد ہونے کے باوجود غلام بن جانے پر صبر (۳) عزیز مصر کی بیوی اور مصری عورتوں کی پُر فریب ترغیبات پر صبر (۴) قید خانے کے مصائب پر صبر (۵) عزیز مصر کی دولت و ثروت کے وکیل بن جانے پر صبر (یعنی اظہارِ تکبّر سے پرہیز) (۶) ہر حالت میں زہد و قناعت کی زندگی بسر کی اور اس پر صبر کیا (۷) ایذا رسا بھائیوں کی ندامت کے وقت اختیارِ صبر یعنی وسعتِ قلب کا ثبوت دیا انھیں نہ صرف درگزر کر دیا بلکہ اکرام و عزت بھی عطا کی۔

آخری بات

حضرت یوسف علیہ السلام کے اخلاق کریمانہ اور صفاتِ عالیہ کی مدحت و منقبت کے لئے سب سے اہم وہ جملہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں ارشاد فرمایا ہے:-

الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم (علیہم السلام) (الحدیث)

یعنی وہ سلسلۂ نسب جو چار پشتوں سے کرامتِ نبوت سے مستفیض ہے۔

اور ایک روایت میں اسطرح مذکور ہے:-

اکرمُ الناس یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ (بخاری کتاب التفسیر)

لوگوں میں بزرگ تر یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن نبی اللہ ابن خلیل اللہ ہیں۔

حقیقتِ خواب

تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح لکھتے ہیں کہ انسانی نفس جس وقت نیند یا بے ہوشی کی وجہ سے ظاہری تدابیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اسکی قوتِ خیالیہ تیز ہو جاتی ہے اور اسمیں کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اسی کا نام خواب ہے۔

اسکی تین قسمیں ہیں جن میں سے دو بالکل باطل ولغو ہیں جنکی کوئی اصلیت نہیں ہوتی، تیسری قسم اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح وصادق ہے مگر اس صحیح قسم میں بھی کبھی کچھ عوارض شامل ہوکر اسکو بھی فاسد اور ناقابل اعتبار کر دیتے ہیں۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ خواب میں انسان مختلف صورتیں اور واقعات دیکھتا ہے کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں جو صورتیں انسان دیکھتا ہے وہی خواب میں شکل بن کر نظر آجاتی ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات اسکے ذہن میں ڈال دیتا ہے خوش کرنے والے یا ڈرانے والے، یہ دونوں قسمیں باطل اور بے حقیقت ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ پہلی قسم کو "حدیث النفس" اور دوسری قسم کو "تسویل شیطانی" کہا جاتا ہے۔

خواب کی تیسری قسم جو صحیح اور قابل اعتبار ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو خواب میں خبردار کرنے یا خوشخبری دینے کے لئے کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اسکے قلب و دماغ میں ڈال دیتا ہے۔ خواب میں دیکھی ہوئی ایسی چیزیں اصل و بنیاد رکھتی ہیں انہی کی تعبیر ممکن ہے۔

طبرانیؒ نے سند صحیح کے ساتھ ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"مومن کا خواب ایک کلام ہے جس میں وہ اپنے رب سے شرف گفتگو حاصل کرتا ہے۔" (تفسیر مظہری)

قرآن حکیم کی ایک آیت لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (یونس آیت ۶۴) کی تفسیر میں حضرت ابو الدرداءؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے کہ بُشریٰ سے مراد اچھے خواب ہیں جسکو مسلمان دیکھتا ہے یا کسی کو دکھایا جاتا ہے (ترمذی شریف)

اس لئے صرف وہ خواب صحیح طور پر الہام من اللہ اور حقیقت ثابتہ ہوگا جو اللہ کی طرف سے ہو اور اسمیں کچھ عوارض شامل نہ ہوں اور اسکی تعبیر بھی صحیح دی گئی ہو۔

انبیاء علیہم السلام کے سب خواب ایسے ہی ہوتے ہیں اس لئے اُن کے

خواب بھی وحی الٰہی کا درجہ رکھتے ہیں۔
لیکن عام مسلمانوں کے خواب ہر طرح کا احتمال رکھتے ہیں اس لئے وہ کسی کے لئے حجت اور دلیل نہیں ہوتے۔ ان خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بعض اوقات گناہوں کی ظلمت و کدورت صحیح خواب پر چھا کر اس کو ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات تعبیر سمجھ میں نہیں آتی۔
خواب کی یہ تین قسمیں جو ذکر کی گئیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں:۔

"آپؐ نے ارشاد فرمایا خواب کی تین قسمیں ہیں ایک قسم شیطانی ہے جسمیں شیطان کی طرف سے کچھ صورتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔
دوسری قسم وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے وہی صورتیں خواب میں آجاتی ہیں۔
تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیالیسواں جزء ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے الہام ہے۔
خواب کی تیسری قسم جو حق اور صحیح ہے اسکو نبوت کا ایک جزء قرار دیا گیا ہے۔
صحیح بخاری میں ایک روایت ہے لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّۃِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ۔ یعنی آئندہ نبوت باقی نہ رہے گی سوائے مبشرات کے، صحابہؓ نے پوچھا مبشرات سے کیا مراد ہے آپ نے ارشاد فرمایا "سچے خواب"! (بخاری)

بعض روایات میں خواب کو نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے اور بعض میں چھیالیسواں اور بعض میں اُنچاسواں حصہ اور بعض میں ستّرواں حصہ ہونا منقول ہے۔
یہ سب روایتیں تفسیر قرطبیؒ میں جمع کر کے مشہور محدث ابن عبد البرؒ کی یہ تحقیق نقل کی گئی ہے کہ اس اختلاف میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ہر روایت اپنی جگہ درست صحیح مفہوم رکھتی ہے۔ عود کا ایک اختلاف خواب دیکھنے والے کے مختلف حالات کی بنا پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا اس کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوگا اور جو ان اوصاف میں کچھ کم ہے اسکا چھیالیسواں

یا اُنچاسواں یا پچاسواں حصہ ہوگا اور جو اس سے کم ہے اُس کا خواب نبوت کا سترواں حصہ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہاں یہ بات بھی وضاحت طلب ہے کہ سچے خواب کا جزءِ نبوت ہونا کیا مراد رکھتا ہے؟ تفسیر مظہری میں اسکی ایک توجیہہ یہ بیان کی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحیٔ نبوت کا سلسلہ ۲۳ سال جاری رہا ان تیئیس۲۳ سال کو ششماہی میں تقسیم کر دیا جائے تو چھیالیس۴۶ ششماہی بنتے ہیں۔ نبوت کی پہلی ششماہی میں (تقریباً تین سال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الٰہی اکثر بصورت خواب آیا کرتی تھی اور بقیہ پینتالیس ششماہیوں میں یہی وحیٔ نبوت حضرت جبرئیل امین کے پیغام رسانی کی صورت میں آئی اس حساب سے نبی کریم کے سچے خواب وحی نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوئے اور چالیسواں۴۰ حصہ ہونے کی یہ توجیہہ کی گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف جب چالیس۴۰ سال کی ہوئی اُس وقت آپ کو وحیٔ نبوت سے سرفراز کیا گیا اس سے پہلے آپ کو بکثرت خواب نظر آتے تھے جو دن کی روشنی میں سچے ثابت ہوتے تھے اس لحاظ سے بعض روایات میں سچے خواب نبوت کا چالیسواں حصہ کہا گیا۔ اور جن روایات میں کم و بیش عدد مذکور ہیں اسکو کلام تقریبی پر محمول کیا گیا ہے یا پھر وہ روایات سنداً متکلم فیہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

امام قرطبیؒ نے ایک اور لطیف توجیہہ کی ہے لکھتے ہیں کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اُڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھ رہا ہے جن کا علم حاصل کرنا اُس کی قدرت میں نہ تھا تو اس کا یہ دیکھنا یا جاننا بجز امداد و الہام الٰہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا جو اصل میں نبوت کا خاصہ ہے اسلئے سچے خواب کو نبوت کا جزء کہا گیا ہے۔

یہ ساری بحث تو نبی کے خواب کے بارے میں واضح ہے لیکن غیر انبیاء کے خواب نہ نبوت ہیں اور نہ نبوت کا حقیقی جزء۔ البتہ سچے ہونے میں نبی کے خواب سے مشابہت رکھتے ہیں اس لئے ایسے خواب کو جزءِ نبوت کہا گیا۔

ایک تیسری توجیہہ اور بھی ممکن ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری میں سچے خوابوں کو مبشرات (خوشخبری دینے والے) کہا گیا ہے۔ حدیث کے یہ الفاظ ہیں :-

لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ (الحدیث)

یعنی نبوت کا کوئی جزء سوائے بشرات کے باقی نہ رہا۔

صحابۂ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ بشرات کیا ہیں؟

ارشاد فرمایا سچے خواب۔ (بخاری)

ابتداء نبوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت یہ بشرات آیا کرتے تھے جس کا سلسلہ بعد میں کم ہوگیا۔ چونکہ یہ بلند حالت نبوت سے متعلق رہی ہے اس لئے سچے خوابوں کو نبوت کا جزء کہا گیا۔

اس تفصیل میں یہ بات اچھی طرح ملحوظ رہنی چاہیئے پوری امت اسلامیہ کا متفق عقیدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ قرآن حکیم میں آپکو خاتم النبیین کہا گیا اور آپ کو قیامت تک کے تمام انسانوں کا ہادی و رسول کہا گیا ہے:- وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ (الآیۃ)

اس لئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جزء رہ جانے سے اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا۔ اگر کسی شخص کا ایک بال یا ایک ناخن کہیں موجود ہو تو کوئی معمولی سی عقل رکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا اور نہ سمجھ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے۔

مشین کے بہت سے کل پُرزوں میں سے اگر کسی کے ہاں ایک پُرزہ ہو یا ایک اسکرُو موجود ہو اور وہ عقل مند کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اسکو جھوٹا یا فریب خوردہ یا بیوقوف کہیں گے۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوّت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی ہے۔

ایسے ہی ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے۔ سچے خواب کو جیسا کہ احادیث میں بشارت یا تنبیہہ کا نام دیا گیا ہے اس کی حقیقت اسکے سوا اور کچھ نہیں کہ ایسا خواب نہ خود دیکھنے والے کے حق میں حجت ہے نہ دوسروں کے لئے۔

بعض ناواقف لوگ ایسے خواب دیکھ کر طرح طرح کے وساوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اسکو کوئی اپنی بزرگی اور ولایت کی دلیل سمجھنے لگتا ہے تو کوئی اس سے حاصل ہونے والی بات کو شرعی احکام کی طرح درجہ دینے لگتا ہے۔

یہ سب باتیں بے بنیاد ہیں خصوصاً جب یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سچے خوابوں میں بعض دفعہ نفسانی یا شیطانی اثرات کی آمیزش کا بھی احتمال ہے۔

حدیث صحیح میں خواب کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہی اسکی حقیقی حیثیت ہے یعنی خوشخبری دینے والے خواب، اس سے بہتر اسکی اور کوئی وضاحت ممکن نہیں۔

جامع ترمذی اور ابن ماجہ میں ایک روایت موجود ہے جسمیں یہ صراحت ملتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی تین قسموں کا بیان کیا ہے:-

"ایک اللہ کی طرف سے بشارت۔

دوسرے نفسانی خیالات۔

تیسرے شیطانی تصورات۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں جو خواب دیکھا تھا، یا عزیز مصر نے قحط سالی کو سات عدد موٹی گائیوں اور سات عدد دُبلی گائیوں کی شکل میں دیکھا تھا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ اُحد کے موقعہ پرارشاد فرمایا تھا میں نے خواب دیکھا کہ میری تلوار ٹوٹ گئی ہے اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں جسکی تعبیر آپؐ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت قرار دی۔ جو بہت بڑا حادثہ تھا چنانچہ غزوۂ اُحد میں حضرت حمزہؓ کے علاوہ ستّر صحابہ شہید ہوئے"۔

اس قسم کے جملہ خواب بشارت اور الہام من اللہ کی قسم سے ہیں۔ خواب کی حقیقت اور اُس کے اقسام کے بعد یہ بات بھی سمجھنی چاہیئے کہ خواب کوئی خواب وخیال کی بات نہیں ہے جیسا کہ بعض نادان لوگ کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ سچے خواب کی حقیقت بڑی گہری ہوتی ہے اور بعض خواب صبح روشن کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بات یہی کافی ہے کہ تعبیر خواب کا علم، علوم انبیاء میں شمار کیا گیا ہے اور مستقل طور پر یہ علم سیدنا یوسف علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا، اگر خواب کوئی حقیقت نہ ہوتا تو علم تعبیر کا کیا مطلب ہوتا؟ اور وہ علوم نبوت کیوں قرار پاتا؟

یہی وجہ ہے کہ احادیث میں یہ ہدایات ملتی ہیں کہ اپنا خواب ہر کس و ناکس سے بیان نہ کیا جائے بلکہ ایسے شخص سے بیان کیا جائے جو نیک و متقی اور مخلص قسم کا ہو

اور وہ علم تعبیر سے مناسبت بھی رکھتا ہوتا کہ وہ غلط تعبیر دے کر خواب کا اثر ضائع نہ کر دے، کیوں کہ حدیث شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ خواب معلق رہتا ہے جب تک کہ تعبیر نہ دی جائے اور جب تعبیر دے دی جاتی ہے تو حقیقت بن جاتا ہے۔

حدیث کے یہ الفاظ ہیں:-

اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ تُعَبَّرْ فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ (اَیْ وقعت کما عبرت) (رواہ ابو داؤد)

اس حدیث میں خاص طور پر یہ نکتہ ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسی تعبیر دی جائیگی ویسے ہی واقع ہوگی اور یہ بھی مفہوم ہوتا ہے کہ پہلی تعبیر ہی خواب کی حقیقت ہوتی ہے اس لئے خواب کو ہر کس و ناکس سے بیان نہ کرنا چاہیئے۔

زمانۂ نبوّت میں ایک شخص نے خواب دیکھا کہ وہ چارپائی (پلنگ) کو نگل گیا ہے اُس نے اپنے ایک دوست سے یہ خواب بیان کیا اُس دوست نے مزاحاً کہہ دیا تو پھر تیرا پیٹ پھٹ گیا۔ کچھ دیر بعد اسکی موت واقع ہوگئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس واقعہ کی اطلاع دی گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا اُس کے دوست کی تعبیر نے اسکو ہلاک کر دیا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا اُس خواب کی یہ تعبیر نہ تھی جو بیان کی گئی بلکہ اُس خواب میں اشارہ تھا کہ اس شخص کی شہرت اطرافِ عالم میں پھیل جائیگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے کسی موقعہ پر ایک شخص کے خواب کی تعبیر بیان کی اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:-

اَصَبْتَ بَعْضًا وَاَخْطَأْتَ بَعْضًا (بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

"اے ابوبکرؓ تم نے تعبیر کا بعض حصہ صحیح بیان کیا اور بعض میں غلطی کی۔"

اس حدیث سے تعبیر خواب کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

حقیقتِ نظر | حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے لڑکوں کے دوسرے سفرِ مصر کے وقت خصوصیت سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ اے بیٹو! جب تم شہر مصر میں داخل ہونے لگو تو شہر کے ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق ہوکر

مختلف دروازوں سے ہونا۔ عام مفسرین قدیم وجدید نے اسکی معقول وجہ یہی بیان کی ہے کہ چونکہ یہ سب گیارہ بھائی صحت مند، قد آور، صاحب جمال اور صاحب وجاہت تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کی بد نظر لگ جائے اور انھیں کوئی نقصان ہو جائے۔

نظر لگنا اور اس سے کوئی تکلیف یا نقصان پہنچ جانا ایک مسلّمہ حقیقت ہے محض جاہلانہ وہم وخیال کی بات نہیں جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسکی تصدیق فرمائی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نظر بد ایک انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ نظر بد کا اثر موت کے قریب کر دیتا ہے۔

حدیث بخاری ومسلم میں بکثرت احادیث اس سلسلے میں منقول ہیں۔ ایک حدیث صحیح میں یہ جملہ بھی ملتا ہے:۔

وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔

یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے (قرطبی)

صحابہ کرام میں ایک صحابی رسول ابو سہل بن حنیفؓ کا واقعہ معروف ومشہور ہے وہ ایک موقعہ پر غسل کرنے کے لئے کپڑے اُتارے اُنکے نرم ونازک سفید بدن پر عامر بن ربیعہؓ کی نظر پڑ گئی اور اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا۔ اسکے بعد حضرت سہل بن حنیفؓ کو سخت بخار چڑھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اسکی اطلاع ہوئی آپ نے یہ علاج تجویز فرمایا کہ عامر بن ربیعہؓ کو حکم دیا جائے کہ وہ وضو کریں اور وضو کا پانی کسی برتن میں جمع کریں پھر یہ پانی سہل بن حنیفؓ کے بدن پر ڈال دیا جائے، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا تو بخار فوراً اُتر گیا اور وہ بالکل تندرست ہو کر جس مہم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے روانہ ہو گئے۔ اس واقعہ پر آپؐ نے عامر بن ربیعہؓ کو یہ تنبیہ فرمائی تھی:۔

عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ أَلَّا بَرَّكْتَ إِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ۔ (الحدیث)

"کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب ان کا بدن تمہیں خوب صورت نظر آیا تو برکت کی دُعا کر دیتے،

نظر کا ہونا حق بات ہے۔

بعض احادیث میں ہے کہ کسی اچھی چیز کو دیکھ کر مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہنے سے نظر بد کا اثر چلا جاتا ہے اور نظر نہیں لگتی۔

عقلی طور پر بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نظر اور خیال کو حالات کے بدلنے اور متغیر کرنے میں کافی دخل اور تعلق ہے۔ انسان کی قوّتِ خیالیہ میں اتنا زور اور اثر ہے کہ وہ اشیاء پر اپنا زبردست اثر چھوڑتی ہے حتیٰ کہ بعض اوقات اسی اثر کے نتیجے میں چیزوں کی شکلیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر کسی انسان کی غضبناک آنکھیں اپنے پورے غیظ و غضب کے ساتھ کسی دوسرے انسان پر پڑ جاتی ہیں تو یہ خوف زدہ ہو کر کانپنے لگتا ہے حالانکہ اس شخص پر کوئی ظاہری عمل واقع نہیں ہوا لیکن انسان کی عام حالت میں ایک تبدیلی آجاتی ہے اور چہرے کا رنگ و روپ بدل جاتا ہے بسا اوقات انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے اور آپ نے یہ بھی سُنا ہو گا کہ بعض دفعہ موت واقع ہو گئی۔ یہ زبردست انقلاب اُسی غضبناک نظروں ہی کا نتیجہ سمجھا جاتا ہے اور غضبناک اپنی ذات میں نہ کوئی جسم ہے اور نہ کوئی ظاہری عمل صرف ایک نظر ہے جس نے اپنی قوت و طاقت سے ایک عجیب و غریب شکل پیدا کر دیا۔

اسی طرح کسی خوفزدہ اور سہمے ہوئے انسان پر کوئی محبّت و پیار سے نظر ڈالے اور زبان سے کچھ نہ کہے تو اُسکی نظرِ کرم کا اثر فوری طور پر اُسکے خوف و ہراس کو دُور کر کے چہرے کی رونق کو واپس لے آتا ہے۔ یہاں بھی اُسی نظر کا اثر ہے جس نے یہ تغیّر پیدا کر دیا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات جان بلب انسان جو خوف کے مارے نیم مُردہ ہو چکا تھا صرف نظر عنایت کے باعث اُٹھ کھڑا ہوا۔

یہ سب نظر و خیال ہی کے کرشمے ہیں۔ دراصل اللہ تعالیٰ نے جن اشیاء کو بھی پیدا فرمایا ہے اُن میں کچھ نہ کچھ خاصیتیں رکھی ہیں۔ انسان کے جسم میں آنکھ اور زبان وغیرہ ایسے عضو ہیں جن میں ہزارہا تاثیریں پوشیدہ ہیں۔

سحر اور مسمریزم کے تصرفات بھی انہی اسباب عادیہ میں سے ہیں جہاں نظر و خیال کی قوت سے بڑے بڑے انقلابات معلوم ہونے لگتے ہیں۔ ان میں بھی کوئی اپنی ذاتی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ یہ سب اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت مُطلقہ اور مشیتِ کاملہ کے

تابع ہیں، تقدیر خداوندی کے مقابلہ میں نہ کوئی تدبیر مفید ہوسکتی ہے نہ کوئی مُضر، اسلئے حدیث کا یہ ارشاد کہ نظر کا لگ جانا ایک حقیقت ہے۔ اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر بدنظری کا اثر فوری ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر تدبیر کامیاب ہوجائے۔

تفسیر وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا

تذکرہ سیّدنا یوسف علیہ السلام میں ایک عظیم ابتلا و آزمائش کا ذکر آچکا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے گھر کے دروازے بند کر کے اِن کو گناہ کی طرف بُلانے کی کوشش کی اور اپنی طرف راغب کرنے کے لئے سارے اسباب جمع کر دیئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے عین اس وقت اپنی حجت و برہان حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے کر دی جس کی وجہ سے وہ زلیخا۔ سے پیچھا چھڑا کر بھاگ نکلے اور گھر سے باہر ہو گئے۔ اس نازک موقعہ پر قرآن حکیم نے پُرخطر صورت حال کو اس جملہ سے ادا کیا ہے:۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا (سورۃ یوسف آیت ۲۴)

اور البتہ عورت نے فکر کیا اُس کا اور اُس نے فکر کیا عورت کا۔

اس آیت میں لفظ "ھَمّ" جسکے معنی خیال و فکر اور ارادہ کے ہیں زلیخا اور حضرت یوسف علیہ السلام دونوں کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس آیت کے بعد والی آیت میں اس کشمکش کا اختتام اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ عورت کے اصرار سے نجات پانے کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام دوڑے اور دروازے سے باہر ہو گئے۔

اس حقیقت کے بعد یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام گُناہ تو کیا کرتے ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ ارادے کے خلاف عمل کیا اور باہر نکل آئے۔ اس سیاق کلام کو پیشِ نظر رکھ کر "ھَمّ" والی آیت کا ترجمہ کیا جائے تو سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ

"اور اُس عورت نے اُن کا (پورا) ارادہ کر لیا اور (قریب تھا کہ) وہ بھی اُس کا ارادہ کرتے اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔"

یا یہ ترجمہ ہوگا:۔

"اور اُس عورت نے اُن کا ارادہ کیا اور (اُسکے شدید اصرار پر) یوسفؑ کے (دل میں) اُس کا خیال آتا اگر اپنے رب کی دلیل کو اُنھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔"

اس تشریح سے واضح ہوا کہ زلیخا کا ھَمّ اور تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا ھَمّ اور، حضرت یوسف علیہ السلام کو جو خیال پیدا ہوا وہ گناہ کا خیال نہ تھا۔ عربی زبان میں لفظ ھَمّ دو معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ ایک کسی کام کا قصد و ارادہ کر لینا، دوسرے محض دل میں خیال و وسوسہ پیدا ہونا۔ پہلی صورت گناہ کی ہے۔ دوسری صورت گناہ کی نہیں یہ ایسے ہی جیسے موسم گرما کے روزوں میں ٹھنڈے پانی کی طرف طبعی میلان اور خیال آجاتا ہے۔ حالانکہ روزے میں پینے کا ارادہ قطعاً نہیں ہوتا۔ اس قسم کا خیال نہ انسان کے اختیار میں ہے نہ اس پر کوئی مواخذہ ہے اور نہ کوئی گناہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا ھَمّ ایسے ہی تھا۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

"اللہ تعالےٰ نے میری امت کے لئے گناہ کے وسوسے اور خیال کو معاف کر دیا ہے جبکہ وہ اسپر عمل نہ کرے۔ (قرطبی)

امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں لفظ ھَمّ کا دونوں معنوں میں استعمال عرب کے محاورات اور اشعار کی شہادتوں سے ثابت کیا ہے۔ نیز اسی آیت میں بھی خود یہ فرق اشارۃً موجود ہے۔ اگر دونوں کا ھَمّ ایک طرح کا ہوتا تو اس جگہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بجائے یکجا اس طرح بیان ہوتا وَلَقَدْ ھَمَّا (اور دونوں نے ارادہ کیا) اس تعبیر کو چھوڑ کر الگ الگ وَلَقَدْ ھَمَّتْ بِہٖ وَھَمَّ بِھَا بیان کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا ھَمّ (ارادہ) جدا جدا تھا۔

اس تفسیر کی مزید تائید یہ بھی ہے کہ زلیخا کے ھَمّ کو (لقد) لام اور قد کے ساتھ ظاہر کیا گیا جو تاکید کلام کے لئے آتا ہے جو معنی میں تاکید اور پختگی پیدا کرتا ہے۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کے ھَمّ میں یہ تاکید نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ھَمّ ویسا نہیں تھا جیسا کہ زلیخا کا ھَمّ تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو خیال آنکر پیدا

ہوا وہ محض غیر اختیاری وسوسہ کے درجے میں تھا جو قطعاً گناہ نہیں ہے۔ پھر اس وسوسہ کے خلاف حضرت یوسف علیہ السلام کا عمل کرنا اللہ کے نزدیک اِنکے درجے کی بلندی کا باعث ہوا۔

ایک اور تفسیر بھی بیان کی گئی ہے جو قرآن کے اسلوب و بیان کے بہت قریب ہے۔ پوری آیت اس طرح ہے:۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔

ترجمہ اس طرح ہوگا:۔

"اور البتہ اُس عورت نے یوسفؑ کا ارادہ کیا اور یوسف بھی عورت کا ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کے بُرہان کو نہ دیکھے ہوتے۔"

مطلب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی خیال پیدا ہوجاتا اگر اللہ کی حُجّت و بُرہان کو نہ دیکھتے۔ لیکن بُرہانِ رب کو دیکھنے کی وجہ سے وہ اس ھَمّ اور خیال سے بھی بچ گئے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔ البتہ اس صورت میں کلام کے اندر جملوں کی تقدیم و تاخیر ماننا پڑے گا۔ اور یہ کوئی نادر بات یا محاورۂ عرب کے خلاف بھی نہیں۔ خود قرآن حکیم میں اسکی نظیر موجود ہے۔

اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا۔

(القصص آیت ۱۰)

لہٰذا مذکورہ عبارت قرآنی میں عام قواعدِ عربی کے لحاظ سے کلام اس طرح ہوگا۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ لَقَدْ هَمَّ بِهَا۔

"اگر یوسف بُرہانِ رب نہ دیکھے ہوتے تو البتہ ارادہ کرجاتے۔

(روح المعانی)

چونکہ بُرہان رب دیکھ لیا تھا اس لئے ارادہ و خیال تک نہ کرسکے۔ اس تفسیر کی رو سے ھَمّ (ارادے) کی نفی ہوگی۔

دونوں تفسیروں کی بنیاد پر بہرحال یہ مشترکہ حقیقت مل جاتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بُرے ارادے سے دُور رہے، اور اللہ کا کلام یہی ظاہر بھی کرنا چاہتا ہے۔

قرآن حکیم نے یہ واضح نہیں کیا کہ "برہانِ رب" جو حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے آئی کیا چیز تھی؟

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، امام مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، محمد بن سیرینؒ، امام حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ اُس خلوت گاہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح سامنے کردی کہ وہ اپنی اُنگلی دانتوں سے دبائے کھڑے ہیں اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ عزیزِ مصر کی صورت اُن کے سامنے کردی گئی۔ اور بعض دیگر نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر اچانک چھت کی طرف اُٹھی تو یہ آیت لکھی نظر آئی :-

لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَاۤءَ سَبِيْلًا۔

"یعنی زنا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور نہایت بُرا راستہ ہے۔" (بنی اسرائیل آیت ۳۲)

اور بعض حضرات نے یہ لکھا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت و رسالت خود برہان رب تھی۔

امام تفسیر ابن جریرؒ نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد جو بات تحریر فرمائی ہے وہ اہل تحقیق کی نگاہوں میں پسندیدہ نظروں سے دیکھی گئی ہے۔

لکھتے ہیں کہ جتنی بات قرآن حکیم نے بتلادی ہے صرف اسی حد تک اکتفا کرنا چاہیئے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے دل کا وسوسہ جاتا رہا۔ اس چیز کی تعیین میں وہ سب احتمال ہو سکتے ہیں جو مفسرین کرام نے ذکر کیے ہیں لیکن قطعی طور پر کسی ایک چیز کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔ (ابن کثیر)

یہ مسئلہ عصمتِ انبیاء قرآن و سنت سے ثابت ہونے کے علاوہ عقلاً بھی اس لئے ضروری ہے کہ اگر انبیاء کرام سے گناہ سرزد ہو جانے کا امکان و احتمال رہے تو ان کے لائے ہوئے دین اور وحی پر اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا اور ان کی بعثت اور ان پر کتاب نازل کرنے کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو ہر گناہ سے معصوم رکھا ہے۔

قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کو "مُخلَصین" کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ مُخلَص (بفتح لام) کے منتخب کے معنی میں آتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے کارِ رسالت اور وحی اور اصلاح خلق کے لئے جن افراد کو اپنی جانب سے انتخاب فرماتا ہے وہ مخلَصین کہلاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ ہی لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ۔ (یوسف آیت ۲۴)

وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے ایک ہیں۔

ایک عبرت جن دنوں حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں محبوس تھے جیل کے افسر یا قیدیوں میں سے کسی نے آپ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کیا کہ ہمیں آپ سے بہت محبت ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا:-

"محبت صرف اللہ سے کرو، جب کسی نے مجھ سے محبت کی تو مجھ پر آفت ہی آئی، بچپن میں میری پھوپی کو مجھ سے محبت تھی اسکے نتیجے میں مجھ پر چوری کا الزام لگا، پھر میرے والد نے مجھ سے محبت کی تو بھائیوں کے ہاتھوں کنوئیں میں گرا، پھر غلامی اور جلاوطنی میں مبتلا ہوا، اب عزیز مصر کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو اس جیل میں۔" (ابن کثیرؒ، مظہری)

ایک نصیحت "عالم و مقتدا کو جہاں اپنے عمل وکردار کی حفاظت ضروری ہے وہاں اسکی بھی فکر ہونی چاہیئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ یہ بدگمانی سراسر غلط اور بے جا ہی کیوں نہ ہو، ایسی صورت سے بھی بچنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہرحال ان کی دعوت وتبلیغ کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے۔ پھر لوگوں میں ان کی بات کا وزن نہیں رہتا۔" (قرطبی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بھی بچو، یعنی ایسے حالات اور مواقع سے بھی اپنے آپ کو بچایا جائے جہاں کسی کو تہمت لگانے کا موقعہ ہاتھ آئے۔

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام عیوب اور گناہوں سے معصوم ہیں اپنے لئے بھی اس احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے ایک مرتبہ ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی آپؐ کے ساتھ کسی کھلی جگہ مصروفِ گفتگو تھیں ایک صحابی اتفاقاً اُدھر سے گزرنے لگے تو آپؐ نے اُنھیں طلب کیا اور فرمایا یہ میری بیوی (اُمّ سلمہؓ) ہیں۔ وہ سہم گئے اور عرض کیا یارسول اللہ کیا میں آپؐ پر کوئی بدگمانی کر سکتا ہوں؟

آپؐ نے یہ اس لئے فرمایا کہ کہیں دیکھنے والے کو کسی اجنبی عورت کا شُبہ نہ ہو جائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی اور شاہی دعوت کا پیغام ملنے کے باوجود رہائی سے پہلے اس بات کی کوشش فرمائی کہ لوگوں کے شُبہات دُور ہو جائیں، دعوت کا پیام لانے والوں کو صاف فرما دیا:

قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ الآیۃ (آیت ۵۰)

"جب شاہی فرستادہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا تو کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اُس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا واقعہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ خود کاٹ لئے تھے۔ میرا رب تو ان کے مکر و فریب سے خوب واقف ہے۔"

بُرا دوست

"ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا ایسے رفیق کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا یہ حال ہو کہ اگر تم اُسکا اعزاز و اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑا پہناؤ تو وہ تمہیں بَلا اور مصیبت میں ڈال دے، اور اگر اسکی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے۔؟

صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اس سے زیادہ بُرا تو دنیا

میں کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اُس ذات کی قسم جسکے دست قدرت میں میری جان ہے وہ تمہارا اپنا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔ (قرطبی)

حضرت یوسف علیہ السلام نے نفس کے تعلق سے فرمایا:۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ۔

(آیت ۵۳)

"میں اپنے نفس کی برأت نہیں کرتا نفس تو بدی پر اُکسانے والا ہی ہے۔"

آیت مذکورہ میں نفس انسانی کو آمارہ (بُرائی پر اکسانے والا) ظاہر کیا گیا ہے۔

سورہ قیامہ میں اسی نفس انسانی کو لَوَّامَہ (بُرائی پر ملامت کرنے والا) کا لقب دیا گیا ہے۔

سورۂ فجر میں اسی نفس انسانی کو مُطْمَئِنَّہ (اطمینان والی روح) کا لقب دیکر جنّت کی بشارت دی گئی۔

نفس کی یہ تین قسمیں قرآن حکیم نے بیان کی ہیں۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ ہر نفسِ انسانی اپنی ذات میں اَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ (بُرے کاموں کا تقاضہ کرنے والا ہے لیکن جب انسان اللہ اور آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے کو پورا نہ کرے تو اس کا نفس لَوَّامَہ بن جاتا ہے یعنی بُرے کاموں پر ملامت کرنے والا اور اِن سے توبہ کرنے والا جیسا کہ نیک وصالحین کے نفوس ہوتے ہیں۔ اور جب کوئی انسان نفس کے خلاف مجاہدہ کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت تک پہنچا دے کہ بُرے کاموں کا تقاضہ بھی اسمیں نہ رہے تو وہ نفس مطمئنہ کہلاتا ہے۔ یہ کیفیت عموماً کثرتِ عبادت اور گناہوں سے سخت پرہیز کے بعد پیدا ہو جاتی ہے تاہم اس کیفیت کا ہمیشہ قائم رہنا یقینی نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے بے فکر ہو جانا سخت خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔ صدیقین وصالحین کے نفوس عموماً ایسے ہی ہو جاتے ہیں لیکن انبیاء کرام کو عطار خداوندی سے ایسا نفس مطمئنہ بغیر کسی سابقہ مجاہدہ کے نصیب ہو جاتا ہے اور وہ ہمیشہ اسی حالت پر قائم رہتا ہے اسمیں کسی قسم کا ضُعف یا تخلّف نہیں ہوتا۔ جس شخص کو نفس مطمئنہ

نصیب ہو جائے وہ بھی اللہ کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے۔

پُر معنی خاموشی

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں یہ بات انتہائی حیرت انگیز ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام ان کے فراق میں روتے روتے نابینا ہو گئے۔ دوسری جانب حضرت یوسف علیہ السلام چالیس سال کے طویل زمانے میں ایک مرتبہ بھی اپنی خیریت اور اطلاع کسی ذریعہ سے انہیں پہنچانے کی زحمت نہ کی جبکہ عزیز مصر کے گھر میں ہر طرح کی سہولت ممکن تھی، علاوہ ازیں جیل کی آٹھ دس سالہ زندگی میں بھی ایسا نہ سوچا اور خاص طور پر جب مصر کا اقتدار ہاتھ آیا اس وقت تو خود چل کر والد کی خدمت میں حاضری دیتے لیکن یہ بھی نہ کیا، حتیٰ کہ جب بھائی غلہ لینے کے لئے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کے اظہار کئے بغیر رخصت کر دیا۔

یہ تمام حالات کسی عام انسان سے بھی تصور نہیں کئے جا سکتے۔ جبکہ اللہ کے برگزیدہ رسول سے یہ صورت کیسے برداشت ہوئی؟

اس طویل اور حیرت انگیز خاموشی کا جواب غالباً یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنی حکمتِ خاص کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کو اس کے اظہار سے روک دیا ہو گا اور یہی جواب حضرت یعقوب علیہ السلام کے صبر کا ہے۔ تفسیر قرطبی میں اسکی یہ ہی وجہ لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ کی حکمتوں کو خود وہی جانے۔ انسان اسکا کہاں ادراک کر سکتا ہے۔ کبھی کوئی چیز کسی کے سمجھ میں آجاتی ہے تو وہ اُسکو بیان کر دیتا ہے ورنہ ہزار ہا امور ایسے ہیں جن کی حقیقت سے دنیا عاجز اور بے بس ہے لیکن وہ بعد میں ہی مفید و مناسب ظاہر ہوئی یہی وجہ تھی کہ اس واقعہ کے ابتداء ہی میں جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا ہے بلکہ بھائیوں کی کوئی سازش ہے تو اس کا طبعی تقاضہ یہ تھا کہ اسی وقت جگہ پر پہونچتے اور تحقیق فرما لیتے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے اُن کا دھیان اس طرف نہ جانے دیا اور پھر مدتوں کے بعد بیٹوں سے فرمایا:-

"جاؤ یوسف اور اسکے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے

مایوس نہ ہو۔"

جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سب اسباب اسی طرح جمع کر دیتے ہیں کہ ایک چیز عدم سے وجود میں اور وجود سے عدم میں آجاتی ہے۔ اللہ کے قدرت قاہرہ کی یہی حقیقت ہے۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔

انبیاء و رُسل کی قوتِ ادراک

سورۂ یوسف آیت ۹۴، ۹۶ کا ترجمہ پھر یکبار پڑھیئے:۔

"اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے باپ (یعقوب علیہ السلام) نے (اپنے شہر کنعان میں) کہا میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں (کہ بہکی بہکی باتیں کر رہا ہوں)

گھر کے لوگ بولے اللہ کی قسم آپ ابھی تک اپنے اُسی پرانے غلط خیال میں ہیں۔ پھر جب خوشخبری لانے والا آیا اُس نے یوسف علیہ السلام کا قمیص یعقوب علیہ السلام کے منہ پر ڈال دیا یکایک اُن کی بینائی لوٹ آئی، تب کہا میں تم سے کہتا نہ تھا بیشک میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"

اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قمیص لے کر مصر سے چلا ہے اِدھر سینکڑوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے گھر میں اُس کی مہک پا لیتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو یہ قوتیں اللہ کی بخشش و انعام کے طور پر بعض اوقات دے دی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ جب اور جس وقت چاہتا ہے ان قوتوں سے کام کرنے کا موقعہ فراہم کرتا ہے۔ ایسی فوق البشر قوتیں کسی مخلوق کی ذاتی اور ابدی نہیں ہوتیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام برسوں مصر میں موجود رہے اور کبھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اِن کی خوشبو نہ آئی، دُور نہیں گھر کے قریب ہی بھائیوں نے کنویں

میں پھینک دیا تھا اِس کا احساس تک نہ ہوا۔ تین دن تک مظلومانہ کنویں میں پڑے رہے پر کوئی خبر نہ لے سکے۔

"شہر مصر سے کنعان کا فاصلہ اُس زمانے میں آٹھ دن کی مسافت پر تھا۔ (ابن عباسؓ)

اور حضرت حسن بصریؒ کے قول کے مطابق اسّی فرسخ تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا۔ جب اللہ کی مشیّت و مرضی ہو جاتی ہے یکایک قوتِ ادراک کی تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ ابھی اُن کا قمیص مصر سے چلا ہے اور وہاں اُن کی مہک آنی شروع ہو گئی۔

فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا یَمُوْتُ وَلَا یَغُوْثُ۔

شیخ سعدیؒ نے اس واقعہ کو اپنی رُباعی میں اس طرح ادا کیا ہے :-

یکے پُرسید ازاں گم کردہ فرزند	ایک شخص نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے پوچھا
کہ اے روشن گہُر پیرِ خرد مند	اے روشن دل پیر خرد مند
چرا در چاہِ کنعانش نہ دیدی	آپ نے اپنے بیٹے یوسف کو شہر کنعان کے کنویں میں کیوں نہ دیکھا
ز مصرش بوئے پیراہن شنیدی	جبکہ ملکِ مصر سے اُنکے قمیص کی خوشبو پائی ؟
بگفتا حالِ ما برقِ جہانست	فرمایا ہمارا حال دنیا کے برق کی طرح ہے۔
دمے پیدا و دم دیگر نمانند	کبھی اچانک ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی بالکل غائب۔

سجدہ کی حقیقت

جب حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادرانِ یوسف مصر کے دار السلطنت پہنچے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام نے اعیانِ سلطنت کے ساتھ عظیم الشان باپ کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اُٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اسوقت سب کے سب یوسف علیہ السلام کے آگے بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اے ابا جان! یہ تعبیر ہے میرے اُس خواب کی جو میں نے پہلے دیکھا تھا۔ (یوسف آیت ۱۰۰)

لفظ سجدہ سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ ایک جماعت نے اسی آیت سے استدلال کر کے بادشاہوں، پیروں، درویشوں اور قبروں کو سجدہ کرنے کا جواز

نکال لیا ہے۔ اور چونکہ قرآن و حدیث میں سجدہ صرف اللہ کے لئے بیان کیا گیا ہے اور کسی مخلوق کے لئے نہیں تو اس ممانعت سے بچنے کے لئے انھوں نے سجدہ کو دو قسم میں تقسیم کر دیا :-

سجدۂ عبادت، سجدۂ تحیت (تعظیمی)

"سجدۂ عبادت" کو اللہ کے ساتھ خاص کر دیا کہ یہ صرف اللہ ہی کے لئے کیا جا سکتا ہے اور "سجدۂ تحیہ" عام ہے کسی کی تعظیم و تکریم کے لئے احتراماً سجدہ کیا جا سکتا ہے اور یہ عبادت کے جذبہ سے خالی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تقسیم ہی اپنی ذات میں غلط ہے کیونکہ ہر "سجدۂ عبادت"، "تعظیم کا حامل ہوتا ہے۔ عبادت در اصل انتہائی تعظیم ہی کا نام ہے۔ لہٰذا ہر سجدہ تحیہ" "سجدۂ عبادت" ہی ہوگا۔ پھر سجدہ کی تقسیم ہی غلط قرار پاتی ہے۔

بہر حال یہ ساری غلط فہمیاں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ آیت میں سجدہ کو موجودہ اسلامی سجدہ کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے یعنی دونوں ہاتھ، گھٹنے، پیشانی کا زمین پر رکھ دینا حالانکہ سجدہ کے حقیقی معنی محض جھکنے اور خم ہو جانے کے ہیں۔ تذکرہ یوسف علیہ السلام میں بھائیوں کا سجدہ میں گر جانا اسی معنی میں ہے کہ وہ سب حضرت یوسف علیہ السلام کے بلند مرتبے کو دیکھ کر جھک گئے۔ یہ معنی اس لئے بھی درست ہیں کہ جھکنے والوں میں حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ہیں اور ظاہر ہے کہ ایک جلیل القدر پیغمبر و رسول کا غیر اللہ کو سجدہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کو سجدہ کریں۔ جبکہ سجدہ کسی بھی ملت میں غیر اللہ کے لئے روا نہ رکھا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں سجدہ کا ذکر آیا ہے وہ صرف اللہ واحد کے لئے خاص ہے۔ بنیادی بات یہ ہے کہ سجدۂ عبادت ہے اور عبادت کسی بھی آسمانی ملت میں غیر اللہ کے لئے شرک قرار دی گئی ہے تو غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کا کوئی جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حٰمٓ سجدہ آیت ۳۷)

"سجدہ نہ سورج کو کرو نہ چاند کو، اور اُس اللہ کو کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے جبکہ تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔"

سورج و چاند کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے ہیں کہ ہماری غرض ان چیزوں کی

پرستش ہے اللہ ہی کی پرستش ہے مگر اللہ تعالےٰ نے صاف صاف بتلا دیا ہے کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں ہیں عبادت کا مستحق صرف ایک اللہ ہے کسی بھی غیر کی عبادت و پرستش کرنا اللہ واحد سے بغاوت کرنے کا مترادف ہے۔

"حدیث صحیحین میں ہے کہ حضرت معاذ رضؓ جب ملکِ شام گئے
وہاں دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو واپس آکر
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرنے لگے آپ نے منع فرمایا
اور ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو کہتا
کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے"۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنی قوم کی عادت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا:-

لَا تَسْجُدْ لِیْ یَا سَلْمَانُ وَاسْجُدْ لِلْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ۔

"اے سلمانؓ مجھے سجدہ نہ کر بلکہ سجدہ صرف اُسی ذات کو کر جو
حی وقیوم ہے جسکو کبھی فنا نہیں۔ (ابن کثیر)

جن اہل علم نے بھی یہ جو لکھا ہے کہ پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا لیکن اس شریعت میں یہ بھی ممنوع ہو گیا یہ غالباً اس لئے لکھا ہے کہ چونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا یا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی جواب نہیں کیونکہ یہاں دعویٰ اور دلیل ایک ہی ہیں۔ دعویٰ یہ ہے کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا اور دلیل بھی یہی ہے کہ برادرانِ یوسف نے تعظیمی سجدہ کیا ہے۔

اگر یہ کسی دلیل سے ثابت ہو جائے کہ پہلی شریعتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا تو پھر ثبوت میں برادرانِ یوسف کا عمل دلیل ہو سکتا تھا۔

نہ جانے کس بنیاد پر یہ لکھ دیا گیا کہ پہلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ جائز تھا جبکہ قرآن وحدیث میں سجدہ کو عبادت قرار دیا گیا ہے اور اللہ کے لئے خاص کیا گیا ہے۔

دراصل یہ ساری غلط فہمیاں جیسا کہ لکھا گیا ہے آیت میں سجدہ کو موجودہ اسلامی

سجدہ کا ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

قدیم تہذیب اور جاہلی دور میں یہ عام طریقہ تھا اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا رواج ہے کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے ہیں۔ اسی جھکاؤ کے لئے عربی میں سجود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔

بائبل میں اسکی بکثرت مثالیں ملتی ہیں۔ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا۔ ایک مقام پر بائبل میں یہ ذکر ملتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسویرس بادشاہ نے ہامان کو اپنا امیر الامراء بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ سجدۂ تعظیمی بجا لایا کریں تو مردکی نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء اللہ میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا، تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے یہ تفصیل دی گئی ہے:۔

> "بادشاہ کے ملازمین نے کہا آخر تو ہامان کو سجدہ کرنے سے کیوں انکار کرتا ہے؟ ہم بھی آدمی ہیں مگر شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا تم لوگ نادان ہو! کیا ایک فانی انسان جو کل خاک میں ملجانے والا ہے اس قابل ہوسکتا ہے کہ اُسکی بڑائی مانی جائے؟ کیا میں اُسکو سجدہ کروں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا! کل بچہ تھا آج جوان ہے کل بوڑھا ہوگا اور پرسوں مرجائے گا؟ نہیں میں تو اُس ازلی و ابدی خدا ہی کے آگے جھکوں گا جو حی و قیوم ہے جو کائنات کا خالق اور حاکم ہے، میں تو بس اُسی کی تعظیم بجا لاؤں گا اور کسی کی نہیں۔"

یہ تقریر نزول قرآن سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ایک اسرائیلی مومن کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور اسمیں کوئی شائبہ نہیں کہ غیر اللہ کو کسی بھی معنی میں سجدہ کرنا جائز ہو۔

برادران یوسف کا سجدہ کرنا یا فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا، اگر اس سجدہ سے مراد وہ عمل ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے تو پھر وہ اللہ کی بھیجی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا ہے۔

قدیم کتب تفاسیر اسپر شاہد ہیں کہ قرآن حکیم میں جہاں بھی غیر اللہ کیلئے سجدہ کا لفظ آیا ہے اُس سے مراد صرف جھک جانا ہے یا زمین بوس ہونا، بے انتہا تواضع کرنا مراد ہے۔

فرشتے اللہ کے حکم پر آدم علیہ السلام کے آگے جھک گئے۔ برادرانِ یوسف اور ماں باپ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت و شان دیکھ کر جھک گئے۔

(تفسیر کبیر، معالم التنزیل، جلالین، روح المعانی، کشاف وغیرہ)

یہاں اس فرق کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ سجدۂ تعظیمی کا رواج اگر قدیم تہذیبوں میں رائج و معروف تھا بادشاہوں کے دربار میں عام طور پر کیا جاتا تھا یا بلند و اونچی شخصیات کے لئے بھی بطور تعظیم ادا کیا جاتا ہو، ممکن ہے ایسا گزشتہ ادوار میں رہا ہو لیکن کسی آسمانی شریعت میں یا نبیوں کے قائم کردہ نظام میں غیر اللہ کے لئے سجدۂ تعظیم کا ثبوت اور اُس کا رواج قرآن و حدیث کی تصریح کا محتاج ہے جو باوجود تحقیق و تلاش کے ہمیں حاصل نہ ہو سکا۔

یہی وجہ ہے کہ تمام قدیم مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ برادرانِ یوسف کا سجدہ یا فرشتوں کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنا تعظیماً آگے جھکنا تھا یا زمین بوس ہونا تھا۔

علاوہ ازیں اگر برادرانِ یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اسلامی سجدہ ہی کیا ہو تب بھی یہ اس بات کا ثبوت نہیں بنتا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اپنے رواج و تہذیب کی بناء پر ایسا کئے ہوں۔ قرآن حکیم نے صرف واقعہ نقل کیا ہے کوئی ترغیب یا تعریف نہیں کی ہے۔

علاوہ ازیں بکثرت مقامات پر اللہ نے سجدہ کو صرف اپنی ذات کے لئے خاص کیا ہے۔ بہرحال قدیم کتبِ تفسیر کی مراجعت کے بعد اس مسئلہ میں جو حقیقت ظاہر ہوئی وہ درج کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم و علمہٗ اتم۔

ایک گہری حقیقت

سیدنا یوسف علیہ السلام کے اس تفصیلی قصہ سے قرآن حکیم ایک اور گہری حقیقت بھی انسان کے ذہن نشین کراتا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ جو کام کرنا چاہتا ہے وہ بہرصورت پورا ہو کر رہتا ہے۔ انسان اپنی مختلف تدبیروں اور منصوبوں سے اس کو روکنے یا بدلنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بسا اوقات انسان ایک کام اپنے منصوبے کی خاطر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے

اپنا منصوبہ پورا کر لیا ہے مگر نتیجہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ نے اُسی کے ہاتھوں سے وہ کام لے لیا جو اُسکے اپنے منصوبے کے خلاف اور اللہ کی مرضی و منشار کے عین مطابق تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی جب انھیں کنوئیں میں پھینک رہے تھے تو اُن کا گمان تھا کہ ہم نے اپنی راہ کا کانٹا ہمیشہ کے لئے دور کر دیا، مگر فی الواقع انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس بام عروج کی پہلی سیڑھی پر اپنے ہاتھوں لا کھڑا کیا جس پر اللہ کو پہنچانا منظور تھا۔ عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو قید خانے میں ڈالکر اپنے نزدیک تو اُن سے انتقام لے لیا مگر فی الواقع اُس نے اِن کے لئے تختِ سلطنت تک پہنچنے کا راستہ فراہم کیا اور اپنی اس تدبیر سے خود اپنے لئے اسکے سوا کچھ نہ کمایا کہ وقت آنے پر فرمانروائے سلطنت کی "محسنہ" کہلانے کے بجائے علی الاعلان اپنی خیانت کے اعتراف کی شرمندگی اُٹھانی پڑی۔

یہ محض دو چار مستثنیٰ واقعات نہیں ہیں بلکہ تاریخ ایسے بے شمار مثالوں سے بھری پڑی ہے جو اس گہری حقیقت کی گواہی دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے اُٹھانا چاہتا ہے ساری دنیا ملکر اسکو گرا نہیں سکتی، بلکہ دُنیا جس تدبیر کو اسکے گرانے کی نہایت کارگر اور یقینی تدبیر سمجھ کر اختیار کرتی ہے اللہ تعالیٰ اُسی تدبیر میں سے اُسکے اُٹھنے اور اُبھرنے کی صورتیں نکال دیتا ہے اور اُن لوگوں کے حصے میں رُسوائی کے سوا کچھ نہیں آتا جنھوں نے اُسے گرانا چاہا تھا اور اسی طرح اسکے برعکس اللہ جسے گرانا چاہتا ہے اُسے کوئی تدبیر سنبھال نہیں سکتی بلکہ سنبھالنے کی ساری تدبیریں اُلٹی پڑتی ہیں اور ایسی تدبیریں کرنے والوں کو منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

رُوحِ تذکرہ

حقیقت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے معاملہ پر چسپاں کر کے قرآن حکیم نے گویا ایک واضح پیشگوئی کر دی تھی جسے آئندہ دس سال کے واقعات نے حرف بحرف صحیح ثابت کر دیا۔

اس سورہ کے نزول پر دو ڈیڑھ سال ہی گزرے ہوں گے کہ اہلِ قریش

برادرانِ یوسف کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش کی اور آپ کو بحکم الٰہی مکّہ مکرمہ سے نکلنا پڑا۔ پھر اُن کی توقعات کے خلاف جیسا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اُنھوں نے آپؐ کو مکّہ مکرمہ سے نکال کر گویا آپ کے لائے ہوئے دین کا خاتمہ کر دیا لیکن آپؐ کو اس جلاوطنی میں ویسا ہی عروج و اقتدار نصیب ہوا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو ہوا تھا۔

پھر فتح مکّہ کے موقع پر ٹھیک ٹھیک وہی کچھ پیش آیا تھا جو مصر کے پایۂ تخت میں یوسف علیہ السلام کے سامنے اُن کے بھائیوں کی آخری حضوری کے موقع پر پیش آیا تھا، جہاں برادرانِ یوسف انتہائی عجز و درماندگی کی حالت میں اُن کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ:۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَآ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۔

(آیت ۸۸)

توحضرت یوسف علیہ السّلام نے انتقام کی قدرت رکھنے کے باوجود انھیں معاف کر دیا اور فرمایا:۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ (آیت ۹۲)

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔"

اسی طرح یہاں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شکست خوردہ قریش سرنگوں کھڑے ہوئے تھے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اِن کے ایک ایک ظلم کا بدلہ لینے کے موقف میں تھے آپؐ نے دریافت کیا تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟ اُنھوں نے عرض کیا:۔

اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ۔

"آپ ایک عالی ظرف بھائی ہیں اور ایک عالی ظرف بھائی کے بیٹے ہیں۔"

اس پر آپؐ نے فرمایا:۔

فَاِنِّیْ اَقُوْلُ لَکُمْ کَمَا قَالَ یُوْسُفُ لِاِخْوَتِہٖ
لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ
اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔

"میں تمہیں وہی جواب دیتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو دیا تھا کہ آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تمہیں معاف کیا۔"

لَقَدْ کَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِہٖ اٰیٰاتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ۔

"یوسف علیہ السلام اور اُن کے بھائیوں کے قصے میں اِن پوچھنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔"

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

تذکرہ
سیدنا شعیب علیہ السلام
اور
اصحابُ الایکہ

تعارف مشہور اسلامی مؤرخ محمد بن اسحاق کے بیان کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے صاحبزادے مَدین کی اولاد میں سے ہیں اور حضرت لوط علیہ السلام سے بھی رشتۂ قرابت رکھتے ہیں۔

جس بستی میں ان کا قیام تھا اُس کو بھی شہر مَدین کہا جاتا تھا۔ گویا مدین ایک قوم کا بھی نام ہے اور ایک شہر کا بھی۔ یہ شہر آج بھی شرق اُردن کی بندرگاہ معان کے قریب موجود ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وعظ و نصیحت کا معجزانہ انداز عطا کیا تھا۔ اسی حُسنِ خطابت کی وجہ سے انھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "خطیب الانبیا" کے لقب سے یاد فرمایا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم میں دس جگہ آیا ہے۔

سورۂ اعراف	آیات	۸۵، ۸۸، ۹۰، ۹۲
سورۂ ھود	آیات	۸۴، ۸۷، ۹۱، ۹۰
سورۂ شعراء	آیت	۱۷۷
سورۂ عنکبوت	آیت	۳۶

قومِ شعیب حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مَدین میں ہوئی۔ مدین کسی مقام کا نام نہیں ہے بلکہ قبیلہ کا نام ہے۔ یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مَدین کی نسل سے تھا جو اُن کی تیسری بیوی قطورہ سے پیدا ہوا تھا اسلئے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا یہ خاندان بنی قطورا کہلاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین۳ بیویاں تھیں۔ سارہؓ، ہاجرہؓ، قطوراؓ۔

حضرت سارہ کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے ان کے دو۲ بیٹے تھے حضرت یعقوب علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے باپ قرار پائے، دوسرے عیسو جنکا لقب ادوم تھا۔

سیدہ ہاجرہؓ کے بطن سے صرف ایک بیٹا ہوا جن کا نام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہے۔ سیدہ قطوراؓ کے بطن سے کئی ایک بچے ہوئے جن میں ایک کا نام مدین تھا۔ عرب ہی میں ان کے باپ نے اُن کو بسایا تھا۔

انہی تینوں ازواج سے حسب ذیل مشہور زمانہ قومیں پیدا ہوئیں۔

۱۔ بنو قطوراؓ میں سے اہل مدین اور اہل و دان (اصحاب الایکہ) حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم۔

۲۔ بنو سارہؓ میں سے ادوم (یعنی حضرت ایوب اور ان کی قوم)

۳۔ بنو ہاجرہؓ میں سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، اصحاب الحجر، قیدار، قریش۔

مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے سوتیلے بھائی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پہلو میں حجاز آکر آباد ہوگیا تھا۔ پھر یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام بھی چونکہ اسی نسل سے تھے اس لئے انکی بعثت کے بعد یہ قوم، قومِ شعیب کہلائی۔

مدین، اصحابُ الایکہ

مفسرین کرام اس بارے میں مختلف الخیال ہیں۔ آیا مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قبیلے کے دو۲ نام ہیں یا دو۲ جدا جدا قبیلے ہیں، بعض کا خیال ہے کہ دونوں جُدا جُدا قبیلے ہیں۔ مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا اور اصحاب الایکہ دیہاتی و بدوی قبیلہ تھا جو جنگل اور بَن میں آباد تھا۔ "ایکہ" کے معنی خود جنگل اور بَن کے ہیں۔ اس لئے اسکو جنگل والا یا بَن والا کہا گیا۔

قرآن حکیم نے اس قبیلے کی آبادی کے متعلق دو۲ لفظوں سے اس کا تعارف کرایا ہے۔

ایک یہ کہ یہ قبیلہ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ پر آباد تھا۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ (حجر آیت ۷۹)

اور قومِ لوط اور مدین دونوں بڑی شاہراہ پر آباد تھے۔

دوسرے یہ کہ وہ اصحاب الایکہ تھے (جھنڈ والے یا بن والے)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ (شعراء آیت ۱۷۶)

"ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔"

عربی زبان میں "اَیکہ" ایسی سرسبز و شاداب جھاڑیوں کو کہا جاتا ہے جو ہرے بھرے درختوں کی کثرت سے جھنڈ کی شکل اختیار کرلیتی ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ابن عساکر کے حوالہ سے یہ مرفوع حدیث نقل کی گئی ہے:۔

اِنَّ مَدْيَنَ وَاَصْحَابَ الْاَيْكَةِ اُمَّتَانِ بَعَثَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِمَا شُعَيْبًا۔ (الحدیث)

"مدین اور اصحاب الایکہ دو قومیں ہیں جنکی جانب حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا تھا۔"

ان دونوں باتوں کے جان لینے کے بعد مدین کی آبادی کا پتہ آسانی سے معلوم ہوسکتا ہے وہ یہ کہ مدین کا اصل علاقہ حجاز کے شمال مغرب اور فلسطین کے جنوب میں بحر احمر اور خلیج عقبہ کے کنارے پر واقع تھا، قدیم زمانے میں جو تجارتی شاہراہ بحر احمر کے کنارے یمن سے مکّہ اور ینبوع ہوتی ہوئی ملک شام تک جاتی تھی اور ایک دوسری شاہراہ جو عراق سے مصر کی طرف جاتی تھی اُس کے عین چوراہے پر اس قوم کی بستیاں آباد تھیں۔ عرب کے تجارتی قافلے مصر اور شام کی طرف جاتے ہوئے اسکے آثار قدیمہ کے درمیان سے گزرا کرتے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ کی تحقیق ہے کہ یہاں ایکہ نامی ایک درخت تھا اہل قبیلہ چونکہ اسکی عبادت کیا کرتے تھے لہٰذا اس نسبت سے مدین کو اصحاب الایکہ کہا گیا۔

گویا یہ دو نام ایک ہی قبیلے کے ہیں۔ اس خیال کی تائید میں بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب اور پُرفضا بنا دیا تھا اور یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے

کے اسقدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ ایک نہایت خوبصورت اور شاداب گھنے درختوں کا جھنڈ ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے اسکو "ایکہ" (جھنڈ) کہہ کر تعارف کروایا۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں خیال اپنی جگہ صحیح ہیں۔ اصحاب مدین اور اصحاب الایکہ بلاشُبہ دو الگ قبیلے ہیں مگر ہیں ایک ہی نسل کی دو شاخیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد اُنکی تیسری بیوی سیدہ قطورا کے بطن سے تھی وہ عرب اور اسرائیل کی تاریخ میں بنی قطورا کے نام سے معروف رہی ہیں، اِن میں سے ایک قبیلہ جو سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ مدین بن ابراہیم کی نسبت سے اصحاب مدین کہلایا۔

باقی سیدہ قطورا کی دوسری اولاد جن میں بنی ودان نسبتہً زیادہ مشہور ہیں۔ شمالی عرب میں تیمار اور تبوک کے درمیان آباد ہوئے۔ ان کا صدر مقام تبوک تھا جیسے قدیم زمانے میں ایکہ کہتے ہیں۔

اصحاب مدین کا آغاز عہد دو ہزار دو سو برس قبل مسیح شمار کیا جاتا ہے کیونکہ یہی زمانہ مدین کے پدر محترم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔

قرآن حکیم میں مدین کا ذکر دو وجہ سے آیا ہے۔

اوّل۔ حضرت شعیب علیہ السلام

دوم۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے۔

سورہ طٰہٰ آیت ۴۰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چند سال قیامِ مدین کا ذکر ہے۔ سورہ قصص آیت ۲۲ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت شعیب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

"حضرت شعیب علیہ السلام اِن دونوں قبیلوں کے پیغمبر تھے، ان دونوں قبیلوں کے عادات واطوار تقریباً یکساں تھے۔ چونکہ دونوں ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے، ایک ہی زبان بولتے تھے۔ اِن کے علاقے بھی ایک دوسرے سے قریب اور متصل تھے۔ اور اِن دونوں شاخوں کا پیشہ بھی تجارت تھا، دونوں میں ایک ہی طرح کی تجارتی بے ایمانیاں اور مذہبی واخلاقی بیماریاں پائی جاتی تھیں۔ چونکہ

یہ لوگ اُس زمانے میں بین الاقوامی تجارت کی دو بڑی شاہراہوں پر آباد تھے جسکی وجہ سے بڑے پیمانے پر رہزنی کا سلسلہ پھیلا رکھا تھا دوسری قوموں کے تجارتی قافلوں کو بھاری ٹیکس لئے بغیر گزرنے نہ دیتے تھے اور راستہ کا امن خطرے میں ڈال رکھا تھا۔"

سورۂ اعراف آیت ۸۶ میں ان کی اس بدعملی کا تذکرہ موجود ہے :۔

دعوت و تبلیغ

حضرت شعیب علیہ السّلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ قوم خدا بیزاری اور معصیت کاری کا شکار تھی۔ یہ صرف افراد کی حد تک ہی محدود نہ تھا بلکہ ساری قوم اسی گرداب ہلاکت میں مبتلا تھی۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کو یہ احساس نہ تھا کہ یہ سب کچھ گناہ و معصیت ہے بلکہ وہ اپنے ان اعمال پر فخر کیا کرتے تھے۔

یہ لوگ اللہ تعالےٰ اور اسکے رسولوں پر ایمان نہ لاکر جہاں حقوق اللہ کی خلاف ورزی کر رہے تھے وہاں خرید و فروخت میں ناپ تول گھٹا کر لوگوں کے حقوق بھی ضائع کر رہے تھے۔ مزید یہ کہ راستوں اور سرِراہ بیٹھ کر آنے جانے والے مسافروں کو ڈرایا دھمکایا کرتے اور لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔

یہ ان کے شدید جرائم تھے جن کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

اللہ کی توحید اور شرک بیزاری کا اعتقاد تو تمام انبیاء کرام کی مشترکہ تعلیم ہے جو حضرت شعیب علیہ السّلام کے حصہ میں بھی آئی مگر قوم کی مخصوص بداخلاقیوں پر توجہ دلانے اور اُن کو راہ راست پر لانے کے لئے اُنھوں نے اس قانون کو بھی اہمیت دی کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ہمیشہ یہ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ جو جس کا حق ہے وہ پورا پورا اُسکو ملے۔

اپنی اس قوم کی اصلاح کے لئے حضرت شعیب علیہ السّلام نے تین ۳ باتیں خصوصیت سے فرمائی ہیں :۔

اوّل یہ کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارا اور کوئی

معبود نہیں۔

یہ ہی وہ دعوت توحید ہے جو تمام انبیاء کرام دیتے آئے ہیں اور جو تمام عقاید اور اعمال کی بنیاد ہے۔ چونکہ یہ قوم بھی مخلوق پرستی میں مبتلا تھی اس لئے ان کو سب سے پہلے یہی پیغام دیا۔

دوم یہ بات فرمائی کہ ناپ اور تول میں کمی زیادتی نہ کرو ٹھیک ٹھیک معاملہ کرو۔

سوم یہ کہ تم لوگوں کو ڈرانے دھمکانے اور اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے راستوں پر نہ بیٹھا کرو۔"

اسکا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ عام شاہراوں پر بیٹھ کر حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آنے والوں کو ڈراتے دھمکاتے تھے اور اجنبی اور مسافروں کے مال واسباب بھی لوٹ لیا کرتے تھے۔

علامہ قرطبیؒ نے ان کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ لوگ عام مسافروں سے ناجائز ٹیکس بھی وصول کیا کرتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام بڑے فصیح وبلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی، حُسن خطابی، ادائے بیان اور طاقت لسانی میں بہت نمایاں امتیاز رکھتے تھے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں خطیب الانبیاء کے لقب سے یاد کیا ہے۔ اپنی قوم کو نرم وگرم ہر طریقے سے رُشد و ہدایت کے کلمات ارشاد فرمائے مگر بے نصیب قوم پر اسکا کوئی اثر نہ ہوا، چند ضعیف اور کمزور انسانوں کے علاوہ کسی نے بھی ان کے پیغامِ حق پر کان نہیں دھرا، وہ خود بھی اسی طرح بد عمل رہے اور دوسروں کی راہ بھی مارتے رہے، لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوتِ حق جاری رہی۔ قوم کے سربرآوردہ افراد نے جنکو اپنی شوکت وطاقت پر غرور تھا حضرت شعیب علیہ السلام کو دھمکایا کہ یا تجھ کو اور تیری قوم کو اپنی اس بستی سے نکال باہر کردیں گے یا پھر تم کو ایسا مجبور کردیں گے کہ تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔

حضرت شعیب علیہ السلام پھر بھی یہ فرماتے تھے کہ

"اے قوم میں اپنی مقدور بھر تمہاری اصلاح کی کوشش

کروں گا اور میں جو کہتا ہوں اُسکی صداقت اور سچائی کے لئے اللہ کی حجت اور دلیل اور کھلی نشانی بھی پیش کر رہا ہوں۔ اسپر میں کوئی عوض و بدلہ بھی تو طلب نہیں کر رہا ہوں، میرا اجر تو صرف اللہ ہی کے ہاں ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اللہ کا عذاب تم کو ہلاک و برباد نہ کر دے جیسا کہ تم سے پہلے قوم نوحؑ اور قوم ہودؑ اور قوم صالحؑ کو پیش آچکا ہے۔ اور قوم لوطؑ کا معاملہ تم سے کچھ دور نہیں ہے۔ دیکھو اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور اُسکی طرف لوٹ جاؤ۔ بیشک میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا اور بڑا ہی محبت والا ہے۔"

اصلاح قوم کے لئے یہ طویل جدوجہد، وعظ و تذکیر، قوم کی بغاوت و سرکشی اور عبرتناک انجام قرآن حکیم کی آیات ذیل میں تفصیلاً مذکور ہے:-

قرآنی مضمون

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ الخ (ہود آیات ۸۴ تا ۹۳)

"اور ہم نے مدین والوں کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا انھوں نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو تم صرف اللہ کی عبادت کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو (کیونکہ) میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں (پھر تم کو ناپ تول میں کمی کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ یعنی اللہ نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے پس کفرانِ نعمت سے بچو) اور میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائے گا۔

اور اے میری قوم کے لوگو ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، لوگوں کو اُن کی چیزیں (اُن کے حق سے) کم نہ دو اور ملک میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا بچ رہے اُسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اگر تم کو یقین آئے، اور میں تم پر پہرہ دینے والا تو

نہیں ہوں۔

لوگوں نے کہا اے شعیبؑ کیا یہ تیری نمازیں (جو تو اپنے رب کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہم اِن چیزوں کو چھوڑ دیں جنکی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں اور اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرف کریں واقعی آپ بڑے عقلمند دین پر چلنے والے ہیں۔

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل رکھتا ہوں اور اُس کے فضل و کرم کا یہ حال ہو کہ اچھی سے اچھی روزی عطا فرما رہا ہو (تو پھر میں بھی چپ رہوں اور تمہیں راہِ حق کی طرف نہ بُلاؤں) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روک رہا ہوں خود اُسکے خلاف چلوں میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اُس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ میں اسکے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں۔ میرا کام بنتا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے۔ میں نے اُسی پر بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف رجوع ہوں۔ اور اے میری قوم کے لوگو!

میری ضد میں آکر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آجائے جیسا کہ قوم نوحؑ کو یا قوم ہودؑ کو یا قوم صالحؑ کو پیش آچکا ہے اور قوم لوطؑ کا معاملہ تو تم سے کچھ دور نہیں ہے اور دیکھو اللہ سے معافی مانگو اور اُسی کی طرف لوٹ جاؤ۔ میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا بڑا ہی محبت والا ہے۔

لوگوں نے کہا اے شعیبؑ تم جو کچھ کہتے ہو اُس میں اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو اور اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم تمہیں ضرور سنگسار کر دیتے اور تم ہمارے

سامنے کوئی ہستی نہیں۔

شعیب نے کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لئے کچھ نہ ہوا کہ اُسے پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔

اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ، میں بھی اپنی جگہ سرگرم عمل ہوں، بہت جلد معلوم کر لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اُس کو رُسوا کرے گا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کروں گا۔"

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ

(الاعراف آیات ۸۵ تا ۹۰)

"اور ہم نے مدین والوں کی طرف اُن کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا اُنھوں نے فرمایا اے میری قوم تم صرف اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (میرے نبی ہونے پر) واضح دلیل آچکی ہے تو تم ناپ تول پورا پورا کیا کرو اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کرو (جیسا کہ تمہاری عادت ہے) اور روئے زمین پر بعد اُسکے کہ اُسکی درستی کردی گئی فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم میری تصدیق کرو۔ اور تم راستوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو دھمکیاں دو اور ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اُس راہ میں کجی اور (شبہات) کی تلاش میں لگے رہو اور اُس حالت کو یاد کرو جبکہ تم کم تھے پھر اللہ نے تم کو زیادہ کردیا اور دیکھ لو کیسا بُرا انجام ہوا فساد کرنے والوں کا۔ اور اگر تم میں سے بعضے تو اُس حکم پر جسکو دیکر مجھے بھیجا گیا ہے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے تو ذرا

ٹھیرا یہاں تک کہ ہمارے درمیان اللہ تعالیٰ (عملی) فیصلہ کئے دیتے ہیں اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

اُنکی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا اے شعیبؑ (یا درکھ) ہم تجھ کو اور جو تیرے ہمراہ ایمان لانے والے ہیں۔ اُن کو اپنی بستی سے نکال باہر کردیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آجاؤ۔ شعیبؑ نے جواب دیا کیا ہم تمہارے مذہب میں آجائیں گے گو ہم اسکو مکروہ (اور قابل نفرت) ہی سمجھتے ہوں؟ (ایسی صورت میں) ہم تو اللہ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے۔

اگر (خدا نہ کرے) ہم تمہارے مذہب میں آجائیں (خصوصاً) بعد اسکے کہ اللہ نے ہم کو اس سے نجات دی ہو اور ہم سے ممکن نہیں کہ تمہارے مذہب میں آجائیں لیکن ہاں اللہ ہی نے جو ہمارا مالک ہے (ہمارے) مقدر میں کیا ہو ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہماری اس قوم کے درمیان فیصلہ کردیجئے حق کے موافق اور آپ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والے ہیں۔

اور اُن کی قوم کے کافر سرداروں نے (شعیب علیہ السلام کی یہ تقریر سُنکر) کہا (اے لوگو!) اگر تم شعیب کی راہ پر چلنے لگو تو بیشک بڑا نقصان اُٹھاؤ گے۔

كَذَّبَ أَصْحَابُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ . إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ . الخ (الشعراء آیات ۱۷۶ تا ۱۹۱)

اصحاب الایکہ نے پیغمبروں کو جھٹلایا جبکہ اُن سے شعیب (علیہ السلام) نے فرمایا کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اسپر کوئی صلہ نہیں چاہتا بس میرا صلہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

تم لوگ پورا پورا ناپا کرو اور نقصان نہ کیا کرو۔ اور سیدھی ترازو سے تولا کرو۔ اور لوگوں کا اُن کی چیزوں میں نقصان نہ کیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچایا کرو۔ اور اُس (خُدا) سے ڈرو جس نے تم کو تمام اگلی مخلوق کو پیدا کیا ہے۔

وہ لوگ کہنے لگے (اے شعیب) تجھ پر تو کسی نے بڑا بھاری جادو کر دیا ہے۔ اور تو تو محض ہماری طرح ایک بشر ہے اور ہم تجھکو صرف جھوٹے لوگوں میں خیال کرتے ہیں۔ سو اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

شعیبؑ نے کہا تمہارے اعمال کو میرا رب خوب جانتا ہے

سو اُن لوگوں نے (شعیبؑ) کو جھٹلا دیا پھر اُنکو سائبان کے واقعہ نے آپکڑا بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

اسمیں عبرت ہے، اور ان میں اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

اور بیشک تیرا رب بڑی قدرت والا بڑی رحمت والا ہے۔"

آخری انجام

آخر وہی ہوا جو قانون الٰہی کا ابدی و سرمدی فیصلہ ہے۔ یعنی حُجت و برہان کی روشنی آنے کے بعد بھی جب باطل پر اصرار ہو اور اُسکی صداقت کا مذاق اُڑایا جائے اور اُسکی اشاعت میں رکاوٹیں ڈالی جائیں تو پھر اللہ تعالےٰ کا عذاب اُس مجرمانہ زندگی کا فیصلہ اور خاتمہ کر دیتا ہے اور آنے والی نسل کے لئے اسکو عبرت و موعظت بنا دیا کرتا ہے۔

قرآن حکیم نے نافرمانی اور سرکشی کی پاداشں میں قوم شعیب کو دو قسم کے عذاب سے دوچار کر دیا۔ ایک زلزلہ کا عذاب اور دوسرا آگ کی بارش کا عذاب۔

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

یعنی اُنکو سخت اور عظیم زلزلے نے آپکڑا۔

أَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ۔

سایہ کے دن والے عذاب نے اُنہیں پکڑ لیا۔

جس کا مطلب یہ کہ پہلے اُن پر گھرے بادل کا سایہ آیا جب سب اُسکے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے اُن پر آگ برسائی گئی۔

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اِن دونوں آیتوں کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم پر پہلے دن ایسی سخت گرمی مسلط ہوئی گویا جہنّم کا دروازہ اِن کی طرف کھول دیا گیا ہو جس سے ان کا دم گھٹنے لگا نہ کسی سایہ میں چین آتا تھا نہ پانی میں۔ یہ لوگ گرمی سے گھبرا کر تہہ خانوں میں گھُس گئے تو وہاں اوپر سے بھی زیادہ سخت گرمی پائی، پریشان ہو کر شہر سے جنگل کی طرف بھاگے۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے ایک گہرا بادل بھیج دیا جسکے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ سب لوگ گرمی سے بدحواس تھے دوڑ دوڑ کر اُس بادل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اُس وقت یہ سارا بادل آگ ہو کر اُن پر برس پڑا اور اسکے بعد زلزلہ بھی آیا جس سے یہ پوری قوم راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گئی۔" (بحر محیط)

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے قوم شعیب کے مختلف حصّے ہوں بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظُلّہ سے ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔
قرآن حکیم نے اس عذاب کی نوعیت کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

قرآنی مضمون

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ الخ (اعراف آیات ۹۱ تا ۹۳)

پس انھیں ایک دہلا دینے والی آفت نے آلیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے کے پڑے رہ گئے۔

جن لوگوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا وہ ایسے مٹے کہ گویا کبھی اِن گھروں میں بسے ہی نہ تھے۔ شعیبؑ کو جھٹلانے والے ہی آخر کار برباد ہو کر رہے۔

اور شعیبؑ یہ کہہ کر اِن کی بستیوں سے نکل گئے کہ اے میری قوم کے لوگو میں نے اپنے رب کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے اور

تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا اب میں اُس قوم پر کیسے افسوس کروں جو قبول حق سے انکار کرتی ہے۔"

وَلَمَّا جَاۤءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا۔ الخ۔ (ہود آیات ۹۴ تا ۹۵)

"اور جب ہمارے فیصلہ کا وقت آگیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیب اور اُن کے ساتھی ایمان والوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا اُن کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حس و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ سنو! مدین کو رحمت سے دوری ہوئی جیسا ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔"

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ۔ الخ

(حجر آیت ۷۸، ۷۹)

"اور ایکہ والے ظالم تھے تو دیکھ لو کہ ہم نے بھی اُن سے انتقام لیا، اور اِن دونوں (قوم لوطؑ و قوم شعیبؑ) کے اُجڑے ہوئے علاقے کھلے راستے پر واقع ہیں۔"

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ۔ الخ

سو اُنھوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا آخر کار سائبان والے دن کا عذاب اُن کو آپکڑا بیشک وہ بڑے خوف ناک دن کا عذاب تھا۔ یقیناً اسمیں ایک نشانی ہے مگر اِن میں اکثر ماننے والے نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب زبردست بھی ہے اور رحیم بھی۔

مدفنِ پاک یمن کے علاقہ حضر موت میں ایک قبر جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے وہاں کے باشندوں کا یہ دعوٰی ہے کہ یہ حضرت شعیب علیہ السّلام کی قبر شریف ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام اہل مدین کی ہلاکت کے بعد حضرموت ہجرت کر آئے تھے اور وہاں ہی اُن کی وفات ہوئی۔

صاحب قصص الانبیاء علامہ عبدالوہاب نجارؒ کی رائے ہے کہ یہ بات کچھ صحیح نہیں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام قوم کی ہلاکت کے بعد مکہ مکرمہ آگئے تھے اور وہاں ہی وفات ہوئی۔ وہ اور اُن کے ساتھیوں کی قبریں مکہ مکرمہ میں دارالندوۃ کے قریب ہیں۔ (دارالندوہ زمانۂ جاہلیت میں اہل مکہ کا مشورہ گاہ تھا، جہاں قوم کے فیصلے اور معاملات طے کئے جاتے تھے)

نتائج وعبر

عبرت ہی عبرت

پچھلی امتوں اور قوموں کے واقعات صرف قصہ یا کہانیاں نہیں ہیں بلکہ عبرت ونصیحت کے لئے سرمایہ ہیں۔ ان میں جہاں تاریخ وسیرت پائی جاتی ہے وہاں نتائج وانجام کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ہاتھ آتا ہے جو قوموں کے عروج وزوال کے اسباب پیدا کرتا ہے۔ قرآن حکیم نے انبیاء سابقین کے مسلسل تذکرے کے بعد انجام ونتیجے کے طور پر خلاصہ کلام اس طرح بیان کیا ہے:۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ،
وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ،
وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا،
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ.

(العنکبوت آیت ۴۰)

آخرکار ہر ایک کو ہم نے اُسکے جرم میں پکڑلیا۔
پھر اُن میں سے بعض پر ہم نے سخت طوفانی ہوا بھیجی، (جیسے قوم عاد)
اور اُن میں سے بعض کو زبردست دھماکے نے پکڑلیا، (جیسے قوم ثمود)

اور اُن میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، (جیسے قارون)
اور اُن میں سے بعض کو ہم نے ڈبو دیا، (جیسے فرعون اور اُسکے لشکر)
اور اللہ ایسا نہ تھا کہ اُن پر ظلم کرتا لیکن یہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے تھے۔

یہ تمام واقعات جو یہاں تک بیان کئے گئے ہیں اُن کا روئے سخن دو طرف ہے:۔

ایک تو یہ کہ اہل ایمان کو اسمیں وعظ و تذکیر ہے کہ وہ پست ہمت اور دل شکستہ نہ ہوں، مشکلات اور مصائب میں صبر و استقلال قائم رکھیں اور اللہ تعالےٰ پر بھروسہ رکھیں۔ انجام حق و صداقت کا ہی ہوگا اور ظالموں کو شکست و رسوائی ہوگی۔

دوسرے اُن ظالموں کو بھی سنایا جا رہا ہے جو انبیاء کی تعلیمات و ہدایات کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں اُنھیں جو مہلت دی جا رہی ہے وہ خدائی ڈھیل ہے جو قدیم زمانے سے مجرم قوموں میں اللہ کی سنت چلی آرہی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے اس حلم و بُرد باری کا یہ مطلب نہیں کہ اگر بغاوت و سرکشی پر فوراً پکڑا نہیں جا رہا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجرموں پر کوئی انصاف کرنے والی طاقت نہیں ہے اور زمین پر جس کا جو جی چاہے بیخوف اختیار کرتا رہے؟

یہ غلط فہمی جس انجام سے دوچار کر کے رہے گی وہ وہی انجام ہے جو تم سے پہلے قوم نوحؑ اور قوم ابراہیمؑ، قوم لوطؑ، عاد و ثمود، قوم شعیبؑ دیکھ چکی ہیں اور جیسے قارونؔ فرعونؔ ہامان نے بھی دیکھا ہے۔

اس ضمن میں جتنی قوموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے وہ سب کی سب شرک میں مبتلا تھیں اور اپنے معبودوں کے بارے میں ان کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ ہمارے حامی و مددگار اور نگراں ہیں۔ ہماری قسمتیں بنانے اور بگاڑنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر کے تاریخی واقعات ہیں اُن کے یہ تمام عقائد و اوہام اس وقت بالکل بے بنیاد ثابت ہوئے جب اللہ کی طرف سے ان کی بربادی کا فیصلہ کر دیا گیا۔ اسوقت نہ کوئی دیو، دیوتا، نہ کوئی اوتار، نہ کوئی ولی، نہ روح، نہ جن و فرشتہ جسے وہ پوجتے تھے ان کی مدد کو آیا نہ ہی کوئی سفارش کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نظام کائنات کا اعتراف کئے بغیر یہ سارے بے بنیاد سہاروں پر کبھی بھی اپنا نظام حیات تعمیر نہیں ہوسکتا۔ اس کائنات میں جملہ اختیارات کا مالک

صرف اور صرف ایک رب ہے۔ اُسی کا سہارا سہارا ہے۔ اُسی پر اعتماد قابل اعتماد ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا۔ (بقرہ آیت ۲۵۶)

"جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اُس نے مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے۔"

طاغوت کا صحیح ترجمہ اردو زبان میں مشکل ہے اسکے لئے قریب ترین ترجمہ شیطان سے کیا جاسکتا ہے۔ عربی زبان میں اس کا وسیع ترین مفہوم ہے۔ یعنی ہر معبود باطل اور سرکش و گمراہ کرنے والا۔

معیارِ دیانت | حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اس طرح نصیحت کرتے ہیں:-

"اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی واضح رہنمائی آگئی ہے۔ لہٰذا اب وزن اور پیمانے امانت و دیانت سے پورے کرو، لوگوں کو اُن کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اس طرح زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اسکی اصلاح ہو چکی ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر واقعی تم مومن ہو۔"

(اعراف آیت ۸۵)

حضرت شعیب علیہ السلام کے اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خود مدعی ایمان تھے جیسا کہ بنی اسرائیل ابتداً مسلمان تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد چھ آٹھ سو برس تک مشرک اور بد اخلاق قوموں کے درمیان رہتے رہتے یہ لوگ بھی شرک اور بداخلاقیوں میں مبتلا ہوگئے تھے مگر اس کے باوجود ایمان کا دعویٰ اور اسپر فخر برقرار تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی اس بگڑی قوم کو فہمائش کرتے ہیں کہ اگر تم مومن ہو تو تمہارے نزدیک خیر و بھلائی، راست بازی و دیانت ہونی چاہیئے۔ ناپ تول میں کمی زیادتی دین و دیانت کا تقاضہ نہیں اور یہ بات دیانت کے تقاضے سے بالکل مختلف ہے۔ ایمان کا دعویٰ ہو اور پھر اُس کے تقاضے کے خلاف عمل ہو یہ سراسر دھوکہ ہے۔

سنت اللہ | قرآن حکیم نے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان سے پہلے کے انبیاء

کا مسلسل تذکرہ کرنے کے معاً بعد یہ جامع ضابطہ بیان کیا ہے :-

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے کسی بستی میں نبی بھیجا ہو اور اس بستی کے لوگوں کو پہلے تنگی اور سختی میں مبتلا نہ کیا ہو، اس خیال سے کہ شاید وہ نرم پڑیں. پھر ہم نے اُن کی بدحالی کو خوش حالی سے بدل دیا. یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واجداد پر بھی اچھے اور بُرے دن آتے رہے ہیں. آخر کار ہم نے انھیں اچانک پکڑ لیا اور انھیں خبر تک نہ ہوئی.

اور اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور تقوی کی روش اختیار کرتے تو ہم اِن پر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے. مگر انھوں نے (نبیوں کو) جھٹلایا. لہذا ہم نے اُس بُری کمائی کے عوض میں اُنھیں پکڑ لیا.

پھر کیا اُن بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک اُن پر رات کے وقت نہ آ جائیگی جبکہ وہ سوتے پڑے ہوں ؟ یا اُنہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہماری پکڑ کبھی یکایک اُن پر دن کے وقت نہ آ پڑے جبکہ وہ کھیل کود رہے ہوں.

کیا یہ لوگ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہیں ؟ حالانکہ اللہ کی پکڑ سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہے.

(اعراف آیت ۹۴ تا ۹۹)

تاریخ کا یہ احمقانہ تصور ہر دور میں دُہرایا گیا کہ حالات کا اُتار چڑھاؤ، قسمت کا بناؤ، بگاڑ، زمانے کے حوادث و انقلاب اللہ حکیم و دانا کے تدبیر و انتظام پر نہیں بلکہ گردش زمانہ کا نتیجہ ہیں، کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی راتیں بڑی ، اچھے اور بُرے دن اتفاقی حوادث ہیں. یہی وہ احمقانہ ذہنیت ہے جس کا نقشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطرح کھینچا ہے :-

لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِّنْ ذُنُوْبِهٖ ، وَالْمُنَافِقُ مَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْحِمَارِ لَا يَدْرِيْ فِيْمَ رَبَطَهٗ اَهْلُهٗ وَلَا فِيْمَ اَرْسَلُوْهُ. (الحدیث)

آفات وحوادث مومن کی اصلاح کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہوکر نکلتا ہے۔ لیکن منافق کی حالت بالکل گدھے کی سی ہوتی ہے جو یہ نہیں سمجھتا کہ اُسکے مالک نے اُسے کیوں باندھا تھا اور کیوں اسے چھوڑ دیا۔ (الحدیث)

پس جب کسی قوم کا یہ حال ہوجاتا ہے کہ نہ مصائب سے اُس کا دل خدا کے آگے جُھکتا ہے اور نہ نعمتوں پر وہ شکر گزار ہوتی ہے تو پھر اسکی بربادی اس طرح اسکے سر منڈلانے لگتی ہے جس طرح چیل کوّے کسی مُردار پر منڈلانے لگتے ہیں اور کچھ دیر نہیں لگتی کہ اُسپر جھپٹ پڑیں۔

زمانے کا اُتار چڑھاؤ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے کچھ دنوں بعد مکہ کے لوگوں نے آپ کی دعوت وتبلیغ کے خلاف سخت اور تکلیف دہ رویہ اختیار کرنا شروع کر دیا تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا کی:۔

الٰہی! حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں جیسا ہفت سالہ قحط پڑا تھا ویسے ہی قحط سے مشرکین مکہ کے مقابلے میں میری مدد فرما!

چنانچہ اللہ تعالےٰ نے آپکی دُعا قبول فرمائی اور اہل مکہ کو سخت قحط میں مبتلا کر دیا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے مُردار کھانا شروع کر دیا۔ چمڑے اور ہڈیاں تک کھا گئے۔ آخر کار مکہ کے لوگوں نے جن میں ابوسفیان پیش پیش تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اپنے رب سے دُعا کیجیے۔ آپؐ نے دُعا فرمائی آناً فاناً قحط جاتا رہا۔ جب اُن کے بھلے دن آئے تو لوگوں کی گردنیں پہلے سے زیادہ اکڑ گئیں اور جن لوگوں کے دل کچھ نرم پڑے تھے اُن کو اشرار قوم نے یہ کہہ کہہ کر ایمان لانے سے روک دیا کہ میاں یہ تو زمانے کا اُتار چڑھاؤ ہے۔ پہلے بھی قحط آتے رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے البتہ اس مرتبہ ایک لمبا قحط پڑ گیا، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔

دین بیزاری مرض حضرت شعیب علیہ السلام کی اس تبلیغ پر کہ اللہ کی عبادت

کرو اُسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، آج میں تم کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ کل تم پر ایسا دن آنے والا ہے جسکا عذاب سب کو گھیر لیگا۔ (ہود آیت ۸۴)

قوم کے لوگوں نے جواب دیا اے شعیب کیا تیری نماز تجھے یہ سکھاتی ہے کہ ہم اِن سارے معبودوں کو چھوڑ دیں جنکی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ یا یہ کہ ہم کو اپنے مال و دولت میں اپنے منشار کے مطابق تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو؟ بس تو ہی ایک عالی ظرف اور راستباز آدمی رہ گیا ہے؟ (ہود آیت ۸۷)

یہ طعن آمیز فقرہ جسکی روح آج بھی آپ اپنے موجودہ ماحول میں پائیں گے۔ جو بندے دین سے غافل فسق وفجور میں مبتلا ہیں وہ ایسے ہر موقعہ پر ایک دیندار کو یہ طعنہ دینے سے گریز نہیں کرتے کہ جناب انہیں "دینداری کا مرض" لگ گیا ہے۔ یہ بہت پاکیزہ آدمی ہیں انپر نماز کا دورہ پڑ گیا ہے، اب یہ وعظ ونصیحت کا درس دینے لگ گئے ہیں۔ دراصل دینداری کو فاسق وفاجر قسم کے لوگ ایک مستقل خطرہ خیال کرتے ہیں۔ چونکہ نماز دینداری کا سب سے پہلا اور نمایاں وصف ہے اس لئے جب کسی شخص کو اپنے میں نماز پڑھتا دیکھتے ہیں تو انھیں فوراً احساس ہوجاتا ہے کہ اس شخص پر "مرض دینداری" کا حملہ ہوگیا ہے۔ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم)

حضرت شعیب علیہ السلام کی سیرت میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے ان کے رکوع وسجود بھی طویل طویل ہوتے تھے۔ قوم نے جو مرض "خدا بیزاری" میں مبتلا تھی یہ طعنہ دیا:-

"اے شعیبؑ کیا تجھے تیری نماز حکم دیتی ہے کہ ہم لوگ اپنے طور وطریقے چھوڑ دیں"

نئی روشنی نہیں، تاریک خیالی

حضرت شعیب علیہ السلام کو اُنکی قوم یہ جواب دیتی ہے:-

"ہم کو اپنے مال و دولت میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف

کرنے کا پورا اختیار ہے۔ (ہود آیت ۸۷)

یہ اسلام اور جاہلیت کا اختلاف ہے۔ اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ کی بندگی کے سوا جو طریقہ بھی ہے غلط ہے۔ اور جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ باپ دادا سے جو طریقہ چلا آرہا ہو انسان کو اسکی پیروی کرنی چاہیئے اور اس تقلید کے لئے کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ باپ دادا کا طریقہ ہے۔

علاوہ ازیں اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ دین و مذہب اللہ کی بندگی ہی کے دائرے میں محدود نہیں بلکہ تمدن، معاشرت، معیشت، سیاست غرض زندگی کے تمام شعبوں میں ہونی چاہیئے۔ انسان کسی چیز پر بھی اللہ کی مرضی سے آزاد ہوکر خودمختارانہ تصرف کا حق نہیں رکھتا۔

جاہلیت کا نظریہ یہ ہے کہ دین و مذہب کا تعلق صرف پوجا پاٹ مراسم کی حد تک ہے رہے زندگی کے دُنیوی معاملات اسمیں انسان کو پوری آزادی ملنی چاہیئے

جس طرح چاہیں کام کریں۔ زندگی کو مذہبی اور دُنیوی دائروں میں الگ الگ تقسیم کرنے کا تخیل آج کوئی نیا تخیل نہیں بلکہ آج سے تقریباً چار ہزار برس پہلے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اس تقسیم پر ویسا ہی اصرار تھا جیسا آج اہل مغرب اور اُن کے مشرقی شاگردوں کو ہے۔

یہ فی الحقیقت کوئی "نئی روشنی" نہیں ہے بلکہ یہ وہی "پرانی تاریک خیالی" ہے جو ہزارہا برس پہلے کی جاہلیت میں بھی اسی شان وآن سے پائی جاتی تھی۔

سنگ دلی نہیں رحمدلی

وعظ و تذکیر کے اختتام پر حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو "دعوت استغفار" دیتے ہیں:-

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ۔

(ہود آیت ۹۰)

"اپنے رب سے معافی مانگو اور اُسکی طرف پلٹ آؤ، بے شک میرا رب رحیم ہے محبت کرنے والا ہے۔"

یعنی اللہ تعالےٰ کو اپنی مخلوق سے کوئی دشمنی عداوت نہیں کہ کسی کو خواہ مخواہ سزا

دینے ہی کو اس کا جی چاہے اور اپنے بندوں کو مار مار کر ہی اُسکا جی خوش ہو۔
اللہ کے بندے جب سرکشیوں سے باز نہیں آتے اور اُس حد سے بھی گزر جاتے ہیں جو بندگی کے حدود میں ہوتی ہے تو پھر وہ قانونِ انصاف کو حرکت میں لے آتا ہے اور بادلِ ناخواستہ سزا دیتا ہے۔ ورنہ اُس کا حقیقی حال تو یہ ہی ہے کہ انسان خواہ کتنے ہی قصور کرے جب بھی اپنے افعال پر نادم ہو کر اُسکی طرف پلٹ آتا ہے تو اُسکی دامنِ رحمت کو اپنے لئے وسیع تر پاتا ہے، کیونکہ اُسکو اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق سے بے پایاں محبت و پیار ہے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکی ایک نہایت بلیغ اور مؤثر مثال ارشاد فرماتے ہیں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند قیدی گرفتار ہو کر آئے اِن میں ایک عورت بھی تھی جس کا شیر خوار بچہ کہیں چھوٹ گیا تھا اور وہ ایسی بے چین تھی کہ جس بچے کو پالیتی اپنے سینے سے چمٹا لیتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دیکھ کر ہم لوگوں سے پوچھا بتاؤ اگر اس کا اس کو بچہ مل جائے تو کیا اپنے بچے کو اپنے ہاتھوں آگ میں پھینک دے گی؟
ہم نے بلا توقف عرض کیا ہرگز نہیں۔
ارشاد فرمایا:۔
اَللّٰہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنْ ھٰذِہٖ بِوَلَدِھَا۔
(الحدیث)

"اللہ کا رحم اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ ہے جو یہ عورت اپنے بچے کے لئے رکھتی ہے۔"

اور یہ نکتہ بھی ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیئے کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے بچوں کی پرورش کے لئے ماں باپ کے دل میں محبت پیدا کی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالےٰ اس محبت کو دلوں میں پیدا نہ کرتا تو ماں باپ سے بڑھ کر بچوں کا کوئی دشمن نہ ہوتا، کیونکہ سب سے بڑھ کر وہ انہی کیلئے

تکلیف دہ ہوتے ہیں۔

اب ہر شخص کے لئے یہ بات قابل غور ہے کہ جو خدا "محبتِ مادری" اور "شفقتِ پدری" کا خالق ہے خود اُس کے اندر اپنی مخلوق کے لئے کیسی کچھ محبت نہ ہوگی؟

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ وعظ آج کے انسانوں کے لئے بھی دعوتِ عمل دے رہا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ۔ (ہود آیت ۹۰)

تذکرہ
سیّدنا موسیٰ و سیّدنا ہارون علیہم السّلام
اور
قارون ـ فرعون ـ ہامان

تعارف

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا سلسلۂ نسب چند واسطوں کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ اِن کے والد محترم کا اسم گرامی عمران اور والدہ محترمہ کا نام یوکابد بیان کیا جاتا ہے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

موسیٰ بن عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام۔

حضرت ہارون علیہ السلام سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کے حقیقی بڑے بھائی ہیں جو عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین چار سال بڑے تھے۔

حضرت عمران کے گھر سیدنا موسیٰ علیہ السّلام کی ولادت ایسے زمانے میں ہوئی جبکہ فرعون مصر اسرائیلی لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کرچکا تھا اور اس کا سلسلہ عملاً جاری تھا شہر میں جا بجا ایسے کارندے مامور تھے جو اسرائیلی خاندان کی عورتوں پر نگرانی کیا کرتے تھے۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور اُن کے اہل خاندان ان کی ولادت کے وقت سخت پریشان تھے کہ کس طرح بچے کو قاتلوں کی نگاہ سے محفوظ رکھا جائے ؟ اور یہ بات تذکرہ سیّدنا یعقوب علیہ السّلام میں آچکی ہے کہ بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب علیہ السّلام) حضرت یوسف علیہ السلام کے دورِ حکومت میں ملک مصر آچکے تھے اور وہیں آباد بھی ہوگئے تھے اسطرح بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درمیانی صدیوں میں ملک مصر ہی میں مقیم رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ سولہویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ اثری تحقیقات کے مطابق آپ کا سن ولادت ۱۵۲۰ء قبل مسیح اور سالِ وفات ۱۴۰۰ء قبل مسیح بیان

کیا جاتا ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس دورِ حکومت میں پیدا ہوئے اُس فرعون کا نام بعض مؤرخین ولید بن مصعب بن ریّان اور دوسرے مصعب بن ریّان بتاتے ہیں۔ اور بعض اہلِ تحقیق نے صرف ریّان یا ریان ابا لکھا ہے۔ ابن کثیرؒ کی رائے ہے اُسکی کنیت ابو مرہ تھی۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ فرعون شاہانِ مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں۔ اِن شاہانِ مصر کا سلسلہ تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر ۳۳۲ء قبل مسیح تک اکتیس (۳۱) خاندان ملکِ مصر پر حکمراں رہے ہیں۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش اُس فرعونِ مصر کے زمانے میں ہوئی جبکہ "قتلِ اولاد" کا قانون مصر میں سختی کے ساتھ نافذ تھا۔ جوں توں کر کے والدین نے تین ماہ تک معصوم موسیٰ (علیہ السلام) کو ہر ایک کی نگاہ سے اوجھل رکھا اور اُنکی پیدائش کی مطلق کسی کو خبر نہ ہونے دی۔ لیکن جاسوسوں کی نگرانی اور حالات کی نزاکت کی وجہ سے زیادہ عرصے تک اس واقعہ کے پوشیدہ رہنے کی توقع کم ہو تی گئی۔ اس لئے ان کی والدہ محترمہ سخت پریشان رہنے لگیں۔

اس سخت و نازک وقت خداوندِ قدوس کی دستگیری ہوئی جسکی تفصیل "حدیث الفتون" کے نام سے سنن نسائی کتاب التفسیر میں موجود ہے۔

ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اس طویل حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس روایت کو مرفوعاً یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان قرار دیا ہے اور اسکے بعد اپنا یہ فیصلہ بھی درج کیا ہے :-

وَصَدَّقَ ذٰلِكَ عِنْدِيْ۔

یعنی اس حدیث کا مرفوع ہونا میرے نزدیک درست ہے۔

اسکے بعد یہ بھی نقل کیا ہے کہ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے اپنی اپنی تفسیروں میں یہ روایت نقل کی ہے مگر موقوفاً یعنی حضرت ابن عباسؓ کا اپنا کلام قرار دیا ہے۔ مگر ابن کثیر جیسے ناقدِ حدیث اور نسائیؒ جیسے امامِ حدیث نے اسکو مرفوع تسلیم کیا ہے۔ علاوہ ازیں جن محدثین نے اِسکو مرفوع تسلیم نہیں کیا انھوں نے بھی اسکے مضمون پر کوئی نکیر نہیں کی ہے۔ واللہ اعلم۔

الغرض پوری حدیث کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی ولادت اور اُس وقت کے حالات کا تفصیلی علم حاصل ہوتا ہے۔

جیسا کہ لکھا گیا یہ حدیث حدیث الفُتُون کے نام سے موسوم ہے۔ فتون کا لفظ آیت قرآنی سے لیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات شمار کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا:-

وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا (طٰہٰ آیت ۴۰)

یعنی اے موسیٰ ہم نے آپ کو بار بار مبتلائے آزمائش کیا۔

(قالہٗ الضحاک)

حَدِیْثُ الْفُتُوْن

قاسم بن ابی ایوب فرماتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن جبیرؒ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی:- وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔

(اور تو نے (اے موسیٰ) ایک شخص کو مار ڈالا پھر بچا دیا ہم نے تجھکو اُس غم سے اور ہم نے تجھ کو بار بار مبتلائے آزمائش کیا (اور پھر اس سے خلاصی دی)

اسمیں لفظ فتون سے کیا مراد ہے؟ (کئی ایک آزمائش)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا واقعہ بڑا طویل ہے کل صبح سویرے آجانا بتا دوں گا، جب اگلا دن آیا میں سویرے ہی حضرت ابن عباسؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تاکہ کل کا وعدہ یاد دلاؤں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سنو ایک روز فرعون اور اسکے ہمنشینوں میں اس بات کا ذکر آیا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ انکی ذریت میں انبیاء اور بادشاہ پیدا فرماتے رہیں گے۔ بعض شرکار مجلس نے کہا ہاں بنی اسرائیل تو اسکے منتظر ہیں جس میں اُن کو ذرا بھی شک نہیں کہ اُن کے اندر کوئی نبی ورسول پیدا ہوگا اور پہلے اِن لوگوں کا خیال تھا کہ وہ نبی حضرت یوسف بن یعقوب علیہ السلام ہیں جب اُن کی وفات ہوگئی تو کہنے لگے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جو وعدہ کیا گیا تھا یہ اُس کے مصداق نہیں (کوئی اور نبی پیدا ہوگا جو اس وعدہ کو پورا کریگا) فرعون نے جب یہ بات

سُنی تو فکر مند ہو گیا کہ اگر بنی اسرائیل (اولادِ یعقوب) میں جنکو اس نے غلام بنا رکھا ہے کوئی نبی و رسول پیدا ہو گیا تو وہ ان کو مجھ سے آزاد کرا لے گا۔ اس لئے حاضرین مجلس سے دریافت کیا کہ اس آفت سے بچنے کا کیا راستہ ہے؟ حاضرین مجلس آپس میں مشورے کرتے رہے آخر سب کی رائے اس بات پر متفق ہو گئی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اُسکو قتل کر دیا جائے تاکہ نبی کے پیدا ہونے اور قوم بنی اسرائیل کو آزاد کرانیکا امکان ہی ختم ہو جائے۔ چنانچہ ایسے آدمی مقرر کئے گئے جو بنی اسرائیل کے گھروں میں اچانک جاکر معائنہ کرتے جہاں کوئی لڑکا نظر آتا اسکو اٹھالے آتے اور ذبح کر کے دفن کر دیتے۔
قتلِ اولاد کا یہ سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا لیکن دربار کے چند آدمیوں کو احساس ہوا کہ اب تو ہماری سب خدمتیں اور محنت و مشقت کے کام بنی اسرائیل ہی انجام دیتے ہیں۔ اگر یہ سلسلۂ قتل جاری رہا تو اس قوم کے بوڑھے تو اپنی موت مر جائیں گے اور بچے ذبح ہوتے رہیں گے تو آئندہ بنی اسرائیل میں کوئی مرد نہ رہے گا جو ہماری اور ہماری اولاد کی خدمت انجام دے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مشقت کے سارے کام ہمیں خود انجام دینا پڑے گا۔ اس اندیشہ کے بعد اب یہ رائے قرار پائی کہ ایک سال میں پیدا ہونیوالے لڑکوں کو چھوڑ دیا جائے، دوسرے سال میں پیدا ہونے والے لڑکوں کو ذبح کر دیا جائے اس طرح بنی اسرائیل میں کچھ جوان بھی رہیں گے جو اپنے بوڑھوں کی جگہ لے سکیں اور پھر ان کی تعداد اتنی زیادہ بھی نہ ہوگی جس سے فرعونی حکومت کو خطرہ ہو سکے، یہ بات سب کو پسند آئی اور یہی قانون نافذ کر دیا گیا۔
ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک حمل ایسے وقت ہوا کہ جبکہ بچوں کو زندہ چھوڑ دینے کا سال تھا اسمیں حضرت ہارون پیدا ہوئے، فرعونی قانون کی رُو سے انھیں کوئی خطرہ نہ تھا۔
دوسرا سال جو لڑکوں کے قتل کا تھا اسمیں حضرت موسیٰ بطنِ مادر میں آئے تو اُن کی والدہ پر غم و خوف طاری تھا کہ اب اگر لڑکا پیدا ہوگا تو قتل کر دیا جائے گا۔
حضرت ابن عباسؓ نے قصے کو یہاں تک پہنچا کر فرمایا کہ اے ابن جبیرؒ فُتُون یعنی آزمائش کا یہ پہلا موقعہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی دُنیا میں پیدا بھی نہیں ہوئے کہ اُن کے قتل کا منصوبہ موجود تھا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس وقت اللہ تعالٰے نے اُنکی والدہ کو بذریعہ وحی یہ تسلی دی :۔

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ.

(سورہ قصص آیت ۷)

"جب تم کو اپنے بچے پر اندیشہ ہو تو اُسکو دریا میں ڈالدو اور تم کوئی خوف اور غم نہ کرو ہم اُسکو تمہارے پاس واپس کردینگے اور اُسکو رسول بنانے والے ہیں"۔

جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے تو اللہ تعالٰے نے والدہ کو حکم دیا کہ اسکو ایک تابوت (صندوق) میں رکھکر دریا (نیل) میں ڈال دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حکم کی تعمیل کردی۔

جب وہ تابوت کو دریا کے حوالہ کرچکی تو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ یہ تو نے کیا کام کیا؟ اگر بچہ تیرے پاس رہ کر ذبح بھی کردیا جاتا تو اپنے ہاتھوں سے کفن دفن کرکے کچھ تسلی تو ہو جاتی اب تو اس کو دریا کے جانور کھاجائینگے۔

(موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اسی غم و فکر میں مبتلا تھیں کہ) دریا کی موجوں نے تابوت کو ایک ایسی چٹان پر پھینک دیا جہاں فرعون کی باندیاں لونڈیاں نہانے دھونے کے لئے جایا کرتی تھیں اُنھوں نے جب یہ تابوت دیکھا تو اُٹھا لیا اور کھولنے کا ارادہ کیا تو اُن میں سے کسی نے کہا اگر اسمیں سے کچھ رکھ لیا ہوگا اسکے بعد ہم کچھ بھی کہیں یقین نہ آئے گا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس تابوت کو اسی طرح اُٹھاکر فرعون کی بیوی کے آگے رکھ دینا چاہیئے۔

فرعون کی بیوی نے جب تابوت کھولا تو اسمیں ایک ایسا لڑکا دیکھا جس کو دیکھتے ہی اُس کے دل میں اُسکی اتنی محبت پیدا ہوگئی جو اس سے پہلے کسی بچے سے نہیں ہوئی۔

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بوسوسۂ شیطانی اللہ تعالٰے کے اس وعدہ کو بھول گئیں اور حالت یہ ہوگئی :۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا۔ الآیہ (سورہ قصص)

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا دل ہر خوشی اور ہر خیال

خالی ہوگیا (صرف موسیٰ کی فکر غالب آگئی) ادھر جب لڑکوں کے قتل پر مامور پولیس والوں کو فرعون کے گھر میں ایک لڑکا آجانے کی خبر ملی تو وہ چھُریاں لیکر فرعون کی بیوی کے پاس پہنچ گئے کہ یہ لڑکا ہمیں دے دو تاکہ ذبح کردیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہاں پہونچکر پھر ابن جبیرؒ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبیرؒ فُتُوْن یعنی آزمائش کا یہ (دوسرا) واقعہ ہے۔

فرعون کی بیوی نے اِن لشکری لوگوں کو جواب دیا کہ ابھی ٹھیرو کہ صرف ایک لڑکے سے تو بنی اسرائیل کی قوت نہیں بڑھ جائیگی میں فرعون سے اس بچے کی جان بخشی کراتی ہوں۔

اگر فرعون نے بخش دیا تو یہ بہتر ہوگا ورنہ تمہارے معاملہ میں دخل نہ دوں گی اور یہ بچہ تمہارے حوالہ ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ فرعون کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ یہ بچہ میری اور آپکی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

فرعون نے کہا ہاں تمہاری آنکھوں کی ٹھنڈک ہونا تو معلوم ہے (کیونکہ اس وقت تک کوئی اولاد نہ تھی) مگر مجھ کو اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جسکی قسم کھائی جاسکتی ہے اگر فرعون اُس وقت بیوی کی طرح اپنے لئے بھی موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا تو اللہ تعالےٰ اُسکو بھی ہدایت عطا کردیتا جیسا کہ اُسکی بیوی کو ہدایتِ ایمان عطا کی۔

(بہرحال بیوی کے کہنے پر فرعون نے اُس لڑکے کو قتل سے آزاد کردیا) اب فرعون کی بیوی نے اسکو دودھ پلانے کے لئے اپنے آس پاس کی عورتوں کو بُلایا، سب نے چاہا کہ موسیٰ کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دیں مگر بچہ کسی کا دودھ پینے کو تیار نہیں تھا۔ اب فرعون کی بیوی کو یہ فکر ہوگئی کہ جب یہ کسی کا دودھ نہیں لیتا تو زندہ کیسے رہے گا۔ اس لئے اپنی کنیزوں کے سپرد کیا کہ اسکو بازار اور لوگوں کے مجمع میں لیجائیں شاید کسی عورت کا دودھ قبول کرلے۔

دوسری طرف موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے بے چین ہوکر اپنی بیٹی (موسیٰ کی بہن) کو کہا کہ ذرا باہر جاکر تلاش کر اور لوگوں سے دریافت کر کہ اُس تابوت اور بچہ کا

کیا انجام ہوا؟ وہ زندہ بھی ہے یا دریائی جانوروں کی غذا بن چکا ہے۔

اس وقت تک اُن کو اللہ تعالےٰ کا وہ وعدہ یاد نہیں آیا جو حالتِ حمل میں اُن سے بچے کی حفاظت اور چند روز مفارقت کے بعد واپسی کا کیا گیا تھا، حضرت موسیٰ کی بہن باہر نکلیں تو (اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کیا) فرعون کی کنیزیں اُس بچے کو لئے ہوئے دودھ پلانے والی عورتوں کی تلاش میں ہیں۔ جب بہن نے یہ معاملہ دیکھا کہ بچہ کسی کا دودھ نہیں لیتا اور یہ کنیزیں پریشان ہیں تو اِن سے کہا کہ میں تمہیں ایک ایسے گھرانے کا پتہ دیتی ہوں جہاں مجھے امید ہے کہ یہ اُن کا دودھ بھی پی لے گا اور وہ لوگ اس کو خیر خواہی و محبت کے ساتھ پرورش بھی کریں گے۔ یہ سُن کر کنیزوں نے اُس کو شُبہ میں پکڑ لیا کہ یہ عورت شاید اس بچے کی ماں یا قریبی عزیز ہے جو اتنے وثوق کے ساتھ کہہ رہی ہے کہ وہ گھر والے اسکے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں (اسوقت یہ بہن بھی پریشان ہوگئیں)

حضرت ابن عباسؓ نے اس جگہ پہنچکر پھر ابن جبیرؓ کو خطاب کیا کہ یہ (تیسرا) واقعہ فُتُون یعنی آزمائش کا ہے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے بات بنائی اور کہا کہ میری مراد اس گھر والوں کے ہمدرد و خیر خواہ ہونے سے مراد یہی ہے کہ فرعونی دربار تک اُس خاندان کی رسائی ہوگی جس سے اُنکو منافع ملنے کی اُمید ہوگی اس لئے وہ اس بچے کی محبت و خیر خواہی میں کوئی کسر نہیں کریں گے۔ یہ سُن کر کنیزوں نے اُن کو چھوڑ دیا۔

یہ واپس آکر اپنی والدہ کو واقعہ کی خبر دی اور اپنے ساتھ لیکر اُس جگہ پہنچیں جہاں یہ کنیزیں جمع تھیں، کنیزوں کے کہنے پر اُنھوں نے بھی بچے کو گود میں لیا، موسیٰؑ فوراً اُنکے سینے سے چمٹ کر دودھ پینے لگے یہاں تک کہ سیر شکم ہوگئے، یہ خوشخبری فرعون کی بیوی کو پہنچی کہ اس بچے کے لئے دودھ پلانے والی مل گئی۔ فرعون کی بیوی نے اُن کو طلب کیا اُنھوں نے آکر حالات دیکھے اور یہ محسوس کیا کہ فرعون کی بیوی میری ضرورت محسوس کر رہی ہے تو ذرا خودداری سے کام لیا، فرعون کی بیوی نے کہا کہ آپ یہاں محل میں رہ کر اس بچے کو دودھ پلایا کریں کیونکہ مجھے اس بچے سے اتنی محبت ہے کہ میں اسکو اپنی نظروں سے غائب دیکھ نہیں سکتی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا میں تو اپنے گھر اور بچوں کو چھوڑ کر یہاں قیام نہیں کرسکتی۔

ہاں اگر آپ اس بات پر راضی ہوں کہ بچہ میرے سپرد کریں میں اپنے گھر رکھ کر

اسکو دودھ پلاؤں گی اور یہ وعدہ کرتی ہوں کہ بچے کی خیر خواہی اور حفاظت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گی۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو اسوقت اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد آگیا جسمیں کہا گیا تھا کہ چند روز کی جدائی کے بعد ہم موسیٰ کو تمہارے پاس واپس کردینگے اس لئے وہ اپنی بات پر مزید اصرار کرنے لگیں۔ فرعون کی بیوی نے مجبور ہو کر اُن کی بات مان لی، کیونکہ بچہ کسی طرح بھی کسی کا دودھ پینے کو تیار نہ تھا۔ اس طرح والدہ نے اُسی دن موسیٰ کو اپنے گھر لے آئیں اور اللہ تعالےٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا کہ اس بچے کو دریا میں ڈال دے اور تو نہ خوف کر نہ غم کر بیشک ہم اُس بچے کو تیرے پاس پہنچا دیں گے۔

کچھ عرصہ بعد فرعون کی بیوی نے اُن کی والدہ سے کہا کہ بچے کو لاکر دکھلا جاؤ۔

ادھر سب درباریوں کو حکم دیا کہ یہ بچہ آج ہمارے محل میں آرہا ہے تم میں کوئی بھی ایسا نہ رہے جو اس کا اکرام نہ کرے اسکی نگرانی میں خود کرتی ہوں کہ تم لوگ اس معاملہ میں کیا کرتے ہو۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے ساتھ گھر سے نکلے ہیں اُسی وقت سے اُن پر تحفوں کی بارش ہونے لگی۔ جب فرعون کی بیوی کے ہاں پہنچے تو اس نے بھی اپنے پاس سے خاص تحفے اور ہدایا پیش کئے۔ فرعون کی بیوی بچے کو دیکھ کر بیحد مسرور ہو رہی تھی اسکے بعد کہا کہ اب میں اس بچے کو فرعون کے پاس لے جاتی ہوں تاکہ وہ بھی خوش ہو۔ جب وہ لے کر فرعون کے پاس پہنچی تو فرعون نے فرطِ مسرّت سے اُنکو گود میں لے لیا۔ موسیٰ نے غیر شعوری طور پر فرعون کی ڈاڑھی پکڑ کر زمین کی طرف جُھکا دیا، اسوقت دربار کے لوگوں نے فرعون سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی ابراہیم (علیہ السلام) سے جو وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک رسول پیدا ہوگا جو آپ کے ملک و مال کا وارث ہوگا۔ آپ پر غالب آئے گا اور آپکو شکست دے گا۔

یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے (ویسے بھی اس بچے کی جان بخشی پر دربار میں سرگوشیاں جاری تھیں) اس اندیشہ پر فرعون متنبہ ہوا اور اُسی وقت جلاّدوں کو طلب کیا تاکہ بچے کو ذبح کر دیا جائے۔

حضرت ابن عباسؓ نے یہاں پہنچکر پھر ابن جبیرؒ کو خطاب کیا کہ یہ چوتھا واقعہ

فُتُون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت پھر منڈلانے لگی۔

فرعون کی بیوی نے یہ جو منظر دیکھا تو کہا کہ جناب والا! آپ یہ بچّہ مجھے دے چکے ہیں پھر اب یہ کیا معاملہ ہو رہا ہے۔؟

فرعون نے کہا کہ تم یہ نہیں دیکھتیں کہ یہ لڑکا اپنے عمل سے گویا یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ مجھ کو زمین پر پچھاڑ کر غالب آجائے۔

بیوی نے کہا (کہ بچّے نے یہ معاملہ بچپن کی عام عادت کے مطابق شوخی اور غیر شعوری طور پر کیا ہے) تجربے کے طور پر آپ پھر اسکا امتحان لیں دو آگ کے انگارے اور دو عدد موتی منگوائیے اور دونوں اس بچّے کے آگے رکھ دیجئے۔ اگر یہ موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھایا اور آگ کے انگاروں سے بچا تو آپ سمجھ لیں کہ اس بچے کے افعال عقل وشعور کے ساتھ دیدہ و دانستہ ہیں۔ اور اگر یہ بچہ موتیوں کے بجائے آگ کے انگاروں کی طرف ہاتھ بڑھائے تو یہ یقین ہو جائے گا کہ یہ کام کسی عقل وشعور سے نہیں کیا گیا کیونکہ کوئی عقل والا انسان فطرۃً آگ کو ہاتھ میں نہیں لیتا (فرعون نے اس معقول تجویز کو پسند کیا) دو انگارے اور دو عدد موتی بچّے کے سامنے رکھ دیئے گئے تو بچّے نے انگارے اُٹھائے (اور منھ میں ڈال لئے) فرعون نے جب یہ دیکھا تو فوراً اُن کے ہاتھ سے انگارے چھین لئے (بعض دوسری روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اولاً موتیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا کہ جبرئیل امین نے اُن کا ہاتھ انگاروں کی طرف پھیر دیا) (اس طرح فرعون کی بیوی کی بات چل گئی) کہا دیکھا آپ نے بچّے کا داڑھی پکڑنا کیا حیثیت رکھتا ہے؟

اس طرح اللہ تعالےٰ نے پھر یہ موت بھی موسیٰ علیہ السّلام سے ٹلا دی کیونکہ اُن سے آگے کام لینا تھا (اسطرح موسیٰ علیہ السّلام فرعون کے شاہانہ اعزاز و اکرام اور شاہانہ خرچ پر اپنی والدہ کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے یہاں تک کہ جوان ہو گئے)

اُن کے شاہی اکرام و اعزاز کو دیکھ کر فرعون کے لوگوں کو بنی اسرائیل پر وہ ظلم و ستم کرنے کی ہمت کم ہوتی رہی جو اس سے پہلے آل فرعون کی طرف سے ہمیشہ بنی اسرائیل پر ہوتا رہتا تھا۔

ایک روز موسیٰ علیہ السّلام شہر کے کسی گوشہ میں چلے جا رہے تھے کہ دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں جنمیں ایک فرعونی (آل فرعون سے) تھا اور دوسرا

اسرائیلی (قوم موسیٰ سے) تھا۔

اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھ کر امداد کے لئے پکارا۔ موسیٰ علیہ السّلام کو فرعونی کی بے جا جسارت پر غصہ آگیا جبکہ وہ جانتا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) اسرائیلیوں کی حفاظت و مدد کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السّلام کو ممکن ہے اللہ تعالےٰ نے اُن کی والدہ محترمہ یا کسی اور ذریعہ سے یہ معلوم کروا دیا ہو کہ یہ دودھ پلانے والی عورت ہی تمہاری حقیقی والدہ ہیں اور یہ کہ موسیٰ بھی خود اسرائیلی ہیں۔ غرض موسیٰ علیہ السّلام نے شدید غضب کی حالت میں اُس فرعونی کے ایک مُکّا رسید کیا جسکو وہ برداشت نہ کر سکا اور وہیں مر گیا۔ اتفاق سے وہاں کوئی اور آدمی موجود نہ تھا جو فرعون تک مخبری کر دے جب یہ فرعونی موسیٰ علیہ السّلام کے ہاتھ مارا گیا تو انھوں نے استغفار کیا اور کہا یہ کام شیطان کی طرف سے ہوا ہے۔ پھر بارگاہِ الٰہی میں مغفرت طلب کی۔

"اے میرے پروردگار میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے (کہ یہ خطا مجھ سے سرزد ہوگئی) مجھے معاف فرما دیجئے۔ اللہ تعالےٰ نے معاف فرما دیا کیونکہ وہ ہی معاف کرنے والا اور بہت رحمت والا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس واقعہ کے بعد خوف و ہراس کے عالم میں یہ جاننے کی کوشش کرتے رہے کہ اس فرعونی کے قتل پر آل فرعون کا ردِعمل کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ فرعون تک یہ معاملہ اس عنوان سے پہنچا ہے کہ کسی اسرائیلی نے آلِ فرعون کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ لہذا اسرائیلیوں سے اِس کا انتقام لیا جائے اور اس معاملہ میں کسی قسم کی ڈھیل نہ دی جائے۔

فرعون نے اس کا یہ جواب دیا کہ اسکے قاتل کو تلاش کر کے مع شہادت پیش کیا جائے۔ میں اس کا انتقام ضرور لوں گا۔

آل فرعون یہ سنکر گلی کوچوں بازاروں میں گھومنے لگے کہ کہیں اس کا سراغ مل جائے مگر اُنھیں اس کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

اچانک ایک اور واقعہ پیش آگیا کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے گھر سے نکلے ہی تھے کہ اُسی اسرائیلی کو دیکھا کہ کسی دوسرے فرعونی شخص سے جھگڑ رہا ہے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو دیکھ کر اُس نے سابقہ کی طرح مدد کرنے پکارا مگر حضرت

موسیٰ علیہ السلام گزشتہ واقعہ پر نادم و شرمندہ ہی ہو رہے تھے اور اس وقت اُسی اسرائیلی کو لڑتے دیکھ کر اس پر ناراض ہوئے (کہ خطا دراصل اسی اسرائیلی کی معلوم ہوتی ہے یہ جھگڑالو قسم کا آدمی ہے ہر وقت جھگڑتا ہی رہتا ہے) مگر بطور تنبیہہ اپنے قومی آدمی اسرائیلی کو غصہ سے کہا کہ تو نے کل بھی جھگڑا کیا تھا آج پھر لڑ رہا ہے ؟

اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تنبیہہ سے خوف زدہ ہو گیا اور اُن کے الفاظ سے اسکو یہ شُبہ ہوا کہ یہ آج مجھے ہی قتل کر دیں گے تو فوراً بول پڑا اے موسیٰ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھے بھی قتل کر ڈالو جیسے کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا؟

یہ باتیں ہونے کے بعد یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ مگر فرعونی شخص نے آل فرعون کے اُن لوگوں کو جو کل کے قاتل کی تلاش میں تھے جا کر خبر دے دی کہ خود اسرائیلی نے موسیٰ سے کہا ہے کہ تم نے کل ایک آدمی قتل کر دیا ہے۔ یہ خبر فرعون تک فوراً پہنچائی گئی۔ فرعون نے اپنے آدمی موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے روانہ کر دیئے۔

دوسری طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیر خواہوں میں سے ایک شخص جو شہر کے کسی بعید حصے میں رہتا تھا کسی طرح اُسے یہ خبر ملی کہ فرعونی سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکل چکے ہیں اُس نے کسی طرح موسیٰ علیہ السلام تک پہنچکر یہ خبر دے دی کہ موسیٰ آپ کی تلاش کے لئے ایک جماعت نکل چکی ہے تاکہ آپ کو اُس قتل کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے۔ لہذا میں آپ کی خیر خواہی کے لئے کہتا ہوں کہ آپ شہر سے نکل جائیے۔

یہاں پہنچکر حضرت ابن عباس ؓ نے پھر ابن جبیرؒ کو مخاطب کیا کہ اے ابن جبیرؒ یہ (پانچواں) واقعہ فتون یعنی آزمائش کا ہے کہ موت سر پر آ چکی ہے اللہ نے نجات کا سامان پیدا فرما دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ خبر سُنکر شہر سے فوراً نکل گئے اور شہر مدین کی طرف رُخ کیا۔

یہ آج تک شاہی ناز و نعمت میں پلے تھے کبھی محنت و مشقت کا نام تک نہ جانتے تھے مصر سے نکل پڑے مگر راستہ بھی کہیں کا نہ جانتے تھے مگر اپنے رب پر بھروسہ تھا دل میں کہا مجھے اُمید ہے کہ میرا رب مجھے راستہ دکھا دے گا جب شہر

مدین کے قریب پہنچے تو شہر سے باہر ایک کنویں پر لوگوں کا اجتماع دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے اور کچھ دور دیکھا کہ دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو سمیٹے ہوئے الگ کھڑی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ تم الگ کیوں کھڑی ہو؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم سے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ اِن سب لوگوں سے مزاحمت اور مقابلہ کریں اس لئے ہم انتظار رہیں ہیں کہ جب یہ سب لوگ فارغ ہوجائیں تو جو کچھ بچا پانی مل جائیگا اُس سے ہم اپنا کام نکال لیں گے۔ (اور ہمارے باپ تو بہت بوڑھے آدمی ہیں)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کی شرافت سے متاثر ہوئے اور خود آگے بڑھ کر کنویں سے پانی نکالنا شروع کیا اللہ تعالیٰ نے قوت و طاقت بخشی تھی بڑی جلدی ان کی بکریوں کو سیراب کر دیا۔

یہ عورتیں اپنی بکریوں کو لیکر گھر آگئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کی "میرے پروردگار میں محتاج ہوں اُس نعمت کا جو آپ میری طرف بھیجیں۔" (مطلب یہ تھا کہ طعام و قیام کا کوئی انتظام ہوجائے) یہ لڑکیاں اپنے ہر روز کے وقت سے پہلے گھر پہنچیں تو اُن کے والد کو تعجب ہوا پوچھا کہ آج جلد کیسے آگئیں؟

لڑکیوں نے کسی اجنبی آدمی کے تعاون کرنے کا قصہ بیان کیا۔ والد نے ایک لڑکی کو کہا کہ اُس مرد کو بلاؤ جس نے یہ احسان کیا ہے۔ وہ آئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیکر گھر پہنچیں۔ والد نے اُن سے حالات دریافت کئے اور تسلی دی کہ تم نے ظالم قوم سے نجات پالی، ہم نہ فرعون کی سلطنت میں ہیں نہ اُسکا ہم پر کچھ حکم چل سکتا ہے۔

اس کے بعد اِن دونوں میں سے ایک لڑکی نے اپنے باپ کو مشورہ دیا ابا جان! اِن کو آپ ملازم رکھ لیجئے کیونکہ ملازمت کیلئے وہ بہتر آدمی ہیں قوی بھی ہیں اور امانتدار بھی۔

والد کو لڑکی کی بات سُن کر غیرت آئی پوچھا بیٹی تم کو اُن کے یہ صفات کیسے معلوم ہوئے؟ لڑکی نے عرض کیا اُن کی قوت و طاقت کا اندازہ تو اُن کے کنویں سے پانی کھینچنے پر ہوا کہ سب لوگوں سے پہلے اُنھوں نے اپنا کام تمام کر لیا دوسرا کوئی اُنکی برابری نہ کرسکا۔ اور امانت و دیانت کا حال اس طرح معلوم ہوا کہ جب میں اُن کو بلانے گئی ہوں تو پہلی نظر میں اُنھوں نے دیکھا کہ میں ایک عورت ہوں تو اپنا سر نیچا کر لیا اور اُس وقت تک اپنا

سر نہیں اُٹھایا جب تک کہ میں نے اُن کو آپکا پیغام نہیں پہنچا دیا۔

اسکے بعد اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو اور اپنے گھر کا راستہ پیچھے سے بتلاتی چلو۔ یہ بات صرف وہی مرد کر سکتا ہے جو امانتدار ہو اور دیانتدار ہو۔

والد کو لڑکی کی اس دانشمندانہ بات پر مسرت ہوئی اور اسکی تصدیق فرمائی اور خود بھی انھیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی بااخلاق انسان ہیں۔ اُس وقت لڑکیوں کے والد نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپکو یہ بات پسند ہے کہ میں اِن دونوں میں سے ایک کا نکاح آپ کے ساتھ کردوں ؟ جسکی شرط یہ ہوگی کہ آپ آٹھ سال تک ہمارے ہاں مزدوری کریں ؟ اور اگر آپ پورے دس سال تکمیل کردیں تو آپ کا اختیار ہوگا۔ ہم آپ پر زیادہ مشقت ڈالنا نہیں چاہتے (یہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عقد کو منظور کرلیا جسکی رُو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر صرف آٹھ سال کی خدمت بطور معاہدہ لازم ہوگئی باقی دو سال کا وعدہ اختیاری رہا (یہ غالباً اُس زمانے کا مہر تھا)

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک نصرانی عالم مجھے ملا اُس نے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ موسیٰ علیہ السلام نے دونوں میعادوں سے کون سی میعاد پوری کی ؟

میں نے کہا مجھے معلوم نہیں کیونکہ اُس وقت حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث الفتون مجھے معلوم نہ تھی۔ اسکے بعد میں حضرت ابن عباسؓ سے ملا اور یہ سوال اُن سے کیا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ آٹھ سال کی مدت تو پورا کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واجب تھا ہی لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول (موسیٰ علیہ السلام) کا اختیاری وعدہ بھی پورا کروانا مقصود تھا اس لئے دس سال کی مدت پوری کی۔ اس کے بعد میں اُس نصرانی عالم سے ملا اور اُسکو یہ خبر دی تو اُس نے کہا کہ تم نے جس شخص سے یہ بات معلوم کی ہے کیا وہ تم سے زیادہ علم والے ہیں ؟

میں نے کہا ہاں وہ بہت بڑے عالم اور ہم سب میں افضل ترین ہیں !

(الغرض دس سال کی میعاد پوری کرنے کے بعد جب) حضرت موسیٰ علیہ السلام

اپنی اہلیہ محترمہ کو لیکر (حضرت شعیب علیہ السلام) کے وطن شہر مدین سے رخصت ہوئے (تاکہ اپنے وطن مصر چلیں) راستہ معلوم نہ تھا موسم سخت سرد تھا۔ راہ میں آگ کی ضرورت پیش آئی کوہ طور پر آگ نظر آئی (جو حقیقت میں انوار الٰہی تھے) آگ لینے گئے وہاں حیرت انگیز مناظر کے بعد معجزہ عصا اور ید بیضا اور اسکے ساتھ منصب نبوّت و رسالت عطا ہوئی اور یہ حکم دیا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اُسے اللہ کا پیغام پہنچاؤ (جس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے)

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ میں فرعونی دربار کا مفرور ملزم قرار دیا گیا ہوں اور مجھ سے فرعونی کا قصاص بھی لئے جانے کا حکم نافذ ہو چکا ہے۔ اب میں کس تدبیر کے ساتھ دعوتِ رسالت لے کر فرعون کے پاس جاؤں نیز اپنی لکنتِ زبان کا عذر بھی سامنے تھا۔ اللہ کی جناب میں عرض معروض پیش کی، اللہ تعالےٰ نے اُن کی خواہش پر اُن کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو شریکِ رسالت بنا کر اُن کے پاس وحی بھیجدی اور یہ حکم دیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شہر مصر سے باہر استقبال کریں، چنانچہ جب موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی دونوں بھائی حسب الحکم فرعون کو دعوتِ حق دینے کے لئے اُس کے دربار میں پہنچے، کچھ دیر تو انھیں دربار میں حاضری کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ پھر اجازت ملی دونوں بھائیوں نے فرعون سے اپنا تعارف کروایا اور کہا :۔

ہم دونوں تیرے رب کے پیغمبر ہیں!

فرعون نے پوچھا :۔

تمہارا رب کون ہے ؟

موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے وہ بات کہی جس کا قرآن نے خود ذکر کیا ہے۔

"ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اُسکی رہنمائی کی"

اسپر فرعون نے پوچھا کہ پھر تم دونوں کیا چاہتے ہو؟ اور ساتھ ہی اُس مقتول کا واقعہ ذکر کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجرم ٹھیرایا (اور اپنے گھر میں اُن کی پرورش پانے کا احسان جتلایا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں باتوں کا جواب دیا جو قرآن حکیم میں مذکور ہے۔ (یعنی مقتول کے معاملہ میں اپنی خطا اور غیر ارادی قتل کا اعتراف کیا اور پرورش کے بارے میں کہا کہ یہ اللہ کا فیصلہ تھا جو کچھ اللہ کو منظور تھا وہ ہو گیا) اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو خطاب کیا کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اُسکے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے اور بنی اسرائیل کو غلامی سے آزاد کر دو۔

فرعون نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر تمہارے پاس رسولِ رب ہونیکی کوئی دلیل ہو تو پیش کرو اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ ایک زبردست اژدھا کی شکل میں منہ کھولے فرعون کی طرف لپکا، فرعون خوفزدہ ہو کر اپنے تخت کے نیچے چھپ گیا اور موسیٰ علیہ السلام سے پناہ طلب کی کہ اسکو روک لیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکو پکڑ لیا۔

اسکے بعد اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ (سورج کی طرح) چمکنے لگا۔ یہ دوسرا معجزہ تھا جو فرعون کے سامنے آیا پھر دوبارہ گریبان میں ہاتھ ڈالا تو وہ اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔

فرعون نے ہیبت زدہ ہو کر اپنے اہل دربار سے مشورہ کیا، ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟

درباریوں نے متفقہ طور پر کہا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اپنے جادو کے ذریعہ ہم کو اپنے ملک سے نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہمارے دین و مذہب کو مٹانا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی کوئی بات نہ مانیں کیونکہ آپ کے ملک میں بڑے بڑے جادوگر ہیں۔ آپ ان کو بلا لیجئے وہ اپنے جادو سے اِنکے جادو پر غالب آ جائیں گے۔

فرعون نے اپنی مملکت کے سب شہروں میں حکم دے دیا کہ جتنے آدمی جادوگری میں ماہر ہوں وہ سب کے سب دربار میں حاضر کر دیئے جائیں۔

ملک بھر کے جادوگر جمع ہو گئے تو اُنھوں نے فرعون سے پوچھا کہ جس جادوگر سے آپ ہمارا مقابلہ کروانا چاہتے ہیں وہ کیا عمل کرتا ہے؟

فرعون نے جواب دیا کہ وہ اپنی لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے۔ جادوگروں نے بڑی بے فکری سے کہا یہ تو کوئی چیز نہیں۔ ہمیں خود لاٹھیوں اور رسیوں کو سانپ بنا دینے کا جو جادو حاصل ہے اسکا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر پہلے یہ طے کر دیجیے کہ اگر ہم اسپر

غالب آگئے تو کیا انعام ملے گا؟

فرعون نے کہا کہ تم میرے خاندان کا جزء اور مقربین خاص میں داخل ہوجاؤگے اور تمہیں وہ سب کچھ مل جائیگا جو تم چاہوگے۔

اسکے بعد مقابلہ کا وقت اور جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے طے کر کے اپنی عید کا دن اور صبح چاشت کا وقت مقرر کر دیا۔

ابن جبیرؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے بیان فرمایا ان کا یَوْمُ الزِّیْنَةِ (یعنی عید کا دن) جس میں اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور جادوگروں پر فتح عطا فرمائی عاشوراء (۱۰ محرم) کا دن تھا۔

جب سب لوگ ایک وسیع میدان میں مقابلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے تو فرعون کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ ہمیں یہاں ضرور رہنا چاہیے تاکہ یہ ساحر یعنی موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) اگر غالب آگئے تو ہم بھی ان پر ایمان لے آئیں ان لوگوں کی یہ گفتگو بطور مزاح و استہزاء تھی (کیونکہ انھیں یقین تھا کہ یہ ہماری جادوگروں پر ہرگز غالب نہ آئیں گے)

جب میدان میں سب جمع ہوگئے تو جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا پہلے آپ اپنا سحر دکھائیں یا ہم پہلے ڈال کر ابتدا کریں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی پہل کرو۔ انھوں نے اپنی لاٹھیوں اور رسیوں کو زمین پر یہ کہتے ہوئے پھینکا کہ قسم ہے فرعون کی ہم ہی غالب آئیں گے۔ دیکھتے دیکھتے یہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر چلنے لگیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک قسم کا خوف طاری ہوا۔ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ اپنی عصا ڈالدو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی عصا ڈالدی تو وہ ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کا مُنھ کھلا ہوا تھا پھر اس اژدھا نے اُن تمام سانپوں کو نگلنا شروع کیا جو جادوگروں نے لاٹھیوں اور رسیوں سے بنائے تھے۔

جادوگر اپنے فن کے ماہر تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر اُنھیں یقین ہوگیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے معجزہ ہے اس پر اُسی وقت اعلان کر دیا کہ

ہم اللہ پر اور موسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پچھلے عقائد سے توبہ کرتے ہیں۔

فرعون اور اُسکے ساتھی مغلوب ہوگئے اور ذلت اور رسوائی کے ساتھ اُس میدان سے پسپا ہوئے۔ جس وقت یہ مقابلہ ہورہا تھا فرعون کی بیوی آسیہ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر یہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ تعالےٰ موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرے اور آل فرعون یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ فرعون کی وجہ سے پریشان ہے۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بھی کوئی معجزہ دکھاتے اور اللہ کی طرف سے اُسپر حجت پوری ہوجاتی تو وعدہ کرلیتا تھا کہ اب بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھیجدوں گا۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے وہ خطرۂ عذاب ٹل جاتا تو کہہ دیتا کہ کیا آپ کا رب اور کوئی نشانی دکھا سکتا ہے؟

یہ سلسلہ چلتا رہا بالآخر اللہ تعالےٰ نے قومِ فرعون پر طوفان، ٹڈی دل، کپڑوں میں جوئیں، برتنوں اور کھانوں میں مینڈک، خون وغیرہ کا عذاب یکے بعد دیگر مسلّط کئے جن کو قرآن حکیم میں "اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ" کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

اور فرعون کا یہ حال تھا کہ جب اُن میں سے کوئی عذاب آتا اور اُس سے وہ اور اُسکی قوم عاجز ہوجاتی تو موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتا کہ کسی طرح یہ عذاب ٹلجائے تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ پھر جب وہ عذاب ٹل جاتا تو بدعہدی کرتا، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کر جائیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لے کر رات کے وقت شہر سے نکل گئے۔ فرعون کو جب اطلاع ملی کہ یہ سب لوگ چلے گئے ہیں تو اپنی فوج کو جمع کرکے اُن کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔

اِدھر اللہ تعالےٰ نے اُس دریا کو حکم دیا جو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان حائل ہوگیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام تجھ پر اپنی عصا ماریں، تو تجھ میں بارہ راستے بن جانے چاہیئے، جن سے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل الگ الگ گزر سکیں اور جب یہ گزر جائیں تو اُن کے تعاقب میں آنے والوں پر یہ دریا کے بارہ حصے پھر ملجائیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دریا کے قریب پہنچے تو یہ یاد نہ رہا کہ لاٹھی مارنے

سے دریا میں راستے پیدا ہوں گے۔ اسپر اُن کی قوم نے اُن سے فریاد کی اے موسیٰ اب تو ہم پکڑے گئے۔ (کیونکہ پیچھے فرعونی فوجوں کو آتا دیکھا اور سامنے یہ دریا حائل تھا۔) اسوقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ یاد آیا فوراً دریا پر اپنی لاٹھی مار دی۔ یہ وہ وقت تھا کہ بنی اسرائیل کے پچھلے حصّوں سے فرعونی افواج کے اگلے حصے تقریباً مل چکے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ضربِ عصا سے دریا میں بارہ راستے بن گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تمام بنی اسرائیل ان راستوں سے گزر گئے، فرعونی افواج جو ان کے تعاقب میں تھی دریا کے ان راستوں میں اپنے گھوڑے اور پیادے ڈال دیئے تو دریا کے یہ مختلف راستے پھر آپس میں مل گئے۔

بنی اسرائیل جب دریا کے دوسرے کنارے پہنچ گئے تو دیکھا کہ ساری فوج دریا میں ہلاک ہوگئی ہے اور فرعون کی لاش کو موجوں نے کنارے پر پھینک دیا ہے۔ فرعونیوں کی ہلاکت کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آگے چلے راستہ میں ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے بتوں کی عبادت و پرستش کر رہی تھی۔ بنی اسرائیل یہ منظر دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کرنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا دیجئے جیسا کہ اُنھوں نے معبود بنا رکھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ تم عجیب قوم ہو کہ ایسی جہالت کی باتیں کرتے ہو۔ یہ لوگ جو بتوں کی عبادت میں مشغول ہیں اُنکی عبادت برباد ہونے والی ہے۔ تم اپنے رب کے اتنے معجزات اور انعامات دیکھ چکے ہو پھر بھی تمہارے یہ جاہلانہ خیالات نہیں بدلے۔

یہ کہہ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور ایک مقام پر پہنچ کر اُن سب کو ٹھیرا دیا اور فرمایا کہ تم سب یہاں ٹھیرو میں اپنے رب کے پاس جاتا ہوں۔ تیس۳۰ دن کے بعد واپس آؤں گا اور میرے پیچھے ہارون علیہ السلام میرے نائب رہیں گے ہر کام میں ان کی اطاعت کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن سے رخصت ہوکر کوہِ طور تشریف لے گئے اور تیس۳۰ دن کا مسلسل روزہ رکھا مگر تیس۳۰ دن رات کے مسلسل روزے سے جو ایک قسم

کی بُو منہ میں پیدا ہو جاتی ہے یہ فکر ہوئی کہ اس بُو کے ساتھ اللہ تعالےٰ سے شرف ہمکلامی نامناسب ہے مسواک کر کے منہ صاف کر لیا۔ جب تجلّی گاہ پر حاضر ہوئے تو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ تم نے افطار کیوں کر لیا ؟

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا میرے پروردگار مجھے خیال ہوا کہ آپ سے ہمکلامی کے لئے منہ کی بُو دور کر لوں، ارشاد ہوا موسیٰ ! کیا تمہیں خبر نہیں کہ روزہ دار کے منہ کی بُو ہمارے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ اب آپ لوٹ جائیے اور دس دن مزید روزے رکھئے پھر ہمارے پاس آئیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کی تعمیل کی۔

اِدھر جب موسیٰ علیہ السّلام کی قوم نے دیکھا کہ مقررہ مدت تیس دن گزر گئے اور وہ واپس نہیں آئے تو یہ بات اُن کو ناگوار معلوم ہوئی اور وہ حضرت ہارون علیہ السّلام کی اطاعت سے نکل گئے۔

قوم میں سامری نامی ایک شخص جو گاؤ پرست ذہنیت رکھتا تھا اُس سے ایک عجیب واقعہ رونما ہوا اُس نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کا ایک اثر دیکھا تھا (یعنی جہاں اُن کا قدم پڑتا اسمیں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے) اُس نے خاص اُس جگہ سے ایک مشتِ خاک اُٹھالی اور اُسکو ایک مصنوعی بچھڑے کے مُنہ میں ڈال دیا جس میں کوئی روح نہ تھی مگر اس خاک کے اثر سے اسمیں حرکت اور آواز پیدا ہو گئی۔

حضرت ابن عباس رضؓ نے اس روایت کو نقل کرتے ہوئے فرمایا واللہ وہ کوئی زندہ آواز نہ تھی بلکہ ہوا اسکے پچھلے حصہ سے داخل ہو کر منہ سے نکلتی تھی اُسی سے یہ آواز پیدا ہو جاتی تھی۔

یہ عجیب و غریب قصہ دیکھ کر بنی اسرائیل کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک جماعت نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے ؟

اُس نے کہا یہی تمہارا خدا ہے ! لیکن موسیٰ راستہ بھول کر دوسری طرف چلے گئے ہیں۔ دوسری جماعت نے یہ کہا کہ ہم سامری کی اس بات کی اُس وقت تک تکذیب نہیں کر سکتے جب تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام حقیقت حال نہ بتائیں۔

ایک اور جماعت نے کہا کہ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے۔ یہ ہمارا رب نہیں ہو سکتا

ہم اسپر ایمان نہیں لائیں گے۔ ایک جماعت کے دل میں سامری کی بات اُتر گئی اور اُس نے سامری کی تصدیق کر کے اُسکو اپنا خدا تسلیم کر لیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ فسادِ کبیر دیکھا تو فرمایا اے قوم تم لوگ فتنہ میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمٰن ہے تم لوگ میری پیروی کرو اور میرا حکم مانو۔

قوم نے کہا کہ پھر یہ بتلائیے موسیٰ علیہ السلام کو کیا ہوا؟ ہم سے تیس۳۰ دن کا وعدہ کر کے گئے تھے یہ وعدہ خلافی کیوں کی گئی اب چالیس۴۰ دن پورے ہو رہے ہیں؟

قوم کے چند بیوقوفوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کا مقام بھول گئے ہیں اُن کی تلاش میں پھر رہے ہوں گے۔

اس طرح جب چالیس۴۰ یوم پورے ہو گئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا، اللہ تعالےٰ نے اُن کو اس فتنہ کی خبر دی جس میں اُن کی قوم مبتلا ہو گئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے غصہ اور افسوس کی حالت میں واپس آئے سکے بعد حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: واپس آکر موسیٰ علیہ السلام سے وہ امور سرزد ہوئے و قرآن میں تم نے پڑھی ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچے اور تورات کی وہ تختیاں جو کوہِ طور سے لائے تھے نیچے رکھ دیا۔ پھر غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھائی ہارون علیہ السلام کا عذر قبول کیا اور اپنی اِن بیرشعوری حرکات پر اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ و استغفار کیا۔ اسکے بعد سامری کے پاس گئے اور اُس سے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی؟

اُس نے جواب دیا میں نے رسول کے نشان قدم کی مٹی اٹھالی اور میں سمجھ گیا تھا کہ اس سے آثارِ حیات پیدا ہو جائیں گے۔ پس میں نے اُسکو بچھڑے میں ڈال دیا اور ایسے ہی میرے دل نے یہ بات سجھائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو جھڑکا اور فرمایا جا اب تیری سزا یہ ہے کہ تو زندگی بھر یہ کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے (ورنہ وہ بھی عذاب میں گرفتار ہو جائیگا) اور تیرے لئے ایک مدت مقرر ہے جس کے خلاف نہ ہوگا۔ اور دیکھ تو اپنے اس معبود کو جسکی تو نے پرستش کی ہے ہم آگ میں جلائیں گے اور پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دینگے۔

اگر یہ خدا ہوتا تو ہم کو اس عمل پر قدرت نہ ہوتی۔

اس وقت بنی اسرائیل کو یقین ہوگیا کہ ہم فتنے میں مبتلا ہوگئے ہیں اور سب کو اُس جماعت پر رشک آنے لگا جس کی رائے حضرت ہارون علیہ السّلام کے مطابق تھی۔

جب بنی اسرائیل کو اپنے گناہِ عظیم کا احساس ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی کہ اپنے رب سے دُعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے توبہ کا دروازہ کھول دے جس سے ہمارے گناہ کا کفارہ ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اس کام کے لئے بنی اسرائیل میں سے سترّ نیک اور ممتاز لوگوں کا انتخاب کیا جو اُن کے علم میں گوسالہ پرستی سے بھی دور رہے تھے ان کو لے کر کوہِ طور پر پہنچے تاکہ اِن کی قبولِ توبہ کے بارے میں عرض کریں۔ جب یہ کوہِ طور پر پہنچے ہیں زمین پر ایک زلزلہ آیا جس سے موسیٰ علیہ السّلام کو بڑی شرمندگی ہوئی اللہ کی جناب میں عرض کیا :-

"اے میرے پروردگار اگر آپ ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتے ہیں

تو اِس وفد کے آنے سے پہلے ہی اُن کو اور مجھکو ہلاک فرما دیتے۔ کیا آپ ہم سب کو اس لئے ہلاک کرتے ہیں کہ ہم میں کچھ بیوقوفوں نے گناہ کیا ہے۔"

اس زلزلے کی وجہ یہ تھی کہ اِس وفد میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی تحقیق واحتیاط کے باوجود کچھ ایسے بھی لوگ شامل ہوگئے تھے جو پہلے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے اور اُن کے دلوں میں گوسالہ (بچھڑے) کی عظمت و بڑائی بیٹھی ہوئی تھی۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اس دُعا و فریاد کے جواب میں ارشاد ہوا:-

"میری رحمت تو سب کو شامل ہے اور میں عنقریب لکھدونگا اپنی رحمت کا پروانہ اُن لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اتباع کرتے ہیں اُس رسول اُمّی کا جس کا ذکر لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے پاس تورات اور انجیل میں۔"

یہ سنکر حضرتِ موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا :-

"میرے پروردگار میں نے آپ سے اپنی قوم کی توبہ کے بارے میں عرض کیا تھا آپ نے جواب میں رحمت کی عطا میری قوم کے علاوہ دوسری قوم کے متعلق ارشاد فرمایا ہے تو پھر آپ میری پیدائش کو اُس نبی اُمّی کی اُمّت مرحومہ میں رکھ دیتے تو اچھا تھا۔"

اس پر اللہ تعالےٰ نے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہونے کا ایک طریقہ بیان کیا کہ ان میں سے ہر شخص اپنے متعلقین میں سے باپ، بیٹے جس سے ملے اُس کو تلوار سے قتل کر دے اُسی جگہ پر جہاں یہ گوسالہ پرستی کا گناہ کیا تھا۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ ساتھی جن کا حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم نہ تھا اور جن کو نیک اور صالح سمجھ کر ساتھ لے لیا تھا مگر حقیقت میں اُن کے دل میں گوسالہ پرستی کا جذبہ موجود تھا وہ بھی اپنے دل میں نادم ہو کر تائب ہو گئے اور اُس شدید حکم پر عمل کیا جو اُن کی توبہ قبول ہونے کیلئے بطور کفّارہ نافذ کیا گیا تھا۔ اور جب سب نے یہ عمل کر لیا تو اللہ تعالےٰ نے قاتل و مقتول دونوں کی خطا معاف فرمادی۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر ارض (شام) کی طرف چلے گئے۔ وہاں ایک ایسے شہر پر پہنچے جس پر قوم جبّارین کا قبضہ تھا جن کی شکل وصورت اور قد و قامت بھی ہیبت ناک تھی۔ اُن کے ظلم و ستم اور طاقت و قوت کے عجیب و غریب قصّے قوم کو معلوم ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر بنی اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ اس شہر میں تو بڑے ظالم لوگ ہیں جن کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں اور ہم تو اس شہر میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک یہ جبّارین وہاں موجود ہیں، ہاں وہ یہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم اس شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔

ایسے نازک وقت میں دوؔ آدمیوں نے جن پر اللہ کا انعام ہوا تھا قوم سے کہنے لگے اے قوم اللہ کے نام پر شہر کے دروازے تک تو پہنچو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو غلبہ دے گا اور اللہ پر اعتماد کرو جب کہ تم ایمان لا چکے ہو۔

اس روایت کے راوی یزید بن ہارون سے پوچھا گیا ان دوؔ آدمیوں سے مراد کون ہیں؟

فرمایا کہ حضرت ابن عباسؓ انکو قوم جبارین میں شمار کرتے تھے جو اُس شہر سے آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

ان دونوں نے بنی اسرائیل پر اپنی قوم کا رُعب طاری دیکھ کر کہا کہ ہم اپنی قوم کے حالات سے خوب واقف ہیں تم اِن کے ڈیل ڈول اور اُن کی بڑی تعداد سے ڈر رہے ہو حقیقت یہ ہے کہ اُن میں دل کی قوت بالکل نہیں اور نہ مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تم ذرا شہر کے دروازے تک تو چلو تو خود دیکھ لینا کہ (وہ ہتھیار ڈال دیں گے) اور تم ہی اُن پر غالب آجاؤ گے۔

یہ سُنکر بھی بنی اسرائیل آمادہ نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہایت کورا جواب اس بدتمیزی کے ساتھ دیا:۔

"اے موسیٰ ہم تو اس شہر میں اُس وقت تک ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ جبارین وہاں موجود ہیں، اگر آپ پھر بھی اُن سے مقابلہ کرنا چاہتے ہوں تو آپ اور آپ کا رب جاکر اُن سے لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر قدم پر قوم کی سرکشی اور بیہودگی کا مشاہدہ کرتے آرہے تھے مگر صبر وتحمل سے کام لیتے رہے کبھی اُن کے لئے بددُعا نہیں کی لیکن اِس وقت اُن کے اس بیہودہ جواب سے بہت شکستہ اور غمگین ہوگئے اور اُن کے لئے بددُعا کی اور اُن کے حق میں فاسقین کے الفاظ استعمال فرمائے، اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمالی اور اللہ تعالےٰ نے بھی اُس قوم کو فاسقین ہی کے نام سے یاد کیا، اور اس ارض مقدسہ سے اُن لوگوں کو چالیس سال کے لئے محروم کردیا اور ایک کھُلے میدان میں اُن کو ایسا قید کردیا کہ صبح سے شام تک چلتے رہتے کہیں قرار نہ تھا (اسی زمانے میں اُن کو منّ وسلوٰی بطور غذا کے ملا کرتا تھا۔ سخت گرمی میں بادلوں کا سایہ مہیّا ہوا کرتا تھا اور معجزانہ طور پر اُن کے کپڑے نہ میلے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے۔ اسی زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک مربع پتھر دیا گیا تھا جس پر لاٹھی مارنے پر بارہ چشمے پھوٹ پڑتے تھے جو بنی اسرائیل کے ۱۲ بارہ قبیلوں میں متعین کرکے تقسیم کردیئے گئے تھے اور جب بھی یہ لوگ کسی مقام سے منتقل مقام کرتے اور دوسری منزل پر قیام

کرتے تو معجزانہ طور پر اُس پتھر کو وہیں موجود پاتے۔ (قرطبی)

نقد و تبصرہ جیسا کہ لکھا گیا اس طویل حدیث پر بعض مفسرین نے کلام بھی کیا ہے تاہم دوسرے مفسرین و محدثین نے اس روایت پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ اِن میں نسائی جیسے امام حدیث اور ابن کثیر جیسے ناقد حدیث شامل ہیں۔

علاوہ ازیں جن اہل علم نے اس حدیث پر تنقید کی ہے وہ اس حدیث کے مضمون پر نہیں بلکہ اسکے موقوف و مرفوع (یعنی کلام رسول یا کلامِ راوی) پر کی ہے۔ روایت کا مضمون بے غبار ہے۔ اس کا اکثر حصّہ تو خود قرآن کریم کی آیات میں موجود ہے اور بقیہ حصّہ بھی آیاتِ قرآنی سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات نے بھی اس روایت پر تنقید کی ہے مضمونِ حدیث پر کسی قسم کی نکیر نہیں ہے گویا اِن حضرات نے بھی روایت کی معنویت کو درست سمجھا ہے۔ ورنہ جہاں سنداً کلام کیا گیا ہے کوئی وجہ نہیں کہ متن حدیث پر سکوت اختیار کیا جائے؟ جبکہ ناقدینِ حدیث دونوں پر کلام کیا کرتے ہیں۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ روایت کا مضمون صحیح و درست ہے۔

حدیثِ مذکور اگر مرفوعاً ثابت بھی نہ ہو تو نفسِ حدیث پر کلام کے لئے تنقید ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں۔

بالفرض اس حدیث کو موقوف ہی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ بعض اہل علم کی تحقیق ہے تب بھی کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ اسکے راوی اس امت کے سب سے بڑے عالم حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہیں جن کا فہم قرآنی اور علم اکابر صحابہ بھی تسلیم کرتے تھے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ بنی اسرائیل کے واقعات کو حضرت ابن عباسؓ مشہور اسرائیلی عالم کعب احبارؒ سے سُنا کرتے تھے اور بعض دفعہ اُن سے نقل بھی کر دیا کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جن اہل علم نے بھی اس قسم کی روایات پر تنقید کی ہے وہ اسی حیثیت سے کی ہے کہ یہ اسرائیلی روایت ہے۔ محققین نے جہاں اسرائیلی روایات پر تنقید کی ہے وہاں یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے روایات نقل کرنے کی اجازت بھی دی ہے۔

حَدِّثُوْا عَنْهُمْ وَلَا حَرَجَ (الحدیث)

پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ جیسا "حِبْرُ الْاُمَّۃ" (امت کا سب سے بڑا عالم) اگر کعب احبارؓ سے کوئی روایت نقل کرتا ہو تو اِسپر محض اس وجہ سے تنقید کرنا کہ وہ اسرائیلی روایت ہے کوئی معقول بات نہ ہوگی۔

اسرائیلی روایت قابلِ جرح وہاں سمجھی جائیگی جب کہ وہ بات قرآن وحدیث کے مفہوم ومنشاء سے ٹکراتی ہو اور "حدیث فتون" کا مضمون قرآنی مضمون کے مخالف تو کُجا قرآنی تصریحات سے بہت حد تک مطابقت بھی رکھتا ہے اس لئے اس روایت کو نقل کرنے اور بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ جیسے ائمہ تفسیر نے بھی اس روایت کو اپنی اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔

ابن کثیرؒ نے جہاں اس روایت کو اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے وہاں اُن کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ یہ پوری روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمودہ ہے اور اپنے اس فیصلے پر ایک معقول دلیل بھی لکھتے ہیں:۔

جب حضرت معاویہؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو یہ حدیث روایت کرتے سُنا تو اِس بات کو مُنکر اور غلط قرار دیا جو اس حدیث میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جس قبطی (فرعونی) کو قتل کیا تھا تو اُس کی مُخبری اُس دوسرے فرعونی نے کی جس سے دوسرے روز یہ اسرائیلی لڑ رہا تھا۔

وجہ یہ تھی کہ اس فرعونی کو توکل کے واقعۂ قتل کا علم نہ تھا وہ اسکی مخبری کیسے کرسکتا تھا؟ اسکی خبر تو صرف اُسی لڑنے والے اسرائیلی کو معلوم تھی (لہٰذا یہ بات غلط ہے کہ قتل کی مخبری فرعونی شخص نے کی)

جب حضرت معاویہؓ نے اُن کی حدیث کے اس جُز کا انکار کیا تو حضرت ابن عباسؓ کو غصہ آیا اور حضرت معاویہؓ کا ہاتھ پکڑ کر سعد بن مالک زہریؓ کے پاس لے گئے اور اُن سے کہا اے ابواسحاقؓ کیا تمہیں یاد ہے جب ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتیلِ موسےٰ

کے بارے میں حدیث بیان فرمائی تھی اور اس راز کا افشا کرنے والا اور فرعون کے پاس مخبری کرنے والا اسرائیلی تھا یا فرعونی؟ سعد بن مالکؓ نے فرمایا فرعونی تھا۔ کیونکہ اُس نے اسرائیلی سے یہ کلام سُن لیا تھا کہ کل کا واقعۂ قتل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوا تھا، اسی بنا پر اُس نے اِسکی شہادت فرعون کے پاس پہنچا دی۔"

حضرت ابن عباسؓ کا یہ واقعہ اس بات کا واضح ثبوت پیش کرتا ہے کہ اُنھوں نے یہ طویل حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سُنی ہے۔ جسکی تائید حضرت سعد بن مالک نے بھی فرمائی اور حضرت معاویہؓ نے بھی اسکو تسلیم کیا۔ اس ساری بحث سے ہٹکر بھی قرآن حکیم کے بیان کردہ واقعات کی تفسیر نہ اس طویل حدیث پر موقوف ہے اور نہ کوئی عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی حلال و حرام کے احکام کا تعلق ہے۔ اِن تمام وجوہات کے باوجود بھی معلوم نہیں جدید مفسرین کو اس حدیث کے نقل کرنے میں کیوں خوف لگتا ہے؟ (واللہ اعلم وعلمہٗ اتم)

جدید سانحہ

ملتِ اسلامیہ کا یہ بڑا سانحہ ہے کہ موجودہ دور میں بعض اہل علم مغربی مؤرخین اور مستشرقین کی جدید تحقیقات سے اس قدر مرعوب اور متاثر ہو جاتے ہیں کہ اِن کی ہر جدید تحقیق قابل اعتماد نہ سہی قابل نقل و بیان ضروری سمجھی جاتی ہے اور اسلامی مؤرخین کا تاریخی ذخیرہ جن میں بعض اکابرِ ملت بھی شامل ہیں قابل التفات تک نہیں۔ (فالی اللہ المشتکیٰ)

ان ساری تفاصیل کے بعد قرآن حکیم کا بیان کردہ مضمون پڑھا جائے جو تذکرہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی تذکرہ ہے۔ معلوم ہوگا کہ اس عظیم المرتبت رسول کا تذکرہ کس قدر اہمیت اور اپنے اندر کتنے بصائر و عبر اور مواعظ و حکمت کا نادر ذخیرہ رکھتا ہے۔ اسی حکمت کے پیش نظر قرآن حکیم نے حسب ضرورت اور حسب موقع و محل جگہ جگہ اس قصّے کے اجزاء کو کہیں مجملاً اور کہیں مفصلاً بیان کیا ہے۔

سیدنا موسیٰ و ہارون علیہم السلام

قرآن حکیم کی (۲۷) سورتوں کی ۱۴۵

آیات میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل اور فرعون کا واقعہ ملتا ہے جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ سورہ بقرہ — آیات ۴۹ تا ۶۱، ۶۳ تا ۷۵، ۸۳ تا ۸۷، ۹۲ تا ۹۳، ۱۰۸ تا ۱۳۶،

۲۔ سورہ نساء " ۱۵۳ تا ۱۵۶، ۱۶۴۔

۳۔ سورہ مائدہ — " ۱۲، ۱۳، ۲۰ تا ۲۶، ۳۲، ۴۵، ۷۰، ۷۱،
۷۸، ۷۹۔

۴۔ سورہ انعام — " ۸۴ تا ۹۰، ۱۴۶، ۱۵۴۔

۵۔ سورہ اعراف — " ۱۰۳ تا ۱۵۷، ۱۵۹ تا ۱۷۱۔

۶۔ سورہ انفال — آیت ۵۴۔

۷۔ سورہ یونس — آیات ۷۴ تا ۹۳۔

۸۔ سورہ ھود — " ۹۶ تا ۹۹، ۱۱۰۔

۹۔ سورہ ابراہیم — " ۵، ۶، ۸۔

۱۰۔ سورہ نحل — آیت ۱۲۴۔

۱۱۔ " بنی اسرائیل — آیات ۲ تا ۷، ۱۰۱ تا ۱۰۴۔

۱۲۔ سورہ کہف — " ۶۰ تا ۸۲۔

۱۳۔ سورہ مریم — " ۵۱ تا ۵۳۔

۱۴۔ سورہ طٰہٰ — " ۹ تا ۹۸۔

۱۵۔ سورہ انبیاء — " ۴۸، ۴۹۔

۱۶۔ سورہ مومنون — " ۴۵ تا ۴۹۔

۱۷۔ سورہ فرقان — " ۳۵، ۳۶۔

۱۸۔ سورہ شعراء — " ۱۰ تا ۶۶۔

۱۹۔ سورہ نمل — " ۷ تا ۱۴۔

۲۰۔ سورہ قصص — " ۳ تا ۴۸۔

۲۱۔ سورہ عنکبوت — " ۳۹، ۴۰۔

۲۲۔ سورہ سجدہ — " ۲۳، ۲۴۔

۲۳ ــــ سورہ احزاب ــــ آیات ۷، ۶۹۔
۲۴ ــــ سورہ الصّٰفّٰت ــــ " ۱۱۴ تا ۱۲۲۔
۲۵ ــــ سورہ مومن ــــ " ۲۳ تا ۴۵۔
۲۶ ــــ سورہ زخرف ــــ " ۴۶ تا ۵۶۔
۲۷ ــــ سورہ دخان ــــ " ۱۷ تا ۳۳۔
۲۸ ــــ سورہ جاثیہ ــــ " ۱۶، ۱۷۔
۲۹ ــــ سورۃ الذاریات ــــ " ۳۸ تا ۴۰۔
۳۰ ــــ سورہ قمر ــــ " ۴۱ تا ۵۵۔
۳۱ ــــ سورہ صف ــــ آیت ۵۔
۳۲ ــــ سورہ جمعہ ــــ آیات ۵، ۶
۳۳ ــــ سورۃ تحریم ــــ آیت ۱۱۔
۳۴ ــــ سورۃ الحاقۃ ــــ آیات ۹، ۱۰۔
۳۵ ــــ سورہ مزمل ــــ " ۱۵، ۱۶۔
۳۶ ــــ سورۃ النازعات ــــ " ۱۵ تا ۲۵۔
۳۷ ــــ سورہ فجر ــــ " ۱۰ تا ۱۳۔

ــــــــــ جُملہ آیات ۵۱۴۔

اسی طرح حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے اسمائے گرامی قرآن حکیم کی جن سورتوں میں مذکور ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم کی (۲۶) سورتوں میں (۱۰۷) جگہ ملتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

۱ ــــ سورہ بقرہ ــــ میں ۱۲ مقام پر آیا ہے۔
۲ ــــ سورہ نساء ــــ میں ۲ " "
۳ ــــ سورہ مائدہ ــــ میں ۲ " "
۴ ــــ سورہ انعام ــــ میں ۲ " "
۵ ــــ سورہ اعراف ــــ میں ۱۶ " "

۶۔۔۔سورہ یونس۔۔۔میں ۸ مقام پر آیا ہے
۷۔۔۔سورہ ھود۔۔۔میں ۲ " "
۸۔۔۔سورہ ابراہیم۔۔۔میں ۳ " "
۹۔۔۔سورہ بنی اسرائیل۔۔۔میں ۳ " "
۱۰۔۔۔سورہ کہف۔۔۔میں ۲ " "
۱۱۔۔۔سورہ مریم۔۔۔میں ۱ " "
۱۲۔۔۔سورہ طٰہٰ۔۔۔میں ۱۴ " "
۱۳۔۔۔سورہ انبیاء۔۔۔میں ۱ " "
۱۴۔۔۔سورہ مومنون۔۔۔میں ۲ " "
۱۵۔۔۔سورہ فرقان۔۔۔میں ۱ " "
۱۶۔۔۔سورہ شعراء۔۔۔میں ۸ " "
۱۷۔۔۔سورہ نمل۔۔۔میں ۲ " "
۱۸۔۔۔سورہ قصص۔۔۔میں ۱۴ " "
۱۹۔۔۔سورہ احزاب۔۔۔میں ۱ " "
۲۰۔۔۔سورہ سجدہ۔۔۔میں ۱ " "
۲۱۔۔۔سورہ صٰفّٰت۔۔۔میں ۲ " "
۲۲۔۔۔سورہ مومن۔۔۔میں ۴ " "
۲۳۔۔۔سورہ زخرف۔۔۔میں ۱ " "
۲۴۔۔۔سورہ ذاریات۔۔۔میں ۱ " "
۲۵۔۔۔سورہ صف۔۔۔میں ۱ " "
۲۶۔۔۔سورہ النازعات۔۔۔میں ۱ " "

جملہ (۱۰۷) مقامات پر اسم گرامی موجود ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام کا اسم گرامی قرآن حکیم کی (۱۱) سورتوں میں

(۱۴) جگہ موجود ہے :-

۱	سورہ بقرہ	میں	۱	مقام پر آیا ہے
۲	سورہ نساء	میں	۱	〃　〃
۳	سورہ انعام	میں	۱	مقام پر آیا ہے۔
۴	سورہ اعراف	میں	۱	〃　〃
۵	سورہ یونس	میں	۱	〃　〃
۶	سورہ طٰہٰ	میں	۳	〃　〃
۷	سورہ انبیاء	میں	۱	〃　〃
۸	سورہ مومنون	میں	۱	〃　〃
۹	سورہ فرقان	میں	۱	〃　〃
۱۰	سورہ شعراء	میں	۲	〃　〃
۱۱	سورہ قصص	میں	۱	〃　〃

جملہ (۱۴) مقامات پر اسم گرامی موجود ہے۔

قرآنی مضمون

طٰسٓمّٓ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۔ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ الخ۔ (القصص آیات ۱ تا ۱۳)

طٰسٓمّٓ ۔ یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔

ہم آپکو موسیٰ اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں۔ اُن لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔ بیشک فرعون سرزمین میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا اور اُس نے وہاں کے باشندوں کی مختلف جماعتیں کر رکھا تھا کہ اُن میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا اُن کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور اُن کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا بیشک وہ بڑے مفسدوں میں سے تھا۔

اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جارہا تھا ہم اُن پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور اُن کو مالک بنائیں اور اُن کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور اُنکے تابعین کو اُن کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جن سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ تم اِنکو دودھ پلاؤ، پھر جب تم کو اُن کی وجہ سے اندیشہ ہو تو اُن کو دریا میں ڈال دینا اور نہ تو اندیشہ کرنا اور نہ غم کرنا، ہم اُن کو پھر تمہارے ہی پاس ضرور واپس پہنچا دیں گے اور اُن کو پیغمبر بنا دیں گے۔

چنانچہ فرعون کے لوگوں نے موسیٰ کو اُٹھالیا تاکہ وہ اُن لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا سبب بنیں۔ بلاشبہ فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین (اس بارے میں بہت) چوکنے والے تھے (کہ اپنے دشمن کو اپنے گھر میں پالا) اور فرعون کی بیوی نے (فرعون سے) کہا کہ یہ (بچہ) میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسکو قتل نہ کرنا۔ عجب نہیں کہ (بڑا ہو کر) ہم کو کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اُسکو (اپنا) بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو (انجام کی) خبر نہ تھی۔

اور موسیٰ کی والدہ کا دل بیقرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتیں اگر ہم اُن کے دل کو اس غرض سے مضبوط نہ کئے ہوتے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں ہو۔

اور اُنھوں نے موسیٰ کی بہن (اپنی بیٹی سے) کہا ذرا موسیٰ کا سراغ تو لگا سو اُس نے موسیٰ کو دور سے دیکھا اور ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی (کہ یہ اُن کی بہن ہیں اور اس فکر میں آئی ہیں) اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کی بندش کر رکھی تھی (یعنی کسی کا دودھ نہ لیتے تھے) سو وہ (بہن) کہنے لگیں کیا میں تم لوگوں کو کسی ایسے گھرانے کا پتہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس بچے کی پرورش کریں اور وہ اسکے خیر خواہ بھی ہوں۔

غرض ہم نے موسیٰ کو اُن کی والدہ کے پاس (اپنے وعدہ کے موافق) واپس پہنچا دیا تاکہ اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور تاکہ غم میں نہ رہیں اور تاکہ اس بات کو جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں رکھتے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ۔ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ۔ الخ (طٰہٰ آیات ۳۷ تا ۴۰)

اور (تجھے اے موسیٰ معلوم بھی ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ احسان کر چکے ہیں؟ (ہم تجھے بتاتے ہیں اُس وقت کیا ہوا) جب ہم نے تیری ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی، کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے دریا اُسکو کنارے پر ڈال دے گا۔ پھر اسکو وہ اُٹھالے گا جو میرا دشمن ہے نیز اُس بچے کا بھی دشمن ہے اور اے موسیٰ ہم نے اپنے فضل خاص سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ اجنبی بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لئے کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے۔

تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اُس نے (فرعون والوں کو) کہا کیا میں تمہیں ایسی عورت بتلا دوں جو اُس بچے کو پالے پوسے۔ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اُسکی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (بچہ کی جدائی سے) غمگین نہ ہو۔

غیر ارادی قتل

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک عرصہ تک شاہی محلات میں زندگی بسر کی جو غالباً آبادی سے دور شہر کے باہر تھے جیسا کہ بادشاہوں کے محل ہوا کرتے ہیں۔ فطری صلاحیتیں اور شاہی زندگی نے اُنھیں نہایت قوی اور مضبوط جوان کی طرح بنا دیا۔ چہرے سے رعب ٹپکتا تھا اور جسم کی ساخت بھی پُر وقار باعظمت تھی۔ انہیں یہ معلوم تھا کہ وہ اسرائیلی ہیں اور مصری خاندان سے ان کا کوئی رشتۂ قرابت

نہیں اُنھوں نے یہ بھی بارہا دیکھا کہ بنی اسرائیل پر سخت مظالم ہو رہے ہیں اور وہ لوگ مصر میں ذلّت و غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ دیکھ کر اُن کا خون جوش مارنے لگتا تھا اور موقعہ بہ موقعہ بنی اسرائیل کی حمایت و نصرت میں پیش پیش ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ شہری آبادی کے ایک کنارے جا رہے تھے کہ دیکھا ایک فرعونی ایک اسرائیلی کو بیگار کے لئے گھسیٹ رہا ہے۔ اسرائیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو لگا فریاد کرنے اور مدد چاہنے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونی کی اس حرکت پر غصہ آیا اور اُسکو باز رکھنے کی کوشش کی لیکن اُس فرعونی نے توجہ نہ دی اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصہ میں ایک گھونسا رسید کیا۔ فرعونی اس ضرب کو برداشت نہ کر سکا اور اُسی وقت دم توڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عمل پر بہت افسوس ہوا، اللہ سے فوری معافی طلب کی اللہ نے انھیں معاف بھی فرما دیا (کیونکہ اس عمل میں نہ ارادہ تھا نہ نیت)

دوسرے دن بھی ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا۔ دیکھا کہ وہی کل والا اسرائیلی ایک اور فرعونی سے جھگڑ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر کل کی طرح آج بھی مدد کا طالب ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ بات ناگوار گزری کہ اس کا روز کا جھگڑا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑالو قسم کا آدمی ہے تنبیہہ کے طور پر فرمایا کہ :-

إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ۔

تو بلاشبہ کھُلا گمراہ آدمی ہے۔

وہ اسرائیلی سمجھا کہ کل تو فرعونی کو مارا تھا شاید آج میری خبر لیں فوراً بول پڑا :-

اے موسیٰ جس طرح کل تم نے ایک فرعونی کو مار ڈالا تھا کیا

آج مجھکو قتل کرنا چاہتے ہو؟

فرعونی نے جب یہ بات سُنی تو اُس قتل کا راز فاش کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم جاری ہوا۔ کسی خیر خواہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی کہ اس وقت مصلحت یہی ہے کہ آپ شہر چھوڑ دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مشورے کو قبول کیا اور ارض مدین کی جانب روانہ ہو گئے۔

قرآن حکیم نے اس خیر خواہ کا نام نہیں بیان کیا صرف دو وصف بیان کئے ہیں۔

اوّل یہ کہ وہ شخص شہر کے آخری کنارے سے دوڑتا ہوا آیا،
دوم یہ کہ اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا ایک بڑی جماعت آپکے قتل کامشورہ کر رہی ہے۔

شہر کے آخری کنارے سے آیا تھا، اور عرب میں یہ مثل معروف ہے الاطراف مسکنی الاشراف (شہر کے کنارے شرفاء کے رہنے کی جگہ ہے) معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی شریف و معزز آدمی تھا۔
دوسرے یہ خبر دینا کہ ایک بڑی جماعت قتل کا مشورہ کر رہی ہے۔
یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ علم اُسی شخص کو ہوسکتا ہے جو فرعون اور اُسکے ارکان کے درمیان نمایاں حیثیت رکھتا ہوگا۔

فرعونی کے قتل کا واقعہ قرآن حکیم کی سورہ قصص میں اسطرح ملتا ہے :۔

قرآنی مضمون

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا الخ

(قصص آیات ۱۴ تا ۲۱)

اور جب موسیٰ اپنی پوری جوانی کو پہونچے اور اُن کا نشو و نما مکمل ہوگیا تو ہم نے اُن کو حکمت و علم عطا کیا (نبوت سے پہلے) اور ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

(ایک روز) وہ شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جبکہ اہل شہر غفلت میں تھے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے پایا۔ ایک اُن کی اپنی قوم کا تھا اور دوسرا اُن کی دشمن قوم کا تھا، سو اُن کی برادری کے آدمی نے دشمن قوم والے کے خلاف مدد کے لئے پکارا، موسیٰ نے اسکو ایک گھونسا مارا اور اُس کا کام تمام کر دیا۔

موسیٰ نے کہا کہ یہ تو شیطانی حرکت ہوگئی، بیشک شیطان تو سخت دشمن کھلا گمراہ کن ہے (پھر نادم ہوکر) موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے پس میری مغفرت فرما دیجئے چنانچہ اللہ نے ان کی مغفرت فرما دی کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

موسیٰ نے عہد کیا کہ اے میرے پروردگار یہ احسان جو تونے مجھ پر کیا ہے اسکے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔

دوسرے روز موسیٰ صبح سویرے ڈرتے ہوئے اور ہر طرف سے خطرہ محسوس کرتے شہر میں جا رہے تھے کہ اچانک دیکھا کہ وہی شخص ہے جس نے کل موسیٰ سے مدد کے لئے پکارا تھا آج پھر پکار رہا ہے، موسیٰ نے کہا تُو تو بڑا بہکا ہوا آدمی ہے۔

پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ فرعونی کو پکڑے جو موسیٰ اور اسرائیلی کا دشمن تھا تو وہ اسرائیلی (غلط فہمی میں) کہا، اے موسیٰ کیا تم مجھے آج اُسی طرح قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل ایک آدمی کو قتل کر چکے ہو، پس تم زمین میں اپنا زور بٹھانا چاہتے ہو اور صُلح کروانا نہیں چاہتے (اس کلام سے شہر میں بات پھوٹ گئی) (اسکے بعد) ایک شخص شہر کے کنارے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا اے موسیٰ! سرداروں میں آپ کے قتل کے مشورے ہو رہے ہیں۔ لہذا یہاں سے جلد نکل جائیے میں آپ کا خیر خواہ ہوں (یہ خبر سنتے ہی) موسیٰ ڈرتے اور سہمتے نکل گئے اور دُعا کی اے میرے رب مجھے ظالموں سے بچا۔"

ہجرت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مصر سے نکلنے کا ارادہ کئے تو شہر مدین کا انتخاب کیا۔ مدین ملکِ شام کا ایک شہر تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کے نام پر موسوم تھا۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا اور مصر سے آٹھ منزل (مساوی (۱۶۰) میل) کے فاصلہ پر واقع تھا۔ چونکہ یہ سفر اچانک حادثہ کے طور پر پیش آیا تھا اس لئے ساتھ کوئی رفیقِ سفر اور زادِ راہ نہ تھا۔

تاریخ طبری میں سعید بن جبیرؒ کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ اس تمام سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوراک درختوں کے پتّوں کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ اس بے سروسامانی کی حالت میں ارضِ مدین پہنچے۔

مَاءِ مَدیَن

دیکھا کہ ایک کنویں پر بھیڑ لگی ہوئی ہے اور جانوروں کو پانی پلایا جا رہا ہے۔

اس ہجوم سے کچھ دور دو لڑکیاں کھڑی ہیں اور اپنے جانوروں کو پانی پر جانے سے روک رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ یہاں بھی وہی سب کچھ ہو رہا ہے جو دنیا کی ظالم طاقتوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ لڑکیاں کمزور و غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور اس انتظار میں ہیں کہ جب یہ قوی و سرکش اپنے جانوروں کو سیراب کر چکیں تو بچا کھچا پانی اپنے جانوروں کو پلائیں، الغرض یہ حال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دیکھا نہ گیا آگے بڑھ کر پوچھا:۔

تمہاری کیا پریشانی ہے؟ اپنے جانوروں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟

دونوں لڑکیوں نے جواب دیا ہم مجبور ہیں اگر جانوروں کو آگے بڑھاتے ہیں تو یہ طاقتور زبردستی ہم کو پیچھے ہٹا دیتے ہیں اور ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں اُن میں یہ طاقت نہیں کہ یہ خدمت انجام دیں۔ اور جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر واپس ہو جاتے ہیں اسوقت ہم بچا کھچا پانی حاصل کرتے ہیں یہی ہمارا روز کا معاملہ ہے۔

یہ سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑی غیرت آئی آگے بڑھ کر بھیڑ بھاڑ چیرتے ہوئے کنویں پر جا پہنچے اور کنویں کا بڑا ڈول اُٹھایا اور تنہا کھینچ کر لڑکیوں کے جانوروں کو سیراب کر دیا۔ جب ان لڑکیوں کے جانوروں نے پانی پی لیا تو وہ گھر پہنچیں خلافِ عادت جلد واپسی پر ان کے والد کو تعجب ہوا پوچھا بیٹی آج کیا بات ہے جو تم جلد لوٹ آئی ہو؟ دونوں نے گزرا قصہ سنایا کہ کس طرح ایک اجنبی نے اُنکی مدد کی۔

باپ نے کہا جاؤ جلد اُس اجنبی کو لے آؤ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیک بخت آدمی ہے؟

اِدھر باپ بیٹی میں یہ گفتگو ہو رہی تھی اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جانوروں کو سیراب کرنے کے بعد قریب ہی کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ مسافرت و غربت اور پھر بھوک پیاس سے نڈھال ہو چکے تھے۔ اللہ تعالےٰ کے آگے ہاتھ پھیلائے۔ مناجات شروع کر دی:۔

الٰہی میں بھوکا ہوں، حالت سفر میں ہوں، میری مدد فرما، جو بھی میرے لئے بہتر ہو اپنے فضل سے نازل فرما۔ میں تیری ہر نعمت کا محتاج ہوں۔

باپ کے مشورہ پر اُن دونوں میں کی ایک لڑکی تیزی سے وہاں پہنچی تو دیکھا کہ وہ نیک دل آدمی کنویں کے قریب ہی بیٹھا ہے۔ شرم وحیا کے ساتھ نیچی نظریں کیئے لڑکی نے کہا :-

آپ ہمارے گھر چلیئے ہمارے والد آپ کو بلاتے ہیں،

تاکہ وہ آپکو آپ کے اُس احسان کا بدلہ عنایت کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس غیر متوقع دعوت کو رد کرنا مناسب نہ سمجھا اُٹھ کھڑے ہوئے اور لڑکی کو ہدایت کی کہ وہ پیچھے پیچھے چلے اور اشارے سے گھر کی رہنمائی کرے۔ جب گھر پہنچے تو لڑکیوں کے والد بزرگوار نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا استقبال کیا، اعزاز واکرام کے ساتھ ملاقات کی۔ پہلے کھانا کھایا پھر حالات دریافت کیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کی ساری تفصیل بیان کی۔ فرعون کا ظلم، بنی اسرائیل کی حالتِ زار کا تذکرہ کیا اور بعد میں اپنے اُس غیر ارادی قتل کا بھی واقعہ بیان کیا۔ اسپر ان بزرگ نے تسلّی دی اور فرمایا کہ اللہ کا شکر کرو اب تمہیں ظالم قوم سے نجات مل گئی۔

شیخ کبیر

یہ بزرگ کون تھے؟ اس موقعہ پر قرآن حکیم میں کوئی صراحت موجود نہیں، لڑکیوں کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی بڑے بوڑھے آدمی تھے جو اپنی پیرانہ سالی کے باعث اس قابل نہ تھے کہ گھر کی ضروریات خود اپنے ہاتھوں پورا کریں۔ اور غالباً گھر میں ان کے سوا اور کوئی مرد بھی نہ ہوگا تب ہی گھر کی عورتیں ضروری کام کے لئے باہر نکلتی تھیں۔

اس ساری صورت حال کو لڑکیوں نے ایک مختصر فقرے میں ادا کیا ہے :-

وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ (سورہ قصص آیت ۲۳)

ہمارے والد بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

اس فقرے کی ادائی میں لڑکیوں کی حیاداری کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک اجنبی سے غیر ضروری بات بھی نہ کرنا چاہتی تھیں، مگر یہ بھی پسند نہ تھا کہ یہ اجنبی ہمارے خاندان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرے اور اپنے ذہن میں یہ خیال کرے کہ یہ کیسے لوگ ہیں جن کے

مرد گھر بیٹھے رہیں اور عورتیں کام کریں ؟

بہرحال ان شیخ کبیر کے بارے میں قرآن حکیم نے کسی ایک جگہ بھی ان کا نام نہیں بتایا ہے اور نہ کوئی ایسی قوی روایت موجود ہے جو نام کو متعین کر دے۔ اسلئے مفسرین و مؤرخین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن میں مشہور و معروف اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ امام تفسیر ابن جریر طبریؒ نے یہی قول حضرت حسن بصریؒ کا نقل کیا ہے۔ محدّث ابن ابی حاتم نے بھی یہی بات کہی ہے جو قرآنی سیاق و سباق کے مطابق بھی ہے۔

بعض مؤرخین نے اس شیخ کا نام یثرون لکھا ہے اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اور بعض نے ان کا نام یثری لکھا ہے۔ طبری نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ موسیٰ کو اجیر رکھنے والا مدین کا شیخ "یثری" نامی تھا۔ توراۃ میں اسی سے ملتا جلتا نام "یثرو" بتایا گیا ہے۔ اور بعض نے ان کا نام "حُوباب" لکھا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت شعیبؑ کا اسم گرامی حُوباب تھا اور یثرو ایک اعزازی لقب تھا جسکے معنی کامل کے ہیں جس طرح یہودیوں کے ہاں کاہن اور مسلمانوں کے ہاں امام کا لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے ان کا نام شعیب کہا ہے جو باب کی تصحیف ہے۔

حقیقت میں یہ سب ایک ہی نام ہیں جو زبان و لغت کے لحاظ سے مختلف تلفظ میں ادا کئے گئے ہیں۔ بہرحال نام کی تعیین میں کوئی قطعی بات معلوم نہیں ہوتی جو کچھ بھی ہیں وہ قیاس و اندازے ہیں لیکن جن اہل علم نے اِن بزرگ کا نام شعیب علیہ السلام بتایا ہے وہ زیادہ قابل ترجیح ہے اور اسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ایک وجہ تو اسکی یہ ہے کہ عام طور پر حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ایک بیان کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ شہر مدین کی جانب جو رسول بھیجے گئے تھے وہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ ان کے علاوہ قرآن حکیم میں اس شہر کی جانب کسی اور مشہور و معروف رسول کے روانہ کئے جانے کا ذکر نہیں ملتا۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا۔ (ہود آیت ۸۴)

مدین کی جانب اُنکے بھائی شعیبؑ کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔

اصحاب الایکہ بھی اہل مدین ہی کو کہا جاتا ہے جبکی تفصیل تذکرہ سیدنا شعیب علیہ السلام میں آچکی ہے۔

کَذَّبَ اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اِذْ قَالَ لَھُمْ شُعَیْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ۔ (شعراء آیت ۱۷۶)

تیسری وجہ یہ کہ سورہ ہود میں انبیاء کرام کے سلسلہ وار تذکروں میں حضرت شعیب علیہ السلام کے تذکرے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک زمانہ ہے۔ لہذا مدین کے یہ شیخ کبیر حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ واللہ اعلم۔

بار مدین کا تذکرہ آیاتِ ذیل میں اسطرح موجود ہے :-

قرآنی مضمون

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔ الخ

(القصص آیات ۲۲ تا ۲۵)

اور مصر سے نکل کر) جب موسیٰ نے مدین کا رُخ کیا تو اُنھوں نے (دل میں) کہا اُمید ہے کہ میرا رب مجھے صحیح راستے کی رہنمائی کرے گا۔

اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بہت سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں اور دو عورتوں کو پایا کہ وہ اُس بھیڑ کے پیچھے اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے کہا تمھیں کیا پریشانی ہے؟ کہنے لگی ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نکال نہ لے جائیں، اور ہمارے والد ایک بوڑھے آدمی ہیں۔

(یہ سُن کر) موسیٰ نے اُن کے جانوروں کو پانی پلا دیا پھر

ایک سایہ کی جگہ جا بیٹھے، پھر کہا پروردگار جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے
میں اُس کا محتاج ہوں۔

پس آئی موسیٰ کے پاس اُن دونوں میں سے ایک چلتی ہوئی
شرم وحیا سے، بولی میرے والد آپ کو بُلاتے ہیں تاکہ بدلہ دیں اُس
کام کا جو آپ نے ہمارے جانوروں کو سیراب کیا ہے۔

پھر جب موسیٰ اُن کے پاس پہنچے اور اُن سے (تمام) قصہ
بیان کیا (تو اُس شیخ کبیر نے) کہا اب اندیشہ نہ کرو، تم ظالم قوم سے
نجات پاگئے۔"

تورات میں شیخ کبیر کی لڑکیوں کی تعداد سات بیان کی گئی ہیں۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن ابن کثیرؒ نے اِن ہر دو اقوال میں اس طرح مطابقت پیدا کی ہے کہ ہو سکتا ہے کہ مدین کے اس بزرگ کی سات لڑکیاں ہوں مگر بارِ مدین پر جو واقعہ پیش آیا اس میں صرف دو لڑکیاں ہی موجود تھیں جیسا کہ قرآن حکیم کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے۔

شیخ کبیر اور دامادی رشتہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مدین کے اس بزرگ کے درمیان یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اُس لڑکی نے جو موسیٰ علیہ السلام کو بُلانے گئی تھی اپنے باپ سے کہا:۔

"اے ابّا جان! آپ اس مہمان کو اپنے جانور چرانے اور
پانی مہیّا کرنے کے لئے مقرر کر لیجئے کیونکہ یہ وہی اجیر بہتر اور مناسب
ہوتا ہے جو قوی اور امانتدار بھی ہو۔"

مفسرین لکھتے ہیں کہ باپ کو لڑکی کی یہ گفتگو عجیب سی معلوم ہوئی پوچھا بیٹی تجھکو اس مہمان کی قوت و امانت کا حال کیونکر معلوم ہوا؟

لڑکی نے جواب دیا قوت کا اندازہ تو اس سے معلوم ہوا کہ کنویں کا بڑا ڈول اس نے تنہا بھر کر کھینچ لیا اور امانت کا حال اس طرح کہ جب میں اُنھیں بُلانے گئی تو اُس نے مجھے دیکھ کر اپنی نظریں نیچی کر لیں اور دوران گفتگو ایک مرتبہ بھی نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ اور جب چلنے لگا تو مجھکو پیچھے چلنے کو کہا اور خود آگے آگے چلا

اور میں اُسکی صرف اشاروں سے رہنمائی کرتی رہی۔

بزرگ باپ نے بیٹی کی ان باتوں کو سُنا تو بہت خوش ہوا، بیٹی کا مشورہ پسند آیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا اگر تم آٹھ سال میرے پاس رہو اور میری بکریاں چراؤ تو میں اپنی دونوں میں سے ایک بیٹی کا نکاح تم سے کردوں گا اور اگر تم اس مدت میں مزید دوٗ سال اور بڑھا کر دسؔ سال پورے کر دو تو اور بھی زیادہ بہتر ہوگا اور یہی اس لڑکی کا مہر ہوگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شرط کو منظور کرلیا اور کہا کہ یہ میری مرضی پر چھوڑ ے کہ میں ان دونوں مدتوں میں سے جس کو چاہوں پورا کر دوں۔"

طرفین کی اس باہمی رضامندی کے بعد شیخ کبیر نے اس بیان کردہ مدت کو مہر قرار دے کر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اپنی ایک لڑکی کا نکاح کردیا۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ختم مدّت پر عقد نکاح عمل میں آیا اور عقد کے فوراً بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ساتھ جن کا نامُ "صفورہ" بیان کیا جاتا ہے مصر روانہ ہو گئے۔

عقد نکاح کی یہ گفتگو قرآن حکیم میں اسطرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ. الخ

(قصص آیات ۲۶ تا ۲۸)

ان دونوں میں سے ایک لڑکی نے کہا ابا جان ! اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین آدمی جسے آپ نوکر رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔

باپ نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دوٗ بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ

سال تک میرے ہاں ملازمت کرو۔ اور اگر دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری مرضی ہوگی۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا، تم انشاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔

موسیٰ نے جواب دیا یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہوگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو مدت بھی پوری کردوں مجھ پر کوئی جبر نہ ہوگا اور جو کچھ قول و قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اُس پر نگہبان ہے۔

قیامِ مدین کا تذکرہ آیتِ ذیل سے معلوم ہوتا ہے:۔

فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى الخ (طٰہٰ آیت ۴۰)

پھر تم نے مدین میں چند سال قیام کیا۔ پھر اب ٹھیک اپنے وقت (مقررہ) پر اے موسیٰ تم آگئے اور میں نے تم کو اپنے کام کا بنالیا ہے۔

ازروئے معاہدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت آٹھ سال تھی لیکن انھوں نے پورے دس سال مکمل کئے۔ یہ بات انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا پتہ دیتی ہے۔ یہ حضرات اپنے اخلاق و کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آٹھ کے بجائے دس سال مکمل کئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہی بات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:۔

قَضٰى مُوْسٰى اَتَمَّ الْاَجَلَيْنِ وَاَطْيَبَهُمَا عَشَرَ سِنِيْنَ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں مدتوں میں سے وہ مدت پوری کی جو زیادہ کامل اور اپنے خسر کے لئے زیادہ خوشگوار تھی یعنی دس سال۔

تاجِ نبوت اور عطائے معجزہ

قرآن حکیم نے یہ نہیں بتایا کہ مدت پوری

ہونے کے بعد کتنے عرصے تک حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں قیام پذیر رہے ؟

بعض مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ختم مدّت کے فوری بعد اپنی بیوی کو لے کر مصر روانہ ہوگئے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ ۔ الآیہ۔

پھر جب موسیٰ نے مدّت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چل پڑے۔

غالباً اس آیت سے یہ بات اخذ کی گئی ہو۔

لیکن معالم التنزیل میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدت کے ختم ہونے پر فوراً روانہ نہ ہوئے بلکہ مزید دس سال اپنے خسر کے ہاں قیام کیا، تورات میں بھی ایسی ہی تصریح موجود ہے۔

اور اس بات کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ جب حضرت موسےٰ علیہ السلام گھر سے چلے تو وادی مقدس میں اللہ تعالےٰ کی جانب سے انھیں کہا گیا کہ ظالم فرعون اور اسکی قوم کی طرف جاؤ اور ان کو اللہ کا پیام پہنچاؤ۔ اسپر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

"پروردگار میں نے اُن فرعونیوں میں سے ایک کو قتل کیا تھا مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں ؟

اس گفتگو کے وقت تک قتل والے معاملہ کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر جانیکی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بھلا وہ مدّتِ عقد کے فوری بعد کیسے روانہ ہوتے ؟

بہر حال حقیقت حال کا علم اللہ علیم وخبیر ہی کے ہاں ہے اور یہ ہی مناسب اور قابل احتیاط طرز ہے کہ ایسے امور میں جسکو اللہ تعالےٰ نے پوشیدہ رکھا ھم بھی پوشیدہ سمجھیں۔

الغرض ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی سیدہ صفورہؓ اور توراۃ کی تصریح کے مطابق اپنے دونوں بچوں سمیت شہر مدین سے اپنے وطن مصر کیلئے روانہ ہوگئے رات ٹھنڈی تھی سردی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا، آگ جلانے کا ارادہ کیا لیکن چقماق نے سخت خنکی کی وجہ سے کام نہ دیا۔ قریب کی وادی میں نگاہ ڈالی تو ایک شعلہ

چمکتا نظر آیا۔ بیوی سے کہا تم یہاں ٹھیرو میں آگ لے آؤں گا تاکہ تاپنے کا بھی انتظام ہو جائیگا۔ اور اگر وہاں کوئی رہبر مل گیا تو بھٹکی ہوئی راہ کا بھی کھوج لگ جائیگا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عجیب و غریب منظر ہے درخت پر روشنی نظر آرہی ہے۔ مگر نہ درخت کو جلاتی ہے اور نہ ہی گُل ہوتی ہے۔ یہ سوچتے ہوئے آگے بڑھے۔ لیکن جوں جوں آگے بڑھتے آگ دور ہوتی جاتی۔ اس صورت حال سے کچھ خوف سا پیدا ہوا۔ ارادہ کیا کہ واپس لوٹ جائیں۔ جوں ہی پلٹے آگ قریب ہوگئی اور اُس میں سے یہ آواز آئی :۔

"اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا۔"

یہ آواز سُنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے تو دوبارہ پکارا گیا :۔

"اے موسیٰ میں ہوں تمہارا پروردگار یہاں اپنی جوتی اتاردو تم یہاں طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑے ہو۔ اور دیکھو میں نے تم کو اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے اب میں جو کچھ بھی وحی کروں اسکو غور سے سنو۔"

شہر مدین سے روانگی اور درمیان راہ میں نبوت سے سرفرازی اور عصا و ید بیضا کا معجزہ آیاتِ ذیل میں وضاحت کے ساتھ ملتا ہے :۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔ الخ (قصص آیات ۲۹ تا ۳۵)

"جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے اہل کو لے کر چلے تو کوہ طور کی جانب ایک آگ نظر آئی۔ اپنے گھر والوں سے کہا ٹھیرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید میں وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اُس آگ سے کوئی انگارہ ہی اُٹھا لاؤں تاکہ تم لوگ اُس سے تاپ سکو۔

پھر جب وہ وہاں پہونچے تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطہ میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں سارے جہان والوں کا پروردگار۔

اور یہ کہ پھینک دو اپنی لاٹھی کو پھر جب دیکھا اُس کو کہ وہ لاٹھی سانپ کی طرح بل کھارہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑکر بھی نہ دیکھا (ارشاد ہوا) موسیٰ پلٹ آؤ اور خوف نہ کرو تم بالکل محفوظ ہو۔

اپنا ہاتھ گریباں میں ڈالو وہ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے اور خوف دور کرنے کے واسطے اپنا بازو پھر اپنے سے ملالینا (جس سے ہاتھ اپنے اصلی رنگ پر لوٹ آئے گا) پس یہ دو سند تمہارے رب کی طرف فرعون اور اُسکے درباریوں کے پاس جانے کیلئے ہیں بیشک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب میں نے اُن میں کے ایک آدمی کا قتل کیا ہے سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔ اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ خوش بیان ہے اُسکو میرے ساتھ مدد کیلئے روانہ فرما تاکہ وہ میری تصدیق کرے گا مجھے اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے۔

اللہ نے فرمایا ہم تیرے بھائی کے ذریعہ تیرے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے۔ پھر وہ لوگ تم دونوں تک (ہرگز) نہیں پہنچ پائیں گے۔ ہماری نشانیوں کے زور سے غلبہ تمہارا اور تمہاری پیروی کرنیوالوں کا ہی ہوگا۔"

وَهَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا ۔ الخ (طٰہٰ ۹ تا ۲۳)

اور تمہیں کچھ موسیٰ کی خبر بھی پہنچی ہے ؟

جب کہ انھوں نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں سے کہا ذرا ٹھیرو میں نے ایک آگ دیکھی ہے شاید تمہارے لئے ایک آدھا انگارہ لے آؤں یا اس آگ پر مجھے (راستے کے متعلق) کوئی رہنمائی ملجائے ؟

جب وہاں آئے تو پکارا گیا اے موسیٰ ! میں ہی تمہارا

رب ہوں اپنی جوتیاں اُتار دو تم وادی مقدس طوی میں موجود ہو اور میں نے تم کو چُن لیا ہے۔ لہذا اب کان لگا کر سنو جو کچھ وحی کی جاتی ہے۔

میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری بندگی کرو اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ بیشک قیامت ضرور آنے والی ہے۔ میں اُس کا وقت پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر متنفس اپنی سعی کے مطابق بدلہ پائے۔

پس تجھ کو اُس قیامت کی فکر سے روک نہ دے وہ شخص جو اُس قیامت پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کر لیا ہے ورنہ تم ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔

اور اے موسیٰ! یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا یہ میری لاٹھی ہے اس پر ٹیک لگا کر چلتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور بھی بہت سے کام ہیں جو اس سے لیتا ہوں۔

ارشاد فرمایا اے موسیٰ ذرا اسکو (زمین پر) ڈال دو!

پس موسیٰ نے اُسکو ڈال دیا اچانک وہ ایک سانپ تھا جو دوڑنے لگا۔

فرمایا! (اے موسیٰ) اسکو پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم اس کو ویسا ہی کر دیں گے جیسا یہ (پہلے لاٹھی) تھی۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دباؤ چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے یہ دوسری نشانی ہے۔ یہ اس لئے کہ ہم تم کو اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھانے والے ہیں۔"

اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا۔ الخ

(النمل آیات ۷ تا ۱۲)

(انھیں اس وقت کا قصہ سناؤ) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا مجھے ایک آگ سی نظر آئی ہے۔ میں ابھی یا تو وہاں سے کوئی خبر لے آتا ہوں یا کوئی انگارا چن لاتا ہوں تاکہ تم لوگ گرم ہو سکو۔

پس جب وہ وہاں پہنچے تو پکارا گیا مبارک ہے وہ جو اس آگ میں ہے اور جو اسکے اطراف میں ہے پاک ہے اللہ سب جہانوں کا پروردگار۔
اے موسیٰ یہ میں ہوں اللہ زبردست اور حکمت والا۔ اور اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جوں ہی موسیٰ نے دیکھا لاٹھی سانپ کی طرح بل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے حضور رسول ڈرا نہیں کرتے۔ البتہ جو ظلم کیا اور پھر اس برائی کے بعد بھلائی سے بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں داخل کر لو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے۔ یہ (دو نشانیاں) نو نشانیوں میں سے ہیں فرعون اور اُسکی قوم کی طرف (لے جانے کیلئے) بیشک وہ لوگ بدکردار قوم ہیں۔"

شرفِ ہمکلامی قرآن حکیم کی آیات سابقہ کے پیش نظر دو باتیں کتب تفسیر میں زیر بحث آئی ہیں۔

اوّل موسیٰ علیہ السلام نے جس روشنی کو دیکھا وہ آگ نہ تھی بلکہ تجلی الٰہی کا نور تھا۔ لیکن جو آواز اس پردۂ نور سے سنی گئی وہ فرشتے کی آواز تھی؟ یا خود رب العالمین کی ندا تھی؟

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ فرشتے کی آواز تھی جسکے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔

بعض دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ براہِ راست ندائے الٰہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ندا کو بغیر کسی واسطہ یا ذریعہ کے سُنا، یہ اس طرح جیسا کہ پیغمبرانِ خُدا وحی الٰہی کو سُنا کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم نے اپنے کلام عظیم کے لئے خود یہ اپنا قانون بیان کیا ہے کہ عام فطری قوائے بشری اس قابل نہیں کہ اللہ تعالےٰ سے براہِ راست عزت ہمکلامی حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالےٰ سے شرف ہمکلامی کے صرف تین طریقے ہیں:-

وحیؔ، وراءِ حجابؔ، فرشتےؔ کے ذریعہ (شوریٰ آیت ۵۱)

وحیؔ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بغیر کسی اسباب کے قلب میں کوئی بات ڈال دی جائے۔

وراءِ حجابؔ کا مطلب یہ کہ غیبی ندا جو رسولوں کو کی جاتی ہے۔

فرشتوں کے ذریعہ کلام کا مطلب یہ کہ اللہ کا کلام فرشتہ پڑھکر سنائے۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پر جو کلام کیا گیا وہ ان ہی تینوں صورتوں میں سے ایک ہوسکتا ہے۔ وحی اور فرشتے کا ذریعہ یہاں موجود نہیں۔ لہٰذا ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ وراءِ حجاب کی ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پکارا گیا۔

قرآن حکیم نے جہاں جہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلامی کا ذکر کیا ہے وہاں وحی یا فرشتے کا ذریعہ موجود نہیں ہے۔

سورہ طٰہٰ کی آیت ۱۱ سے یہی بات مفہوم ہوتی ہے کہ یہ کلام پسِ پردہ تھا:۔

فَلَمَّا أَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى إِنِّيْٓ أَنَا رَبُّكَ الآیۃ

پس جب موسیٰ اُس آگ کے قریب آئے تو پکارے گئے اے موسیٰ میں ہوں تمہارا پروردگار۔

اس لحاظ سے جن مفسرین کرام نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ کلام براہِ راست ندا کے طور پر تھا قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے۔

وادیٔ مقدس

طویٰ کی وادیٔ مقدس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ اس مقدس وادی میں کھڑے ہیں لہٰذا اپنی جوتیاں اُتار دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وجہ خود ارشاد فرمائی ہے:۔

کَانَتَا مِنْ جِلْدِ حِمَارٍ مَيِّتٍ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوتیاں مردہ گدھے کی کھال سے بنائی گئی تھیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

(یعنی غیر مدبوغ تھیں) لہٰذا وہ چمڑا پاک نہ تھا۔ اگرچہ خشک تھا۔

الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ آواز سنی کہ اللہ تعالےٰ نے انھیں

اپنے کلام و پیام کے لئے منتخب فرمایا ہے اور انبیاء سابقین کی طرح سچے دین کی تلقین اور فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل کی رہائی کی اہم خدمات انجام دینے کے لئے پسند فرمالیا ہے تو انتہائی مسرت میں حیران کھڑے رہ گئے۔ آخر پھر اُسی جانب سے ابتدا ہوئی پوچھا گیا اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟ بس کلام شروع ہوگیا بولے یہ میری لاٹھی ہے۔ اسپر سہارا لیتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے وغیرہ جھاڑ لیتا ہوں۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے مقاصد پورے کرتا ہوں۔

اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دو عظیم معجزے عنایت کیے گئے۔

عَصا، یدِ بیضا۔

اور فرمایا گیا یہ ہماری جانب سے تمہاری نبوت و رسالت کے دو بڑے نشان ہیں تمہاری دعوت و پیغام کی تائید و نصرت میں تم کو دیئے جاتے ہیں ضرورت پر ان سے کام لیا جائے۔ اور ارشاد ہوا کہ اب فرعون اور اس کی قوم کو راہِ ہدایت دکھاؤ اُنھوں نے بہت سرکشی اور نافرمانی اختیار کر رکھی ہے اور اپنے غرور و تکبر میں بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے سو اُن کو غلامی سے نجات دلائی جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد پر عرض کیا پروردگار میرے ہاتھ سے ایک مصری کا قتل ہوگیا تھا اس لئے مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے پاکر قتل نہ کردیں۔ علاوہ ازیں مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ وہ میری شدت کے ساتھ تکذیب کردیں گے اور مجھے جھٹلائیں گے۔ لہذا جب آپ نے یہ منصب عالی عطا کی ہے تو میرے سینے کو فراخ اور نور سے معمور کر دیجئے اور اس خلافت کو آسان بنا دیجئے اور میری زبان میں پڑی ہوئی گرہ کو کھول دیجئے تاکہ لوگوں کو میری بات سننے سمجھنے میں آسانی ہو اور چونکہ میری گفتگو میں روانی نہیں ہے اور میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس لئے اُس کو بھی اپنی اس نعمت نبوت سے نواز کر میرا شریک کار بنا دیجئے۔

اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطمینان دلایا کہ تم ہمارا پیغام لے کر ضرور جاؤ اور ان لوگوں کو حق کی راہ دکھاؤ۔ وہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے۔ ہماری مدد تمہارے ساتھ رہے گی اور جو نشانات ہم نے تم کو دیئے ہیں وہ تمہاری کامیابی کا ذریعہ ثابت ہوں گے اور انجام کار تم ہی غالب ہو گے۔ ہم تمہارے

بھائی ہارون کو تمہارا شریکِ کار بناتے ہیں تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو صحیح راہ دکھاؤ۔

داخلہ مصر مؤرخ سُدّی لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام منصبِ رسالت سے سرفراز ہو کر وادی مقدس سے اُترے تو اپنی بیوی کے پاس پہنچے جو وادی کے سامنے والے جنگل میں منتظر تھیں اُن کو ساتھ لیا اور یہیں سے تعمیل حکم الٰہی میں مصر روانہ ہو گئے۔ منزل بمنزل طے کرتے ہوئے رات کے وقت مصر میں داخل ہو کر اپنے مکان پہنچے مگر اندر داخل نہ ہوئے والدہ صاحبہ کے آگے ایک مسافر کی حیثیت میں ظاہر ہوئے۔ یہ مکان مہمان نواز گھر تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خوب خاطر مدارات کی گئی اسی دوران اُن کے بڑے بھائی حضرت ہارون آ پہنچے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مصر پہنچنے سے قبل اُنھیں نبوت سے سرفراز کیا جا چکا تھا اور اُنھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی اطلاع بھی دی جا چکی تھی وہ بھائی کو دیکھ کر لپٹ گئے اور پھر انکے اہل وعیال کو گھر کے اندر لے گئے اور والدہ صاحبہ کو سارا حال سنایا۔ تب سارے خاندان نے خوشیاں منائیں۔

شرف ہمکلامی، عطائے نبوت، معجزات، وادی مقدس کا ذکر اور مصر میں داخلہ کا مفصل تذکرہ آیات ذیل میں ترتیب وار مذکور ہے۔

قرآنی مضمون وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ. الخ (طٰہٰ آیات ۱۷ تا ۲۳)

(اور ندائے غیبی نے پوچھا) اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟

عرض کیا میری لاٹھی ہے چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں،

اسی سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، اور میرے لئے اسمیں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔

حکم ہوا اے موسیٰ اسے زمین پر ڈال دو۔

پس موسیٰ نے ڈال دیا تو وہ اچانک سانپ تھا جو دوڑ

رہا ہے۔
حکم ہوا اسکو پکڑلو اور خوف نہ کرو ہم اُسے پھر اسکی اصلی حالت پر کئے دیتے ہیں۔ (اور نیز حکم ہوا) اپنا داہنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ لو اور پھر نکالو تو وہ چمکتا ہوا بغیر کسی عیب کے نکلے گا۔ یہ (تمہارے لئے دوسری نشانی ہے۔ (اور یہ دونوں نشانیاں) اس لئے (دی گئی ہیں) کہ آئندہ تم کو اپنی قدرت سے ہم بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں گے۔"

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ۔ (قصص آیات ۴۴ تا ۴۶)

(اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس وقت مغربی گوشے میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو یہ فرمانِ شریعت عطا کیا ہے اور نہ آپ شاہدین میں شامل تھے۔ بلکہ اسکے بعد (آپ کے زمانے تک) ہم نے بہت سی نسلیں پیدا کیں اور اُن پر بہت زمانہ گزر چکا ہے اور نہ آپ اہل مدین کے درمیان موجود تھے کہ ان کو ہماری آیات سنا رہے ہوتے مگر (اس وقت کی یہ خبریں) بھیجنے والے ہم ہیں۔ اور آپ طور کے دامن میں بھی اُس وقت موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو پکارا تھا مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ یہ معلومات آپ کو دی جا رہی ہیں) تاکہ آپ اُن لوگوں کو خبردار کریں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا شاید کہ وہ نصیحت قبول کریں۔"

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ۔ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ (النازعات آیات ۱۵ تا ۱۹)

کیا آپ تک موسیٰ کا قصہ پہنچا؟
جب کہ اُسکے رب نے اُسکو طُویٰ کی وادی مقدس میں پکارا (اے موسیٰ) جاؤ تم فرعون کی طرف بیشک اُس نے سرکشی کی ہے۔ پھر اُسکو کہو کیا تجھ کو رغبت ہے اس بات کی کہ تو سنور جائے؟ اور میں تجھکو سیدھی راہ دکھاؤں تیرے رب کی طرف تاکہ تجھ کو ڈر ہو۔"

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ۔ الخ (طٰہٰ آیات ۲۴ تا ۳۶)

(حکم ہوا) اب تم فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکش ہوگیا ہے موسیٰ نے عرض کیا پروردگار میرا سینہ کھول دیجئے اور میرا کام میرے لئے آسان کردیجئے اور میری زبان کی گرہ کھول دیجئے تاکہ وہ لوگ میری بات (اچھی طرح) سمجھ سکیں اور میرے لئے میرے خاندان سے ایک وزیر مقرر کردیجئے۔ ہارون جو میرا بھائی ہے اُسکے ذریعہ میرا ہاتھ مضبوط فرما۔ اور اُسکو میرے کام میں شریک فرما تاکہ ہم آپکی خوب پاکی بیان کرسکیں اور آپ کا ذکر کثرت سے کریں۔ اور آپ ہمارے حال پر ہمیشہ نگراں رہے ہیں۔"

ارشاد ہوا دیا گیا جو تونے مانگا اے موسیٰ۔

اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ۔ الخ
(طٰہٰ آیات ۴۲ تا ۴۸)

اے موسیٰ جاؤ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور دیکھو میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔ جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔

پس اُس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔

دونوں نے عرض کیا پروردگار ہمیں اندیشہ ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کر بیٹھے یا پل پڑے گا۔

ارشاد ہوا ڈرو نہیں میں تم دونوں کے ساتھ ہوں (سب کچھ) سُن رہا ہوں اور دیکھ رہا ہوں۔

لہٰذا تم دونوں اُسکے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے فرستادہ ہیں۔ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کیلئے چھوڑ دے اور اُنھیں تکلیف نہ دے۔ ہم تیرے پاس تیرے رب کی

نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اُس کے لئے جو راہِ راست کی پیروی کرے۔

بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ عذاب ہے اُس شخص کے لئے جو جھٹلائے اور منھ موڑے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗ اَخَاهُ هَارُوْنَ وَزِيْرًا۔ الخ (فرقان آیات ۳۵ تا ۳۶)

"اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اُسکے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو مددگار بنایا۔ اور اُن سے کہا تم دونوں جاؤ اُس قوم کی طرف جس نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے۔ آخر کار اُن لوگوں کو ہم نے تباہ کر کے رکھ دیا۔"

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ الخ (الشعراء آیات ۱۰ تا ۱۷)

(اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان اہل مکہ کو اس وقت کا قصہ سناؤ) جبکہ تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ (اے موسیٰ) ظالم قوم کے پاس جائیے (جو) فرعون کی قوم ہے کیا وہ نہیں ڈرتے؟

عرض کیا اے میرے رب مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی سو آپ ہارون کی طرف رسالت بھیجیں۔ اور مجھ پر اُن کے ہاں ایک جُرم کا الزام بھی ہے۔ اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

ارشاد ہوا ہرگز نہیں تم دونوں جاؤ ہماری نشانیاں لے کر بیشک ہم تمہارے ساتھ سب کچھ سنتے رہیں گے۔ فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو ہم کو رب العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ الخ (النمل آیات ۱۰ تا ۱۲)

اور اپنی لاٹھی ذرا پھینک دے جونہی دیکھا تو وہ لاٹھی گویا سانپ تھی بَل کھا رہی ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اے موسیٰ ڈرو نہیں میرے حضور پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ الّا یہ کہ کسی نے قصور کیا ہو پھر اگر بُرائی کے بعد اُس نے بھلائی سے (اپنے فعل کو) بدل لیا تو میں معاف کرنے والا مہربان ہوں۔ اور ذرا اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو چمکتا ہوا نکلے گا بغیر کسی تکلیف کے، یہ (دو نشانیاں اُن) نو نشانیوں میں سے ہیں۔ فرعون اور اُسکی قوم کی طرف (لے جانے کیلئے) بلاشُبہ وہ بڑے بدکردار لوگ ہیں۔"

الغرض ان آیات میں عصائے موسیٰ کے معجزہ یا آیت اللہ ہونے کو مختلف تعبیرات سے ادا کیا گیا ہے۔

سورہ طٰہٰ میں حَیَّۃٌ تَسْعٰی (دوڑتا بَل کھاتا سانپ) کہا گیا۔ اور سورۂ نمل اور سورۂ قصص میں جَآنٌّ (پتلا پھرتیلا سانپ) کہا گیا۔ اور سورۂ شعراء میں ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ (واضح موٹا اژدھا) بیان کیا گیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عصائے موسیٰ کی اگرچہ یہ تعبیرات لفظی اعتبار سے مختلف ہیں لیکن حقیقت اور معنی کے لحاظ سے مختلف نہیں ہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف اوصاف کو ادا کیا گیا ہے۔ یعنی ذات کے لحاظ سے وہ حقیقی حَیَّۃٌ سانپ تھا اور تیزروی کے لحاظ سے جَآنٌّ تیزرو پھرتیلا سانپ تھا اور جسامت کے پیشِ نظر وہ ثُعْبَانٌ موٹا اژدھا تھا یعنی بیک وقت اسمیں یہ مختلف اوصاف تھے۔

سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دونوں معجزوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا:۔

وَاضْمُمْ اِلَیْکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّھْبِ۔

(آیت ۳۲ سورہ قصص)

اور خوف سے بچنے کے لئے اپنا بازو اپنی طرف بھینچ لے۔

اس آیت میں کس قسم کے خوف کا ذکر ہے؟ مفسرین نے مختلف قسم کے خوف کی تعیین کی ہے۔ بعض نے کہا کہ سانپ کا ڈر مراد ہے اور بعض نے کہا فرعون کے دربار کا خوف مراد ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے ہر قسم کے خوف کے وقت اپنا ہاتھ اپنے بازو میں دبا لیا جائے تو خوف جاتا رہے گا۔ یعنی جب کبھی بھی کوئی خطرناک موقع ایسا آجائے جس سے دل میں خوف واندیشہ پیدا ہو تو اپنا بازو بھینچ لیا کرو اس سے تمہارا دل قوی ہو جائیگا اور رُعب و دہشت کی کوئی کیفیت باقی نہ رہے گی۔ اس بھینچ لینے کی دو شکلیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ ہاتھ کو پہلو کے ساتھ لگا کر دبا لیا جائے۔

دوسری شکل یہ کہ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی بغل میں رکھ کر دبایا جائے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تدبیر اس لئے بتلائی گئی کہ وہ ایک ظالم بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بغیر کسی لاؤ لشکر اور ساز و سامان کے بھیجے جا رہے تھے یقیناً ایسے خوفناک مواقع پیش آنے والے تھے جن میں فطری طور پر ہراساں اور خوفزدہ ہونا ممکن تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے تحفظ کیلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ تدبیر اختیار کرنیکی ہدایت کی جس سے خوف واندیشہ جاتا رہے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس عمل سے فائدہ اُٹھایا اور بے خوف واندیشہ دربار فرعون میں جا پہنچے اور دُو بدو کلام اور بحث و مناظرہ کیا۔

یہ دراصل کوئی تیسری نشانی نہ تھی بلکہ خوف اور ڈر کو دُور کرنے کا ایک علاج تھا۔ واللہ اعلم۔

فرعون اور دعوتِ حق

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام بے خوف وخطر فرعون کے دربار میں داخل ہو گئے۔ فرعون نے اس اچانک آنیکی غرض پوچھی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام نے جواب دیا کہ اللہ نے ہم دونوں کو اپنا پیام و رسالت دیکر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ہم تجھ سے دو باتوں کا مطالبہ کرنے آئے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ اُس خدا پر ایمان لا جو ساری کائنات کا خالق ہے۔
دوسری بات یہ کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنے سے باز آ اور اُن کو اپنی غلامی سے نجات دے۔
فرعون نے جب یہ سُنا تو غضبناک ہو گیا کہنے لگا اے موسیٰ آج تو میرے آگے

بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کرتا ہے وہ دن بھول گیا جب کہ تو نے میرے گھر پرورش پائی اور بچپن کی زندگی گزاری؟ اور کیا تو یہ بھی بھول گیا کہ تو نے ایک مصری کو قتل کیا تھا اور پھر یہاں سے فرار ہو گیا تھا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساری باتوں کا اعتراف کیا اور قتل کے بارے میں یہ وضاحت کی کہ میں نے دانستہ کوئی قتل نہیں کیا البتہ اُس ظالم مصری کو دھمکانے کے لئے ایک گھونسا رسید کیا تھا جس پر اُس نے دم توڑ دیا۔ اس سے زیادہ میرا اور کوئی قصور نہیں۔

پھر جب میں نے یہاں سے کوچ کیا تو اللہ تعالےٰ نے میری خطا معاف کر دی اور مجھکو نبوت ورسالت سے سرفراز کیا ہے۔

میں تجھ کو خدائے واحد کی طرف دعوت دیتا ہوں، اُسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ رب العالمین ہے۔

یہ سنکر فرعون حیرت وتعجب سے کہنے لگا موسیٰ کیا میرے علاوہ اور بھی کوئی رب ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو اسکی حقیقت بیان کر؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہمارا رب وہی ہے جس نے زمین وآسمان کو پیدا کیا اور اُس ساری مخلوق کو بھی جو اِن کے درمیان ہے۔

فرعون اس کا جواب نہ دے سکا اور درباریوں سے کہنے لگا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے یہ مجنوں اور پاگل انسان ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم لوگ ذراسی بھی عقل سے کام لو تو اس حقیقت کو پاسکتے ہو۔

فرعون کے دربار میں دعوتِ حق کا تذکرہ قرآن حکیم کی مختلف سورتوں میں اس طرح موجود ہے:۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۔ الخ (اعراف آیات ۱۰۴، ۱۰۵)

اور موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ ہوں۔

میرے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر حق اور سچ کے علاوہ کچھ اور کہوں۔ بلاشبہ میں تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے دلیل اور نشان لایا ہوں۔ لہٰذا میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔"

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ. الخ

(الشعراء ع ۱۶ تا ع ۳۳)

سو تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو ہم کو ربُّ العالمین نے اس لئے بھیجا ہے کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دے۔

فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا تھا؟ تو نے اپنی عمر کے کئی سال ہمارے ہاں گزارے۔

اور اسکے بعد تو کر گیا جو کچھ کر گیا (یعنی) ایک شہری کا قتل بھی کیا) اور تو (اے موسیٰ) بڑا احسان فراموش آدمی ہے۔

موسیٰ نے جواب دیا اس وقت وہ کام میں نے نادانستگی میں کر دیا تھا۔

پھر میں تمہارے خوف سے بھاگ گیا اسکے بعد میرے رب نے مجھ کو حکمت (نبوت) عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں شامل فرمالیا۔

اور میری پرورش کا یہ احسان جسکو تو مجھ سے جتا رہا ہے کیا ایسا احسان ہے کہ تو بنی اسرائیل کو غلام بنائے رکھے؟

فرعون نے کہا اور یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا آسمانوں اور زمین کا رب، اور اُن سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین لانے والے ہو۔

فرعون نے اپنے گرد و پیش کے لوگوں سے کہا کیا تم لوگ نہیں سنتے ہو؟

موسیٰ نے کہا تمہارا رب بھی اور تمہارے اُن آباء و اجداد

کا رب بھی جو گزر چکے ہیں۔

فرعون نے حاضرین سے کہا تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں پاگل معلوم ہوتے ہیں۔

موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب اگر تم لوگ عقل رکھتے ہو۔

فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو تجھے بھی اُن لوگوں میں شامل کر دوں گا جو قید خانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے سامنے ایک واضح دلیل بھی لے آؤں ؟

فرعون نے کہا اچھا تو لے آ اگر تو سچا ہے۔

موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو یکایک وہ ایک نمایاں اژدہا تھا اور (پھر) اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ سب دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۔الخ

(طٰہٰ آیات ۴۸ تا ۵۶)

ہم کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ اُس شخص کیلئے عذاب ہے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔

فرعون نے کہا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے اے موسیٰ ؟

موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُسکی ساخت بخشی پھر اسکو راستہ بتایا۔

فرعون بولا اور پہلے جو نسلیں گزر چکیں ہیں انکا کیا انجام تھا؟

موسیٰ نے کہا اُسکا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

وہی جس نے زمین کا فرش بچھایا اور اُس میں تمہارے چلنے

کے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اُسکے ذریعہ سے مختلف اقسام کے نباتات کے جوڑے نکالے۔

کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی چراؤ یقیناً اسمیں بہت سی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے۔ اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے۔

اور ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر وہ جھٹلائے چلا گیا اور نہ مانا۔

فَلَمَّا جَآءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى الخ (القصص آیات ۳۶ تا ۴۲)

پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی کھلی نشانیاں لے آکر آئے تو انھوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے سوائے بناوٹی جادو، اور یہ باتیں تو ہم نے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی نہیں سنی ہیں۔

اور موسیٰ نے کہا میرا رب اُس شخص کے حال سے خوب واقف ہے جو اُسکی طرف سے ہدایت لے کر آیا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے کہ آخری انجام کس کا اچھا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ ظالم کبھی فلاح نہیں پاتے۔

اور فرعون نے کہا اے اہل دربار! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ پس اے ہامان ذرا اینٹیں پکوا کر میرے لئے ایک اونچی عمارت تیار کر شاید میں اُسپر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ سکوں اور میں تو اسے یقیناً جھوٹوں میں سمجھتا ہوں۔

اور اُس نے اور اُس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور گمان کیا کہ انھیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔

آخر کار ہم نے اُسے اور اُسکے لشکروں کو پکڑا پھر سمندر میں پھینک دیا سو اب دیکھو اُن ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

ہم نے انھیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیش رو بنا دیا اور قیامت کے دن وہ کہیں سے کوئی مدد نہ پا سکیں گے۔

اور ہم نے اِس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے دن بڑی قباحت میں مبتلا ہوں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَّعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ الخ (المؤمن آیت ۳۶ تا ۳۷)

"فرعون نے کہا اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر تاکہ میں آسمانوں کی بلندیوں اور اُن کے ذرائع تک قدرت حاصل کر سکوں۔ اس طرح موسیٰ کے خدا کا حال (بھی) معلوم کر سکوں اور میں تو اُس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اسی طرح فرعون کے لئے اُس کی بدعملی کو خوبصورت کر دیا گیا اور وہ راہِ حق سے روک دیا گیا اور فرعون کے مکر کا آخری انجام ہلاکت ہے۔"

شاہ عبد القادر صاحبؒ نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ آیت مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي۔ (فرعون نے کہا اے درباریوں میں تمہارے لئے اپنے سوا کوئی خدا نہیں جانتا)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون دہری تھا اور تفسیر و تاریخ کے کتب میں جو مصر قدیم کے تاریخی حوالجات نقل کئے گئے ہیں اُن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اہل مصر دیوتاؤں کے پرستار تھے۔ اور ان کا سب سے بڑا دیوتا "آمن راع" (سورج دیوتا) تھا۔ یہ لوگ خدائے واحد کے قائل نہ تھے بلکہ کائنات کی تخلیق اور اُن کے ہر معاملات اور حوادث کا تعلق ستاروں اور دیوی دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی جیسا کہ ہندوستان کے جین مت قوم کا عقیدہ ہے۔ یہ قوم بھی خدائے واحد کی منکر اور دیوتاؤں کی پرستش کرتی ہے بلکہ کائنات کی تخلیق اور اُن کے ہر معاملات اور حوادث کا تعلق ستاروں اور دیوی دیوتاؤں ہی سے متعلق سمجھا کرتے تھے۔ یہ ایسے ہی جیسا کہ ہندوستان کے جین مت قوم کا عقیدہ ہے۔ یہ قوم بھی خدائے واحد کی منکر اور دیوتاؤں کی پرستش کرتی ہے۔

ہامان | ہامان کے متعلق قرآن کریم نے کوئی تصریح نہیں کی کہ یہ کسی شخصیت کا نام ہے

یا عہدہ اور منصب کا نام ہے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرعون کے کسی با اعتماد آدمی کا ہی نام ہے جو فرعون کے احکام اور مرضیات کو نافذ کرتا ہوگا۔ فرعون کا یہ کہنا کہ اے ہامان ایک بلند عمارت تعمیر کر، شخصی خطاب معلوم ہوتا ہے جو عموماً با اعتماد افراد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح عمارت کے تعلق سے بھی قرآن حکیم میں ایسی کوئی وضاحت نہیں ملتی کہ ہامان نے فرعون کے اس حکم کی تعمیل میں کوئی عمارت تعمیر کی یا نہیں ؟

یہاں بھی قرآن حکیم نے فرعون کا صرف حکم نقل کیا ہے لیکن

"تاریخی روایات میں موجود ہے کہ ہامان نے اس محل کی تعمیر کیلئے پچاس ہزار معمار جمع کئے اور محل کو اتنا اونچا کیا کہ اُس زمانے میں اس سے بلند کوئی عمارت نہ تھی، پھر جب یہ تعمیر مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبرئیل امین نے ایک ضرب میں اسکے تین ٹکڑے کر کے گرا دیا۔ جس سے فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی دب کر مرگئے۔ (قرطبی)"

بہرحال واقعہ کا انحصار اسپر نہیں کہ ہامان کی شخصیت کیا تھی ؟ اور محل تعمیر ہوا تھا یا نہیں ؟ مقصود تو یہ تھا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی شکست کو چھپانے کے لئے اگرچہ مذکورہ بالا طریقہ اختیار کیا مگر وہ خود بھی سمجھتا تھا کہ یہ ایک دھوکہ ہے اور بس۔

آغازِ مقابلہ

فرعون کا خدشہ بڑھتا ہی رہا اسکو حق و باطل کی اس کشمکش میں اپنے لئے سخت خطرہ نظر آرہا تھا۔ بقول شخصے تنگ آمد بجنگ آمد، اُس نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے خلاف طاقت و قوت کا فیصلہ کر لیا اور یہ دھمکی دی کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو اپنا معبود قرار دیا تو میں تجھکو قید میں ڈال دونگا اور بنی اسرائیل پر اپنی گرفت مضبوط کر دوں گا۔ اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت متانت سے جواب دیا۔

اگرچہ میں تیرے پاس اللہ واحد کی جانب سے ایک واضح دلیل لیکر آیا ہوں تب بھی تیرے غلط راستے کو اختیار کرلوں ؟

فرعون نے کہا اگر واقعی تو سچا ہے تو پھر وہ نشان دکھا ؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھرے دربار میں اپنا عصا زمین پر ڈالا وہ اچانک ایک اژدھا کی شکل اختیار کرلیا اور یہ حقیقت تھی، نظر کا دھوکہ نہ تھا۔

اسکے بعد اپنے ہاتھ کو گریبان کے اندر لے جاکر باہر نکالا تو وہ ایک روشن ستارے کی طرح چمکتا ہوا نظر آیا۔ یہ دوسری نشانی تھی جو پہلی مرتبہ فرعون اور اہل دربار کے آگے پیش کی گئی۔

فرعون کے درباریوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک اسرائیلی کے ہاتھوں اپنی قوم اور اپنے بادشاہ کی شکست ہو رہی ہے تو وہ بیقرار ہو کر کہنے لگے، بلاشبہ موسیٰ بڑا جادوگر ہے اور اس کا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو سرزمین مصر سے باہر کردے اور تختِ مصر پر قابض ہوجائے۔

باہمی مشورہ سے طے پایا کہ فی الحال موسیٰ اور ہارون کو مہلت دی جائے اور اس دوران مملکت کے ماہر جادوگروں کو دار السلطنت میں جمع کیا جائے اور پھر مقابلہ کرایا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہتر ہے ایسا کوئی انتظام ہوجائے اور اس کے لئے ملک کے قومی دن کا انتظار کیا جائے تاکہ اس مقابلہ کا انجام ہر شخص دیکھ سکے۔

یہ نبوت و رسالت کے عزم و ارادہ کا ایک کھلا ثبوت ہے کہ وہ حق کے اظہار کیلئے بڑا سے بڑا خطرہ مول لیتا ہے۔ انبیاء و رسل کو اللہ کی ذات پر کس قدر اعتماد ہوتا ہے وہ اس واقعہ سے بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔

الغرض یوم الزینہ (جشن کا یوم) مقابلہ کے لئے طے پایا، فرعون نے اپنے ارکان دولت کے نام احکام جاری کردیئے کہ مملکت میں جسقدر بھی ماہر جادوگر ہوں انھیں جلد از جلد جمع کرلیا جائے۔

بہرحال جشن کا دن آیا سب لوگ میدان میں جمع ہوگئے۔ فرعون اپنے ارکانِ دولت کے ساتھ میدان میں تخت نشین ہوا۔ لاکھوں افراد حق و باطل کا یہ مقابلہ دیکھنے جمع ہیں۔ ایک جانب مصر کے تمام نامی گرامی جادوگر جمع ہیں دوسری طرف حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام حق وصداقت کے اظہار کیلئے کھڑے ہیں۔ آپس میں گفتگو کے بعد طے پایا کہ مقابلہ کا آغاز جادوگر کریں گے۔

چنانچہ یہ ساری تفصیل آیات ذیل میں اسطرح مذکور ہے :۔

قرآنی مضمون قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ۔الخ

(الشعراء آیات ۲۳ تا ۳۳)

فرعون نے کہا اور یہ ربّ العالمین کیا ہوتا ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا آسمانوں اور زمین کا رب اور اُن سب چیزوں کا رب جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اگر تم یقین کرنے والے ہو؟ فرعون نے اپنے گردوپیش کے لوگوں سے کہا سنتے ہو؟

موسیٰ نے کہا تمہارا ربّ بھی اور تمہارے اُن آبار واجداد کا رب بھی جو گزر چکے ہیں!

فرعون نے (حاضرین سے) کہا تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں بالکل پاگل ہیں۔

موسیٰ نے کہا مشرق و مغرب اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے سب کا رب اگر تم لوگ عقل رکھتے ہوں۔

فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو تجھ کو یقیناً قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

موسیٰ نے کہا اگرچہ میں تیرے آگے ایک کھُلی دلیل لے آوں؟

فرعون نے کہا اچھا تو لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔

پس موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو یکایک وہ حقیقی اژدھا تھا اور (اسکے بعد) انھوں نے اپنا ہاتھ (بغل سے) کھینچا تو وہ سب دیکھنے والوں کے آگے چمک رہا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔الخ

(اعراف آیات ۱۰۴ تا ۱۱۲)

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا فرستادہ رسول ہوں۔ میرا منصب یہی ہے کہ اللہ کا نام لے کر کوئی بات حق کے

سوا نہ کہوں میں تم لوگوں کے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔

فرعون نے کہا اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اسکو پیش کر اگر تو سچا ہے۔

موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو اچانک وہ حقیقی اژدہا تھا۔

(اور پھر) اپنا ہاتھ (اپنی گریبان سے) نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

(اسپر) فرعون کے قوم کے سرداروں نے کہا کہ یقیناً یہ شخص بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تمہیں تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا ہے اب کیا حکم کرتے ہو؟

(پھر اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا) کہا اِسکو اور اسکے بھائی (ہارون کو) مہلت دیجیئے اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے کہ ہر ماہر جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسَىٰ وَهَٰرُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ الخ

(یونس آیات ۷۵ تا ۷۹)

پھر اُن (نبیوں) کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انھوں نے بڑائی کا گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

پس جب ہمارے پاس سے حق اُن کے سامنے آیا تو انھوں نے کہہ دیا یقیناً یہ تو کھلا جادو ہے۔

موسیٰ نے کہا تم لوگ حق کو ایسا کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے سامنے آگیا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کبھی فلاح نہیں پاتے۔

انھوں نے جواب دیا (اے موسیٰ) کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اُس طریقے سے پھیر دے جسپر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

ہے اور زمین میں بڑائی تم دونوں کی قائم ہوجائے تمہاری بات تو ہم
ماننے والے نہیں ہیں۔ اور فرعون نے کہا (اپنے سرداروں سے) ہر
ماہر فن جادوگر کو میرے پاس حاضر کرو۔"

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى۔الخ

(طٰہٰ آیات ۵۶ تا ۵۹)

فرعون نے کہا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا
ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہمارے ملک سے نکال باہر کرے۔
اچھا تو ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لاتے ہیں۔
لہٰذا طے کرلے اپنے اور ہمارے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) نہ ہم اس
سے پھریں گے نہ تو پھرنا کھلے میدان میں۔
موسیٰ نے کہا جشن کا دن تمہارے لئے طے ہوا اور یہ کہ دن
چڑھے لوگ جمع ہوں۔ پس فرعون پلٹا اور اپنے داؤ پیچ جمع کئے پھر
مقابلہ کے لئے آیا۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ۔الخ

(اعراف آیات ۱۰۹ تا ۱۲۷)

فرعون کی قوم کے سرداروں نے آپس میں کہا کہ یقیناً یہ شخص
(موسیٰ) بڑا ماہر جادوگر ہے۔ تم کو تمہاری زمین سے بے دخل کرنا چاہتا
ہے اب کیا کرنا چاہتے ہو؟
اُن سب نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اِسکو اور اسکے بھائی
(ہارون) کو انتظار میں رکھئے اور شہروں میں ہرکارے روانہ کر دیجئے۔ کہ
ہر ماہر فن جادوگر کو آپ کے پاس لے آئیں۔
(چنانچہ) جادوگر فرعون کے پاس آگئے انھوں نے کہا اگر
ہم غالب رہے تو ہمیں اِس کا صلہ تو ضرور ملے گا؟
فرعون نے کہا ہاں! اور تم مقربِ دربار ہوجاؤ گے۔
جادوگروں نے کہا اے موسیٰ تم اپنا جادو ڈالوگے یا ہم

ڈالیں ؟

موسیٰ نے جواب دیا تم ہی ڈالو۔ بس جادوگروں نے اپنا جادو پیش کیا تو لوگوں کی نگاہوں کو مسحور کر دیا اور دلوں کو خوفزدہ کر دیا اور بڑا ہی زبردست جادو لے آئے۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا ڈال دے! (بس اُس کا پھینکنا تھا کہ آن کی آن میں) وہ ان جادوگروں کے جھوٹے کرتبوں کو نگلتا چلا گیا۔ (اس طرح جو حق تھا) پس وہ حق ثابت ہوا اور جو کچھ اُن جادوگروں نے بنایا تھا باطل ہو کر رہ گیا)

پس فرعون اور اُسکے جادوگر مقابلہ میں ہار گئے اور ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے۔ اور جادوگر (اللہ واحد کے لئے) سجدے میں گر پڑے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے

فرعون نے کہا تم موسیٰ پر ایمان لائے قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دوں ؟ یقیناً یہ کوئی خُفیہ سازش تھی جو تم نے اس شہر میں کی تاکہ اسکے باشندوں کو شہر بدر کرو۔ اچھا اس کا نتیجہ اب تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

میں تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا۔ پھر اسکے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

انھوں نے جواب دیا بہرحال ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔ اور تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے اُنھیں مان لیا، اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اُٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں"۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰٓ أَلْقُوا مَآ أَنتُم مُّلْقُونَ۔ الخ۔ (یونس آیات ۸۰ تا ۸۲)

پھر جب جادوگر آگئے تو موسیٰ نے اُن سے کہا جو کچھ تم کو پھینکنا ہو پھینکو۔ پھر جب انھوں نے اپنے جادو کی رسیاں وغیرہ پھینک دیں تو موسیٰ نے کہا یہ جو کچھ تم نے پھینکا ہے یہ جادو ہے اللہ تعالیٰ ابھی اسے باطل کئے دیتا ہے۔ یقیناً اللہ مفسدوں کے کام کو سُدھرنے نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالےٰ حق کو اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائیگا اگرچہ مجرموں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے۔

ظہورِ حق

جادوگر جو اپنے فن کے ماہر اور کامل تھے جب عصا موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ معجزہ دیکھا تو وہ حقیقت حال کو سمجھ گئے اور جس بات کو اس وقت تک فرعون اور اُس کے درباری پوشیدہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اس کو چُھپا نہ سکے اور جادوگروں نے برسرِ عام اعتراف کر لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ عمل جادو سے بالاتر اللہ کا معجزہ ہے۔ اسکو جادو سے کوئی نسبت نہیں اور پھر فوراً اللہ کی عظمت کے آگے سجدہ میں گر پڑے اور اعلان کر دیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لے آئے وہی رب العالمین ہے۔

فرعون نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شکست دینے کی جو آخری صورت تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ مصری عوام بھی ہاتھ سے جائیں اور حضرت موسیٰ اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں تو اس نے مکر و فریب کا ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا ساحروں سے کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ تم سب کا استاذ ہے اور تم سب نے آپسمیں سازش کر رکھی تھی تب ہی تو تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ کے رب پر ایمان لے آئے۔

اب میں تمہیں عبرتناک سزا دوں گا تاکہ آئندہ کسی کو ایسی بے وفائی کی جرأت نہ ہو۔ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے جانب سے کٹواؤں گا اسکے بعد سولی پر چڑھا دوں گا۔

قرآنی مضمون

جادوگروں کا اعترافِ شکست اور فرعون کا غیض و غضب

آیاتِ ذیل میں ظاہر کیا گیا ہے :-

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ الخ

(طٰہٰ آیات ۷۱ تا ۷۶)

قرآنی مضمون

فرعون نے کہا تم میرے حکم کے بغیر موسیٰ پر ایمان لے آئے یقیناً یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا، میں تمہارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کٹواؤں گا اور کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے؟

جادوگروں نے کہا ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کی جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آگئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اُس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر تو زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے۔

ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں کہ وہ ہماری خطائیں بخش دے خصوصاً جادوگری کی خطا کہ جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ ہمارے لئے اللہ ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا وہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو مجرم بنکر اپنے رب کے حضور حاضر ہو گا اُسکے لئے جہنم ہے جسمیں وہ نہ جئے گا اور نہ مرے گا۔

اور جو اُسکے حضور مؤمن کی حیثیت سے حاضر ہو گا کہ نیک عمل کئے ہوں ایسے سب لوگوں کے لئے بلند درجے ہیں۔ جنت عدن کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ جزاء ہے اُس شخص کی جو پاکیزگی اختیار کرے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ الخ

(اعراف آیات ۱۲۳ تا ۱۲۶)

فرعون نے کہا تم اسپر ایمان لے آئے ہو قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دیتا؟ یقیناً یہ کوئی خفیہ سازش تھی جو تم لوگوں نے اس

دار السلطنت میں کی تاکہ تم اسکے رہنے والوں کو نکال باہر کرو اچھا تو اب اسکا نتیجہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔
میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کٹوا دوں گا اسکے بعد تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔
جادوگروں نے جواب دیا بہر حال ہمیں اپنے رب ہی کی طرف پلٹنا ہے۔
تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے انھیں مان لیا۔
اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دنیا سے اُٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں"۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الخ
(الشعراء آیات ۴۶ تا ۵۱)

پس سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔
کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے۔ جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔
فرعون نے کہا تم نے موسیٰ کی بات مان لی قبل اسکے کہ میں تمہیں اجازت دیتا ضرور یہ تمہارا بڑا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ اچھا ابھی تم جان لوگے میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹواؤں گا اور تم سب کو ضرور سولی پر چڑھا دوں گا۔
جادوگروں نے جواب دیا کچھ پروا نہیں ہم اپنے رب کے حضور پہنچ جائیں گے۔ اور ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف کر دیگا کیونکہ سب سے پہلے ہم ایمان لائے ہیں۔

انتقامی کاروائی

تاریخی روایات میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جادوگروں

کے ایمان لانے کے بعد قومِ فرعون کے چھ لاکھ آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ اس طرح اس مقابلہ سے پہلے تو صرف دو فرد حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے مخالف تھے۔ اب ایک بہت بڑی جمعیت فرعون کی مخالف ہوگئی اور یہ صورتِ حال ایسی نہ تھی کہ اس پر سکوت اختیار کیا جائے۔ دربار میں مشورے ہوئے اور یہ طے پایا کہ بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہو اسکو قتل کر دیا جائے۔ قتلِ اولاد کا یہ حکم اس لئے دیا گیا تاکہ بنی اسرائیل میں اس سے سراسیمگی اور خوف و دہشت پیدا ہو جائے اور لوگ اپنے سابقہ دین پر لوٹ آئیں اور ان کی طاقت و قوت بڑھنے نہ پائے۔ قتلِ اولاد کا یہ حکم دوسری مرتبہ جاری کیا گیا، پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کیا گیا تھا اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت اور رسالت کے دور میں جاری ہوا۔ فرعون کی جانب سے بڑے پیمانے پر انتقامی کاروائی کا تذکرہ آیاتِ ذیل میں اسطرح موجود ہے:-

قرآنی مضمون

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ

(اعراف آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹)

اور فرعون کی قوم میں سے ایک جماعت نے فرعون سے کہا کیا تو موسیٰ اور اسکی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ وہ زمین مصر میں فساد کرتے پھریں اور تجھکو اور تیرے معبودوں کو ٹھکرائیں، فرعون نے کہا ہم اُن کے لڑکوں کو قتل کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو (باندیاں بنانے کے لئے) زندہ رکھیں گے اور ہم اِن پر ہر طرح غالب ہیں۔

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اللہ سے مدد چاہو اور صبر کرو۔ بلاشبہ زمین اللہ کی مِلک ہے وہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے وارث بنا دیتا ہے اور اچھا انجام اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔

قوم نے جواب دیا اے موسیٰ آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم مصیبت میں تھے اور آپ کے پیغام لانے کے بعد بھی مصیبت ہی

میں گرفتار ہیں، موسیٰ نے کہا وہ وقت قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو برباد کردے گا اور تم کو زمین کا خلیفہ بنادے گا اور پھر دیکھے گا کہ تم کس طرح عمل کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ الخ

(المؤمن آیت ۲۳ تا ۲۷)

"اور ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام اور واضح دلیل دیکر بھیجا فرعون اور ہامان اور قارون کی جانب تو انھوں نے کہا (موسیٰ) ساحر ہے کذاب ہے۔

پھر جب موسیٰ ہماری طرف سے حق اُن کے سامنے لے آئے تو اُنھوں نے کہا کہ جو لوگ موسیٰ کے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کے بیٹوں کو قتل کر ڈالو اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو (مگر) کافروں کی چال اکارت ہی گئی۔

(اور ایک روز) فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا چھوڑو مجھے، میں موسیٰ کو قتل کئے دیتا ہوں اور اسکو چاہیئے کہ اپنے رب کو پکارے مجھکو اندیشہ ہے کہ وہ (کہیں) تمہارے دین (نہ) بدل ڈالے یا ملک میں کوئی خرابی پھیلائے۔

موسیٰ نے کہا میں نے ہر اُس متکبر کے مقابلے میں جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے۔"

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔ الخ

(یونس آیات ۸۷ تا ۸۹)

اور ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کے پاس وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنے اُن لوگوں کے لئے (بدستور) مصر میں گھر برقرار رکھو اور تم سب اپنے اُنھیں گھروں میں نماز پڑھنے کی جگہ قرار دے لو۔ اور نماز کے پابند رہو اور (اے موسیٰ) آپ مسلمانوں کو بشارت دے دیں۔

اور موسیٰ نے (دُعا میں) عرض کیا کہ اے ہمارے رب آپنے

فرعون کو اور اُسکے سرداروں کو سامانِ زینت اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب اسی واسطے دیئے ہیں کہ وہ آپ کی راہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں، اے ہمارے رب اُن کے مالوں کو نیست و نابود کر دیجئے اور اُن کے دلوں کو سخت کر دیجئے۔ سو یہ ایمان نہ لانے پائیں یہاں تک کہ عذاب الیم کو دیکھ لیں۔

اللہ نے فرمایا تم دونوں کی دُعا قبول کر لی گئی سو تم مستقیم رہو اور اُن لوگوں کی راہ نہ چلنا جن کو علم نہیں ہے۔

مردِ مؤمن

فرعون نے اگرچہ اپنے سرداروں اور اہل دربار کو یہ اطمینان دلا دیا تھا کہ موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون (علیہما السّلام) سے تمہیں کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ان کی اولاد کا سلسلہ چلنے والا نہیں اور انجام کار بنی اسرائیل خود بخود اقلیت میں آجائیں گے اور ہمیشہ کی طرح ہماری غلامی کی خدمت انجام دیا کریں گے۔ لیکن فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے غلبہ اور تسلّط کا خوف دل ہی دل میں پریشان کئے ہوئے تھا۔ قتلِ اولاد کے حکم سے بھی اُسکو سکون نہ تھا، آخر اُس نے یہی فیصلہ کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام ہی کو قتل کر دیا جائے تاکہ اندیشہ کا خاتمہ ہی ہو جائے۔

ایک روز اپنے اہل دربار سے کہا اگر موسیٰ کو ہم نے یوں ہی چھوڑ دیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ یہ تمہارے دین کو بھی آہستہ آہستہ بدل ڈالے اور ملک مصر میں فساد مچا دے۔ لہٰذا مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا جائے۔ اہل دربار نے اسکی رائے سے اتفاق کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو جب اس کاروائی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایسے متکبّر و مغرور سے کیا خوف کروں جو اللہ کے یوم حساب سے نہیں ڈرتا۔ میرا سہارا تو میرا پروردگار ہے میں اُسی کی پناہ میں ہوں۔

فرعون اور اسکے اہل دربار کی اس گفتگو میں ایک مصری "مردِ مومن" بھی موجود تھا جس نے ابھی تک اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا اُس نے جب یہ سُنا تو اپنا

ایمان ظاہر کئے بغیر اہلِ دربار سے یوں مخاطب ہوا:۔

"اے لوگو! تم اُسکو قتل کرنیکی رائے ظاہر کرتے ہو اس سے پہلے کہ تم اپنے ارادے کو پورا کرو ایک بات پر پھر غور کرلو، اُس شخص (موسیٰ) نے تمہیں ایسی کُھلی کُھلی نشانیاں دکھادی ہیں جس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہوچکی ہے کہ وہ تمہارے رب کا فرستادہ ہے۔ اگر ایسی صریح نشانیوں کے باوجود تم اُس کو جھوٹا سمجھتے ہو تب بھی تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ اسکو قتل کردو بلکہ اُسکو اُسکے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ دوسرا قوی احتمال یہ بھی ہے کہ اگر وہ سچا ہے تو پھر تم اس کو قتل کرکے اللہ کے عذاب میں مبتلا ہوجاؤگے۔"

ائمہ تفسیر میں حضرت مقاتلؒ اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ مردِ مومن فرعون کا چچا زاد بھائی تھا اور یہ وہی شخص تھا جو شہر کے کنارے سے دوڑ کر آیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خبر دی تھی کہ اے موسیٰ قبطی کے قتل کے مقدمہ میں اہلِ دربار نے تم کو قصاصاً قتل کردینے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا میں تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ تم فوری ملک مصر سے ہجرت کرجاؤ۔

بعض مفسرین نے اس مردِ مومن کا نام حبیب بیان کیا ہے اور بعض نے شمعان لکھا ہے۔ اور مشہور مؤرخ ثعلبی نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا نام حزقیل نقل کیا ہے۔

مؤرخ سہیلی نے دوسرے نام شمعان کو ترجیح دی ہے کیونکہ حبیب اُس شخص کا نام ہے جسکا واقعہ سورہ یٰسین میں آیا ہے۔

قرطبیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیقین صرف چند ایک ہیں، ایک حبیب نجار جن کا قصہ سورۂ یٰسین میں موجود ہے۔ دوسرے آلِ فرعون کا "رجلِ مومن" تیسرے ابوبکر صدیقؓ اور یہ اِن سب میں افضل ہیں۔"

آیاتِ ذیل میں اسی رجلِ مؤمن کا خطاب نہایت وضاحت سے بیان کیا گیا ہے یہ تاریخ بنی اسرائیل کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جسکو خود بنی اسرائیل فراموش کرگئے ہیں۔ یہ

قصۂ انبیاء کرام کی دعوت و تبلیغ کے ضمن میں بڑی اہمیت اور قدر و قیمت رکھتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت میں جہاں فرعون، ہامان، قارون جیسے متکبّر اور مغرور انسان نظر آتے ہیں وہاں حق و صداقت کی تائید و نصرت کرنے والے، پہاڑوں سے زیادہ سخت و بلند تر حوصلہ رکھنے والے افراد بھی انبیاء کی دعوت و تبلیغ سے پیدا ہوئے ہیں۔

فرعون کے بھرے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا مردِ مومن اس طرح مخاطب ہے:-

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗٓ الخ

(المؤمن آیات ۲۸ تا ۴۴)

قرآنی مضمون

ایک مومن شخص جو فرعون کے خاندان سے تھا (اور اب تک) اپنا ایمان پوشیدہ رکھا تھا، کہنے لگا کیا تم ایک شخص کو محض اس بات پر قتل کرتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بیّنات لے کر آیا ہے اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اسی پر پلٹ پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو وہ جو کچھ پیشین گوئی کر رہا ہے اُس میں سے کچھ تو تم پر ضرور ہی واقع ہو گا۔ اللہ کسی ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزر جانے والا اور جھوٹا ہو۔

اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں بادشاہی حاصل ہے کہ اس سرزمین میں تم حاکم ہو لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو پھر کون ہے جو ہماری مدد کر سکے گا، فرعون نے کہا میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جو مجھے مناسب معلوم ہوتی ہے اور میں اُسی راستے کی طرف تمہاری رہنمائی کرتا ہوں جو بالکل ٹھیک ہے۔

(بہر حال) وہ شخص جو ایمان لایا تھا اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی وہ دن نہ آ جائے جو اس سے پہلے بہت سی جماعتوں پر آ چکا ہے۔ جیسا دن قوم نوح اور عاد اور ثمود اور اُنکے بعد والوں پر آیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی

ارادہ نہیں رکھتا۔

اور اے قوم مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر فریاد وفغاں کا دن نہ آجائے (یعنی قیامت کا دن) جس دن تم پُشت پھیر کر بھاگ کھڑے ہوگے مگر اُس وقت اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور سچ یہ ہے کہ جسے اللہ بھٹکا دے اُسے پھر کوئی راستہ دکھانے والا نہیں ہے۔

اور اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) بھی تمہارے پاس بیّنات لیکر آئے تھے مگر تم اُن کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے شک ہی میں پڑے رہے پھر جب اُن کا انتقال ہوگیا تو تم نے کہا اب اُن کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجے گا، اسی طرح اللہ اُن سب لوگوں کو گمراہی میں ڈال دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے (اور) شکی ہوتے ہیں۔ اور جو اللہ کی آیات میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر اسکے کہ اُن کے پاس کوئی دلیل آئی ہو۔ یہ رویہ اللہ اور ایمان لانے والوں کے نزدیک سخت مبغوض ہے۔ اس طرح اللہ ہر متکبّر جبّار کے دل پر ٹھپّہ لگا دیتا ہے۔

فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر تاکہ میں آسمان پر جانیکی راہوں تک پہنچ جاؤں۔ پھر (وہاں سے) موسیٰ کے خدا کو دیکھوں۔ اور میں تو دراصل موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اس طرح فرعون کے لئے اسکی بدعملی خوشنما بنادی گئی اور وہ راہِ راست سے روک دیا گیا اور فرعون کی ساری چالبازی (اُس کی اپنی) تباہی کے راستے میں ہی کام آئی۔

اور اُس مومن شخص نے کہا اے میری قوم کے لوگو میری بات مانو میں تمہیں صحیح راستہ بتاتا ہوں۔ اے میری قوم! یہ دنیا کی زندگی تو چند روزہ ہے اور ہمیشہ قیام کی جگہ آخرت ہی ہے۔ جو بُرائی کرے گا اُس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اُس نے بُرائی کی ہے اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ ہو وہ مومن۔ ایسے سب لوگ جنّت میں داخل ہوں گے جہاں اُن کو بے حساب رزق دیا جائے گا۔

اور اے میری قوم کے لوگو! آخر یہ کیا بات ہے کہ میں تو تم لوگوں کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم لوگ مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو۔ تم لوگ مجھے اس بات کی دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اُسکے ساتھ ان ہستیوں کو شریک ٹھیراؤں جنہیں میں نہیں جانتا حالانکہ میں تمہیں اُس زبردست مغفرت کرنے والے خدا کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔

حق یہ ہے اور اسکے خلاف نہیں ہوسکتا کہ جن کی طرف تم مجھے بُلا رہے ہو وہ نہ دنیا ہی میں کوئی پکارے جانے کے لائق ہے اور نہ آخرت ہی میں، اور حقیقت یہ ہے کہ ہم سب کو اللہ کے پاس جانا ہے اور حد سے گزرنے والے ہی اہل جہنم ہیں۔

پس آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد کروگے اور میں اپنا معاملہ اللہ ہی کے سپرد کرتا ہوں بیشک وہ اپنے بندوں کا نگہبان ہے۔"

مردِ مؤمن اور انجام خیر

آل فرعون کے اس حق پرست انسان کی تقریر کا آخری جُملہ :-

"آج جو کچھ میں کہہ رہا ہوں عنقریب وہ وقت آئے گا جب تم اُسے یاد کروگے اور میں اپنا معاملہ تو اللہ کے سپرد کرتا ہوں"

اس آخر جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں کہتے وقت اُس مردِ مومن کو پورا یقین تھا کہ اس حق گوئی کی پاداش میں پوری قوم کا عتاب اس پر ٹوٹ پڑے گا اور اسی پر بس نہیں ہوگا بلکہ اپنے اعزازات و مفادات کے علاوہ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا، مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی محض اُس نے اللہ کے بھروسے پر اپنا وہ فرض انجام دیدیا جو دنیا میں صرف اُولوالعزم انسان ہی دیا کرتے ہیں۔

امام تفسیر حضرت مقاتلؒ لکھتے ہیں کہ اس مرد مومن کے پیچھے قوم فرعون ٹوٹ پڑی اور یہ کسی طرح ایک پہاڑ کی طرف بھاگ نکلے اور اُن کی گرفت میں نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ

نے قوم فرعون کی بُری تدبیروں سے اُن کو بچا لیا مگر خود قوم فرعون سخت عذاب میں پکڑی گئی جسکا انجام غرقابی کی شکل میں ظاہر ہوا اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ، مردِ مومن کے انجام کے سلسلے میں یہ آیات آئی ہیں۔ اسی طرح آل فرعون کے انجام کے بارے،

قرآنی مضمون فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ. الخ (المؤمن آیات ۴۵ تا ۵۰)

آخر کار اُس مرد مومن کو اللہ تعالٰے نے اُن لوگوں کی بُری چالوں سے جو اُنھوں نے اُسکے خلاف چلیں بچا لیا اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے چکر میں آگئے۔

دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کیے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔ پھر ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دُنیا میں جو لوگ کم درجہ تھے وہ بڑے درجے والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے ہی تابع تھے اب کیا یہاں تم نارِ جہنم کی تکلیف کے کچھ حصّے سے ہم کو بچا لوگے؟ وہ بڑے درجے والے جواب دیں گے۔ ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں بلاشبہ اللہ بندوں کے درمیان قطعی فیصلہ کر چکا ہے۔

پھر یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے پہرہ داروں سے کہیں گے (اے فرشتو) اپنے رب سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے عذاب میں بس ایک دن ہی کی تخفیف کر دے۔

وہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس رسول بیّنات لیکر نہیں آئے تھے؟ جواب دیں گے ہاں کیوں نہیں! جہنم کے پہرہ دار کہینگے پھر تو تم ہی دُعا کرو اور کافروں کی دُعا اکارت ہی جانے والی ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ جانوروں کی شکل میں

ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور انھیں جہنم دکھلا کر کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

تسع آیات (نو معجزے)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ مسلسل کا فرعون اور اسکے سرداروں پر مطلقاً اثر نہیں ہوا، سوائے معدودے چند سب نے مخالفت و بغاوت اختیار کرلی۔ پھر بنی اسرائیل کی ذبح اولاد کا قانون چل پڑا جسکے نتیجے میں مظلوم بنی اسرائیل کی اولاد نرینہ ذبح ہونے لگی اور فرعون کی پرستش کا زور شور سے رواج شروع ہوا۔

اس درمیان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ فرعون اور فرعونیوں کو خبردار کر دیا جائے کہ اگر یہ ہی طور و طریقہ جاری رہا تو عنقریب اللہ کا عذاب نازل ہونے والا ہے۔ اس آگاہی پر بھی کوئی توجہ نہ دی گئی تو تب یکے بعد دیگر عذاب الٰہی آنے شروع ہوئے۔ جب کسی عذاب سے پریشان ہو جاتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرتے کہ یہ عذاب اپنے رب سے دُعا کرکے دُور کر دیا جائے تو ہم ایمان لے آئینگے پھر جب وہ عذاب جاتا رہتا تو پھر وہی روش اختیار کر لیتے۔ اسی طرح خدا کی طرف سے انھیں ہر بار مہلت دی جاتی رہی لیکن ہر بار پہلے سے زیادہ ہی سرکشی اختیار کر لیتے، جب انھوں نے اسکو ایک مذاق بنالیا تو پھر اللہ کا وہ آخری عذاب آیا جسکے نتیجے میں فرعون اور اہل فرعون غرق کر دیئے گئے۔ وہ عذاب جس کو قرآن حکیم نے "آیات بیّنات" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے کس قسم کے تھے اور ان کی تعداد کتنی تھی؟ اسکی کوئی واضح تحدید متعین نہیں کی جاسکتی۔ سورۂ بنی اسرائیل میں نو ۹ نشانیوں کا ذکر ملتا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ الآیۃ۔ (آیت ۱۰۱)

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانات دیئے۔

اور سورہ طٰہٰ، نمل، زخرف، النازعات میں تعداد کی وضاحت کے بغیر صرف "آیات" کہکر ذکر کیا گیا کہیں "آیات بیّنات" اور کہیں "آیات مفصّلات" اور ایک موقعہ پر الآیۃ الکبریٰ اور کہیں آیاتنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ان تفصیلی اور اجمالی تعبیرات کے علاوہ مذکورہ بالا سورتوں میں علیحدہ علیحدہ

نشانات کا بھی ذکر موجود ہے۔ اگر اِن سب کو جمع کر دیا جائے تو حسب ذیل فہرست مرتب ہو سکتی ہے:۔

عصٰا[1]، ید بیضا[2]، سنین[3] (قحط سالی) نقص ثمرات[4] (پھلوں کا نقصان) طوفان[5]، جراد[6] (ٹڈی دل) قمل[7] (جوں) ضفادع[8] (مینڈک) دم[9] (خون) فلق بحر[10] (دریا کا پھٹ جانا) من و سلوٰی[11] (حلوا اور بٹیر) غمام[12] (بادل کا سایہ) انفجار عیون[13] (پتھر سے چشموں کا بہہ پڑنا) نتق جبل[14] (پہاڑ کا اکھڑ کر سروں پر آجانا) نزول تورات[15]۔

یہ پندرہ آیات تو ایسی ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ کتب حدیث میں مزید تشریح بھی ملتی ہے۔

ترمذی شریف جلد دوم کتاب التفسیر میں حضرت صفوان بن عسال رض کی ایک حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک مرتبہ دو یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئ نبوت کا امتحان لینا چاہیئے۔ مشورہ کے بعد وہ آپ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ کو جو تسع آیات (نو آیات) دیئے تھے اُن کی تشریح کیجئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ نو آیات یہ ہیں:۔

"شرک نہ کرنا، زنا نہ کرنا، کسی کا ناحق قتل نہ کرنا، چوری نہ کرنا، جادو نہ کرنا، سُود نہ کھانا، پاک دامن کو تہمت نہ لگانا، میدان جنگ سے فرار نہ ہونا اور اے یہود تمہارے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ حکم بھی تھا کہ یوم سبت (ہفتہ کے دن) کی خلاف ورزی نہ کرنا۔"

یہ سُنکر وہ یہودی آپ کے ہاتھ چومے اور واپس چلے گئے۔

(ترمذی)

اس طرح تسع آیات کی ایک تشریح یہ بھی ملتی ہے، لیکن یہ تشریح قرآنی تشریح سے بالکل مختلف ہے۔ قرآن میں جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اُن میں سے ایک بھی اسمیں شامل نہیں ہے۔ اس لئے مفسرین کرام نے اس حدیث کا مختلف طور پر جواب دیا ہے جو علم حدیث سے تعلق رکھتا ہے جس کا یہاں موقعہ نہیں۔

تسع آیات کی ایک اور تشریح حضرت ابن عباس رض سے بھی منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ تسع آیات سے مراد حسب ذیل نشانیاں ہیں:۔

عصا[1]، ید بیضا[2]، سنین[3]، نقص ثمرات[4]، طوفان[5]، جراد[6]، قمل[7]، ضفادع[8]، دم[9]۔
ائمہ تفسیر حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت شعبیؒ، حضرت قتادہؒ نے بھی اس تشریح کی تائید کی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے قول کو قابل ترجیح قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ آیات کا لفظ قرآن حکیم میں معجزے اور احکام الٰہیہ دونوں معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اسی لئے مفسرین کی ایک جماعت نے تسع آیات سے معجزے مراد لئے ہیں اور نو۹ کے عدد سے حصر مراد نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ جملہ معجزات نو۹ سے زائد نہ ہوں۔ آیت مذکورہ میں کسی خاص اہمیت کے پیش نظر نو۹ عدد کی تصریح کی گئی ہے اور جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا ہے ایک صحیح حدیث میں ان نو۹ آیات سے احکام الٰہیہ مراد ہیں۔ اس لئے بعض دیگر مفسرین نے تسع آیات سے احکام الٰہیہ مراد لیا ہے۔

الغرض حضرت ابن عباسؓ نے تسع آیات کی جو تفصیل بیان فرمائی ہے اس کی وضاحت مفسرین کرام نے اس طرح بیان کی ہے:۔

(۱) **عصا**۔ اس لکڑی کا نام ہے جو عام طور پر چلتے پھرتے سہارے کا کام دیتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ خاص لکڑی جو جنت سے اتاری گئی تھی اسکی خاصیت یہ تھی کہ اگر اسکو پتھر پر مارا جائے تو اسکے ضرب سے پتھر میں پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ یہ لکڑی حسب ضرورت دراز بھی ہو جاتی تھی جسکے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جانوروں کے لئے اونچے درختوں سے پتے جھاڑ لیا کرتے تھے۔ اس لکڑی کو سحر کے مقابلہ میں ڈال دیا جاتا تو وہ اژدہا بنکر جادو کے سارے کرتبوں کو ہضم کر جاتا تھا۔ فرعونی جادوگروں کے مقابلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی لکڑی کو پھینک کر وہ عظیم الشان مظاہرہ کیا کہ جادوگر حیران رہ گئے اور اپنے جادو سے توبہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے جسکا تذکرہ گزشتہ اوراق میں تفصیل سے آچکا ہے۔

(۲) **ید بیضا**۔ جسکا ترجمہ روشن ہاتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ داہنا ہاتھ تھا جو معجزے ظاہر کرنے کے کام میں آتا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر باہر نکالتے تو وہ نصف النہار کے

سورج کی طرح چمکنے لگتا تھا۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں۔ اس وقت ہاتھ کو دیکھنے کی تاب نہ رہ سکتی تھی۔ پھر جب اسکو دوبارہ گریبان میں ڈال لیتے تو وہ عام ہاتھ کی طرح ہوجاتا تھا۔ اس معجزے سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی۔ اور فرعون کے دربار میں بھی اس کا کئی بار مظاہرہ فرمایا تھا۔

(۳) **سنین** (قحط سالی) فرعون اور اہل فرعون کی مسلسل بغاوت وسرکشی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں ایک ہولناک قحط سالی کی پیشین گوئی فرمائی جسکو قوم نے مزاح اور دھمکی سے تعبیر کیا لیکن جب وہ شروع ہوا تو بلبلا اُٹھے۔ تفسیری روایات کے مطابق یہ قحط ان کے شہروں پر مسلسل سات سال تک رہا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت قتادہؒ کی روایت کے مطابق قحط اور خشک سالی کا عذاب گاؤں کے لئے تھا اور پھلوں کی کمی کا عذاب شہروں پر مسلّط تھا۔ اس طرح غلہ اور پھلوں کی کمی کے باعث پوری قوم کا عرصۂ حیات تنگ ہوچکا تھا۔

(۴) **نقص ثمرات**۔ (یعنی پھلوں کی کمی کا عذاب) جیسا کہ بیان کیا گیا قحط سالی میں جہاں ہر قسم کی پیداوار بند ہوگئی اسی طرح ایک عذاب پھلوں کی کمی کا بھی آیا جس کی وجہ سے شہر کے باغات اُجڑ گئے اور پورا ملک ویران سا ہوگیا۔ دراصل کسی بھی شہر کی خوبصورتی کے لئے درخت اور باغات ضروری ہیں۔ کوہستانوں میں اس لئے وحشت برستی ہے کہ وہاں سرسبزی کا نام ونشان نہیں ہوتا اور اگر یہی کیفیت شہروں میں قصبوں میں پیدا ہوجائے تو انسانی آبادی کے لئے بدترین مصیبت پیدا ہوجاتی ہے۔ اہل فرعون کی مسلسل نافرمانی وظلم کے نتیجے میں ایک عذاب اس قسم کا آیا۔

(۵) **طوفان**۔ اکثر مفسرین کرام نے اس طوفان سے پانی کا طوفان مراد لیا ہے جس میں اولے بھی برستے تھے۔ اگرچہ طوفان دوسری چیزوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ قوم فرعون کے سب گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا نہ کہیں بیٹھنے لیٹنے کی جگہ رہی نہ زمین میں کاشت کرنے کا موقعہ رہا۔

(۶) **جراد** ۔ (ٹڈیوں کا عذاب) اس سے مراد ٹڈی دل ہے جو غول بیابانی کی شکل میں کھیتوں اور باغات پر ٹوٹ پڑتا ہے اور آناً فاناً میلوں لمبے چوڑے کھیتوں کو چٹ کر جاتا ہے۔ اگر یہ ایک مرتبہ بھی آجائے تو پوری فصل تباہ ہو جاتی ہے جبکہ یہ بطور عذاب اُن پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ جب کبھی کھیت اور باغات سرسبز ہوئے یہ دل ٹوٹ پڑتا اور سب چٹ کر جاتا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ یہ ٹڈیاں لکڑی کے دروازوں اور چھتوں اور گھریلو سامان سب کو کھا گئیں۔

(۷) **قُمّل** ۔ جسکے معنی جُوں کے ہیں۔ اِس کا اطلاق جُوں، چھوٹی مکھی، مچھر، سُرسُری وغیرہ پر کیا جاتا ہے۔ قمّل کا یہ عذاب بھی وبائی شکل میں آیا۔ اناج اور غلّے میں بھی یہ اتنی کثرت سے پیدا ہو گئے کہ کسی محفوظ ذخیرہ کو بھی تباہ کئے بغیر نہ چھوڑا۔ ملک کے سارے گودام بھوس کی طرح مغز سے خالی ہو گئے۔ دوسری طرف انسانی سروں اور کپڑوں میں بھی بکثرت پیدا ہو گئے، سروں کے بال اکھڑ گئے اور چہرے بے رونق ہو گئے۔ اس عذاب نے بھی ساری زندگی تلخ کر دی۔

(۸) **ضفادع** ۔ (مینڈکوں کا عذاب) مینڈک کی پیدائش اور رہائش عموماً پانی میں ہوا کرتی ہے اور یہ مخلوق دراصل پانی کے جانوروں میں شمار ہوتا ہے لیکن جب اللہ کے عذاب کے طور پر مسلط ہو جائے۔ تو اِن مینڈکوں نے انسانی گھروں کا رُخ کیا۔ اس کثرت سے گھروں میں پیدا ہونے لگے کہ کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی جہاں مینڈکوں نے اپنا ٹھکانہ نہ بنالیا ہو۔ بستروں میں، کپڑوں میں، کھانے پینے کے برتنوں میں۔ حتیٰ کہ پکی ہوئی غذاؤں تک میں پیدا ہو گئے۔

اس حیرتناک عذاب سے سب رو پڑے اور ہر دفعہ کی طرح وعدہ کیا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کریں گے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے یہ عذاب دور ہوا تو پھر وہی مخالفت وسرکشی شروع کر دی۔

(۹) **دم** ۔ (خون کا عذاب) اس سے مراد ایسا عذاب تھا جو ہر کھانے پینے کی چیزوں کو خون میں تبدیل کر دیا کرتا تھا۔ جب کوئی غذا تیار کی جاتی تو تیار ہونے کے بعد معاً خون بن جاتی۔ کنویں، حوض، نہر کسی بھی ذریعہ سے پانی نکالا جائے

تو وہ خون کی شکل میں برآمد ہوتا۔ بھوک و پیاس سے عاجز و درماندہ ہو گئے۔ نجات کی کوئی صورت نہ تھی جو انہیں میسر آتی اور مفسرین کرام یہ عجیب و غریب بات بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر ایک اسرائیلی (قوم موسیٰ) اور ایک فرعونی کھانا کھاتے تو جو لقمہ اسرائیلی اٹھاتا وہ اپنی حالت پر کھانا ہوتا تھا اور جو لقمہ یا پانی کا گھونٹ فرعونی اُسی دستر خوان سے منہ میں لیتا، خون بن جاتا۔ یہ عذاب بھی بدستور سات دن تک باقی رہا۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے رفع ہوا لیکن قوم پھر وہی بغاوت پر اُتر آئی۔

قرآن حکیم نے اِن سارے عذاب کے تذکرے کے بعد یہ خصوصی نوٹ بھی بیان کیا ہے۔

> اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو یوں کہتے اے موسیٰؑ ہمارے لئے اپنے رب سے اس بات کی دُعا کرو جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے (یعنی اپنے رب سے دُعا کرنے کے بعد) تو ہم ضرور بالضرور آپ کے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو بھی رہا کر کے آپ کے ہمراہ کر دیں گے۔ پھر جب ہم اُن سے اُس عذاب کو اُسی مدت کے لئے ہٹا دیتے جس تک اُنھیں پہنچنا تھا تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگتے۔
>
> (اعراف آیت ۱۳۴، ۱۳۵)

ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ اِن میں سے ہر عذاب قوم فرعون پر سات روز تک مسلط رہتا تھا۔ ہفتہ کے دن شروع ہوتا پھر دوسرے ہفتے کو دور ہو جاتا پھر تین ہفتے کی اِنھیں مہلت دی جاتی تھی تاکہ وہ توبہ کر لیں لیکن جونہی وہ عذاب رفع ہوتا سرکشی و بغاوت پر اُتر آتے۔

امام بغویؒ نے ان ہی حضرت ابن عباسؓ سے ایک اور روایت نقل کی ہے کہ جب پہلی مرتبہ قوم فرعون پر قحط کا عذاب آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے رفع ہو گیا مگر یہ لوگ اپنی سرکشی سے باز نہ آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی اے میرے پروردگار یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ عذاب قحط سے بھی متأثر نہیں ہوئے اور معاہدہ کر کے پھر گئے۔ اب ان پر کوئی ایسا عذاب مسلط فرما دیجئے جو اِن کے لئے دردناک ہو

اور میری قوم کے لئے وعظ کا کام بھی دے اور بعد میں آنے والوں کے لئے درس عبرت بنے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر یکے بعد دیگر عذاب کا سلسلہ جاری فرما دیا۔ تسع سنین کی تفصیلات اور فرعون اور قوم فرعون کا ظلم و نا فرمانی آیاتِ ذیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

قرآنی مضمون

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ الخ

(نمل آیت ۱۲)

اور داخل کر تو اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں وہ نکلے گا روشن ہو کر۔ بغیر کسی مرض، وعیب کے (یہ اُن) نو آیات میں سے ایک ہے جو فرعون اور اسکی قوم کے لئے بھیجی گئیں بلاشبہ وہ نافرمان قوم تھی۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى فَكَذَّبَ وَعَصٰى الآیہ

(النازعات آیت ۲۰، ۲۱)

پس دکھایا اُس فرعون کو ایک بڑا نشان (یعنی عصا کا نشان) پھر اُس نے جھٹلا دیا اور نافرمانی کی۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ (اعراف آیت ۱۰۷، ۱۰۸)

پس ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو وہ اچانک ایک واضح اژدھا تھا۔ اور گریبان سے اپنا ہاتھ کھینچا تو وہ دیکھنے والوں کے آگے روشن تر تھا۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ الخ (اعراف آیت ۱۳۰ تا ۱۳۵)

اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو کئی سال تک قحط اور پھلوں کی کمی (کے عذاب) میں پکڑ لیا کہ شاید ان کو ہوش آجائے۔

مگر اُن کا یہ حال تھا کہ جب اچھا زمانہ آتا تو کہتے کہ ہم اسی کے

مستحق ہیں اور جب بُرا زمانہ آتا تو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنے لئے فالِ بد ٹھیراتے۔ حالانکہ اُنکی فالِ بد تو درحقیقت اللہ کے پاس تھی مگر اِن میں اکثر بے علم تھے۔

اُنھوں نے موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ تو ہمیں مسحور کرنے کے لئے خواہ کوئی نشانی لے آئے ہم تیری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

آخرکار ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈی دل، جُوئیں، مینڈک اور خون (کے عذاب) بھیجے۔ یہ سب نشانیاں علیحدہ علیحدہ تھیں مگر وہ سرکشی کئے چلے گئے اور وہ بڑے ہی مجرم لوگ تھے۔ جب کبھی بھی اُنپر کوئی بلا نازل ہوتی تو کہتے اے موسیٰ تجھے اپنے رب کی طرف سے جو منصب حاصل ہے اس کی بنا پر ہمارے حق میں دُعا کر، اگر اب کے تو ہم پر سے یہ بلا ٹلوا دے تو ہم تیری بات مان لیں گے اور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔

پھر جب ہم اُنپر سے وہ عذاب ایک وقت مقرر تک کے لئے جسکو وہ بہرحال پہنچنے والے تھے ہٹا لیتے تو وہ یکلخت اپنے عہد سے پھر جاتے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الخ

(بنی اسرائیل آیت ۱۰۱)

اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں عطا کیں۔

اب تم خود بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب وہ سامنے آئیں تو فرعون نے کہا کہ اے موسیٰ میں سمجھتا ہوں کہ تو ایک سحرزدہ آدمی ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓی اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ الخ

(الشعراء آیات ۴۳ تا ۴۸)

موسیٰ نے کہا (اے جادوگرو) پھینکو جو تمہیں پھینکنا ہے؟

اُنھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں پھینک دیں اور بولے عزتِ فرعون کی قسم ہے ہم ہی غالب ہوں گے۔ پھر موسیٰ نے اپنا عصا

ڈال دیا تو یکایک وہ اِن کے جھوٹے کرشموں کو ہڑپ کرتا چلا گیا۔ اسپر سارے جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے رب العالمین پر جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّىْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الخ (الزخرف آیات ۴۶ تا ۴۸)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُسکے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا تو اُس نے جا کر کہا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔

پھر جب اُس نے ہماری نشانیاں اُن کے سامنے پیش کیں تو وہ ٹھٹھے مارنے لگے۔

ہم یکے بعد دیگر اُن کو ایسی نشانی دکھاتے چلے گئے جو پہلی سے بڑھ چڑھ کر تھی اور ہم نے اُن کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ وہ اپنی روش سے باز آئیں۔

تعاقب اور فلق بحر

سورۂ اعراف میں یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اطلاع کے مطابق کوئی عذاب عام مصر پر نازل ہوتا تو فرعون حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے کہتا تھا کہ اے موسیٰ تم اللہ سے دُعا کر کے اس عذاب کو دُور کروا دو، پھر جو کچھ تم کہتے ہو وہ ہم مان لیں گے۔ مگر جب وہ بلا ٹل جاتی تھی تو فرعون اپنی اُسی ہٹ دھرمی پر تُل جاتا تھا۔ عذاب کا یکے بعد دیگر اور وہ بھی قبل از قبل پیش گوئی کے بعد آجانا۔ یہ ایک ایسا کھُلا معجزہ تھا جسکو دیکھ کر ایک معمولی سی عقل رکھنے والا آدمی بھی یہ فیصلہ کر سکتا تھا کہ ایک سچّے آدمی کے کہنے پر ایسی ملک گیر بلاؤں کا آنا اور پھر اسکے کہنے پر اُن کا دُور ہو جانا صرف ربّ العالمین ہی کے تصرف کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون سے صاف صاف کہہ دیا تھا:۔

لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

وَ الۡاَرۡضِ ۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۲)

تو خوب جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں زمین و آسمانوں کے مالک کے سوا کسی اور نے نازل نہیں کی ہیں۔

وَجَحَدُوۡا بِہَا وَاسۡتَیۡقَنَتۡہَاۤ اَنۡفُسُہُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا ۔ الآیۃ

(النمل آیت ۱۴)

اور ان لوگوں نے معجزات کا انکار صرف ظلم اور تکبر کی وجہ سے کیا حالانکہ ان کے قلوب اس کا یقین کر چکے تھے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ انکار بغض و عداوت کی حد تک پہنچ گیا۔ جا بجا مذاق اڑایا جانے لگا، دھمکیاں دی جانے لگیں تو اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اب تم بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے فلسطین ہجرت کر جاؤ۔

مصر سے فلسطین یا ارض کنعان جانے کے دو راستے ہیں ایک خشکی کا راستہ جو قریب تر تھا دوسرا بحر قلزم (بحر احمر) کا راستہ جسکو عبور کر کے وادی سینا کی راہ اختیار کی جائے۔ یہ دور کی راہ تھی مگر اللہ تعالےٰ کی مصلحت کا یہی تقاضہ ہوا کہ وہ خشکی کی راہ چھوڑ کر دور کی راہ اختیار کریں اور دریائے قلزم کو پار کر کے جائیں۔ بظاہر اسمیں یہ مصلحت پوشیدہ معلوم ہوتی ہے کہ خشکی کی راہ اختیار کرنے میں فرعون اور اس کی فوج سے جنگ ضروری ہو جاتی۔ کیونکہ انھوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لیجانے میں کامیاب ہو جاتا۔ الغرض حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر احمر کی راہ ہو لئے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی ملبوسات جو ایک تہوار میں مستعار لئے تھے وہ بھی واپس نہ کر سکے کہ کہیں اہل مصر پر اصل حال واضح نہ ہو جائے۔

ادھر بعض نے فرعون کو اطلاع دی کہ بنی اسرائیل مصر سے فرار ہونے کے لئے شہروں سے نکل گئے ہیں۔ فرعون اسی وقت ایک زبردست لشکر لیکر ان کے تعاقب کے لئے نکل پڑا اور صبح ہونے سے پہلے پہلے ان کے سروں پر جا پہنچا۔

بنی اسرائیل کی تعداد بمقبول تورات اسوقت چھ لاکھ تھی، پو پھٹنے کے وقت جب انھوں نے پیچھے مڑکر دیکھا تو فرعون کو سر پر پایا گھبرا کر کہنے لگے (یہاں تورات

کی روایت بڑی دلچسپ ہے)

"اے موسیٰ کیا مصر میں قبریں نہ تھیں جو تو ہم کو مرنے کے لئے بیابان میں لے آیا؟ (خروج باب ۱۴ آیات ۱۱، ۱۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو میرا رب میرے ساتھ ہے وہ تم کو نجات دے گا اور تم ہی کامیاب ہوگے۔ پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدُعا ہوئے وحی الٰہی نے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی کو پانی پر مارو پانی پھٹ کر بیچ میں راستہ نکل آئے گا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا دریائے قلزم پر اپنی لاٹھی کا مارنا ہی تھا کہ پانی پھٹ کر دونوں جانب دو پہاڑوں کی طرح کھڑا ہوگیا اور بیچ میں راستہ نکل آیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل اُس میں اُتر گئے اور خشک زمین کی طرح اس سے پار ہوگئے۔

فرعون نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی قوم کو آواز دی کہ یہ وقت بہت مناسب ہے آگے بڑھو اور بنی اسرائیل کو جا پکڑو۔ چنانچہ فرعون اور اس کا تمام لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اُسی راستے پر جا پڑا۔ لیکن اللہ کی قدرت آگے آئی جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دوسرے کنارے پر سلامتی کے ساتھ پہنچ گیا تو پانی کو حکم دیا کہ وہ اپنی اصلی حالت پر آجائے بس آناً فاناً دریا کے دونوں پاٹ پھر مل گئے اور فرعون اور اس کا تمام لشکر جو ابھی درمیان ہی میں تھا غرق آب ہوگیا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا انکشاف ہے جس کا واحد ذریعہ وحی الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔ جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکۃ العذاب سامنے نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا:۔

میں اُسی ایک وحدہٗ لاشریک لہٗ ہستی پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں اطاعت کرنے والوں میں سے ایک ہوں۔ (یونس آیت ۹۰)

مگر یہ ایمان چونکہ حقیقی ایمان نہ تھا بلکہ گزشتہ فریب کاریوں کی طرح نجات حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ایک مضطربانہ بات تھی اس لئے اللہ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ. (یونس آیت ۹۱)

اب یہ کہہ رہا ہے حالانکہ اس سے پہلے جو اقرار کا وقت تھا
اسمیں انکار اور خلاف ہی کرتا رہا اور درحقیقت تو مفسدوں میں سے تھا۔
یعنی اللہ کو خوب معلوم تھا کہ وہ مسلمین میں سے نہیں بلکہ مفسدین میں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ فرعون کی یہ پکار ایمان لانے اور یقین کرنے کے لئے نہ تھی بلکہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرنے کے بعد اضطراری اور بے اختیاری کی حالت میں نکلتی ہے۔ ایسی دُعا و پکار موت کے وقت نا قابل قبول ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس کے لئے ایک عام قاعدہ بیان فرمایا ہے:-

فَلَمْ يَكُ يَنفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ۔ (المومن آیت ۸۵)

پس اُنکو نفع نہ دے گا اُن کا اپنا ایمان جبکہ انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا یہ اللہ کا مقرر کردہ ضابطہ ہے جو ہمیشہ اسکے بندوں میں جاری رہا ہے۔

توبہ اور ایمان بس اُسی وقت تک نفع دیتے ہیں جب تک آدمی اللہ کے عذاب یا موت کی گرفت میں نہ آجائے۔ عذاب آجانے یا موت کے آثار شروع ہوجانے کے بعد ایمان لانا یا توبہ کرنا اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔

اس موقعہ پر اللہ کی جانب سے یہ بھی جواب دیا گیا۔
آج کے دن ہم تیرے جسم کو اُن لوگوں کے لئے جو تیرے پیچھے آنے والے ہیں نجات دیں گے کہ وہ عبرت کا نشان بنے۔

(یونس آیت ۹۲)

جدید تحقیقات کی روشنی میں قاہرہ کے عجائب خانہ میں (رئیس ثانی) فرعونِ موسیٰ کی نعش موجود ہے۔ یہ سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کے ناک کے کچھ حصہ کو مچھلی نے کھا لیا تھا آج بھی تماشا گاہ خاص و عام ہے۔

فرعون کا تعاقب اور سمندر کا پھٹ جانا اور بنی اسرائیل کا نجات پا جانا اور فرعون کا غرق ہونا قرآن حکیم کی مندرجہ آیات میں تفصیلاً و اختصاراً اس طرح موجود ہے۔

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي

فَاضْرِبْ لَهُمْ .الخ (طٰہٰ آیات ۷۷ تا ۷۹)

اور پھر دیکھو ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی کہ اب میرے بندوں کو راتوں رات مصر سے نکال لیجا پھر سمندر میں اُن کے گزرنے کے لئے خشکی کی راہ نکال لے تجھکو نہ تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا نہ اور کسی طرح کا خطرہ۔

پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا پس پانی کا ریلا جیسا کچھ اُن پر چھانے والا تھا چھا گیا۔ (یعنی جو کچھ اُن پر گزرنی تھی) گزر گئی) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ نجات گم کر دی انھیں سیدھی راہ نہیں دکھائی۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۔الخ

(الشعراء آیات ۵۲ تا ۶۸)

ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔

پھر فرعون نے (فوج جمع کرنے کے لئے) شہروں میں نقیب بھیج دیئے۔ (اور کہلا بھیجا) کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انھوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے۔ اور ہم سب کو ان لوگوں سے خطرہ ہے۔

اس طرح ہم نے اُنھیں اِن کے باغوں اور چشموں اور خزانوں اور ان کی بہترین قیام گاہوں سے نکال باہر کیا۔

یہ تو ہوا اُن کے ساتھ، اور (دوسری طرف) بنی اسرائیل کو ہم نے ان سب چیزوں کا وارث کر دیا۔ صبح ہوتے ہی یہ لوگ اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔

پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے بیشک ہم تو پکڑے گئے۔

موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔

پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو یکایک سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اور اُس جگہ ہم دوسری جماعت کو بھی قریب لائے۔ موسیٰ اور اُن سب لوگوں کو جو اُس کے ساتھ تھے ہم نے بچالیا۔ پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس واقعہ میں ایک نشانی ہے مگر ان لوگوں میں اکثر ماننے والے نہیں ہیں۔ اور درحقیقت تیرا رب زبردست بھی ہے رحیم بھی ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ. (اعراف آیات ۱۳۶ تا ۱۳۷)

تب ہم نے اُن سے انتقام لیا اور اُنھیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا اور اُن سے بے پروا ہو گئے تھے۔

اور اُن کی جگہ ہم نے اُن لوگوں کو جو کمزور بنا کے رکھے گئے تھے اُس زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جسے ہم نے برکتوں سے مالامال کر رکھا تھا، اور اس طرح بنی اسرائیل کے حق میں تیرے رب کا وعدۂ خیر پورا ہوا۔ کیونکہ اُنھوں نے صبر سے کام لیا تھا اور جو کچھ فرعون اور اُسکی قوم نے تیار کیا تھا اور جو جو اونچی عمارتیں بنائی تھیں اُن سب کو ہم نے ملیامیٹ کر دیا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ۔ الخ (یونس آیات ۹۰ تا ۹۲)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اُتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اُس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں، لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا تو اُس وقت پکار اُٹھا، میں یقین کرتا ہوں کہ اُس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل [illegible] فرمانبرداروں

سے ہوں۔

(ہم نے کہا) ہاں اب تو ایمان لایا حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک تھا۔

پس آج ہم ایسا کریں گے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچالیں گے تاکہ اُن لوگوں کے لئے جو تیرے بعد آنے والے ہیں ایک نشانی بنے اور اکثر انسان ہماری نشانیوں سے یکلخت غافل ہیں۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ. الخ (القصص آیات ۳۹ تا ۴۲)

اور اُس نے اور اس کے لشکروں نے زمین میں بغیر کسی حق کے اپنی بڑائی کا گھمنڈ کیا اور سمجھے کہ انھیں کبھی ہماری طرف پلٹنا نہیں ہے۔

آخرکار ہم نے اُسے اور اُسکے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں پھینک دیا۔ اب دیکھ لو اِن ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

اور ہم نے انھیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنادیئے اور قیامت کے دن وہ کوئی مدد نہ پاسکیں گے۔

اور ہم نے اس دُنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگادی اور قیامت کے دن وہ بڑی بُرائی میں مبتلا ہوں گے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ. الخ (الدخان آیات ۱۷ تا ۳۱)

اور ہم اِن سے پہلے فرعون کی قوم کو اسی آزمائش میں ڈال چکے ہیں جبکہ اُن کے ہاں ایک نہایت شریف رسول آیا۔ (اور اُس نے کہا) کہ اللہ کے بندوں (بنی اسرائیل) کو میرے حوالہ کرو میں تمہارے لئے ایک امانتدار رسول ہوں۔ اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو میں تمہارے سامنے کھلی دلیل پیش کرتا ہوں۔ اور میں اپنے رب اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں اس سے کہ تم مجھ کو سنگسار کرو۔

اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہی رہو۔

آخر کار موسیٰ نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔ (جواب دیا گیا) اچھا تو راتوں رات میرے بندوں کو لے کر چل پڑو، تم لوگوں کا پیچھا کیا جائے گا۔

اور سمندر کو اُسکے حال پر کھُلا چھوڑ دو یہ سارا لشکر غرق ہونے والا ہے۔ کتنے ہی باغ اور چشمے اور کھیت اور شاندار محل تھے جو وہ چھوڑ گئے اور کتنے ہی عیش کے سروسامان جن میں وہ مزے کر رہے تھے اُن کے پیچھے دھرے رہ گئے۔

یہ ہوا اُن کا انجام اور ہم نے دوسروں کو اِن چیزوں کا وارث بنا دیا۔ پھر نہ آسمان اُن پر رویا نہ زمین اور نہ اُنھیں ذرا سی بھی مہلت دی گئی۔

اور البتہ ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی۔ فرعون سے نجات دی جو حد سے گزر جانے والوں میں فی الواقع بڑے اونچے درجے کا آدمی تھا۔

فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا۔ الخ (بنی اسرائیل آیات ۱۰۳ تا ۱۰۴)

آخر کار فرعون نے ارادہ کیا کہ موسیٰ اور بنی اسرائیل کو زمین سے اکھاڑ پھینکے مگر ہم نے اُسکو اور اُسکے ساتھیوں کو اکٹھا غرق کر دیا۔

اور اُسکے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم زمین میں رہو سہو پھر جب آخرت کے وعدے کا وقت آئے گا تو ہم تم سب کو ایک ساتھ لا کھڑا کریں گے۔

وَفِیْ مُوْسٰٓی اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰی فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ الخ

(الذاریات آیات ۳۸ تا ۴۰)

(اور تمہارے لئے نشانی ہے) موسیٰ کے قصّے میں جب ہم نے اُنھیں کھُلی دلیل دیکر فرعون کے پاس بھیجا۔ تو وہ اپنے بل بوتے پر اکڑ گیا اور بولا

یہ جادوگر ہے یا مجنوں ہے۔

آخرکار ہم نے اُسے اور اُسکے لشکروں کو پکڑا اور سب کو سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہوکر رہ گیا۔"

عبرتناک انجام

فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ کوئی تاریخی داستان نہیں بلکہ حق و باطل کے معرکوں میں ایک عظیم الشان قابلِ عبرت معرکہ ہے۔ ایک جانب غرور و نخوت، جبر و ظلم ہے دوسری طرف صبر و استقامت، مظلومیت اور خدا پرستی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے فرعون اور قومِ فرعون کی ہلاکت کے بعد عبرت و بصیرت کے لئے اس جانب خصوصی توجہ دلائی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے لئے آخرت کی ابدی و سرمدی زندگی میں کس قدر سخت عذاب اور خدا کی پھٹکار کے کیسے کیسے عبرتناک سامان مہیا ہیں تاکہ سلیم و نیک نہاد فطرت لوگ اِس کا مطالعہ کریں اور اُن جیسے اعمال سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور انکو ترغیب دیں۔

فرعون اور قومِ فرعون کا عبرتناک انجام آیاتِ ذیل میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔ الخ

(ہود آیات ۹۶ تا ۱۰۱)

اور موسیٰ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اُسکے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا۔

آخرکار قوم نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ کی طرف لے جائیگا اور وہ کیسی بدتر جائے ورود ہے جس پر کوئی پہنچے۔

اور اِن لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے دن بھی پڑے گی کیسا بُرا بدلہ ہے یہ جو کسی کو ملے۔

یہ چند بستیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں اِن میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن اُنھوں نے آپ ہی اپنے اوپر ستم ڈھایا ہے اور جب اللہ کا حکم آگیا تو اِن کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اِن کے کچھ کام نہ آسکے اور اُنھوں نے ہلاکت و بربادی کے سوا انھیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

اور تیرا رب جب کسی ظالم بستی کو پکڑتا ہے تو پھر اُسکی پکڑ ایسی ہی ہوا کرتی ہے۔ فی الواقع اسکی پکڑ بڑی سخت اور دردناک ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسمیں ایک نشانی ہے ہر اُس شخص کے لئے جو عذاب آخرت کا خوف کرے۔ وہ ایک دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور پھر جو کچھ بھی اُس روز ہوگا سب کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ ہم اسکے لانے میں بہت زیادہ تاخیر نہیں کر رہے ہیں بس ایک مختصر گنی چنی مدت اسکے لئے مقرر ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو کسی کی بات کرنے کی مجال نہ ہوگی اِلّا یہ کہ خدا کی اجازت سے۔ پھر کچھ لوگ اُس روز بدبخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

پس جو بدبخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائینگے (جہاں گرمی اور پیاس کی شدت سے) وہ ہانپیں گے اور پھنکارے ماریں گے۔ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ زمین و آسمان قائم ہیں۔ اِلّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے بے شک تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔

اور رہے وہ لوگ جو نیک بخت نکلیں گے تو وہ جنت میں جائیں گے۔ اسمیں ہمیشہ رہیں گے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں۔ اِلّا یہ کہ تیرا رب کچھ اور چاہے۔ ایسی بخشش اُن کو ملے گی جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ. ۲۰ ۔۔ (قصص آیات ۴۱، ۴۲)

اور ہم نے انھیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنا دیا اور قیامت کے دن کوئی مدد نہ پاسکیں گے۔

اور ہم نے اس دنیا میں اُن کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت کے روز وہ بڑی بُرائی میں مبتلا ہوں گے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ۔ الخ (مومن آیات ۴۵ تا ۵۰)

آخر کار اُن لوگوں نے جو بُری چالیں اُس رجل مؤمن کے خلاف چلیں اللہ نے اُن سب سے اُسکو بچالیا اور فرعون کے ساتھی خود بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے۔

دوزخ کی آگ ہے جسکے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت کی گھڑی آجائیگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو شدید عذاب میں داخل کرو۔

پھر ذرا خیال کرو اُس وقت کا جب یہ لوگ دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے۔ دنیا میں جو لوگ کم درجے تھے وہ بڑے درجے والوں سے کہیں گے کہ ہم تمہارے تابع تھے اب کیا یہاں تم نارِ جہنم کی تکلیف کے کچھ حصے سے ہم کو بچالو گے؟

وہ بڑے درجے والے جواب دیں گے ہم سب یہاں ایک حال میں ہیں بیشک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کرچکا ہے۔

اور (پھر) یہ دوزخ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کے پہرہ داروں سے کہیں گے۔ اپنے رب سے دُعا کرو کہ ہمارے عذاب میں بس ایک آدھے دن کی تخفیف کردے۔

وہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول نشانیاں لیکر نہیں آتے رہے؟ وہ کہیں گے ہاں! جہنم کے پہرہ دار بولیں گے پھر تو تم ہی دُعا کرو اور کافروں کی دُعا اکارت ہی جانے والی ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ۔ الخ
(دُخان آیات ۴۳ تا ۵۰)

بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی غذا ہوگی۔ تیل کی تلچھٹ جیسا

پیٹ میں اس طرح جوش کھائے گا۔ جیسے کھولتا ہوا پانی جوش کھاتا ہے۔
(اے فرشتو) پکڑو اسے اور دھکیلتے ہوئے لے جاؤ اسکو جہنم کے بیچوں
بیچ۔ پھر انڈیل دو اسکے سر پر کھولتے پانی کا عذاب۔ چکھ اس کا مزہ
بڑا زبردست عزت دار آدمی ہے تو۔
یہ وہی چیز ہے جسکے آنے میں تم لوگ شک رکھتے تھے۔

پہلا مطالبہ بحرِ قلزم کو پار کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے فرعون اور اُسکی فوج کو غرق ہوتے دیکھا پھر اُن کی بیشمار نعشوں کو سمندر کی موجوں نے اپنی غیض وغضب کے ساتھ ساحل پر لا پھینکا۔

یہ سارا منظر اُن کے سامنے تھا اللہ تعالےٰ کی تائید ونصرت آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، لیکن اُن کی ذہنیت کو اہل مصر کی برسہا برس کی غلامی نے کچھ اس قدر بگاڑ دیا تھا کہ اس کا اندازہ اس بات سے باآسانی کیا جاسکتا ہے کہ یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چالیس سالہ زندگی کی تربیت و رہنمائی میں زندگی بسر کرلینے کے بعد بھی اپنے اندر سے اُن مشرکانہ اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنۂ مصر کی بندگی کے دور میں پیدا ہوگئے تھے درمیان راہ میں ایک بت خانہ نظر آیا جہاں بہت سارے انسان بتوں کی پرستش میں مصروف تھے۔ بنی اسرائیل کو یہ نقشِ باطل بہت پسند آیا۔ اس منظر کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں میں سے بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجدہ کرنے کے لئے بیتاب ہوگئیں جسپر وہ اپنے بڑوں کو سجدہ کرتے ناک رگڑتے دیکھا تھا۔ جاہلیت کا پوشیدہ جذبہ بھڑک اُٹھا، کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کردیجئے جیسا کہ ان کا معبود ہے۔

اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم بڑی جاہل قوم ہو، یہ لوگ جن کے طریقے کو تم پسند کررہے ہو ان سب کے اعمال ضائع جانے والے ہیں۔ یہ باطل کی پیروی کررہے ہیں تم کو اس کی حرص نکرنا چاہیئے کیا میں تمہارے لئے اللہ کے سوا کسی اور کو معبود بنادوں ؟ جبکہ وہی سب کا معبود ہے۔

دوسرا مطالبہ بنی اسرائیل نے بحرِ قلزم کو پار کرنے کے بعد جس سرزمین پر قیام کیا

وہ عرب کی زمین تھی جو قلزم کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ لق و دق میدان بے آب و دانہ جو تورات کی زبان میں بیابان شور وادی سینا کے نام سے مشہور ہے جس کا سلسلہ کوہ طور تک پہنچتا ہے۔ جب اس قطعہ میں پہنچے تو بھوک و پیاس کی وجہ سے گھبرا اُٹھے یہاں دور دور تک سبزہ اور پانی کا نام و نشان نہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے آپ ہم کو کہاں لے آئے؟ کیا یہاں ہم بھوک و پیاس کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں اچھا تو یہ ہی تھا کہ بحر قلزم میں ڈوب مرتے۔

قوم کی بے صبری اور بے اعتمادی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی وحی الٰہی نے انھیں حکم دیا کہ اپنا عصا زمین پر ماریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل کی تو فوراً بارہ چشمے پھوٹ پڑے اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے سب کے لئے ایک ایک چشمہ مقرر ہوگیا، بنی اسرائیل کو جب پانی سے اطمینان ہوگیا تو کہنے لگے پانی کا انتظام تو ہوگیا لیکن زندگی کے لئے صرف پانی تو کافی نہیں ہمیں بھوک لگی ہے کھائیں کہاں سے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر رب العالمین کی بارگاہ میں دُعا کی اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی، اے موسیٰ تمہاری دُعا قبول ہوئی پریشان نہ ہو اب ہم غیب سے سب انتظام کر دیتے ہیں۔ پھر ایسا ہوا کہ جب رات ختم ہوئی صبح صبح بنی اسرائیل نے دیکھا کہ زمین اور خشک درختوں پر جگہ جگہ سپید اُولوں کے دانوں کی طرح شبنم کی صورت میں آسمان سے کوئی چیز برس کر گری پڑی ہے۔ کھایا تو نہایت شیریں حلوے کی مانند تھا۔ یہ قرآنی الفاظ میں "منّ" تھا۔ پھر دن میں تیز ہوا چلی اور کچھ دیر کے بعد بٹیروں کے غول در غول آکر زمین پر بیٹھ گئے۔ بنی اسرائیل نے اُنھیں آسانی سے پکڑا اور تل بھون کر کھانے لگے۔ "یہ سلویٰ" تھا۔

اسی طرح روزانہ بغیر کسی زحمت و مشقت کے یہ دونوں نعمتیں مفت مہیا ہوگئیں۔ لیکن چونکہ ہر نعمت اپنے میں کچھ نہ کچھ آزمائش بھی رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل کو یہ بھی آگاہی دی کہ وہ اپنی ضرورت کے مطابق منّ و سلویٰ کو کام میں لائیں۔ دوسرے دن کے لئے ذخیرہ نہ کریں، ہم ان کو ہر صبح یہ نعمت فراہم کرتے رہیں گے۔ لیکن یہ بگڑے انسان کب سکون و اطمینان سے بیٹھتے مزاج

و عادات میں ٹیڑھا پن تھا۔ اللہ اور اسکے رسول موسیٰ علیہ السلام پر غیر متزلزل یقین نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُس آگاہی کو کوئی اہمیت نہ دی۔ رزق فردا کے اندیشے میں مبتلا ہوگئے اور ہر روز دوسرے دن کی غذا کا ذخیرہ کرنے لگے۔ اگرچہ انھیں ہر روز نیا من وسلویٰ ملا کرتا تھا، کسی بھی قوم میں جب اللہ و رسول پر بے اعتمادی کا مرض پیدا ہوجاتا ہے اُسکے آثار ایسی ہی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فہمائش کچھ مفید ثابت نہ ہوئی۔ آخر کار ایک مدت کے بعد اسُ "آسمانی دسترخوان" سے بھی محروم ہوگئے۔ نعمتوں کا حق ادا نکرنے پر ایسے ہی نتائج سے دوچار رہونا پڑتا ہے۔

تیسرا مطالبہ کھانے پینے کی ضروریات سے جب اطمینان ہوگیا تو اب بنی اسرائیل نے اُسی وادی میں تیسرا مطالبہ شروع کردیا۔ گرمی کی شدت ہے، سایہ وار درختوں اور مکانات کی راحت میسر نہیں ہم بہت پریشان ہیں ایسا نہ ہو کہ گرمی کی تپش اور سورج کی تمازت ہماری زندگی کا خاتمہ کردے ہم اب زیادہ صبر نہیں کرسکتے؟ ہمارے لئے ہمارا ملک مصر ہی اچھا تھا اگرچہ وہاں ہم غلامانہ زندگی بسر کررہے تھے لیکن رہنے سہنے کا تو انتظام تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُنھیں تلقین کی کہ اللہ پر اعتماد رکھو، اُسکے فیصلوں پر شکایت وحکایت بڑے سخت نتائج پیدا کردیتی ہے۔ تم لوگ اللہ سے ڈرو اُس نے تمہاری آزادی کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور نجات دے گا اور سب انتظام اپنے وقت مقررہ پر پورا ہوگا۔ لیکن جب اللہ و رسول پر یقین ہی متزلزل تھا ایسی اہم اور زرین نصیحت کیسے مفید ہوسکتی تھی۔ ہر روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دق کرنے لگے۔

بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی اس بے صبری کا استغاثہ بارگاہِ الٰہی میں پیش کردیا اور اُس کے فضل وکرم کی التجا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سنی گئی آناً فاناً بادلوں کے جُھنڈ بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہوگئے اور بنی اسرائیل جہاں بھی سفر کرتے بادلوں کا یہ سائبان اُن پر محفوظ چھتریوں کا کام دیتا۔

اس طرح بنی اسرائیل کی مسلسل بے صبری اور بے اعتمادی کے باوجود وادی تیہ بطور آزمائش "جنت نشان" بن گیا۔

چوتھا مطالبہ: یہ "خدائی نشانات" اللہ ورسول پر اعتماد کرنے کے لئے کیا کچھ کم تھے، مگر جب فطرت میں سلامتی باقی نہیں رہتی اور توکل واعتماد علی اللہ سے دل خالی ہو جاتا ہے تو ایسے بڑے بڑے معجزات بھی انسان کو مطمئن نہیں کرتے.

بنی اسرائیل پر وادی تیہ میں اللہ کے یہ انعامات اور پیغمبر کی موجودگی جو سب سے بڑی نعمت ہے مہیا ہیں. ان خصوصی حالات میں انھوں نے ایک عجیب وغریب مطالبہ پیش کر دیا ایک مرتبہ سب جمع ہو کر کہنے لگے :۔

"اے موسیٰ ہم روز روز ایک طرح کی غذا کھاتے رہنے سے اُکتا گئے ہیں اب ہم کو اس "منّ وسلویٰ" کی ضرورت نہیں ہے. اپنے خدا سے دُعا کرو کہ وہ ہمارے لئے زمین سے سبزی، کھیرا، گیہوں، دال مسور، پیاز جیسی چیزیں اُگائے تا کہ ہم خوب کھائیں."

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی اس بیہودگی پر بہت غصّہ آیا فرمانے لگے :۔

"تم بھی کسقدر احمق ہو کہ ایک عمدہ و بہترین غذا کو چھوڑ کر ایک معمولی اور گھٹیا قسم کی چیزوں کے خواہشمند ہو؟ اس طرح اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے خلاف اپنی پسند کو اختیار کرنا صریح کفرانِ نعمت ہے اللہ سے ڈرو ایسے بے جا مطالبات سے باز آؤ."

لیکن قوم کے بگڑے ذہنوں کو یہ بات پسند نہ آئی اپنے مطالبہ پر اصرار کرنے لگے. اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وحی الٰہی سے اشارہ پا کر قوم سے کہا، اچھا قریب کی بستی میں چلے جاؤ وہاں تم کو یہ سب چیزیں وافر مقدار میں مل جائیں گی.

اس طرح خود اپنی ذاتی تجویز سے ایک ایک نعمت سے محروم ہوتے چلے گئے.

اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا احسانات کا جواب یہ لوگ کیسی کیسی مجرمانہ بے باکیوں کیساتھ دیتے رہے اور پھر کس طرح مسلسل تباہی کے گڑھے میں گرتے چلے گئے.

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ چاروں نعمتیں [۱]پانی، [۲]منّ وسلویٰ [۳]بادلوں کا سایہ، چالیس برس تک اُس مسافرت کے زمانے میں بنی اسرائیل کو ملتی رہیں، چھ لاکھ سے زائد انسانی قافلہ بغیر کسی مشقت اور فاقہ کشی کے اس وادی میں کھاتا پیتا رہا.

وادیٔ تیہ کی یہ صحرا نوردی ایک بڑے مقصد کے لئے کرائی جارہی تھی جس کے بعد ایک آسمانی اور قانونِ شریعت کا نفاذ کا مقصد پورا ہونا تھا۔

لیکن بنی اسرائیل اسکی تعلیم و تربیت کے ہر مرحلہ پر ناکام ثابت ہوئے۔

قرآن حکیم نے اِن چاروں مطالبات کی تفصیل اور اس کا انجام آیاتِ ذیل میں بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَجَاوَزْنَا بِبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْکُفُوْنَ عَلٰٓی اَصْنَامٍ لَّھُمْ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ الخ (اعراف آیات ۱۳۸ تا ۱۴۰)

اور بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے پار کر دیا پھر وہ ایک ایسی قوم پر گزرے جو اپنے بتوں سے چمٹی بیٹھی تھیں، کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود مقرر کر دے جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں، موسیٰ نے کہا افسوس تم پر بلاشبہ تم جاہل قوم ہو۔

لاریب ان لوگوں کا طریقہ تو ہلاکت کا طریقہ ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں باطل ہے۔ باوجود اسکے کہ اللہ نے تم کو تمام کائنات پر فضیلت دی ہے پھر بھی میں تمہارے لئے اللہ واحد کے سوا اور معبود تلاش کروں؟

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا۔ الخ (بقرہ آیت ۶۰)

اور پھر وہ واقعہ بھی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تھا اور ہم نے حکم دیا تھا اپنی لاٹھی سے فلاں چٹان پر ضرب لگاؤ (موسیٰ نے اس حکم کی تعمیل کی) چنانچہ بارہ ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کر لی (اُس وقت تم لوگوں سے کہا گیا تھا کہ اس بے آب و گیاہ بیابان میں تمہارے لئے زندگی کی تمام ضرورتیں مہیا ہوگئی ہیں بس) کھاؤ پیو خدا کی بخشش سے فائدہ اُٹھاؤ

اور ایسا نہ کرو کہ ملک میں فتنہ و فساد پھیلاؤ (یعنی ضروریاتِ معیشت کے لئے لڑائی جھگڑا کرو یا ہر طرف لوٹ مار مچاتے پھرو)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۔الخ (بقرہ آیت ۵۷)

اور (پھر جب ایسا ہوا تھا کہ صحرائے سینا کی بے آب و گیاہ زمین میں دھوپ کی شدت اور غذا کے نہ ملنے سے تم ہلاک ہو جانے والے تھے) تو ہم نے تمہارے سروں پر بادل کا سایہ پھیلا دیا اور مَنّ و سلویٰ کی غذا فراہم کر دی (تم سے کہا گیا) اللہ نے تمہاری غذا کے لئے جو اچھی چیزیں مہیا کر دی ہیں انھیں بفراغت کھاؤ (اور کسی طرح کی تنگی و قلّت محسوس نہ کرو لیکن اس پر بھی تم اپنی بدعملیوں سے باز نہ آئے، غور کرو) تم نے ناشکریوں سے ہمارا کیا بگاڑا خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔"

وَمِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۔الخ (اعراف آیات ۱۵۹ تا ۱۶۰)

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا ہے اور سچائی کے ساتھ (ان کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں تقسیم کر دیا اور جب لوگوں نے موسیٰ سے پانی مانگا تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لاٹھی (ایک خاص) چٹان پر مارو چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر جماعت نے اپنی اپنی جگہ پانی کی معلوم کر لی اور ہم نے بنی اسرائیل پر بادل کا سایہ کر دیا تھا اور (اُن کی غذا کے لئے) مَنّ و سلویٰ اُتارا تھا، ہم نے کہا تھا یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو ہم نے عطا کی ہے (اور فتنہ و فساد میں نہ پڑو) اُنھوں نے نافرمانی کر کے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑا خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ عَدُوِّكُمْ ۔الخ (طٰہٰ آیت ۸۰ تا ۸۲)

اے بنی اسرائیل میں نے تمہارے دشمن سے تم کو نجات دی اور تم سے (برکتوں اور کامرانیوں) کا وعدہ کیا جو کوہ طور کے دہنی جانب ظہور میں آیا تھا، تمہارے لئے صحرائے سینا میں منّ وسلویٰ مہیا کیا۔ تمہیں کہا گیا یہ پاک غذا مہیا کر دی گئی ہے شوق سے کھاؤ (مگر اس بارے میں نافرمانی نہ کرو) کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائے گا اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ بس ہلاکت میں گرا اور بیشک میں بڑا ہی بخشنے والا ہوں جو کوئی توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور سیدھی راہ پر قائم رہے۔"

(علامہ عبدالوہاب نجار نے اپنی کتاب "قصص الانبیاء" میں لکھا ہے کہ پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے۔ بحر احمر کے مشرقی بیابان میں نہر سوئز سے زیادہ دور نہیں ہیں اور اب بھی "عیون موسیٰ" (موسیٰ کے چشمے) کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں اور کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں) واللہ اعلم۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۔ الخ (بقرہ آیت ۶۱)

اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم اب ایک قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے پس اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دُعا کرو کہ وہ زمین سے ہمارے لئے سبزی، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز (جیسی چیزیں) اُگائے، موسیٰ نے کہا کیا تم بہتر اور عمدہ چیز کے بدلے میں گھٹیا چیز کے خواہشمند ہو، کسی شہر میں جا کر قیام کرو بلاشُبہ وہاں یہ سب چیزیں مل جائیں گی۔

کوہِ طُور اور اعتکاف | حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

تھا کہ جب بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے آزاد ہو جائیں گے تو انھیں ایک مستقل کتاب وشریعت دی جائیگی۔

مصر سے نکلنے کے بعد جب اُنھیں خود مختار قوم کی حیثیت حاصل ہوگئی تو حکم خداوندی کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب کیا گیا تاکہ انھیں بنی اسرائیل کے لئے شریعت عطا کی جائے۔

اس سلسلے کی یہ پہلی طلبی تھی اور اس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن کا اعتکاف پورا کرنا طے کیا گیا تاکہ چالیس دن روزے رکھ کر شب و روز عبادت وریاضت کر کے اللہ تعالےٰ کے اُس کلام کو اخذ کرنے کی اپنے میں استعداد پیدا کریں جو اُن پر نازل ہونے والا تھا۔ دراصل اس اعتکاف کی مدّت صرف تیس دن تھی بعد میں دس دن اور بڑھا کر چالیس دن کر دیئے گئے۔

علامہ دیلمیؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے (لیکن دیلمیؒ محققین کی نظر میں مجروح ہیں)

"جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک ماہ کا اعتکاف جب ختم ہوگیا تو اُنھوں نے اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی کی فکر میں مسواک کیا۔ چونکہ مسلسل یکماہ روزوں کی حالت میں گزر گیا تھا اس لئے منھ میں بُو محسوس کرتے تھے۔ لہذا اُنھوں نے یہ پسند نہیں کیا کہ رب العالمین سے اس حالت میں ہمکلام ہوں، اس کے لئے انھوں نے ایک خوشبودار گھاس کو چبالیا اور کچھ کھا بھی لیا۔

وحی الہٰی نے آگاہ کیا، اے موسیٰ تم نے ہمکلامی سے پہلے روزہ کیوں افطار کر لیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکی وجہ بیان کی، ارشاد ہوا کہ اس مدت کو دس دن بڑھا کر پورے چالیس دن کر لیا جائے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہمارے ہاں روزہ دار کے منھ کی بُو مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ عزیز ہے۔" (تفسیر روح المعانی جلد ۹ ص ۳۸)

قرآن حکیم نے صرف اسی مقدار پر اکتفا کیا ہے کہ یہ مُدت پہلے تیس دن تھی اور پھر بڑھا کر چالیس دن کر دی گئی اس اضافہ کی کوئی وجہ مذکور نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہِ طور پر جانے لگے (اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو جو عمر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین۳ سال بڑے تھے لیکن کارِ نبوت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماتحت اور مددگار تھے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالےٰ سے درخواست کر کے اپنے وزیر کی حیثیت سے مانگا تھا اور اللہ نے انھیں نبوت کے لئے منتخب بھی فرما لیا تھا)

ایسے وقت میں حضرت ہارون علیہ السلام کو قوم میں اپنا جانشین بنایا اور ہدایت فرمائی کہ بنی اسرائیل کو راہِ حق پر قائم رکھیں اور ان کی ہر طرح نگرانی کریں۔

جب چالیس۴۰ دن پورے ہو گئے تو اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا۔ کیا کلام فرمایا؟ قرآن حکیم اس کی تفصیل سے ساکت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کلام کی لذت و کیفیت سرور سے شادکام ہو کر مشاہدہ و دیدار کے خواہشمند ہوئے عرض کیا الٰہی اپنی لذتِ دیدار سے سرفراز فرما!

جواب ملا اے موسیٰ! تم ہمارے مشاہدہ کی تاب نہ لا سکو گے۔ البتہ ہم اپنی ذات کی تجلی کا ظہور اس پہاڑ پر کریں گے اگر یہ پہاڑ اس تجلی کو برداشت کر گیا تو پھر تم یہ سوال کرنا؟

اسکے بعد طور پر ذاتِ حق کی تجلی نے ظہور کیا تو پہاڑ کا وہ حصہ معاً ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس نظارہ کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے۔

جب ہوش آیا تو اللہ عزوجل کی حمد و ثنا کی اور اپنے سوال پر نادم ہوئے اور اقرار کیا کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ تو دیکھے جانے سے بہت بالا و برتر ہے۔

قرآن حکیم کی آیات ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

قرآنی مضمون

وَوٰعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً۔ الخ

(اعراف آیات ۱۴۲ تا ۱۴۳)

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ کیا (کہ کوہ طور پر آ کر اعتکاف کریں) اور مزید دس۱۰ راتوں کو ان تیس راتوں کا تتمہ بنا دیا

اس طرح اُن کے پروردگار کا (مقرر کیا ہوا) وقت (سب ملکر) پوری چالیس راتیں ہوگیا اور موسیٰ (علیہ السلام) نے (چلتے وقت) اپنے بھائی ہارون سے کہہ دیا تھا کہ میرے پیچھے تم میری قوم میں میری جانشینی کرنا اور اصلاح کرتے رہنا اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کے طریقے پر نہ چلنا۔

جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر آئے اور اُس کے رب نے اُس سے لطف و عنایت کا کلام کیا تو موسیٰ نے التجا کی اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو دکھلا دیجئے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ لوں' اللہ نے فرمایا تم مجھکو ہرگز نہیں دیکھ سکتے۔ البتہ ذرا سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تب تو مجھے دیکھ سکوگے پھر جب اُسکے رب نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اُسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو کہا پاک ہے تیری ذات میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلے میں اس پر یقین کرتا ہوں۔"

نزول تورات

اس گفتگو کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تختیاں عنایت کی گئیں اور تاکید کی گئی کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور اسکے احکام کو قائم کرو اور قوم کو بھی اسپر عمل کرنیکی تلقین کرو۔ میں نے اس کتاب میں دینی و دنیوی فلاح کی تفصیل بیان کردی ہے۔ حلال و حرام، خیر و شر، امر و نہی کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔

اس مقام پر دو باتیں قابل توجہ ہیں:۔

(۱) علماءِ اسلام کہتے ہیں کہ اس واقعہ میں جن احکام کا نزول ہوا وہ "کتاب تورات" ہے جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھیں۔

(۲) علماء نصاریٰ کی ایک جماعت کا ادّعا ہے کہ اس سے مراد وہ "احکام عشرہ" ہیں جو مذہب موسوی کی شریعت یا احکام عہد کے نام سے موسوم ہیں یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن قرآن حکیم اور تورات کے بعض قدیم نسخوں سے جسکی نشان دہی شیخ رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "اظہار الحق" میں درج کی ہے۔ احکام سے مراد کتاب تورات ہی لی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں نزول احکام کے تذکرے میں اسکو کتاب اور فرقان کے الفاظ سے یاد کیا گیا جو کتاب کی صفات ہیں۔

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طُور پر جو الواح (تختیاں) دی گئیں وہ تورات کی تختیاں تھیں احکام عشرہ یا احکام عہد نہیں تھیں۔ انہی تختیوں میں جہاں احکام و مواعظ تھے وہاں ایک پیشگوئی بھی موجود ہے۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ۔ (اعراف آیت ۱۴۵)

عنقریب میں تم کو نافرمانوں کا گھر دکھاؤں گا۔

(۱) اس دار سے مراد کون سا مقام ہے؟ اہل علم نے مختلف نام لکھے ہیں۔

(۱) بعض نے کہا اس دار سے عاد و ثمود کے کھنڈر مراد ہیں جسکو دیکھ کر عبرت و نصیحت لی جاسکے۔

(۲) بعض نے شہر مصر مراد لیا ہے کہ بنی اسرائیل نکالے جانے کے بعد دوبارہ اسمیں عزت کے ساتھ داخل ہوں گے۔

(۳) امام تفسیر قتادہ ؒ کہتے ہیں کہ اس سے ملک شام کی مقدس سرزمین مراد ہے جہاں اُس زمانے میں قوم عمالقہ کے ظالم و جابر بادشاہوں کی حکومت تھی اور جہاں اب بنی اسرائیل کو داخل ہونا تھا۔

رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُس وقت کے بوڑھے ان بستیوں میں داخل نہ ہوسکے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے پہلے ہی وادی تیہ میں ہوگیا تھا۔ اسی طرح بنی اسرائیل کے بوڑھوں پر بھی آگے کی تفصیل کے مطابق اس کا داخلہ حرام کر دیا گیا تھا۔ تو آیت کی یا تو یہ مراد ہے کہ بنی اسرائیل کے جوانوں کے داخلے سے (جنکی اکثریت تھی) سب کا داخلہ مراد لیا گیا ہے۔ یا پھر یہ مراد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی میں اپنے مددگار یوشع بن نون اور کالب بن یوفنہ اور چند بنی اسرائیل کے بہادروں کو ارض مقدس میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ وہاں کے مفصل حالات معلوم کر آئیں کہ ہم کس طرح طاقتور دشمن کو شکست دے کر ارض مقدس

میں داخل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اُس کا مشاہدہ کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اس طرح معدودے چند افراد کا ارض مقدس میں داخل ہو کر اسکو دیکھ آنا اور پھر سب کو وہاں کے حالات سے آگاہ کرنا گویا سب کا دیکھ آنا مراد ہو سکتا ہے۔ آیتِ مذکورہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت قتادہؒ کے قول کے مقابلہ میں پہلا قول اس لئے ضعیف ہے کہ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل کبھی قومی یا جماعتی حیثیت سے مصر میں داخل نہیں ہوئے۔

دوسرا قول بھی اس لئے قابل اعتنا نہیں کہ اگرچہ ثمود کے آثار وادی سینا کے قریب ضرور تھے مگر قوم عاد کے آثار و کھنڈر تو عرب کے مغربی حصہ میں واقع تھے جو وادی سینا سے مہینوں کی راہ تھی تو ایسی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بنی اسرائیل کو صرف اِن محو شدہ آثار و کھنڈرات دکھانے کے لئے بھیجا جاتا اور اس کے لئے اللہ کا وعدہ اس شان کے ساتھ بیان ہوتا۔

ایک تیسرا قول یہ بھی ہے دارُ الفاسقین سے مراد جہنم ہے کافروں کے لئے تہدیداً کہا گیا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی اور ساتھ ہی یہ بھی فہمائش کر دی گئی کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جب کسی قوم کو ہدایت پہنچ جاتی ہے اور اُس پر حجت پوری ہو جاتی ہے پھر وہ قوم سمجھ سے کام نہیں لیتی۔ گمراہی اور باپ دادا کی بُری راہ و رسم پر ہی قائم رہنے پر اصرار کرتی ہے تو پھر ہم بھی اُس کو گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں اور ہمارے پیغامِ حق میں اُن کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا اس لئے کہ اُنھوں نے قبولِ حق کی استعداد اپنی بغاوت و سرکشی سے زائل کر دی۔ ان ساری تفصیلات کو قرآن حکیم نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:-

قرآنی مضمون

قَالَ يٰمُوسٰىٓ اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ الخ

(اعراف آیات ۱۴۴ تا ۱۴۷)

فرمایا اے موسیٰ میں نے لوگوں پر تم کو اپنی پیغمبری اور ہمکلامی

سے ممتاز کیا ہے۔ تو اب جو کچھ میں نے تم کو عطا کیا ہے اُسکو لے لو اور شکر کرنے والوں میں ہو جاؤ۔

اور ہم نے اس کے لئے تورات کی تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور (احکام میں سے) ہر شئے کی تفصیل لکھ دی ہے۔ لہذا اسکو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اسکے اچھے احکام کو لازم کریں۔ عنقریب میں تم لوگوں کو نافرمانی کا مقام دکھا دوں گا۔

میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ ہی رکھوں گا جو روئے زمین پر تکبر کرتے ہیں بغیر کسی حق کے، اور اگر یہ ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں جب بھی ان پر ایمان نہ لائیں گے اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھ پائیں تو اسے اپنا راستہ نہ بنائیں اور اگر گمراہی کا راستہ دیکھ پائیں تو اُسے اپنا راستہ بنا لیں۔ یہ ساری شامت اس سبب سے ہے کہ اُنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور اُن کی طرف سے اپنے کو غافل رکھا۔

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا اُن کے اعمال اکارت گئے اور اُن کو بدلہ اُسی کا ملے گا جو کچھ کہ وہ کرتے رہے ہیں۔"

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ... (بقرہ آیات ۵۱ تا ۵۳)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا پھر تم نے اُن کے پیچھے گوسالہ کو اختیار کر لیا اور تم سخت ظالم تھے۔ (مراد بچھڑے کی پوجا پاٹ ہے) پھر ہم نے تم کو اسکے بعد بھی معاف کر دیا کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزہ دیا تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ۔"

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ

یَتَذَکَّرُوْنَ ۔ (قصص آیت ۴۳)

اور بیشک ہم نے پہلی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کے لئے بصیرتیں مہیا کرنے والی اور ہدایت و رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کرلیں ۔

مصنوعی خُدا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت میں رہنے والی قوم کی ذہنی و فکری حالت کا اندازہ گزشتہ واقعات سے کیا جاسکتا ہے۔ اسپر مزید ایک اور شہادت جو متعجب خیز ہی نہیں افسوسناک و عبرت ناک بھی ہے فراہم ہوتی ہے۔

کوہ طور پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے پروردگار کی طلب پر مقیم تھے نیچے وادی میں بنی اسرائیل نے سامری کی قیادت میں خود ہی اپنا معبود منتخب کر کے اسکی پرستش شروع کردی۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تورات کے لینے کے لئے تشریف لے جانے لگے تو اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ لوگو میرا اعتکاف کی مدّت تیس ۳۰ یوم ہے۔ ختم مدّت پر میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ ہارون علیہ السلام تمہارے نگراں رہیں گے انکی پیروی کرنا اور ان کو اپنا امیر جاننا۔

کوہ طور پر جانے کے بعد وہ مدّت تیس ۳۰ کے بجائے چالیس دن ہوگئی۔ اس تاخیر سے ایک شخص سامری نامی نے فائدہ اُٹھایا، اُس نے جب دیکھا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تاخیر سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اُس نے قوم سے کہا کہ تم اپنے وہ تمام زیورات میرے پاس لے آؤ جو تم نے مصریوں سے مستعار لئے تھے اور پھر ہجرت کی وجہ سے واپس نہ کرسکے۔ میں تمہارے لئے فائدے کی ایک بات پیدا کردوں؟

سامری گو ظاہر میں مسلمان تھا مگر اُسکے دل میں کفر و شرک کی نجاست پوشیدہ تھی۔ جب بنی اسرائیل نے تمام زیورات لاکر اسکے حوالے کردیئے تو اس نے اُن کو بھٹی میں ڈال کر گلا دیا اور اُس سے ایک بچھڑے کا جسم تیار کیا اور اپنے پاس سے ایک "مُشتِ خاک" اسکے اندر ڈال دی۔ اس کا ڈالنا تھا کہ بچھڑے میں حیات کے

آثار پیدا ہو گئے اور وہ بھائیں بھائیں کی آواز کرنے لگا۔ اب سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے غلطی اور بھول ہو گئی کہ وہ اللہ کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں تمہارا معبود تو یہ موجود ہے۔

گزشتہ واقعات سے یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ صدیوں تک مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل میں مشرکانہ رسوم اور عقائد کو محبوب بنا دیا تھا اور وہ اس ماحول میں کافی حد تک متاثر ہو چکے تھے اور گوسالہ پرستی جو قوم مصر کا قدیم عقیدہ تھا اور اُنکے مذہب میں اسکو بہت اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ انکے ایک بڑے دیوتا "حورس" کا منہ گائے کی شکل کا تھا اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کرۂ زمین گائے کے سر پہ قائم ہے۔

سامری نے جب بنی اسرائیل کو ترغیب دی کہ وہ اسکے بنائے ہوئے گوسالہ کو اپنا معبود سمجھیں اور اسکی پوجا کریں تو انھوں نے بغیر کسی تردد اسکو قبول کر لیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھا تو قوم کو سمجھایا کہ ایسا نکرو یہ تو گمراہی کا راستہ ہے مگر اُنھوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کی بات نہ مانی اور کہنے لگے کہ جبتک موسیٰ نہ آجائیں ہم اس سے باز آنے والے نہیں۔ نوبت جب یہاں تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا تقاضہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی جائے اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا، موسیٰ تم نے قوم کو چھوڑ کر یہاں آنے میں اسقدر عجلت کیوں کی؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا خدایا! اس لئے کہ آپ کے پاس آکر قوم کے لئے ہدایت حاصل کرسکوں۔

اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بتایا کہ جس ہدایت کے لئے تم اس قدر مضطرب ہو وہ تو اس گمراہی میں مبتلا ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سُنا تو اُن کو سخت رنج و صدمہ ہوا اور ندامت کے ساتھ قوم کی طرف واپس ہوئے اور قوم سے یوں مخاطب ہوئے:- اے قوم تم نے یہ کیا کیا؟ مجھ سے ایسی کون سی تاخیر ہو گئی تھی جو تم نے یہ آفت برپا کی؟ یہ فرماتے ہوئے غیض وغضب میں کانپ رہے تھے حتیٰ کہ ہاتھ سے تورات کی الواح بھی گر گئیں۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا کوئی قصور نہیں، مصریوں کے زیورات کا جو بوجھ ہم ساتھ لئے پھر رہے تھے وہ سامری نے ہم سے مانگ لیا اور اس طرح ہم کو مبتلا کیا۔

قوم کا یہ شرک ایک ناقابل برداشت جرم تھا۔ خاص کر منصب نبوت کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ویسے بھی اشدُّ فی امر اللہ کا مزاج رکھتے تھے۔ بھائی ہارون علیہ السلام کی گردن پکڑلی اور داڑھی کی جانب ہاتھ بڑھایا۔ حضرت ہارون نے فرمایا برادر میری اسمیں کوئی خطا نہیں ہے۔ میں نے انہیں ہر چند سمجھایا مگر انھوں نے کسی طرح نہ مانا اور اصرار کرنے لگے کہ جب تک موسیٰ نہ آجائیں ہم تمہاری بات سُننے والے نہیں۔ بلکہ اُنھوں نے مجھ کو کمزور پاکر میرے قتل کا ارادہ کرلیا تھا۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو خیال کیا کہ اب اگر اُن سے لڑائی کی جائے اور اسکے بعد مومنین کاملین اور اُن میں جھگڑا برپا ہو تو کہیں مجھ پر یہ الزام نہ لگایا جائے کہ میری پیچھے تم نے تفرقہ ڈالا۔ اس لئے میں خاموش رہا۔ میرے بھائی میرے سر کے بال نہ کھینچئے اور نہ میری داڑھی پر ہاتھ چلائیے اس طرح دوسروں کو ہنسنے کا موقعہ ملے گا۔

حضرت ہارون علیہ السلام کی یہ معقول بات سنکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ فرو ہوا، اسکے بعد سامری کی جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا:۔

اے سامری تو نے یہ کیا ڈھونگ مچایا ہے؟

جواب دیا میں نے ایک ایسی بات دیکھی جو ان اسرائیلیوں میں سے کسی نے نہیں دیکھی تھی یعنی غرق فرعون کے وقت جبرئیل علیہ السلام کو میں نے گھوڑے پر سوار دیکھا تھا اور اُن کا گھوڑا جس جگہ بھی قدم رکھتا تھا اُس حصۂ خاک میں حیات وزندگی کے آثار پیدا ہو جاتے تھے اور خشک زمین پر سبزہ اُگ آتا تھا تو میں نے اُس خاک کی ایک مُٹھی بھرلی تھی اور پھر اسکو اس بچھڑے میں ڈال دیا۔ معاً اسمیں زندگی پیدا ہوگئی اور وہ بھاں بھاں کرنے لگا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام چونکہ اس وقت حالتِ تحمّل میں تھے ورنہ معلوم نہیں اس کا کیا حشر کر دیتے؟ عتاب آمیز لہجے میں فرمایا اب تیرے لئے دنیا میں یہ سزا تجویز کی گئی ہے کہ تو پاگلوں کی طرح مارا مارا پھرے گا اور جب کوئی انسان تیرے قریب آئے تو اُس سے بھاگتے ہوئے یہ کہے گا، دیکھو مجھے ہاتھ نہ لگانا، پھر اُسکے بدن کو ایسا بنا دیا گیا کہ کسی بھی انسان کے چھونے سے ہلاکت خیز تکلیف ہو جاتی تھی۔

فرمایا یہ تو تیرا دنیوی عذاب ہے اور قیامت کے دن ایسے نافرمانوں کے لئے

جو عذاب مقرر ہے وہ تیرے لئے وعدۂ الٰہی کی صورت میں پورا ہونے والا ہے اور جس گوسالہ کو تو نے معبود بنایا ہے اُسکو آگ میں ڈال کر خاک کر دیا جائے گا تاکہ تجھکو اور تیرے اِن بیوقوف پیروی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے معبود اور خُدا کی قدر و قیمت کیا ہے ؟

وہ دوسروں پر تو کیا کرم و عنایت کرتا خود اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔

علاوہ ازیں دنیاوی زندگی میں اِن لوگوں کو جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی یہ سزا ملی کہ انھیں ارض مقدس (فلسطین) میں موت تک داخلہ نہ ہو سکا اور اُن کی توبہ یہ قرار دی گئی کہ ایک اندھیری رات میں ایک دوسرے کو قتل کریں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا تقریباً ستّر ہزار آدمی مارے گئے اور تورات کی روایت کے مطابق تین ہزار آدمی مارے گئے۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام درگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے اور عرض کیا بارالٰہا اب اِن پر رحم فرما اور ان کی خطاؤں کو بخش دے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ نے قاتل و مقتول دونوں کو بخش دیا۔

یہ ساری تفاصیل قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل میں اس طرح موجود ہیں :-

قرآنی مضمون

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ۔ الخ (بقرہ آیت ۵۴)

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم بلاشبہ تم نے گوسالہ بنانے میں اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا ہے۔ پس اپنے خالق کی طرف رجوع کرو اور اپنی جانوں کو قربان کر دو۔ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ پھر وہ تم پر رجوع بہ رحمت ہو گا۔ بلاشبہ وہ بڑا رحمت والا رحم کرنے والا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَکُمْ مُّوْسٰی بِالْبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ الخ (بقرہ آیت ۹۲، ۹۳)

اور یقیناً موسیٰ تمہارے پاس کُھلے ہوئے نشان لیکر آئے، اسپر

بھی تم نے اُن کے پیچھے بچھڑے کو اختیار کر لیا اور تم تو ظالم ہی لوگ تھے۔

اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو اُٹھا دیا تھا کہ اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑو جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا اور غور سے سنو، تم نے کہا ہاں ہم نے سُن لیا مگر ہم نے مانا نہیں اور اُن کے دلوں میں گوسالہ اُن کے کفر کے سبب پیوست ہوگیا تھا، آپ کہہ دیجئے بُری ہے وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔"

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ۔ الخ (اعراف آیات ۱۴۸ تا ۱۵۴)

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے طور پر جانے کے بعد ایک بچھڑا اپنے زیوروں سے بنا لیا یعنی ایک جسم جس کے اندر ایک آواز تھی۔ کیا اُن کو یہ تک نہ سُوجھا کہ وہ نہ تو اُن سے بات کر سکتا تھا اور نہ انھیں کوئی راہ بتلا سکتا تھا اسکو انھوں نے معبود بنا لیا اور وہ بڑا ہی ظلم کرنے والے تھے۔

اور جب وہ نادم ہوئے اور محسوس کیا کہ وہ تو بڑی گمراہی میں پڑ گئے تو بولے کہ اگر ہمارا پروردگار ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والے ہوں گے۔

اور جب موسیٰ رنج و غصّے سے بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو بولے تم لوگوں نے میرے پیچھے بہت ہی بُری حرکت کی، کیا تم نے اپنے پروردگار کے حکم آنے سے پہلے ہی جلد بازی کر دی۔ اور توراۃ کی تختیاں تو ایک طرف ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر لگے انھیں اپنی طرف گھسیٹنے، ہارون نے کہا اے میرے پیارے بھائی مجھے تو لوگوں نے بے حقیقت سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر ڈالیں۔ سُو میرے اوپر دشمنوں کو نہ ہنسوائیے اور مجھے اُن ظالم لوگوں کے زُمرے میں داخل نہ کیجئے۔

موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار مجھ سے اور میرے بھائی

سے درگزر فرما اور ہم دونوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمالے اور تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔

بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا ہے اُن پر اُن کے پروردگار کی طرف سے غضب اور ذلّت بہت جلد پڑے گی اسی دُنیا کی زندگی میں، اور ہم تہمت گھڑنے والوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اور جن لوگوں نے گناہوں کے کام کئے پھر اسکے بعد انھوں نے توبہ کرلی اور ایمان لے آئے تو بیشک تمہارا رب اسکے بعد ان کے حق میں بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔

اور جب موسیٰ کا غصّہ فرو ہوا تو اُنھوں نے تختیوں کو اُٹھالیا اور اُس نسخہ توریت میں ہدایت اور رحمت تھی اُن لوگوں کے لئے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں۔"

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ الخ (طٰہٰ آیات ۸۳ تا ۹۸)

(اور جب موسیٰ طور پر حاضر ہوئے تو ہم نے پوچھا) اے موسیٰ کس بات نے تم کو جلدی کرنے پر اُبھارا؟ اور (تم قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔

موسیٰ نے عرض کیا وہ بس میرے پیچھے آہی رہے ہیں، میں جلدی کرکے تیرے حضور آگیا، تاکہ اے میرے رب تو مجھ سے خوش ہو جائے۔

فرمایا اچھا سنو ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے انھیں گمراہ کرڈالا۔ موسیٰ سخت غصّے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹے، کہا اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے رب نے تم سے اچھے وعدے نہیں کئے تھے؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدّت گزر گئی (اور تم یاد نہ رکھ سکے) یا تم اپنے رب کا غضب ہی اپنے اوپر لانا چاہتے تھے کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی؟

اُنھوں نے جواب دیا ہم نے آپ سے وعدہ خلافی کچھ اپنے

اختیار میں نہیں کی لیکن معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لَد گئے تھے اور ہم نے بس اُن کو پھینک دیا تھا۔ پھر اسی طرح سامری نے بھی کچھ ڈالا اور اُن کے لئے ایک بچھڑے کی مُورتی بنا کر نکال لایا۔ جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی، لوگ پکار اُٹھے یہی ہے تمہارا خُدا اور موسیٰ کا خُدا، موسیٰ اسے بھول گئے۔

کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اُن کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ ہارونؑ موسیٰؑ کے آنے سے پہلے ہی اِن سے کہہ چکے تھے کہ لوگو! تم اسکی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمٰن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔

مگر انھوں نے ہارون سے کہہ دیا کہ ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے جب تک کہ موسیٰ واپس نہ آجائے۔ (موسیٰ قوم کو ڈانٹنے کے بعد ہارون کی طرف متوجہ ہوئے) بولے اے ہارون تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کس چیز نے تم کو روکا کہ میرے پاس چلے آتے تو کیا تم نے بھی میرے حکم کی خلاف ورزی کی۔

ہارون نے جواب دیا اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی نہ پکڑ نہ میرے سر کے بال، مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ تم آکر یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔

موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟

اُس نے جواب دیا میں نے وہ چیز دیکھی ہے جو اُن لوگوں نے نہیں دیکھی ہے۔ پس میں نے رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی اُٹھالی اور اُسکو ڈال دیا، میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سجھایا۔

موسیٰ نے کہا اچھا تو جا، اب زندگی بھر تجھے یہی پکارتے رہنا ہے کہ مجھے نہ چھونا اور تیرے باز پُرس کا ایک وقت مقرر ہے جو تجھ سے ہرگز نہ ٹلے گا اور دیکھ اپنے اس خُدا کو جس پر تو ریجھا ہوا ہے اب ہم اسے

ضرور جلا دیں گے اور ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہا دیں گے۔
لوگو! تمہارا خُدا تو بس ایک ہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی
معبود نہیں ہر چیز پر اس کا علم حاوی ہے۔

خیانت اور ہلاکت

جب بنی اسرائیل کا جُرم معاف کر دیا گیا اور توبہ کے ضمن میں مقتولین کو شہید کا درجہ اور جو زندہ رہ گئے انھیں معافی کا درجہ دے دیا گیا۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے اللہ تعالےٰ کی وہ فہمائش بھی سُنا دی کہ اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور اسکے مطابق عمل کرو اس میں تمہاری ہدایت و فلاح کے طور وطریقے ہیں۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی تعمیل کرو۔ بنی اسرائیل بہرحال بنی اسرائیل ہی تھے کہنے لگے اے موسیٰ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے؟ ہم اتنی بڑی بات صرف آپ کے کہنے سے کیسے قبول کریں؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر دیکھے ایک بات کی تصدیق کرلیں؟ ہم اسپر اُسوقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور اپنے کانوں سے یہ سُن لیں کہ یہ ہماری کتاب ہے اسپر ایمان لاؤ؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ یہ بے جا سوال ہے ان آنکھوں سے خدا کو کس نے دیکھا ہے جو تم لوگ دیکھنا چاہتے ہو؟ یہ بڑی جرأت کی بات ہے اور سخت گستاخی بھی۔

لیکن بنی اسرائیل کا اصرار بدستور قائم رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی الٰہی اس قوم پر رحم فرما، اور اپنے کتاب پر عمل کرنے کی اُنھیں توفیق دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی وحی آئی کہ قوم کے ستّر ذمہ دار افراد کا انتخاب کرلو اور انھیں کوہِ طور پر لے آؤ ہم اسکی تصدیق کروا دیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ستّر سرداروں کا انتخاب کیا اور اُن سے عہد لیا کہ وہ واپس آکر شہادت دیں۔ قوم نے بھی اس انتخاب سے اتفاق کیا، اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام قبائل سے ستّر سرداروں کو چُن

لیا اور طور پر لے آئے۔ کوہِ طور پر ایک سفید بادل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گھیر لیا اور اللہ تعالےٰ سے ہمکلامی شروع ہوئی، اِن سرداروں نے بھی اللہ تعالےٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلام سُنا جب بات ختم ہوئی اور وہ سفید بادل دور ہوا تو اِن ضدی سرداروں نے اپنا پہلا اصرار قائم رکھا کہ کیا معلوم کس کا کلام تھا؟ ہم نے تو صرف کانوں سے سُنا، کلام کرنے والا تو ہمیں نظر نہیں آیا بھلا اے موسیٰ ہم اپنی قوم کو کس طرح شہادت دیں کہ یہ کلام اللہ ہی کا تھا۔

لہٰذا ہم اب بھی وہی کہتے ہیں کہ جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں ایمان نہیں لائیں گے۔ اس احمقانہ اصرار پر غضب الٰہی ٹوٹ پڑا۔ ایک ہیبت ناک چمک وکڑک و زلزلے نے اُن کو پکڑ لیا اور سب ہلاک ہو گئے۔ جمہور علماء کا یہی قول ہے کہ یہ لوگ حقیقتاً مر گئے۔

(روح المعانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو بارگاہِ الٰہی میں عاجزی کیساتھ دُعا مانگی الٰہی اگر یہ چند بیوقوف بیوقوفی کر بیٹھیں تو کیا ہم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ اے اللہ انہیں اپنی رحمت سے معاف فرما۔

اللہ تعالےٰ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا وپکار پسند آئی ان سب کو دوبارہ زندگی عطا کر دی گئی۔ اس طرح اِن لوگوں نے اللہ کے کلام کے ساتھ موت کا مزہ بھی چکھا۔ اس واقعہ کی تفصیل قرآن حکیم میں اس طرح موجود ہے:۔

قرآنی مضمون

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا۔ الخ

(اعراف آیات ۱۵۵ تا ۱۵۷)

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستّر مرد کا انتخاب کیا ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت کے لئے، پھر جب انھیں زلزلے نے آپکڑا تو موسیٰ نے کہا اے میرے پروردگار اگر تجھے یہی منظور ہے تو تو نے اس کے قبل ہی اُنکو اور مجھکو ہلاک کر دیا ہوتا، کیا تو ہمیں اُس حرکت پر ہلاک کر دے گا جو ہم میں

ان چند بے وقوفوں نے کی ہے ؟ یہ تو بس تیری طرف سے آزمائش ہے۔ اِن آزمائشوں سے جس کو تو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جسکو چاہے ہدایت پر قائم کر دے، تو ہمارا کارساز ہے ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو ہی بہترین مغفرت کرنے والا ہے

اور ہمارے حق میں بھلائی لازم کر دے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہم تو تیرے آگے جُھک گئے ہیں، اللہ نے فرمایا اپنا عذاب میں اُس پر واقع کرتا ہوں جسکے لئے چاہتا ہوں اور میری رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ سو اسکو ان لوگوں کے لئے تو ضرور ہی لازم کر دوں گا جو خوفِ خدا رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

جو لوگ اس نبی اُمّی کی پیروی کرتے ہیں جسکو وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں انھیں وہ نیک کرداری کا حکم دیتا ہے اور انھیں بدکرداری سے روکتا ہے اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور اُن پر سے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر اب تک تھیں اُتار دیتا ہے۔ سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اُس کا ساتھ دیا اور اُس کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو اُسکے ساتھ اُتارا گیا ہے سو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔

(بقرہ آیت ۵۵، ۵۶)

"اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تجھ پر اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اللہ کو بے حجاب اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں، پس آنکھوں دیکھتے تم کو بجلی کی کڑک نے آپکڑا۔ پھر ہم نے تم کو موت کے بعد زندہ کیا تاکہ تم شکر گزار رہو۔"

رفع طور الغرض جب یہ ستّر سردار دوبارہ زندگی پاکر قوم کی جانب واپس ہوئے اور

قوم سے سارا قصہ کہہ سنایا اور بتایا کہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ حق ہے اور بلا شبہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں۔ اس آنکھوں دیکھی شہادت کے بعد اب کوئی گنجائش ہی نہ تھی جو تسلیم و اطاعت کے لئے ضروری ہوتی، لیکن قوم کی کجروی بدستور باقی رہی اور قبولِ حق میں وہی معاندانہ رویہ اختیار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ارشادات پر توجہ نہ کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ جناب الٰہی میں کیا اور مدد چاہی۔ بارگاہِ الٰہی سے جواب دیا گیا کہ اب اِن نافرمانوں کے لئے ایک اور حجت عطا کرتا ہوں اب اسی ذریعہ سے یہ لوگ تورات کو قبول کرلیں گے۔ چنانچہ ایک دن زبردست زلزلے کے ذریعہ پورا کوہِ طور سروں پر معلق ہوگیا۔ اس طرح گویا وہ چھتری ہے جس کا سایہ سروں اور جسموں پر پڑتا ہے۔ اس ہیبت ناک منظر میں آواز آئی، کتاب تورات کو قبول کرلو اور اُسکو مضبوطی سے عمل کے لئے تھام لو۔

اس عظیم الشان نشانی کو دیکھ کر سارے بنی اسرائیل نے احکام کی تعمیل کا وعدہ کیا اور اقرار کیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اس اقرار کے بعد کوہِ طور سروں سے دور ہوا اور اپنی جگہ آبیٹھا، روایات میں ہے کہ ایک فرشتے نے اللہ کے حکم سے یہ عمل انجام دیا۔

چند دن تو بنی اسرائیل پر اس کا خوف مسلط رہا پھر وہی بے راہ روی عود کر آئی زیادہ عرصہ تک اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور پھر خلاف ورزی شروع کردی۔

رفع طور کا یہ واقعہ قرآن حکیم میں آیات ذیل میں مختصر مگر نہایت صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہے:-

قرآنی مضمون

وَاِذْ اَخَذْ نَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ. الخ

(بقرہ آیت ۶۳)

اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا اور ہم نے طور پہاڑ کو اُٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا۔ قبول کرو جو کتاب کہ ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اسمیں ہیں، جس سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔

پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالےٰ کا فضل و رحم نہ ہوتا تو ضرور تباہ ہو جاتے۔

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۔ الخ (اعراف آیت ۱۷۱)

"اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اُٹھا کر چھت کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا اور ان کو یقین ہو گیا کہ اب اِن پر گرا، اور کہا کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اسمیں ہیں جن سے توقع ہے کہ تم متقی بن جاؤ۔"

ارضِ مقدس

سینا کے جس مقام میں اس وقت بنی اسرائیل تھے یہ فلسطین سے قریب تھا۔ بنی اسرائیل کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام سے اللہ تعالےٰ کا وعدہ تھا کہ ایک زمانہ بعد تمہاری اولاد کو پھر سے اس ارضِ مقدس کا مالک بنا دیا جائے گا جو دوسروں کے قبضے میں چلا گیا تھا تاریخی روایات میں مشہور بات یہی ہے کہ ملک شام اور بیت المقدس پر عمالقہ قوم کا قبضہ تھا جو قوم عاد کی نسل سے تعلق رکھتے تھے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد و قامت کے لوگ تھے۔

فرعون سے نجات پانے اور کوہِ طور پر کتاب و شریعت ملنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ اپنی قوم کو لے کر بیت المقدس فتح کریں اور اس کے لئے ارض مقدس پر جہاد کریں اور وہاں کے ظالم و جابر حکمرانوں کو نکال کر عدل و انصاف قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی وعدہ فرمایا کہ فتح تمہاری ہوگی اور ظالم دشمن شکست کھا جائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تعمیل حکم میں اپنی قوم بنی اسرائیل کو لیکر ملک شام کا رُخ کیا جانا تو بیت المقدس پر تھا جب نہر اُردن سے پار ہو کر دنیا کے قدیم ترین شہر "آریحا" پر پہونچے جسکی خوشحالی اور سرسبزی ضرب المثل تھی۔ یہاں کچھ دن قیام کیا اور بنی اسرائیل کے بارہ سرداروں کو (جن کا ذکر گزشتہ آیات میں آچکا ہے) محاذ جنگ کی صورتِ حال اور

دشمن کی طاقت وقوت کا اندازہ لگانے آگے روانہ کیا۔ جب یہ لوگ شہر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ قوم عمالقہ کا ایک آدمی انھیں مل گیا اور وہ صرف اکیلا ان بارہ کو گرفتار کرکے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا کہ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے آئے ہیں، بعضوں نے مشورہ دیا کہ انھیں قتل کر دیا جائے، بعض نے کہا انھیں جیل بھیج دیا جائے۔ آخر یہ طے ہوا کہ انھیں قوم کی قوت و طاقت کا مشاہدہ کرا کے آزاد کر دیا جائے "تاکہ یہ اپنی قوم میں جاکر عمالقہ کی شان وشوکت کا ذکر کریں تاکہ انھیں کبھی جنگ کرنے کا خیال تک نہ آئے۔ چنانچہ انھیں آزاد کر دیا گیا۔ یہ رہا ہوکر اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس مقام "آریحا" پہنچے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب وغریب قوم کی ناقابل قیاس قوت وشوکت کا ذکر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قلب تو مطمئن تھا کیونکہ انھیں فتح کی پیشگوئی مل چکی تھی لیکن قوم پر اندیشہ ہوا کہ اگر انھیں یہ تفصیلات معلوم ہو جائیں تو ہمت ہار بیٹھیں گے۔ ان بارہ سرداروں کو ہدایت کی کہ یہ حالات پوشیدہ رکھے جائیں کسی پر ظاہر نہ ہوں مگر ان میں سے دس سرداروں نے اسکو فاش کر دیا صرف دو سردار جن کے نام یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا تھے موسوی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ بہرحال بنی اسرائیل میں جب یہ تفصیلات پھیل گئیں تو وہ رونے پیٹنے لگے اور کہنے لگے کہ اچھا تو یہی تھا کہ ہم بھی قوم فرعون کی طرح دریا میں ڈوب مرتے یا پھر مصر ہی میں غلام بنے پڑے رہتے یہاں تو سوائے موت کے اور کیا ہے؟ بھلا ایسی بڑی قوت و طاقت سے کہیں مقابلہ بھی ہوسکتا ہے؟

یہ سنکر اُن دو بزرگوں نے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے نصیحت کے لہجہ میں کہا اے قوم ذرا ہمت کرو چند قدم اُٹھا کر شہر کی طرف چلو اللہ کی مدد ونصرت آئے گی یقیناً تمہاری ہی فتح ہوگی۔ جوں ہی تم بیت المقدس کے دروازے پر داخل ہو گے دشمن بھاگ کھڑا ہوگا۔ اللہ پر اعتماد کرو، کامیابی ہم کو ہی ہوگی۔

مگر بنی اسرائیل جب اپنے پیغمبر کی بات ماننے کو تیار نہ تھے تو ان دونوں بزرگوں کی بات کا کیا لحاظ رکھتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہایت ذلیل وشرمناک جواب دیا:-

"اے موسیٰ بس تم اور تمہارا رب دونوں جاؤ اور لڑو، ہم یہاں بیٹھتے ہیں۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ بیہودہ جواب سُنا تو بہت افسردہ خاطر ہوئے اور

انتہائی رنج و ملال کی حالت میں درگاہ الٰہی میں عرض کیا الٰہی میں اپنے اور ہارون کے سوا کسی پر قابو نہیں رکھتا سو ہم دونوں حاضر ہیں اب تو ہمارے اور اِن نافرمانوں کے درمیان جُدائی کر دے، اِن سے اب کسی خیر کی توقع نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی تم غمگین نہ ہو ان کی نافرمانی کا تم پر کوئی بوجھ نہیں۔ اب ہم نے اِن کے لئے یہ سزا تجویز کر دی ہے کہ یہ چالیس سال اسی میدان میں بھٹکتے پھریں گے اور اِن کو ان کے آبا و اجداد کے قدیم شہر ارض مقدس میں جانا نصیب نہ ہوگا۔ ہم نے اُنپر ارض مقدس حرام کر دیا ہے۔ چنانچہ اس صحرا نوردی کی شکل اس طرح شروع ہوئی، بطور سزا انھیں چالیس سال تک ایک محدود علاقہ میں محصور و مقید ہونا پڑا، ظاہری طور پر ان کے اطراف کوئی حصار نہ تھا نہ اُن کے ہاتھ پیر کسی قید و بند میں جکڑے ہوئے تھے بلکہ یہ سب کھُلے میدان میں تھے اور اپنے وطن مصر کی طرف جانے کے لئے ہر روز صبح سے شام تک سفر کرتے مگر شام کو پھر وہیں نظر آتے جہاں سے صبح کو چلے تھے۔ یہ اللہ کی طرف سے عذاب تھا جو اُن پر مسلط ہو گیا تھا۔ ناقابل فہم طور پر یہ صحرا نوردی مسلسل چالیس سال تک جاری رہی لیکن انھیں اس وادی سے نکلنے اور اپنے وطن مصر پہنچنے کی کوئی شکل پیدا نہ ہوئی۔ اسی دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال بھی ہو گیا اور یہ بے باپ کی اولاد کی طرح اس وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔ ان کے بعد اللہ تعالےٰ نے دوسرے پیغمبران کی ہدایت کے لئے بھیجے۔

اللہ کی سزاؤں کے لئے نہ پولس اور نہ اُن ہتھکڑیوں کی ضرورت ہے جس سے قیدیوں کو مقید کیا جاتا ہے۔ نہ جیل خانے کی مضبوط دیواروں اور آہنی دروازوں کی ضرورت ہے۔ جب وہ کسی کو محصور اور نظربند کرنا چاہتے ہیں تو کھُلے میدان میں بھی قید کر سکتے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ ساری کائنات اُس کی مخلوق اور محکوم ہے۔ جب کائنات کو کسی کے قید کرنے کا حکم ہو جاتا ہے تو پھر اُسکی ساری ہوا، اور فضا، زمین و مکان اسکے لئے جیل خانہ بن جاتی ہے۔

چنانچہ یہ سارا میدان جو مصر اور بیت المقدس کے درمیان ہے جس کا طول و عرض حضرت مقاتلؒ کی تفسیر کے مطابق تیس فرسخ لمبائی اور نو فرسخ چوڑائی ذرا ایک فرسخ

کم و بیش تین میل کا قرار دیا جائے تو کل نو۹ے میل کا طول اور ستائیس۲۷ میل کے عرض کا رقبہ ہو جاتا ہے) اور بعض روایات کے مطابق صرف ۱۸ × ۳۰ میل کا رقبہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پوری قوم کو جسکی تعداد حضرت مقاتلؒ کے بیان کے مطابق چھ چھ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی مقید کر کے رکھ دیا۔ اس میدان کے اندر اس عرصہ میں اس قوم کے جوان اور بوڑھے فوت ہو گئے۔ صحیح روایات کے مطابق اس چالیس سالہ دور میں پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا پھر اسکے چھ ماہ بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا گئے۔ اِن کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر مامور فرمایا۔ چالیس سالہ دورِ قید ختم ہونے کے بعد قوم کے نوجوانوں کو لیکر حضرت یوشع علیہ السلام بیت المقدس کی فتح کے لئے چل پڑے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ملک شام اِن کے ہاتھوں فتح ہوا اور ملک کی ناقابل قیاس دولت اِن کے ہاتھ آئی۔

اہل تفسیر نے ایک نکتہ یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو جو بھی سزا دیتے ہیں وہ اُنکی اعمال بد کی ہم شکل ہوتی ہے۔ اس نافرمان قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوال پر یہ گستاخانہ جواب تھا،

اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ (ہم تو یہیں بیٹھتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے انھیں چالیس۴۰ سال تک یہیں بٹھا دیا۔ نعوذ باللہ من غضبہ وعقابہ۔

ارض مقدس کا تذکرہ آیاتِ ذیل میں موجود ہے۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ۔ الخ (مائدہ آیات ۲۰ تا ۲۹)

اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اللہ کا وہ احسان تم اپنے اوپر یاد کرو جب اُس نے تمہارے اندر نبی پیدا کئے اور تمہیں خود مختار کیا اور تمہیں وہ دیا جو دنیا میں کسی قوم کو بھی نہیں دیا گیا۔

اے میری قوم کے لوگو! اس زمین مقدس میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور پچھلے پیر واپس نہ ہونا ورنہ

بالکل ہی خسارہ میں پڑ جاؤ گے۔
وہ بولے اے موسیٰ اُس سرزمین پر تو بڑی زبردست قوم آباد ہے، اور ہم تو وہاں ہرگز نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں البتہ وہ اگر وہاں سے نکل جائیں تو بلاشبہ داخل ہونے کو تیار ہیں۔ اس پر وہ دو آدمی جو اللہ سے ڈرنے والوں میں تھے اور اُن دونوں پر اللہ کا فضل تھا بولے تم اُن پر چڑھائی کر کے شہر کے دروازے تک تو چلو، سو جس وقت تم دروازہ میں قدم رکھو گے اُسی وقت غالب آجاؤ گے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔
وہ لوگ بولے اے موسیٰ ہم ہرگز وہاں کبھی بھی نہ داخل ہوں گے جب تک کہ وہ لوگ وہاں موجود ہیں۔ سو آپ خود اور آپ کا خدا چلا جائے اور آپ دونوں لڑ بھڑ لیں ہم تو یہاں سے ٹلتے نہیں۔
موسیٰ نے عرض کی اے میرے پروردگار میں تو سوائے اپنے اور اپنے بھائی ہارون کے کسی اور پر اختیار نہیں رکھتا۔ لہٰذا تو ہی ہمارے اور اس بے حکم قوم کے درمیان فیصلہ کر دے۔
ارشاد ہوا اچھا تو وہ ملک اُن پر چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا۔ یہ لوگ اسی زمین پر بھٹکتے پھریں گے۔ سو آپ اس بے حکم قوم پر ذرا بھی غم نہ کیجیے۔

ذبح بقرہ

بنی اسرائیل کے واقعات میں ذبح گائے کا واقعہ بھی خاصی شہرت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کو بھی خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اُسکے نتائج سے بھی آگاہ کیا ہے۔ یہ واقعہ غالباً نزولِ تورات سے قبل کا ہے۔ بنی اسرائیل اپنی ہمسایہ قوم سے جہاں عادات و اطوار میں ہمشکل ہو گئے تھے وہاں عبادات و اعتقادات میں بھی کافی حد تک متاثر ہو گئے تھے۔ قدیم زمانے سے مصر میں گائے کی تقدیس اور اُسکی پوجا چلی آرہی تھی۔ بنی اسرائیل کو بھی اس مرض کی چھوت لگ گئی تھی انکو ایک واقعہ میں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا جو دراصل اِن کے ایمان کا امتحان تھا کہ اگر وہ واقعی اب

اللہ کے سوا کسی کو معبود نہیں سمجھتے تو بہ عقیدہ اختیار کرنے سے پہلے جس بُت کو معبود سمجھتے رہے ہیں اُس سے اپنے ہاتھ اُٹھالیں۔ یہ امتحان بڑا سخت تھا۔ جن قلوب میں گائے پرستی موجود تھی وہ اس کو کسی طرح بھی کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ لیکن اللہ کو یہی منظور تھا کہ ایک دفعہ عملاً اس "معبود بقری" کو خود عابدوں کے ہاتھ ذبح ہوتا دیکھے اور مومن کافر سے ممتاز ہوجائے اور معبود باطل کی بے چارگی اور بے بسی بھی عیاں ہوجائے۔

ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اِس کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے کسی گھر شادی کا پیام دیا لیکن گھر والوں نے اسکو قبول نہ کیا اس شخص نے خفیہ طور پر اُس لڑکی کے باپ کو قتل کر دیا، اسکے بعد وہ لاپتہ ہوگیا، آخر کار شُبہ کی تہمت نے بہت سے خانوادوں میں باہمی اختلاف اور کشمکش کی صورت اختیار کرلی۔ کسی طرح قاتل کا پتہ نہ چلتا تھا قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ اس نزاع کا حل تلاش کیا جائے ورنہ قبائل جنگ کے چھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی اور مدد چاہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور قاتل کی نشان دہی کے لئے یہ نسخہ تجویز فرمایا، قوم سے کہا جائے کہ ایک گائے ذبح کی جائے اور اُسکے گوشت کے ایک حصّے کو مقتول کے جسم سے لگایا جائے، مقتول زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام و نشان بتلادے گا۔ اس طرح یہ معاملہ واضح ہوجائے گا۔

مسئلہ کا حل بھی ضروری تھا اِدھر گائے کا ذبح کرنا (گویا اپنے معبود کو ذبح کرنا) بھی بڑا سخت امتحان تھا، بنی اسرائیل نے اسکو ٹالنے کی کوشش کی اور کج بحثی شروع کردی کہ اے موسیٰ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ قاتل کی نشان دہی سے گائے کو کیا تعلق ہے؟ بھلا یہ بھی کوئی طریقہ ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خیر خواہی سے کہا کہ نعوذ باللہ میں مذاق یا جھوٹ کیوں کروں۔ یہ تو جاہلوں کا طریقہ ہے۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفائی سے مطمئن ہوگئے تو پوچھنے لگے اچھا اگر یہ واقعی اللہ کا حکم ہے تو یہ بتایا جائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ اُس کی عمر کیا ہو؟ کن کن صفات کی حامل ہو وغیرہ وغیرہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے بتلایا کرتے تھے آخر کار جب سب سوالات ختم ہوگئے اور حیلہ جوئی کا کوئی موقعہ باقی نہ رہا تو بادل ناخواستہ

گائے کو ذبح کیا اور گائے کے گوشت سے مقتول کی لاش پر ضرب لگائی گئی، یک بیک مقتول میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اُٹھ بیٹھا، اپنے قاتل کا نام و نشان بیان کرکے پھر ڈھیر ہوگیا۔ تاریخی روایت میں اس کا نام عامیل بیان کیا گیا ہے اور اس کا قاتل خود اس کا بھتیجہ تھا۔ اس طرح بیک کرشمہ ستہ کار ہوئے:۔

اوّل اللہ کی قدرت کا ایک نشان ظاہر ہوا۔

دوم قاتل کا نام و نشان ملا۔

سوم گائے کی تقدیس وعظمت پر بھی کاری ضرب لگی کہ اس نام نہاد معبود کے پاس اگر کچھ بھی طاقت ہوتی تو اُسے ذبح کرنے سے ایک آفت ٹوٹ پڑتی۔

اس واقعہ سے جہاں یہ نتائج ظاہر ہوئے وہاں اس سے ایک بڑی حقیقت کا بھی اظہار کیا گیا، وہ یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُس مردے کو زندہ کرکے اپنی قدرت کا مظاہرہ کیا ہے، اسی طرح وہ قیامت کے دن بھی اسی طرح مُردوں کو دوبارہ زندگی عطا کریگا۔

الغرض یہ واقعہ بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک "عظیم نشان" ہے۔ بنی اسرائیل (قوم موسیٰ) کو جتنی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نشان (معجزات) دکھائے ہیں اگر واقعی دوسری قوم کے سامنے یہ مظاہرے کئے جاتے تو وہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبردار بن جاتی اور اُسکے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی نافرمانی کا خطرہ نہ گزرتا۔ لیکن ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہوگئے تھے۔ پتھر میں سختی ہوتے ہوئے بھی اُس سے مخلوق خدا کو بہت سے فائدے ہیں مگر ان کی زندگی میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کچھ باقی نہ رہا۔ قرآن حکیم نے اس واقعہ کے بعد ان کے قلوب کی حالت کو اِن الفاظ سے تعبیر کیا ہے:۔

اسکے بعد ان کے دل سخت ہوگئے گویا کہ وہ پتھر ہیں یا پتھر سے زیادہ سخت، (کیونکہ) بعض پتھروں سے پانی نکل کر نہریں بہتی ہیں اور کوئی پتھر اِن میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلتا ہے، اور کوئی اِن میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے، اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔ (بقرہ آیت ۷۴)

مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے قلوب کی سختی اور حق کے قبول کرنے میں بے اثری کا یہ عالم ہے کہ اگر محاورہ اور بول چال کے مطابق یوں کہا جائے کہ اُن کا دل پتھر

کی چٹان بن گیا ہے تب بھی اُسکی شدت وصلابت کی صحیح تصویر نہیں بنتی اس لئے کہ پتھر اگرچہ سخت ترین ہے مگر ناکارہ نہیں کیونکہ ہم پہاڑوں کا مشاہدہ کرتے ہیں ان ہی سخت چٹانوں سے دریا بہہ رہے ہیں اور اُن سے شیریں وٹھنڈے پانی کے چشمے جاری ہیں، اور اگر اِن پہاڑوں میں کوئی زلزلہ آجائے یا اللہ کی مشیت کا کوئی اور فیصلہ ہوجائے تو پہاڑوں کی یہ بلند و بالا چٹانیں روئی کے گالوں کی طرح اُڑکر سرنگوں ہوجاتی ہیں۔ اور اللہ کے خوف وخشیت کا زبانِ حال سے اعتراف کرتی ہیں، مگر قوم بنی اسرائیل پر نہ آیت اللہ کا اثر ہوتا ہے نہ پیغمبر کی سراپا خیر ونصیحت کا اور نہ نافرمانی کرتے وقت اللہ کا خوف اُن کے دلوں پر طاری ہوتا ہے۔

اہلِ سنت کا ایک گروہ کہتا ہے کہ خشیتِ الٰہی کا یہ اثر پتھروں میں اپنے حقیقی ولفظی معنوں میں ہے۔

یعنی بعض پتھروں میں گُداز کا جُزء ہوتا ہے گو اُن کے مرتبۂ جمادیت کے مطابق سہی اور ان میں فہم وادراک کی قوتیں ہوتی ہیں گو حجری سطح کے مطابق ہی۔ جیسے طور کہ آخر پہاڑ ہی تھا لیکن تجلّی اُلٰہی کے وقت جلالتِ ربّانی سے چور چور ہوگیا۔ قرآن حکیم اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے:۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ
وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

(اسراء آیت ۴۴)

"اُسکی پاکی بیان کر رہی ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور وہ سب چیزیں جو اُن کے درمیان ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم اُن کی تسبیح نہیں سمجھتے ہو حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بُرد بار درگزر کرنے والا ہے۔"

ذبح بقرہ کا یہ عجیب وغریب واقعہ قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا ہے۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ

بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ ۔ الخ (بقرہ آیات ۶۷ تا ۷۴)

اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تمہیں اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا اللہ مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں میں ہو جاؤں۔

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو، موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بن بیاہی بلکہ دونوں عمروں کے درمیان ہو، سو اب کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے۔

وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا اللہ فرماتا ہے کہ وہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو دیکھنے والوں کو بھی اچھی معلوم ہوتی ہو۔

وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ اور کیسی ہو؟ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے اور خدا نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔

موسیٰ نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ سالم ہو اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو، وہ بولے اب آپ ٹھیک پتہ لائے۔ پھر اُنھوں نے اُسے ذبح کر دیا اور وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کریں گے۔

(اور وہ گائے ایک ایسے نوجوان کی تھی جو اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اس سے وہ گائے خریدی گئی اتنے مال میں جتنا اس کی کھال میں سونا آسکتا تھا۔)

اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر تم اس باب میں لڑنے جھگڑنے لگے (یعنی ایک دوسرے پر الزام دینے لگے) اور اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے (یعنی قاتل کو ظاہر کرنا تھا)

تو ہم نے کہا کہ اس میت پر اس گائے کا کوئی ٹکڑا مارو، یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتے گا تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اسپر بھی تمہارے دل اسکے بعد سخت رہے۔ چنانچہ وہ پتھر جیسے ہیں بلکہ سختی میں اُس سے بھی بڑھکر اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی خشیت سے نیچے آگرتا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔"

قارُون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جن مخالف طاقتوں سے سابقہ پڑا انہیں قارون کا نام بھی شہرت رکھتا ہے۔ قرآن حکیم نے ایک مستقل رکوع میں اس کا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس قصّہ کا آغاز ہی اس نسبت سے کیا گیا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری سے تعلق رکھتا تھا۔

حضرت ابن عباس کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حقیقی چچازاد بھائی تھا (قرطبی)

روح المعانی نے محمد بن اسحاق کی ایک روایت نقل کی ہے کہ قارون توریت کا حافظ اور عالم تھا مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جن ستّر افراد کو کلام الٰہی سُنانے کوہ طور پر لے گئے تھے اُن میں یہ بھی شامل تھا۔ جس کا مفصل واقعہ گزشتہ اوراق میں آچکا ہے۔

حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ اسکو حضرت یوسف علیہ السلام کا ایک عظیم الشان مدفون خزانہ مل گیا تھا جسکی وجہ سے دولت کے انبار حاصل ہوگئے تھے اور وہ اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم وستم کیا کرتا تھا، اسکے خزانے اتنے زیادہ تھے کہ ان کی کنجیاں اتنی تعداد میں تھیں کہ ایک طاقتور جماعت بھی اسکو اُٹھائے تو بوجھ سے جُھک جائے، اور ظاہر ہے قفل کی کنجی بہت ہلکے وزن کی ہوتی ہے جسکا اُٹھانا اور پاس رکھنا مشکل نہیں مگر کثرتِ عدد کے سبب اتنی ہوگئیں تھیں کہ ان کا وزن ایک طاقتور جماعت کے لئے بھی بھاری تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کی قوم نے ایک مرتبہ اسکو نصیحت کی کہ اللہ نے تجھے بے شمار دولت و ثروت بخشی ہے۔ لہذا اس کا شکر ادا کر اور مال کا حق زکوٰۃ و صدقات دے کر غرباء و مساکین کی مدد کر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا ہے تو بھی لوگوں پر احسان کر، اپنا وہ حصہ جو تو دنیا سے لے جائے گا فراموش نہ کر (یعنی صرف کفن) مگر اُسکو یہ نصیحت پسند نہ آئی نہایت متکبرانہ لہجہ میں جواب دیا:۔

"میری یہ دولت و ثروت اللہ کی عطا کردہ نہیں ہے یہ تو میری محنت و قابلیت اور عقل و ہنر کا نتیجہ ہے۔ یہ کوئی فضل و کرم نہیں جو استحقاق کے بجائے احسان کے طور پر دیا جاتا ہو۔"

اسکے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السّلام اسکو برابر نصیحت کرتے اور راہِ ہدایت کی تلقین کرتے رہے لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام اس طرح باز نہیں آتے تو اُن کو اور اُن کی قوم کو مرعوب کرنے کے لئے ایک دن بڑے کرّ و فر سے نکلا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں پیغامِ الٰہی سُنا رہے تھے کہ قارون ایک بڑی جماعت اور خاص شان و شوکت اور خزانوں کی نمائش کے ساتھ سامنے سے گزرا۔

بنی اسرائیل نے جب قارون کی اس شان و شوکت کو دیکھا تو اُن میں سے کچھ آدمیوں کے دلوں کو انسانی کمزوری کا یہ جذبہ بے چین کر دیا، ان کی زبانوں سے یہ الفاظ نکل گئے،

"اے کاش! یہ دولت و ثروت، شان و شوکت ہم کو بھی نصیب ہوتی۔"

اسی وقت قوم کے بعض اہل علم افراد نے مداخلت کی اور ان سے کہا،

"خبردار خبردار! اس دنیوی زیب و زینت پر نہ جانا اور اسکے حرص میں نہ گرنا تم عنقریب دیکھو گے کہ اس غرور و نخوت کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ تمہارے لئے ایمان و عمل صالح ہی بہترین ذخیرہ ہیں۔"

قارون کی اس شان و شوکت کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

بنی اسرائیل کا ایک شخص (قارون) اپنے لباس کی شان و شوکت کے ساتھ اکڑتا چلا جا رہا تھا اچانک زمین میں دھنسا دیا گیا اور وہ قیامت

تک اسی طرح دھنستا جائے گا۔ (بخاری)

ابن عباسؓ کی ایک روایت سے اسکے دھنسائے جانے کی یہ کیفیت ملتی ہے :۔

ایک دفعہ قارون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدنام اور ذلیل کرنے کے لئے ایک بدکار عورت کو کثرت سے مال دیا اور اسکو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بدکاری کا الزام لگائے۔ اس بدکار عورت نے ایسا ہی کیا جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک مجمع کو خطاب کر رہے تھے، اس الزام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع سے علیحدہ ہوئے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اُس عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے عورت تو اس بات پر اللہ کی قسم کھا اور اللہ سے ڈر۔ عورت پر اس خطاب سے کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ اُس نے اعتراف کیا کہ قارون نے اسکو اس بات پر آمادہ کیا ہے اور اب وہ اللہ کی جناب میں توبہ کرتی ہے اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدہ ریز ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں فریاد کی، اللہ نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ میں نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کی اطاعت کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ وہ قارون اور اسکے سازوسامان کو نگل لے، زمین نے نگلنا شروع کیا یہاں تک کہ وہ اور اُس کا مکان زمین میں دھنس گیا۔ (قصص الانبیاء، ابن کثیر)

یہ سارا واقعہ بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے ہوا اس پر جن لوگوں نے کل تک حسرت و تمنا ظاہر کی تھیں اُن لوگوں نے اس ہولناک منظر کو دیکھ کر توبہ کی کہنے لگے اے بربادی اگر ہم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ہم بھی ایسے ہی دھنسائے جاتے اور بیشک ناشکری کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔

قارون کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی اِن آیات میں موجود ہے :۔

قرآنی مضمون

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۔۔۔

(قصص آیات ۷۶ تا ۸۲)

یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا پھر اُن پر تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسکو اس قدر خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں، جبکہ اُسکو اسکی برادری نے کہا تو اس مال پر نہ اترا واقعی اللہ تعالےٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ قارون موسیٰ کی قوم کا ایک شخص تھا پھر اُن پر تکبر کرنے لگا اور ہم نے اسکو اس قدر خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں کئی کئی زور آور شخصوں کو گرانبار کر دیتی تھیں، جبکہ اُسکو اسکی برادری نے کہا تو اس مال پر نہ اترا واقعی اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تجھ کو اللہ نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر اور جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی بندوں کے ساتھ احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

قارون کہنے لگا کہ مجھ کو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، کیا اُس (قارون) نے یہ نہ جانا کہ اللہ تعالےٰ اس سے پہلے امتوں میں ایسے ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس سے بھی کہیں بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی اُن کا اس سے زیادہ تھا اور مجرموں سے تو اُن کے گناہ پوچھے نہیں جاتے (۱لا توبیخاً ۱وتنبیناً) ایک روز وہ اپنی قوم کے سامنے پورے ٹھاٹھ باٹ سے نکلا، جو لوگ حیاتِ دُنیا کے طالب تھے وہ اسے دیکھ کر کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ ملتا جو قارون کو دیا گیا ہے یہ تو بڑا نصیبے والا ہے۔

اور جو لوگ علم رکھنے والے تھے وہ کہنے لگے افسوس تمہارے حال پر اللہ کا ثواب بہتر ہے اُس شخص کے لئے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور یہ دولت نہیں ملتی سوائے صبر کرنے والوں کو۔

آخر کار ہم نے اسے اور اُسکے گھر کو زمین میں دھنسا دیا پھر کوئی اُسکو حامیوں کا گروہ نہ تھا جو اللہ کے مقابلہ میں اُسکی مدد کو آتا اور نہ خود وہ اپنی

مدد آپ کر سکا۔

اب وہی لوگ جو کل اُسکی منزلت کی تمنا کر رہے تھے کہنے لگے افسوس ہم بھول گئے تھے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کا رزق چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اندازہ سے دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ افسوس ہم کو یاد نہ رہا کہ کافر فلاح نہیں پایا کرتے۔ وہ آخرت کا گھر تو ہم اُن لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد چاہتے ہیں۔ اور اچھا انجام تو صرف اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ جو کوئی بھلائی لے کر آئے گا اُس کے لئے اُس سے بہتر بھلائی ہے اور جو بُرائی لے کر آئے تو برائیاں کرنے والوں کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے وہ عمل کرتے تھے۔"

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ. إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سَاحِرٌ كَذَّابٌ. (مومن آیت ۲۳، ۲۴)

"اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور کھلی حجت دیکر فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تھا۔ پس اِن سب نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔"

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ. الخ

(عنکبوت آیت ۳۹، ۴۰)

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو ہم نے ہلاک کیا اور موسیٰ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے مگر اُنھوں نے زمین میں اپنی بڑائی کا زعم کیا حالانکہ وہ سبقت لے جانے والے نہ تھے۔

آخر کار ہم نے ہر ایک کو اُسکے گناہ میں پکڑا پھر اُن میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا

اللہ اُن پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

بے وفا الزام تراشیاں

بنی اسرائیل روز اوّل ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بُت پرستی کی فرمائش، گوسالہ پرستی، قبولِ تورات سے انکار، ارضِ مقدس میں داخلے سے گریز، منّ وسلویٰ پر ناشکری۔ یہ اور اس قسم کے تمام واقعات اسکی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے کس قدر بے وفا ثابت رہے ہیں اسکے علاوہ ذہنی وفکری طور پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کثرت سے ایذاء دیتے رہے اور گندی تہمتوں سے بھی باز نہ آئے۔ احادیث میں ایسی ایذاء رسانیوں اور تہمتوں کے چند ایک واقعات مذکور ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس اولوالعزم رسول نے اپنی قوم سے کیا کچھ نہیں برداشت کیا ہے۔

ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی ایذاء دہی پر اس طرح اظہارِ حقیقت فرماکر تسکین حاصل کی، موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمتیں ہوں ان کو اللہ کی راہ میں اس سے زیادہ ایذاء دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو فہمائش کی کہ اے ایمان والو اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذائیں دیں پھر اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن سب باتوں سے بری کر دیا جو وہ کہا کرتے تھے۔

اُن واقعات میں ایک مشہور واقعہ بخاری ومسلم میں مذکور ہے جسکے راوی حضرت ابوہریرہؓ ہیں فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام عام نبیوں کی طرح شرم وحیا زیادہ رکھتے تھے حتیٰ کہ وہ اپنے برہنہ بدن کے کسی حصہ پر بھی اپنی نگاہ پڑنے نہیں دیتے تھے اسکے برعکس بنی اسرائیل مجمع عام میں برہنہ ہوکر غسل کرنے کے عادی تھے اس لئے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اکثر وقت تنگ کرتے تھے اور اُن کا مذاق اُڑایا کرتے تھے کبھی کہتے تھے کہ موسیٰ (علیہ السلام)

کے خاص حصۂ جسم پر برص کے داغ ہیں، کبھی کہتے تھے کہ ان کو اُدرَہ (شرم گاہ کا متورّم ہوجانا) کا مرض ہے یا کوئی اور قسم کا مرض ہے تب ہی تو چھپ کر علیٰحدہ غسل کرتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سنتے اور خاموش رہتے۔ آخر اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی ہوئی کہ ان کو اُس تہمت سے پاک اور بَری کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام علیٰحدہ آڑ میں غسل کر رہے تھے اور کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے تھے۔ پتھر اللہ تعالےٰ کے حکم سے اُن کے کپڑے لے بھاگا اور ایسی جگہ جا کر رُکا جہاں بنی اسرائیل موجود تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام انتہائی گھبراہٹ اور غصّے کی حالت میں اُس پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے دوڑے ثَوْبِیْ حَجَرْ ثَوْبِیْ حَجَرْ اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر میرے کپڑے! پتھر جب مجمع کے سامنے ٹھہر گیا تو سب نے اچانک دیکھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو مختلف الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سب غلط ہیں اور وہ ہر عیب سے پاک صاف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس اچانک واقعہ کا ایسا اثر پڑا کہ غصے میں جھنجھلا کر پتھر پر لاٹھی سے ضرب لگانا شروع کیا جس سے اُس پر نشان پڑ گئے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

اس طرح غیر شعوری طور پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صفائی کرا دی اور انھیں اس ذہنی کوفت سے نجات دی جو قوم کی طرف سے مسلسل دی جا رہی تھی۔

ایک اور واقعہ بھی محدث ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ:۔

جس زمانے میں بنی اسرائیل وادی تیہ میں مقیّد تھے اُن دنوں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام پہاڑ (ہور) پر مصروف عبادت تھے انہی دنوں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انکی تجہیز و تکفین کی اور نیچے اتر کر قوم کو اطلاع دی۔ بنی اسرائیل نے اس پر یہ مشہور کر دیا کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل کر دیا ہے۔ اس تہمت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سخت صدمہ پہنچا، پھر اللہ تعالےٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ ہارون علیہ السلام کی نعش کو مجمع میں

پیش کر دے جب اُنھوں نے یہ دیکھا تو اطمینان ہوا کہ واقعی ہارون علیہ السلام
پر قتل کا کوئی نشان نہیں ہے۔"

توراۃ میں بھی اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے۔

ایک تیسرا واقعہ حضرت ابن عباسؓ سے کتب تفاسیر میں منقول ہے کہ

جب قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت بہت
ناگوار گزرنے لگی تو ایک دن اُس نے ایک پیشہ ور عورت کو کچھ روپے دیکر
اس پر آمادہ کیا کہ جس وقت حضرت موسیٰ وعظ و نصیحت میں مشغول ہوں
اس وقت آپ پر الزام لگانا کہ یہ شخص مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ (نعوذ باللہ)
چنانچہ ایک دن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وعظ فرما رہے
تھے اس بدکار عورت نے آپ پر یہ الزام دھر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
یہ سنکر سجدہ میں گر پڑے اور پھر سر اُٹھا کر اُس عورت کی جانب مخاطب
ہوئے کہ تو نے جو کچھ ابھی کہا ہے کیا اللہ کی قسم کھا کر کہہ سکتی ہے؟
یہ سنکر عورت پر رعشہ طاری ہوگیا اور اُس نے اعتراف کیا کہ
قارون نے مجھے روپیہ پیسہ دے کر اس الزام پر آمادہ کیا ہے ورنہ آپ
اس سے بری اور پاک ہیں۔
تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون کے لئے بددُعا کی
اور وہ اللہ کے حکم سے زمین میں دھنسا دیا گیا۔"

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ کسی آیت کے شانِ نزول کے لئے کسی ایک واقعہ کا مخصوص ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ شانِ نزول کی اصل حقیقت یہ ہے کہ "زمانۂ نبوت" میں پیش آنے والے وہ تمام واقعات جو کسی آیت کا مصداق بن سکتے ہوں، اس آیت کے لئے یکساں طور پر شانِ نزول کہے جا سکتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایذار بنی اسرائیل کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے جو ایذا رسانی میں تو واضح ہے لیکن "نوعیت ایذا" میں مجمل ہے اور بقول شاہ ولی اللہؒ ہر واقعہ کا شانِ نزول ہو سکتا ہے۔ وہ عظیم آیت یہ ہے:۔

قرآنی مضمون | يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ

فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۔ (احزاب آیت ۶۹)

اے ایمان والو تم اُن بنی اسرائیل کی طرح نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی پھر اللہ نے اُن کو اُس بات سے بری کر دیا جو وہ اُنکے متعلق کہا کرتے تھے اور موسیٰ تو اللہ کے ہاں عزت والے ہیں۔"

وَإِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ ۔ الخ (صف آیت ۵)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا اے قوم تو کس لئے مجھکو ایذا پہنچاتی ہے جبکہ تجھکو معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، پھر جب وہ کجی پر اڑ بیٹھے تو اللہ نے بھی اُن کے دلوں پر کجی مسلط کر دی اور اللہ نا فرمان قوم کو راہ یاب نہیں کیا کرتا۔

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات میں ایک اہم واقعہ اُس ملاقات کا بھی ہے جو اُن کے اور ایک بزرگ (عبد صالح) کے درمیان پیش آیا۔ سورۂ کہف میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے اور بخاری و مسلم میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً آیا ہے۔

قرآن حکیم نے اس واقعہ میں جس بزرگ کی ملاقات کا ذکر کیا ہے اُن کے نام کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ وہ کون بزرگ تھے؟ صرف عبداً من عبادنا کہہ کر ذکر کیا ہے۔ (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) احادیث میں خاص طور پر بخاری و مسلم کی روایات میں اس بندے کا نام خِضر بتایا گیا ہے۔ اور عام شہرت بھی اسی نام کی ہے۔ اکثر مفسرین اسی نام سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ بحث یہاں اُن کے نام یا لقب کی نہیں ہے جو بھی نام ہو بہر حال، واقعہ ضرور پیش آیا۔ یہاں بخاری کی روایت کے مطابق اس واقعہ کی تفصیل لکھی جاتی ہے:۔

سعید بن جبیرؒ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے عرض کیا کہ نوف بکالی (یہودی عالم) کہتا ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ جن موسیٰ کا واقعہ پیش آیا وہ مشہور و معروف موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں بلکہ

اور شخص ہیں جن کا نام بھی موسیٰ تھا۔ کیا یہ بات درست ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے نہایت برہمی لہجہ میں فرمایا اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ مجھ سے حضرت ابیؓ بن کعبؓ نے خود یہ حدیث بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے (غالباً وعظ علمی اور تحقیقی قسم کا تھا) کسی نے پوچھا اے موسیٰ اس زمانے میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی جانب اشارہ کرکے کہا کہ "میں ہوں"! اللہ تعالیٰ کو اُنکی یہ بات پسند نہ آئی اور اُن پر اُسی وقت اللہ کی جانب سے عتاب ہوا کہ تمہارا منصب تو یہ تھا کہ اس جواب کو علم الٰہی کے سپرد کرتے اور کہتے "اللہ اعلم" (یعنی اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے یا یہ کہ اللہ زیادہ علم والا ہے) اسکے بعد اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ جہاں دو سمندر ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم بھی زیادہ علم والا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار تیرے اُس بندے تک رسائی کا کیا طریقہ ہے تاکہ میں اُس سے ملاقات کروں؟ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ ایک مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لو اور سفر شروع کردو جہاں یہ مچھلی گُم ہو جائے اُسی جگہ وہ شخص ملیگا۔ (بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ بھُنی ہوئی مچھلی تھی اور بعض نے کہا کہ زندہ مچھلی تھی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی اپنے توشہ دان میں رکھ لی اور اپنے ایک شاگرد کو جن کا نام یوشع بن نون تھا رفیق سفر بنایا اور اُس مردِ صالح کی تلاش میں روانہ ہوگئے (مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم جس کی نشاندہی کی گئی تھی کہاں تھے اور اِن سے کون سے دریا مراد ہیں قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں کوئی وضاحت نہیں ملتی) قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ یہ اُس زمانے میں کوئی مشہور و معروف سنگم رہا ہو جسکے لئے نام اُبر

محل وقوع کی صراحت نہ سمجھی گئی ہو، واللہ اعلم۔ بعض مفسرین نے بحر روم اور بحر قلزم کا سنگم مراد لیا ہے اور یہ بھی قرین قیاس ہے کہ سوڈان کے پایۂ تخت خرطوم کے قریب بحر الابیض اور بحر الازرق مراد ہوں جیسا کہ بعض کا خیال ہے) یہ سفر سمندر کے کنارے کنارے تھا۔ الغرض سفر کرتے کرتے ایک مقام پر پہنچے یہاں آرام لینے کی خاطر کچھ دیر کے لئے ایک چٹان پر دونوں سو گئے۔

یوشع بن نون نے دیکھا کہ توشہ دان کی مچھلی میں اچانک حرکت پیدا ہوئی اور وہ زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی، مچھلی پانی کے جس حصے پر بہتی ہوئی گئی اور جہاں تک گئی وہاں پانی کے اندر ایک لکیر جیسی بن گئی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سمندر میں ایک سرنگ سی بن گئی (یہ واقعہ حضرت یوشع کے لئے حیرت انگیز ضرور تھا لیکن کوئی نیا یا پہلا قسم کا نہ تھا کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کثرت سے معجزات کا مشاہدہ کرتے رہتے تھے) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے سفر کی تیاری میں اس واقعہ کو بیان کرنا بھول گئے اور جیسا کہ قرآن حکیم کی تصریح ہے اس بات کو یاد دلانا شیطان نے بھلا دیا۔ اس طرح آگے سفر جاری رہا ایک دن رات مسلسل چلتے رہے دوسرے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ آج غیر معمولی تھکن اور پستی محسوس ہو رہی ہے اچھا وہ مچھلی لاؤ تاکہ بھوک رفع کریں۔؟

اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی بتائی ہوئی منزل مقصود تک پہنچنے میں کوئی تھکان نہیں ہوا تھا مگر منزل سے آگے غلطی سے نکل گئے تو اب تھکان بھی محسوس ہونے لگا، یوشع بن نون نے کہا ہاں مجھے کہنا یاد نہ رہا جس وقت ہم پتھر کی چٹان پر تھے وہیں مچھلی کا یہ تعجب خیز واقعہ پیش آیا اس میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ توشہ دان سے نکل کر سمندر میں چلی گئی اور اس کی رفتار پر سمندر میں بھی راستہ بنتا چلا گیا۔ واقعی شیطان نے یہ بات آپ سے

ذکر کرنا بھلا دیا۔ اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس مقام کی تلاش ہم کو ہے وہ وہی مقام تھا یہ کہہ کر پھر دونوں نشانات قدم پر واپس لوٹے اور اُس چٹان تک جا پہنچے، وہاں دیکھا کہ عمدہ لباس میں ایک آدمی بیٹھا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُنھیں سلام کیا۔ اُس شخص نے کہا تمہاری سرزمین میں سلام کہاں؟ (یعنی اس سرزمین میں تو مسلمان نہیں رہتے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خضر علیہ السلام تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا میرا نام موسیٰ ہے۔ خضر علیہ السلام نے پوچھا موسیٰ بنی اسرائیل؟ حضرت موسیٰ نے کہا ہاں، میں آپ سے وہ علم حاصل کرنے آیا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ ہی کو عنایت کیا ہے!

خضر علیہ السلام نے فرمایا تم میرے ساتھ رہ کر اُن معاملات پر صبر نکر سکو گے جو میرے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اے موسیٰ! اللہ تعالیٰ نے مجھکو ایسی مخفی چیزوں کا علم عطا کیا ہے جو تم کو نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انشاء اللہ آپ مجھکو صبر کرنے والا ضبط کرنے والا پائیں گے۔ اور میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا تو پھر شرط یہ رہے گی کہ جب آپ میرے ساتھ رہیں تو کسی معاملہ کے متعلق بھی جسکو آپ کی نگاہیں دیکھ رہی ہوں مجھ سے کوئی سوال نہ کریں، میں خود آپ کو اُسکی حقیقت بتادوں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شرط منظور کرلی اور دونوں ایک جانب روانہ ہوگئے (یہاں اسکی صراحت نہیں ملتی کہ یوشع بن نون بھی ساتھ رہے یا انھیں واپس کر دیا گیا) جب سمندر کے ایک کنارے پہنچے تو سامنے ایک کشتی نظر آئی حضرت خضر علیہ السلام نے ملاحوں سے کیرایہ پوچھا وہ لوگ غالباً خضر علیہ السلام کو جانتے تھے لہذا کرایہ لینے سے انکار کیا اور اصرار کرکے دونوں کو کشتی پر سوار کرلیا اور کشتی روانہ ہوگئی۔

ابھی کچھ دُور بھی نہ چلے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کا ایک تختہ اُکھاڑ کر کشتی میں سوراخ کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ضبط نہ ہو سکا کہنے لگے جناب کشتی والوں نے تو ہم پر احسان کیا اور ہمیں مفت سوار کر لیا اور آپ نے اِس کا یہ بدلہ دیا کہ اُن کی کشتی خراب کر دی؟ اس طرح تو سب لوگ ڈوب جائیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں تو پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا مجھ سے بھُول ہو گئی براہِ کرم آپ اس پر گرفت نہ کریں اور میرے معاملہ میں سخت گیری سے کام نہ لیں۔

اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پہلا سوال حقیقتاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بھول کی وجہ سے تھا۔ اس اثناء میں ایک چڑیا کشتی کے کنارے آ بیٹھی اور سمندر سے ایک قطرہ پانی پی لیا، حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا، اے موسیٰ علم الٰہی کے مقابلہ میں میرا اور آپ کا علم اس قدر بے حقیقت ہے جیسا کہ سمندر کے سامنے یہ قطرہ۔

الغرض کشتی کنارے لگی دونوں حضرات اُتر کر ایک جانب روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیچھے پیچھے چل رہے تھے کچھ دُور چند بچے کھیلتے نظر آئے، حضرت خضر علیہ السلام اُن کی جانب بڑھے اور ایک بچے کو قتل کر دیا۔ اس اچانک اور غیر متوقع بلاوجہ قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قطعاً ضبط نہ ہو سکا کہنے لگے حضرت آپ نے یہ کیا کیا؟ ایک بے گناہ معصوم جان کو یوں ہی قتل کر دیا؟ یہ تو بہت بُرا کام کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر و ضبط سے کام نہ لے سکیں گے۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چونکہ یہ بات پہلی بات سے بھی سخت تر تھی اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کرنے میں معذور تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا خیر اس مرتبہ اور نظر انداز

کر دیجئے۔ اسکے بعد اگر میں کوئی سوال کروں تو پھر عذر خواہی کا کوئی موقع نہیں رہے گا اور اسکے بعد آپ کو اختیار ہوگا کہ مجھے جُدا کر دیں۔

اس طرح حضرت خضر علیہ السلام نے دوسری مرتبہ بھی درگزر کر دیا اسکے بعد آگے روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ایک بستی پر گزر ہوا جہاں کے باشندے خوشحال معلوم ہو رہے تھے دونوں مسافر بزرگوں نے ان لوگوں سے مہمان داری کی درخواست کی لیکن یہ اسقدر بخیل ثابت ہوئے کہ ایک وقت کی ضیافت کا بھی انتظام نہ کیا اور صاف انکار کر دیا۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے جانے کے لئے چل پڑے ابھی اسی بستی سے گزر رہے تھے کہ ایک مکان ایسا بوسیدہ نظر پڑا جسکی دیوار جُھکی ہوئی تھی اور وہ گرنے کے قریب تھا حضرت خضر علیہ السلام نے اسکی مرمت کر دی اور اسکو درست کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بے ساختہ پھر ٹوک دیا اور کہنے لگے جناب ہم اس بستی میں بھوکے پیاسے مسافرانہ حالت میں پہنچے مگر ان ناقدرشناسوں نے نہ ہماری مہمان داری کی نہ رہنے کو جگہ دی اور آپ نے مفت میں ایک شخص کے مکان کو درست کر دیا، اگر کرنا ہی تھا تو کچھ اُجرت لے لیتے، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا بس اب میری اور آپکی جدائی کا وقت آگیا لہذا اب آپ کا میرے ساتھ رہنا ممکن نہیں۔ خدا حافظ۔

اسکے بعد حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت اُن تینوں معاملات کی حقیقت بیان کی اور سمجھایا کہ یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے تھیں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

یہ واقعہ نقل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا تو جی یہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھوڑا اور صبر کرتے تو ہم کو اللہ تعالیٰ کے رموز و اسرار کی مزید معلومات حاصل ہوتیں۔

الغرض ان تینوں واقعات کی حقیقت حضرت خضر علیہ السلام نے جو بیان کی ہے۔ وہ درج ذیل ہے:۔

(۱) جس کشتی کو خراب کیا گیا در اصل یہ کشتی چند ایسے غریبوں کی تھی جن کے متعلق مشہور اسرائیلی عالم کعب احبارؒ نے لکھا ہے کہ وہ جملہ دسؔ بھائی تھے جن میں پانچ اپاہج اور معذور تھے بقیہ پانچ بھائی محنت مزدوری کر کے اپنے اور پانچ معذور بھائیوں کی روزی کا انتظام کرتے تھے۔ ان کی مزدوری یہ تھی کہ دریا میں کشتی چلاتے تھے اور اس کا کرایہ حاصل کرتے تھے۔

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ یہ کشتی جس سمت جا رہی تھی وہاں ایک ظالم بادشاہ کی حکمرانی تھی وہ ہر اچھی اور نئی کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا، حضرت خضر علیہ السلام نے اسکے تحفظ کے لئے کشتی کو عیب دار بنا دیا تاکہ وہ ظالم بادشاہ اسپر توجہ نہ کرے اور یہ غریب و شریف لوگ اس مصیبت سے محفوظ ہو جائیں۔ چنانچہ آگے چل کر ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور یہ کشتی چھوڑ دی گئی۔

(۲) اور وہ لڑکا جس کو قتل کیا گیا تھا اسکی حقیقت یہ ہے کہ اس لڑکے کی طبیعت میں کفر و سرکشی اور والدین کے خلاف بغاوت تھی اور علم الٰہی میں یہ طے تھا کہ اگر یہ بالغ ہوگا تو کافر ہوگا جس سے دوسرے انسانوں کو بھی گمراہ کرے گا اور والدین کے لئے بھی مصیبت بن جائیگا، اس لڑکے کے والدین نیک اور بزرگ انسان تھے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ یہ لڑکے کی مصیبت سے محفوظ رہیں اس لئے اِسکو بالغ ہونے سے پہلے ہی قتل کر دیا گیا۔

ابن ابی شیبہؒ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اسکے بدلہ ایک لڑکی عطا کی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوئے اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق اس لڑکی کے بطن سے دوؔ نبی پیدا ہوئے اور بعض دیگر روایات میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ اس لڑکی

کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت دی۔ (تفسیر مظہری وقرطبی)

(۳) اور جس گرتی دیوار کو درست کر کے سیدھا کر دیا گیا اُس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ کے ایک مقبول بندے کا مکان تھا جسکے دو چھوٹے بچے تھے اس نے مرنے سے پہلے اپنے اِن بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک خزانہ دیوار کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ ترمذی اور حاکم میں ایک روایت درج ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا۔ اور اس نیک بندے کی نیت یہ تھی کہ جب یہ بچے بڑے ہو کر اپنا مکان درست کریں گے انھیں یہ خزانہ مل جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندے کی نیت کے مطابق اِن یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا اس طرح انتظام فرمایا کہ اُس گرتے مکان کو کچھ عرصہ کے لئے مضبوط کر دیا، اسکے لئے حضرت خضر علیہ السلام سے اُس کی مرمت کرا دی۔ (انتہیٰ)

محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک بندے کی نیکی وصلاحیت کی وجہ سے اُس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اُسکے خاندان کی اور اُس کے آس پاس کے مکانات کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری)

مشہور صوفی حضرت شبلیؒ (ایک دفعہ اپنی غیر اختیاری حالت میں) نے فرمایا تھا کہ میں اس شہر اور پورے علاقے کے لئے اللہ کی امان ہوں، جب اُن کی وفات ہوگئی تدفین کے کچھ دیر بعد کفارِ دیلم نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے بغداد پر قبضہ کر لیا، اس وقت عام لوگوں کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ ہم پر دُوہری مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ یعنی حضرت شبلیؒ کی موت اور کفار کا قبضہ۔ (قرطبی ج ۱۱ صفحہ ۳۹)

الغرض یہ حقائق ہیں جو اِن واقعات میں پوشیدہ تھے جس کا علم سوائے اللہ کے اور کسی

کو ممکن نہیں تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو اِن حقائق پر بذریعہ وحی مطلع فرما دیا جسکو انھوں نے اللہ کے حکم و منشاء کے مطابق انجام دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہ مفصل تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں موجود ہے:۔

قرآنی مضمون

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا۔ الخ (کہف آیات ۶۰ تا ۸۲)

(ذرا ان کو وہ قصہ سناؤ جو موسیٰ کو پیش آیا تھا) جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا تھا کہ میں اپنا سفر ختم نہ کروں گا جب تک کہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچ نہ جاؤں یا پھر ایک زمانے تک چلتا ہی رہوں گا۔

پس جب وہ دونوں اُن کے سنگم پر پہنچے تو اپنی مچھلی کو وہ بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی اور چل دی۔ پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے (اور دور نکل گئے) تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی ہے۔

خادم نے کہا آپ نے دیکھا یہ کیا ہوا؟ جب ہم اُس چٹان کے پاس ٹھیرے ہوئے تھے اس وقت مچھلی کا خیال نہ رہا اور شیطان نے مجھ کو ایسا غافل کر دیا کہ میں اِس کا ذکر آپ سے کرنا بھول گیا، مچھلی تو عجیب طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔

موسیٰ نے کہا اسی جگہ کی تو ہمیں تلاش تھی چنانچہ وہ دونوں اپنے نقش قدم پر پھر واپس ہوئے اور وہاں اُنھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔

موسیٰ نے اُس بندے سے کہا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تاکہ آپ مجھے بھی اُس مفید علم کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہے۔

اُس بندے نے جواب دیا آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔ اور جس چیز کا علم آپ کو نہ ہو آخر آپ اس پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں۔

موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔

اُس بندے نے کہا اچھا اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیں جب تک میں خود اُس کا آپ سے ذکر نہ کر دوں۔

پس وہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب وہ ایک کشتی میں سوار ہوئے تو اُس بندے نے اُس کشتی میں شگاف ڈال دیا، موسیٰ نے کہا آپ نے اسمیں شگاف ڈال دیا تاکہ سب کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے ایک سخت حرکت کر ڈالی؟

اُس بندے نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔

موسیٰ نے کہا آپ میری بھول چوک پر گرفت نہ کیجئے اور نہ میرے معاملہ میں سختی سے کام لیجئے۔

پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ اُنکو ایک لڑکا ملا اُس بندے نے اس لڑکے کو اچانک قتل کر دیا۔

موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ کی جان لے لی حالانکہ اُس نے کسی کا خون نہیں کیا تھا یہ کام تو آپ نے بہت ہی بُرا کیا؟

اُس بندے نے کہا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ تم میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکو گے؟

موسیٰ نے کہا اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں، اب تو آپ کو میری جانب سے عذر مل گیا ہے۔

پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا مگر اُن لوگوں نے ضیافت سے انکار کر دیا، پھر وہاں انھوں نے ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ اُس بندے

نے اس دیوار کو پھر قائم کر دیا، موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اُجرت لے سکتے تھے۔

اُس بندے نے کہا بس یہ وقت ہماری اور آپکی علیحدگی کا ہے اب میں اُن واقعات کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

اُس کشتی کا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کر دوں کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

رہا وہ لڑکا تو اُس کے والدین مؤمن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے اُن کو تنگ کرے گا۔ اس لئے ہم نے چاہا کہ اُنکا رب اُسکے بدلے اُن کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اُس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو۔

اب اس دیوار کا معاملہ یہ ہے کہ یہ دو یتیم لڑکوں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس دیوار کے نیچے اِن بچوں کے لئے ایک خزانہ مدفون ہے اور اُن کا باپ ایک نیک آدمی تھا اس لئے تمہارے رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے بالغ ہوں اور اپنا خزانہ نکال لیں، یہ تمہارے رب کی رحمت کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اور میں نے اپنے اختیار سے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

وفات موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ساری زندگی اپنی قوم کے ساتھ بڑے صبر آزما حالات و واقعات میں بسر ہوئی حتیٰ کہ موت بھی غربت و مسافرت کی حالت میں جبکہ قوم کے ساتھ وادی تیہ میں مقیم تھے پیش آئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک اولوالعزم رسول کی طرح رشد و ہدایت میں مشغول رہے اور ہر قسم کی ایذاء برداشت کی۔

بخاری و مسلم میں ایک روایت حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے وہ فرماتے

ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام نے مال غنیمت میں سے کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ ایک شخص (منافق) کہنے لگا کہ اس تقسیم میں اللہ کی رضاجوئی کا لحاظ نہ رکھا گیا، کسی مسلمان نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردی تو آپ کا چہرہ مبارک غصے وغضب سے سرخ ہو گیا ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے اُن کو اس سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی اور اُنھوں نے صبر کیا، باوجود قوم کی مسلسل عہد شکنی اور شرارت کے آخر وقت تک نصیحت وخیر خواہی جاری رکھی اور اُن کی اصلاح میں مشغول رہے یہاں تک کہ زندگی کا آخری وقت آگیا اور اسی وادی تیہ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

بخاری ومسلم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ اس طرح ملتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اُن کے پاس فرشتہ حاضر ہوا (یہاں یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنی چاہیے کہ موت کے وقت انبیاء کرام کے بارے میں اللہ کا قانون عام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے نبی کی وفات سے قبل ان کو اسکی اطلاع دی جاتی ہے اور انکی رضامندی حاصل کی جاتی ہے) فرشتۂ موت نے حضرت موسیٰ سے کہا اَجِبْ رَبَّكَ اپنے پروردگار کی جانب سے پیغامِ اجل قبول کیجئے (چونکہ فرشتہ انسانی شکل میں تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام جان نہ سکے) اور اسکے ایک طمانچہ رسید کر دیا جس سے اُسکی آنکھ پھوٹ گئی، وہ فوری روانہ ہو گیا اور بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی کہ تیرا بندہ موت نہیں چاہتا، اور یہ کہ اُس نے طمانچہ رسید کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسکی آنکھ درست کردی گئی اور حکم دیا گیا کہ موسیٰ کے پاس پھر جاؤ اور کہو کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا میں مزید رہنا چاہتے ہو تو کسی بیل کی کمر پر تم اپنا ہاتھ رکھ دو جس قدر بال تمہاری مٹھی میں آجائیں گے ہم ہر بال کے عوض تمہاری حیاتِ دنیوی میں ایک ایک سال کا اضافہ کردیں گے۔

فرشتے نے دوبارہ حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کا پیغام سُنایا، حضرت

موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اسکے بعد کیا ہوگا؟ فرشتے نے جواب دیا کہ آخر پھر موت ہوگی۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اگر حیات طویل کے بعد پھر وہی موت ہے تو تاخیر کی کیا ضرورت لقاءِ رب ہی بہتر ہے۔ دُعا کی اے اللہ اس آخری وقت مجھکو ارض مقدس سے قریب کردے۔

(اللہ نے حضرت موسیٰ کی خواہش پوری فرمادی غیبی طور پر اُنھیں ارض مقدس (فلسطین) سے قریب کردیا گیا اور کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) کے قریب موت آئی اور وہیں دفن کئے گئے)

مشہور مؤرخ ضیاء مقدسی کہتے ہیں کہ مقام اریحاء میں سرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر ہے جسکو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتایا جاتا ہے دوسرے تاریخی اقوال کے مقابلہ میں یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے اسلئے کہ وادی تیہ کے سب سے قریب وادی مقدس کا علاقہ اریحاء کی بستی ہے اور اسی جگہ وہ کثیب احمر واقع ہے جسکا ذکر حدیث میں آیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ صفحہ ۳۲۳)

ایک عمدہ تشریح

وفاتِ موسیٰ علیہ السلام کا جو واقعہ بخاری ومسلم میں موجود ہے اسمیں چند امور وضاحت طلب ہیں۔

یہ تو ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان اگر نبوت ورسالت جیسے عظیم الشان الٰہی منصب پر بھی فائز ہو تب بھی بشریت سے خارج نہیں ہوتا اور نہ تقاضائے بشریت سے خالی۔ موت اپنی ظاہری شکل میں کسی بھی بشر کو مطلوب نہیں ہوتی بلکہ وہ اس سے گُریز کرتا ہے۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے پر موت کی حقیقت منکشف کردیتا ہے تو اُسکے مقرب بندوں کے لئے وہی موت سب سے زیادہ محبوب شئی بن جاتی ہے اور اس کے لئے وہ بیقرار ہوجاتا ہے۔

موت کسی کے نزدیک خواہ محبوب شئی ہو یا غیر محبوب بہر حال ایک نہ ٹلنے والا حکم ہوتا ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں، اس لئے تمنا یہ نہ ہونی چاہیئے کہ "عمر دراز"

حاصل ہوجائے بلکہ یہ آرزو ہونی چاہیئے کہ زندگی کا لمحہ جو بھی میسر ہوجائے وہ پاکی ونیکی میں گزرے تاکہ جب موت آئے تو یہ حقیقی وابدی زندگی بن جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعۂ موت میں فرشتۂ موت کو طمانچہ رسید کرنا ایک ایسا واقعہ ہے جسکو بخاری ومسلم نے سندِ صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ کوئی امر محال یا ناممکن بات نہیں ہے۔ انبیاء کرام کی سیرتوں میں اس سے بھی عجیب تر واقعات رُونما ہوتے ہیں جنکی بکثرت تذکرے انہی صفحات میں آچکے ہیں۔ گفتگو صرف اسمیں ہونی چاہیئے کہ آیا یہ واقعہ سند صحیح کے ساتھ نقل ہوتا آیا ہے یا نہیں؟ اگر یہ بات ثابت ہے تو پھر روایت کو من وعن طریقہ پر قبول کرنا چاہیے یا اسمیں تاویل وتمثیل کا پہلو اختیار کرنا چاہیے؟ یہ ایک علمی واصولی بحث ہے۔ بعض اہل علم نے ایسی صورتوں میں تاویل وتمثیل کا پہلو اختیار کیا ہے جیسا کہ محدث ابن قتیبہؒ نے اس واقعہ میں اختیار کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موت کا یہ واقعہ حقیقت کے ساتھ وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ تخیلی وتمثیلی واقعہ ہے۔ بہرحال ایسے حضرات کا احترام اپنے مقام پر، لیکن اکثر اہل علم جن میں اہل تحقیق کی کثرت ہے پہلے مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ کسی واقعہ کا عجیب تر ہونا یا عقل وقیاس سے ماوراء ہونا اسکے قبول یا عدم قبول کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ ثبوت یا عدم ثبوت کا محتاج ہے تو اب حدیث کے الفاظ کی تعبیر اس طرح ہونی چاہیئے اور یہ ممکن بھی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں فرشتہ پیغامِ اجل لیکر آیا تو وہ بشری شکل وصورت میں تھا جیسا کہ عام طور پر انبیاء کرام کی زندگیوں میں سابقہ رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس فرشتے کو اس حالت میں اس طرح پہچان نہ سکے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام عذاب کے فرشتوں کو ابتداءً نہ پہچان سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ناگوار گزرا کہ ایک اجنبی شخص اچانک اُنکے خلوت کدہ میں گھس آیا اور موت کا پیغام دینے لگا بشری تقاضہ اُبھر آیا طیش میں ایک طمانچہ رسید کردیا۔ چونکہ فرشتہ بھی بشری شکل میں تھا بشری اثرات مرتب ہوگئے اور آنکھ مجروح ہوگئی مگر جس طرح عذاب کے فرشتوں نے آہستہ آہستہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ وحضرت لوط علیہم السلام کو اپنی اصلی حقیقت سے آگاہ کردیا تھا، موت کے فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آگاہ نہ کیا اور فوراً غائب ہوگیا اور بارگاہِ الٰہی میں فریاد رس ہوا۔

حدیث کے یہ الفاظ بڑے ہی دلچسپ ہیں:۔

اَرْسَلْتَنِیْ اِلیٰ عَبْدٍ لَّا یُرِیْدُ الْمَوْتَ۔ (بخاری)

"اے رب آپ نے مجھے ایسے بندے کی جانب بھیجا جو موت نہیں چاہتا۔"

پھر اللہ تعالےٰ نے اُس فرشتے کو ملکوتی ہیئت پر واپس کر دیا اور اس طرح وہ اس عیب سے بری ہوگیا جو بشری شکل میں آنکھ مجروح ہونے سے پیدا ہوگیا تھا۔

موت کے فرشتے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالات سے واقف ہوئے بغیر خود ہی یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موت کے نام سے خفا ہو گئے اور وہ موت نہیں چاہتے۔

اللہ تعالےٰ نے فرشتہ کی اس غلط فہمی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالتِ شان دونوں کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا حکم دیا کہ دوبارہ جاؤ اور حضرت موسیٰ کو ہمارا پیغام پہنچاؤ۔

اُدھر فرشتہ پیغام حاصل کر رہا تھا اور اِدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اجنبی شخص کے غائب ہو جانے پر فوراً یہ محسوس کر لیا کہ درحقیقت یہ معاملہ انسانی معاملات سے جُدا دوسرے عالم کا ہے۔ چنانچہ جب فرشتۂ اجل نے دوبارہ حاضر ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغامِ الٰہی سنایا تو ان کا لہجہ اور طرز گفتگو دوسرا ہوگیا اور پھر انجام کار وہ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ فصلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

تورات اور بعض کتب تاریخ کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف ایکسو بیس ۱۲۰ سال ہوئی اور آپ کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تقریباً ڈھائی سو سال کا عرصہ رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

رُتبہ جسے دُنیا میں خُدا دیتا ہے

گزشتہ صفحات میں تفصیل سے یہ حقیقت بیان ہو چکی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انبیاء و رُسل کی فہرست میں خصوصی شان رکھتے ہیں جن نبیوں کی زندگی دعوت و تبلیغ میں سرگرم عمل رہی ہے اور جنھوں نے اپنی قوم سے سخت ترین دُکھ و رنج اُٹھائے ہیں اُن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اسم گرامی بھی سرِ فہرست ہے۔

قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اُنکی جلالتِ شان وعظمت کا بکثرت ذکر آیا ہے۔ اس حیثیت سے حضرت ختم المرسلین محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوالانبیاء ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا اسم گرامی عام طور پر لیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے جا بجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان کئے ہیں۔ تذکرہ انبیاء میں شاید کسی اور نبی کے واقعات اتنی کثرت سے بار بار دُہرائے گئے ہوں۔ حسب ذیل آیات میں خصوصیت کے ساتھ اُن کی ثنا و منقبت کا اظہار کیا گیا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا۔ الخ (مریم آیت ۵۱)

اور یاد کرو موسیٰ کو قرآن میں کہ بے شک وہ تھے اللہ کے خاص بندے اور رسول تھے نبی تھے۔ اور ہم نے اُن کو طور کی داہنی جانب سے آواز دی اور اُن کو قریب کر کے اُن سے راز کی گفتگو کی۔ اور ہم نے اپنی عنایت سے اُن کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي۔ (اعراف آیت ۱۴۴)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بلاشک میں نے تم کو لوگوں پر فضیلت دی اپنی پیغامبری اور اپنی ہمکلامی سے۔

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا۔ (نساء آیت ۱۶۴)

اور اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا جیسا کہ حقیقتاً کلام ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ۔ الخ

(صافات آیت ۱۱۴ تا ۱۲۲)

اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔ اور اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔ اور ہم نے اُن کی مدد کی کہ وہ فرعون اور قوم فرعون پر غالب رہے۔ اور ہم نے اُن دونوں کو روشن کتاب دی۔ اور ہم نے اُن دونوں کو راہِ مستقیم کی ہدایت بخشی۔ اور اُن کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی چھوڑا۔ سلامتی ہو موسیٰ

اور ہارون پر۔

بے شک ہم اسطرح نیکو کاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔ (احزاب آیت ۶۹)

اے ایمان والو تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جنھوں نے موسیٰ کو ایذاء پہنچائی پھر اللہ نے اُن کو اس بات سے بری کر دیا۔ جس کو اُن کی زبانیں کہہ رہی تھیں اور موسیٰ تو اللہ کے نزدیک باعزت تھے۔

بخاری و مسلم کی روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:۔

مجھکو موسیٰ پر فضیلت نہ دو، اس لئے کہ جب قیامت کے دن لوگوں پر دہشت سے غشی طاری ہو جائیگی تو سب سے پہلا شخص جس کو ہوش آئے گا وہ میں ہوں گا، دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش الٰہی کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں، اب میں نہیں کہہ سکتا کہ اِن کو مجھ سے پہلے غشی سے ہوش آیا تھا یا یہ آج مدہوشی سے بری کر دیئے گئے ہیں۔"

ابن کثیرؒ نے اس روایت پر یہ تعلیق کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ازراہِ تواضع وانکسار ہے ورنہ ایک اور حدیث صحیح میں آپؐ کا یہ ارشاد خود نقل کیا گیا ہے:۔

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ (الحدیث)

"میں کُل اولاد بنی آدم کا سردار ہوں اور یہ بات فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں۔"

خود قرآن حکیم میں آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے جو آپکی برتری کی واضح دلیل ہے۔ بہرحال مذکورہ بالا احادیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جلالت قدر اور عظمت کا اظہار کرتی ہے نیز حدیث معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو مکالمات منقول ہیں اُن سے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت وشان کا نمایاں اظہار ہوتا ہے۔ الغرض حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن اولوالعزم انبیاء ورسل میں شمار ہوتے ہیں جنکا تذکرہ قرآن حکیم نے نہایت اہتمام کیساتھ کیا ہے اور بار بار کیا ہے، جیسا کہ آپنے گزشتہ صفحات میں تفصیل پڑھی ہے۔

نتائجِ و عِبَر

رُوحِ تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل، فرعون اور قوم فرعون کی یہ طویل تاریخ ایک داستان یا حکایت نہیں ہے بلکہ حق و باطل کا معرکہ، ظلم و انصاف کی جنگ، غلامی و آزادی کی کشمکش، مظلوم کی سربلندی، ظالم و سرکش کی ذلّت و پستی، حق کی فتح باطل کی شکست، صبر کا امتحان، ناشکری و بےصبری کا انجام، قوموں کے عروج و زوال کی دستاویز، نبیوں کی دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور اُسکے عواقب و نتائج کا مستند ذخیرہ ہے۔

حق کا اعجاز

حق اور سچائی کو جس نے بھی دل سے قبول کر لیا سچائی اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتی اُسکے دل و دماغ پر اسی کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اُسکی زبان سے وہی صدائے حق نکلتی ہے جسکو اُس نے کچھ دیر پہلے قبول کیا تھا، یہی حق کا اعجاز ہے اور اُسکی سچی علامت بھی۔

ساحرانِ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ سے پہلے یہ نعرہ بلند کیا تھا:۔

وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُوْنَ۔

(شعراء، آیت ۴۴)

فرعون کے جاہ و جلال کی قسم آج ہم ہی غالب ہوں گے۔

لیکن جب مقابلہ ہوا اور "ساحری کرشمے" تاتار ہو گئے جادوگروں پر اپنی سحری طاقت کی بےبسی کا انکشاف ہوا تو فوری اعتراف کر لیا اور سجدے میں گر پڑے اور دولتِ ایمان سے سرشار ہو کر فرعون کی دھمکی کا اس طرح جواب دیا:۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ

فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ، اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا
اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا. الآیۃ (طٰہٰ آیت ۷۲)

ساحروں نے کہا ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ روشن دلائل سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں اور اُس خدا سے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، جو تو فیصلہ کیا ہے وہ کر گزر، تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کر دے، ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔

صبر کی پُونجی

مشہور مقولہ ہے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ یہ بات حقیقتاً قرآن حکیم کے واقعات سے لی گئی ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں عرصہ دراز تک محکومی، بیچارگی، غربت و افلاس میں بسر کرتے رہے، قتلِ اولاد کی مصیبت سے بھی دوچار رہے، عورتوں کی باندیاں بننے کی ذلّت و رسوائی بھی اُٹھاتے رہے، اور خود بھی فرعونیوں کے ظلم و ستم سے عاجز و بے بس ہو گئے، مگر وہ وقت آ ہی گیا جو صبر کا نتیجہ کہلاتا ہے۔ ظلم کو کبھی بھی بقا نہیں رہی مظلوم کی آہ نے اسی دنیا میں ظالم کو مزہ چکھایا ہے۔ فرعون کی تباہی اور اُن کی غرقابی نے اُنھیں ہر قسم کے مصائب سے نجات بخشا۔

قرآن حکیم نے اس حقیقت کو صبر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا
صَبَرُوْا. الآیۃ (اعراف آیت ۱۳۷)

اور بنی اسرائیل پر تیرے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا۔

باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست اور پُرشوکت ہو انجام اس کا نامرادی اور شکست کے سوا کچھ نہیں۔ یہ عادۃُ اللہ ہمیشہ سے جاری رہی ہے کہ جن قوموں کو ذلیل و حقیر سمجھا گیا ایک دن ایسا بھی آیا ہے کہ وہی ضعیف و کمزور قومیں زمین کی وارث بنی ہیں اور حکومت و اقتدار اُنکے ہاتھ میں آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظالم حکمراں کا اقتدار ناپائیدار رہا ہے۔
کسی قوم پر کافر و ظالم حکمراں کا مسلّط ہونا اُس حکمراں کی عند اللہ مقبولیت کی علامت

نہیں بلکہ وہ ایک طرح کا عذاب ہے جو محکوم قوم کی بدعملیوں کے باعث پاداشِ عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ (الحدیث)

تمہارے اعمال خود تمہارے حاکم ہوتے ہیں۔

اخلاقی کمزوری

جب فرعون اور اہل فرعون کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دُعا کی "الٰہا اب انھیں سزا دے یہ کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتے۔"

عذاب کا سلسلہ شروع ہوا یکے بعد دیگر پانچ عذاب آئے پانی کا طوفان، ٹڈی دل، جوؤں کی کثرت، مینڈک کی کثرت، پانی کا خون ہو جانا۔

ہر عذاب کے وقت فرعون اور اسکی قوم درخواست گزار ہوتی اے موسیٰ اگر یہ عذاب ہم پر سے دفع ہو گیا تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور جب وہ دفع ہو جاتا پھر وہی تمرد اور سرکشی کرنے لگتے۔ اس طرح ایک مدت تک انھیں مہلت ملتی رہی اور جب کسی طرح باز نہ آئے آخر کار عذاب الٰہی سے غرق کر دیئے گئے۔

یہ ایک انسانی کمزوری ہے جو ازل سے چلی آرہی ہے۔ مصیبت کے وقت انسان پکارنے لگتا ہے کہ اگر یہ ٹل جائے تو وہ پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جائیگا لیکن بہت کم ایسا ہوا ہے کہ انسان اپنے عہد پر قائم رہا ہو، لیکن اسکے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی ڈھیل بڑی دراز ہوتی ہے جس سے انسان دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اور جب وہ اُس آخری حد کو پہنچ جاتا ہے جو علم الٰہی میں اُسکی آخری مہلت تھی تو پھر اللہ کی گرفت اُس کا خاتمہ کر دیتی ہے یا پھر اُس نعمت کو ہمیشہ کے لئے چھین لیتی ہے جس کا وہ ناشکرگزار رہا ہے۔ قوم فرعون کی یہ حالت آنے والے انسانوں کے لئے عبرتناک درس ہے۔

عزم و ہمت کی موت

مسلمانوں کے لئے "غلامی" یا "محکومانہ زندگی" ایک بڑی لعنت اور عذاب ہے اور اسپر قانع ہو کر مطمئن ہو جانا دراصل عذاب الٰہی اور لعنت الٰہی پر قناعت کر لینے کے مرادف ہے

یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوتِ حق دیتے ہوئے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ بنی اسرائیل کو اپنی غلامی سے آزاد کر اور اُن کو میرے ساتھ کر دے تاکہ میں انھیں یہاں سے نکال لے جاؤں۔

غلامی اور محکومانہ زندگی کے اثرات بڑے گہرے ہوتے ہیں۔ اِن میں سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت وعزم کی روح پست اور مجروح ہوجاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ یہی انسان اس ذلّت آمیز زندگی کو نعمت سمجھنے لگتا ہے۔ اس طرح اسکی قوتِ عمل مضمحل ہوجاتی ہے اور وہ قدم قدم پر دوسروں کا سہارا ڈھونڈنے لگتا ہے۔ بنی اسرائیل کی مسلسل غلامانہ زندگی نے انھیں اسقدر پست اور کم ہمت کر دیا تھا کہ اپنے ارضِ مقدس (اصلی وطن) میں داخلہ اور وعدۂ نصرت کے باوجود اُنھوں نے وہ تاریخی جملے کہہ دیئے جو صرف غلام قوم ہی کہہ سکتی ہے:-

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ.

اے موسیٰ تم اور تمہارا رب دونوں جاکر اُن سے لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

دراصل یہی عزم وہمت کی موت ہے جو اُسی غلامانہ زندگی کا نتیجہ ہے جو محکوم قوموں کا نصیبہ بن جاتی ہے۔

کمالِ دانائی

سورۂ طٰہٰ میں فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مکالمہ اسطرح درج ہے:-

ہم تیرے رب تیرے رب کی نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی ہے اُس شخص پر جو راہِ راست کی پیروی کرے۔

ہم کو وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ عذاب ہے اُس کے لئے جو جھٹلائے اور منہ موڑے۔

فرعون نے کہا اچھا تو پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟

موسیٰ نے جواب دیا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُسکی ساخت بخشی ہے پھر اسکو ہدایت کی۔

فرعون نے کہا تو پھر پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں اُن کا کیا

انجام ہوا ؟

موسیٰ نے جواب دیا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

(طٰہٰ آیات ۵۱ تا ۵۲)

فرعون کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر بات یہی ہے کہ اُس رب کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں تو یہ ہم سب کے باپ دادا جو نسل در نسل دوسرے ارباب کی بندگی کرتے چلے آئے ہیں آخر انکے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ کیا وہ سب گمراہ تھے ؟ کیا وہ سب عذاب کے مستحق تھے ؟

یہ ایک ایسا جاہلانہ سوال تھا جس کا جواب بر وقت دینا کچھ آسان نہ تھا، اہلِ حق کی تبلیغ کے خلاف یہ ہتھکنڈہ ہمیشہ استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہ طرز جاہلوں کو مشتعل کرنے اور اپنے لئے راہ فراہم کرنے کے لئے بڑا مؤثر ثابت ہوا ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے کہ ہاں وہ سب کے سب جاہل گمراہ تھے اور جہنم کا ایندھن ہوں گے تو چاہے یہ حق گوئی کا بڑا زبردست نمونہ ہوتا مگر یہ جواب اپنی حقانیت کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بجائے فرعون کے مقصد کی تقویت کا سبب بن جاتا اور قوم بدک کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کٹ جاتی۔ لیکن آنجناب نے کمال دانائی سے ایسا حکیمانہ جواب دیا جو بجائے خود حق بھی تھا اور فرعون کے جاہلانہ ہتھکنڈے کا جواب بھی۔

فرمایا وہ لوگ جیسے کچھ بھی تھے اپنا کام کر کے اللہ کے ہاں جا چکے ہیں، میرے پاس انکے اعمال اور نیتوں کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان کے بارے میں کوئی حکم لگا دوں، ان کا پورا عمل اللہ کے ہاں محفوظ ہے اللہ کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور نہ وہ کسی بات کو بھولتا ہے۔ اِن کے ساتھ جو بھی معاملہ خدا کو کرنا ہے اُسکو وہی جانتا ہے۔ (طٰہٰ آیت ۶۲)

یہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کمالِ دانائی کہ ایک سوالِ جاہلانہ کا ایسا جوابِ حکیمانہ دیا کہ بجائے خود حق بھی تھا اور ساتھ ساتھ اس نے فرعون کے اُس زہریلے ہتھکنڈے

کو بھی تار تار کر دیا۔ انبیاء کرام کے کلام کا یہی اعجاز ہے جو انھیں اللہ کی جانب سے مہیا کیا جاتا ہے۔

ظلم کی اعانت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے نادانستہ ایک قبطی (فرعونی) کا قتل ہو گیا تھا جس پر اُنھوں نے اپنے رب سے اسطرح معذرت کی تھی:۔

اے میرے رب میں نے اپنے آپ پر ظلم کر ڈالا ہے میری مغفرت فرما دے، اللہ نے ان کو معاف فرما دیا۔ (قصص آیت ۱۶)

(اس معافی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عہد کیا کہ) اے میرے رب یہ احسان جو تو نے مجھ پر کیا ہے اسکے بعد میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوں گا۔ (قصص آیت ۱۷)

یعنی اب میں کسی ظالم کی اعانت نہیں کروں گا اور نہ اسکی پشت پناہی۔

علماء سلف نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ مسلمانوں کو ظالم کی پشت پناہی یا اعانت سے کامل طور پر اجتناب کرنا چاہیئے ظالم خواہ فرد ہو یا گروہ ہو یا حکومت وسلطنت۔

مشہور تابعی عطاء بن ابی رباح رح سے کسی نے عرض کیا کہ میرا بھائی بنی اُمیہ کی حکومت میں کوفے کے امیر کا کاتب (سکرٹری) ہے۔ معاملات کے فیصلے کرنا اس کا کام نہیں ہے البتہ جو فیصلے امیر کرتا ہے وہ اس کے قلم سے جاری ہوتے ہیں۔ یہ نوکری وہ نہ کرے تو مفلس ہو جائے گا (مقصد یہ تھا کہ سلاطین بنو امیہ کے امراء عموماً غلط سلط فیصلے کر دیا کرتے تھے اس سے بعض حقداروں کی حق تلفی ہو جایا کرتی تھی) حضرت عطاء رح نے جواب میں یہی آیت پڑھی جو "عہد موسیٰ" کہلاتی ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ تیرے بھائی کو چاہیئے کہ اپنا قلم پھینک دے رزق دینے والا اللہ ہے۔

اسی طرح ایک اور کاتب نے عامر شعبی رح سے پوچھا تھا کہ جناب میں احکام لکھ کر جاری کرنے کا ذمہ دار ہوں فیصلے کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوں کیا یہ رزق میرے لئے حلال ہے؟

حضرت عامر شعبیؒ نے جواب دیا کہ اگر حاکم نے کسی بے گناہ کے قتل کا فیصلہ کیا ہو یا کسی کا مال ناحق ضبط کیا ہو؟ یا کسی کے گھر گرانے کا حکم دیا ہو اور وہ تمہارے قلم سے جاری ہوجائے تو کیا یہ درست ہے؟

اسکے بعد امام موصوف نے مذکورہ بالا آیت پڑھی جسے سنتے ہی کاتب نے کہا میں توبہ کرتا ہوں آج کے بعد میرا قلم امراء بنو امیہ کے احکام جاری کرنے میں استعمال نہ ہوگا۔

اسپر حضرت عامرؒ نے فرمایا پھر اللہ بھی تمہیں رزق سے محروم نہ کرے گا۔

روح المعانی میں ایک اور واقعہ درج ہے کہ امیر عبد الرحمٰن بن مسلم نے حضرت ضحاکؒ کو صرف اس خدمت کے لئے مقرر کرنا چاہا کہ وہ شہر بخارا کے ملازمین کی تنخواہیں جاکر تقسیم کر دیا کریں۔ مگر انھوں نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ ان کے دوست نے کہا ضحاک تم کو کیا ہوگیا آخر اسمیں کیا حرج ہے؟ حضرت ضحاکؒ نے جواب دیا کہ میں ظالموں کے کسی کام میں بھی مدد گار بننا نہیں چاہتا۔

امام ابو حنیفہؒ کا یہ واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے کہ انھوں نے عباسی دور کے خلیفہ منصور عباسی کے ایک فوجی افسر حسن بن قحطبہؒ کو ملازمت چھوڑ دینے کی تلقین کی تھی جسپر حسنؒ نے یہ کہہ کر استعفےٰ دے دیا تھا کہ امیر المومنین آج تک میں نے آپ کی حکومت کی حمایت میں جو کچھ بھی کیا ہے یہ اگر اللہ کی راہ میں تھا تو میری نجات کے لئے اتنا کافی ہے لیکن اگر یہ ظلم کی راہ میں صرف ہوا تو میں اپنے نامۂ اعمال میں مزید گناہ کا اضافہ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر ملازمت سے علیحدہ ہوگئے (خلیفہ منصور کے بعض احکام غیر صحیح ہوا کرتے تھے) ظلم کی حمایت خواہ کسی بھی شکل میں ہو آخرت کا بڑا خسارا پیدا کر دیتی ہے۔

اللھم احفظنا منہ۔

حیادار لڑکیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شہر مدین کی جن دو لڑکیوں کی خدمت انجام دی تھی اور پھر ان لڑکیوں نے اپنے باپ سے سارا واقعہ بیان کیا، بوڑھے باپ نے اپنی لڑکی کو دوبارہ بھیجا کہ اس اجنبی مسافر کو لے آؤ۔

لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بوڑھے باپ کا جو پیغام پہنچایا قرآن حکیم نے اُسکی کیفیت کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا۔ الخ

(قصص آیت ۲۵)

(کچھ دیر نہ گزری کہ) ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اُن کے پاس آئی کہنے لگی میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ کو بدلہ دیں اُس خدمت کا جو آپنے ہماری بکریوں کو سیراب کیا ہے۔

بات شرم وحیا کی اس لئے تھی کہ ایک اجنبی مرد کے پاس اکیلے آئی تھی اگر گھر میں کوئی خادم ہوتا تو اِسکی نوبت ہی نہ آتی۔

حضرت عمرؓ نے اس آیت کی یہ تفسیر بیان کی ہے:۔

جَآءَتْ تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَائِلَةً بِثَوْبِهَا عَلٰى وَجْهِهَا لَيْسَتْ بِسَلْفَعٍ مِّنَ النِّسَآءِ وَلَّاجَةً وَّلَاجَةً خَرَّاجَةً۔

(ابن جریر، ابن ابی حاتم)

"وہ شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپائے ہوئے آئی، اُن بیباک عورتوں کی طرح دندناتے چلی نہیں آئی جو ہر طرف نکل جاتی اور ہر جگہ گھس جاتی ہیں"۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حیا داری کا تصور کتنا قدیم اور شرفاء کی خاص علامت رہا ہے۔ صحابہ کرام کے عہد میں بھی یہ تصور جو قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے اِن بزرگوں نے جو سمجھا تھا وہ یہی تھا کہ عورتوں کو اجنبیوں کے سامنے کُھلے پھرنا اور گھر سے باہر بے باکانہ چلت پھرت اسلامی حیا داری کے بالکل خلاف ہے۔ حضرت سیدنا عمرؓ اپنے صاف الفاظ میں چہرہ ڈھانکنے کو حیا کی علامت اور اسے اجنبی مردوں کے سامنے کھولنے کو بے حیائی قرار دے رہے ہیں۔

شہر مدین کے سردار حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کی یہ غیرت

وحیاداری اونچی اونچی شریف زادیوں کے لئے کتنی سبق آموز ہے۔

اسلامی تہذیب اور فقہی نزاکت

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ہجرت کر کے جب شہر مدین کے شیخ کبیر کے ہاں مہمان ہوئے، کچھ دن بعد شیخ کبیر (حضرت شعیب علیہ السلام) نے ان کو اپنا داماد بنانا چاہا اور اسکے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اسطرح خطاب کیا:۔

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ الخ۔

(قصص آیت ۲۷)

باپ نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کریں۔

آیتِ بالا کے تحت فقہاء نے لکھا ہے کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیئے کہ اگر کوئی مرد صالح مل جائے تو اس کا انتظار نہ کرے کہ مرد کی طرف سے نکاح کی تحریک ہو بلکہ خود ہی تحریک کر دینا انبیاء کی سنت رہی ہے۔

نیز سیدنا عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی حضرت صدیق اکبرؓ اور اسکے بعد سیدنا عثمان غنیؓ سے اُن کے نکاح کی پیش کش کی تھی۔ پھر بعد میں ہر دو صاحبین کی رائے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد (نکاح) میں آئی۔ (قرطبی)

نیز آیت مذکورہ میں لفظ أُنكِحَكَ جس کا ترجمہ میں آپ کا نکاح کرنا چاہتا ہوں، فقہاء کرام نے ایک لطیف نکتہ بیان کیا ہے کہ لڑکی کے ولی کو نکاح کی معاملت کرنی چاہیئے، لڑکی خود معاملت نہ کرے، جیسا کہ مغربی تہذیب کی لڑکیاں خود اپنا معاملہ طے کر لیتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ کہیں کسی ضرورت یا مجبوری سے کسی بالغ لڑکی نے اپنا نکاح خود کر لیا تو آیا وہ نکاح صحیح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رح کی تحقیق ہے کہ ایسا نکاح درست ہو جاتا ہے۔

بہر حال آیت سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب کی نشان دہی

http://mujahid.xtgem.com

ضرور ہوتی ہے۔

آخرت کی نعمتیں اور زحمتیں

ایک نادر تفسیر

فرعون اور اہل فرعون کو قرآن حکیم نے "ائمۃ جہنم" قرار دیا ہے۔
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۔ (قصص آیت ۴۱)

"اور ہم نے انھیں جہنم کی طرف دعوت دینے والے پیشوا بنا دیا اور قیامت کے روز وہ کہیں سے مدد نہیں پا سکیں گے۔"

فرعون اور اسکے ارکانِ سلطنت تو اپنی دانست میں صلاح و فلاح کی طرف دعوت دے رہے تھے لیکن قرآن حکیم نے انھیں "داعی الی النار" قرار دیا ہے۔

اکثر مفسرین کرام نے آیت میں استعارہ اور مجاز قرار دیا ہے۔ یعنی اَلنَّار سے مراد اعمال کفر و شرک ہیں جن کا نتیجہ جہنم کی آگ (اَلنَّار) ہے، لیکن صوفیہ کے سرخیل محی الدین ابن عربی نے اِس کا ایک معنی خیز مطلب بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ آخرت کی جزا و سزا (نعمتیں اور زحمتیں) حقیقتاً اعمال ہی ہیں۔ انسان جو عمل دنیا میں کرتا ہے یہاں اُس کا کوئی ٹھوس جسم نہیں ہوتا صرف شکل و صورت ہی ہے لیکن یہی شکل و صورت عالم آخرت میں اپنا جسم اختیار کرلے گا۔ نیک و صالح اعمال جنت کی نعمتیں بن جائیں گے اور بد اعمال کفر و شرک جہنم کے عذاب بن جائیں گے۔

جنت کی یہ نعمتیں اور جہنم کے یہ عذاب در اصل وہی اعمال ہیں جو دنیا میں انسان نے کئے تھے۔ اسلئے جو شخص اس دُنیا میں کسی کو کفر و شرک کی دعوت دے رہا ہو وہ حقیقتاً نارِ جہنم کی دعوت دے رہا ہے۔ اگرچہ اِس دنیا میں اُسکی شکل آگ کی نہیں ہے مگر اُسکی حقیقت آگ ہی ہے۔

اس تفسیر پر فرعون اور اَعیان فرعون کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ "ائمہ جہنم" ہیں حقیقت پر محمول ہے مجاز یا استعارہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم

ابن عربیؒ کی یہ وضاحت قرآن حکیم کی دیگر آیات سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔
سورہ کہف کی آیت وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۚ الآیۃ (۴۹)

اور اُن لوگوں نے جو بھی عمل کیا تھا اسکو آخرت میں موجود پایا۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (الزلزال آیت ۶، ۷، ۸)

اُس روز لوگ مختلف جماعتیں ہوکر واپس ہوں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں (میدان حشر میں ہر ایک کے اعمال دکھلا دیئے جائینگے) سو جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اُسکو دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی وہ اسکو دیکھ لے گا۔

یہ آیات بھی اس حقیقت کی طرف نشان دہی کرتی ہیں کہ آخرت میں دنیا کے اپنے اعمال کو لوگ دیکھ لیں گے۔ یقیناً اِس دنیا میں وہ اعمال اپنا کوئی جسم نہیں رکھتے ہیں لیکن آخرت میں وہ ایسے ہوجائیں گے کہ ہر شخص اپنا عمل خود دیکھ سکے گا۔

فیصلہ کُن بات

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے دربار میں جب پہلی مرتبہ دعوتِ رسالت لیکر پہنچے ہیں اس وقت انھیں دو نشانیاں دی گئیں جنکو قرآنی زبان میں "آیات" اور علم کلام کی زبان میں "معجزات" کہا جاتا ہے۔ یہ دونشانیاں اس بات کے ثبوت میں دی گئیں تھیں کہ وہ اللہ تعالےٰ کے نمائندہ اور فرستادہ ہیں جو کائنات کا خالق اور فرماں روا ہے۔

انبیاء کرام نے جب کبھی اپنے کو ربُّ العالمین کا رسول کہہ کر قوم کو دعوت دی ہے تو لوگوں نے ان سے یہی مطالبہ کیا ہے کہ اگر وہ سچے ہوں تو کوئی نشانی پیش کریں۔

فرعون اور اہل فرعون نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہی مطالبہ کیا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسکے لئے دو نشان پیش کئے جس کا تذکرہ اس آیت میں آیا ہے:۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ۔ (اعراف آیت ۱۰۷، ۱۰۸)

پھر موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا تو وہ یکایک جیتا جاگتا اژدھا

تھا۔اور اپنی گریباں سے ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے چمک رہا تھا۔"

ایسے نشانات یا معجزات عام قوانینِ فطرت کے خلاف تو ہوتے ہیں لیکن فطرت کے خلاف نہیں ہوتے۔ البتہ خارقِ عادت ہوتی ہیں یعنی عام واقعات سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔جو لوگ معجزات کے قائل نہیں ہیں اُن کی خدمت میں فیصلہ کُن سوال صرف یہ ہے کہ

اللہ تعالےٰ نے نظام کائنات کو ایک قانون کے مطابق چلا دینے کے بعد کیا معطل ہو چکا ہے اور کیا اب اس چلتے ہوئے نظام میں کبھی کسی موقع پر کوئی مداخلت یا تبدیلی نہیں کرسکتا؟ اگر اس کا جواب یہ ہو کہ ہاں وہ معطل ہو چکا ہے تو پھر ایسے لوگوں کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ وہ کائنات کے قادرِ مطلق کے علاوہ کس اور خدا کا تصوّر رکھتے ہیں اِن سے ہماری بحث نہیں ہے۔ اور اگر وہ ایک ایسے فعّال، مقتدر، مدبّر اللہ کا اعتقاد رکھتے ہیں جسکا تعارف قرآن حکیم کی بے شمار آیات پیش کرتی ہیں تو پھر اُن کے لئے یہ تسلیم کرنا مشکل نہیں ہے کہ جو اللہ نظام کائنات کو ایک قانون پر چلانے کے بعد ہر آن اُس پر باخبر ہے اور ہر وقت اسکو اختیار حاصل ہے کہ وہ اشیاء کی شکلوں اور واقعات کی مقررہ رفتار میں جزئی طور پر یا کلّی طور پر جیسا چاہے تغیّر کر دے تو ایسے حضرات کے لئے معجزات کو سمجھنا اور تسلیم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ ظاہر ہے جب آپ کا یہ اعتقاد ہوگا کہ اژدہے جس طرح پیدا ہوا کرتے ہیں وہ اُسی طرح پیدا ہو سکتے ہیں اُس کے سوا کسی اور ڈھنگ پر کوئی اژدھا پیدا کر دینا اللہ کی قدرت سے باہر ہے تو پھر آپ نے ایک ایسے خدا کا تصور اپنے ذہن میں رکھا ہے جو ایک حد پہ عاجز و بے بس بھی ہو جاتا ہے۔ یقیناً یہ تصوّر رب العالمین کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔

لیکن اسکے برعکس آپ کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ وہ ہے جو بے جان مادّے میں زندگی پیدا کرتا ہے اور جسکو چاہے جب چاہے جیسی چاہے صورت عطا کر سکتا ہے تو ایسے اللہ کے حکم سے لاٹھی کا اژدھا بن جانا کیا مشکل

اور ناقابلِ فہم ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ معجزات کا تعلق "خدائی اقتدار" سے متعلق ہے
بحث معجزات کے تسلیم کرنے نہ کرنے میں نہیں ہے بلکہ اللہ عظیم کی
صفتِ اقتدار کے ماننے یا نہ ماننے سے متعلق ہے۔

عظیم انقلاب اور دلیل راہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونی ساحروں کے مقابلہ کا انجام قرآن حکیم نے یہ ظاہر کیا ہے:۔ وَ اُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَبِّ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ۔ الخ

(اعراف آیت ۱۲۰ تا ۱۲۶)

اور جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے ہم رب العالمین

پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔
ساحروں کا ایمان لانا کسی سازش کا نہیں بلکہ سچے اعتراف کا نتیجہ تھا۔ فرعون نے اس کو مکر و فریب اور سازش قرار دے کر یہ دھمکی دی کہ میں ابھی تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کٹوا دوں گا اور اس کے بعد تم سب کو سُولی پر چڑھاؤں گا۔

ساحروں نے جواب دیا بہرحال ہمیں لوٹنا تو اپنے رب ہی کی طرف ہے (اپنی طبعی موت نہ سہی اس طرح حضور رب میں پہنچ جائیں گے) تو جس بات پر ہم سے انتقام لینا چاہتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہمارے رب کی نشانیاں جب ہمارے سامنے آگئیں تو ہم نے اُنھیں مان لیا۔

"اے رب ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمیں دُنیا سے اُٹھا تو اس حال میں کہ ہم تیرے فرمانبردار ہوں۔"

یہ تھا جواب ساحروں کا جو ابھی چند لمحوں پہلے اپنے آقا و مولیٰ فرعون کے عزت و جلال کی قسم کھا کر کہہ رہے تھے کہ ہم ہی غالب ہوں گے اور سرکاری مذہب کی نصرت و حمایت کے صلہ میں فرعون سے پوچھ رہے تھے کہ سرکار! اگر ہم آپ کے دین کو موسیٰ کے حملہ سے بچالے جائیں تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟

ان ہی لمحات میں ایمان کی جو روشنی ملی تو جادوگروں کی سیرت میں کتنا عظیم انقلاب آگیا، نعمتِ ایمان نصیب ہوئی انکی حق پرستی اور اُولوالعزمی اس حد کو پہنچ گئی کہ فرعون کی جھوٹی کبریائی کو ٹھوکر مارتے ہوئے اُس کے بدترین سزاؤں کو بھگتنے کے لئے تیار ہیں جنکی وہ دھمکی دے رہا تھا مگر اُس حق کو چھوڑنے کے لئے قطعاً تیار نہیں جس کی صداقت اِن پر کھل چکی ہے۔

اِن ساحروں کا مندرجہ ذیل کلمہ قیامت تک کے لئے حق پرستوں کا دلیلِ راہ قرار پایا:-

فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔

(طٰہٰ آیت ۷۲)

تجھکو جو کرنا ہے وہ کر گزر تو زیادہ سے زیادہ بس اسی دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

قبر کی زندگی

فرعون اور آلِ فرعون کا اُخروی انجام اس طرح بیان کیا گیا:-

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (المومن آیت ۴۶)

"دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح و شام وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جب قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کرو۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اس آیت کی تفسیر یہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح و شام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم دکھلا کر اُن سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا اصلی ٹھکانہ یہی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق مظہری)

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے:-

جب تم میں کوئی مرجاتا ہے تو عالم برزخ (قبر کی زندگی) میں صبح و شام اُس کو وہ مقام دکھایا جاتا ہے جہاں قیامت کے حساب کے

بعد اُس کو پہنچنا ہے اور یہ مقام دکھلا کر اُس سے کہا جاتا ہے کہ آخر کار
تجھے یہاں پہنچنا ہے۔ اگر یہ شخص اہل جنت میں سے ہے تو اس کا مقام
جنت اسکو دکھلایا جائے گا اور اگر اہل جہنم میں سے ہے تو اُس کا مقام
جہنم اسکو دکھلایا جائے گا۔"

آیتِ مذکورہ بھی عذاب قبر کا واضح ثبوت ہے جس کا بکثرت ذکر احادیث میں آیا ہے اس لئے اس پر اُمت کا اجماع ہو چکا ہے کہ قبر کی زندگی بھی ایک حقیقت ہے ایسے ہی جیسا کہ عالم حشر، جنت، جہنم وغیرہ۔

اللہ تعالےٰ یہاں واضح الفاظ میں عذاب کے دو مرحلوں کا ذکر فرما رہے ہیں ایک ایسا عذاب جو قیامت آنے سے پہلے فرعون اور آلِ فرعون کو دیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُنھیں صبح و شام دوزخ کی آگ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے جسے دیکھ دیکھ کر وہ سخت کرب و بے چینی میں مبتلا ہیں اور جن کا وہ دائمی ٹھکانہ قرار پائے گا۔

عذاب کا دوسرا مرحلہ وہ ہوگا جب قیامت آجائیگی تو انھیں اور مجرموں کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا جائے گا جو اُن کی اصلی اور دائمی بدترین زندگی ہوگی۔

قرآن حکیم نے اس درمیانی زندگی کو جو موت کے بعد حشر سے پہلے ہوگی "برزخ" کے نام سے یاد کیا ہے اسی کو قبر کی زندگی بھی کہا جاتا ہے جسکی مزید وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ہے :-

قبر یا تو جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے
گڑھوں میں کا ایک گڑھا۔ (الحدیث)

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔ (مومنون آیت ۱۰۰)

اور اُن کے پیچھے ایک پردہ (آڑ) ہے اُس دن تک جس دن
وہ دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ (اس آڑ سے یہی قبر کی زندگی (برزخ)
مراد ہے۔

جہنم کے رہنما

فرعون کے اُخروی تذکرے میں خصوصیت کے ساتھ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اپنی

قیادت میں اپنے مُریدوں کو جہنم کی جانب لیتا جائے گا۔

یَقْدُمُ قَوْمَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ فَاَوْرَدَھُمُ النَّارَ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ ۱۱؍ (ہود آیت ۹۸، ۹۹)

قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر (اپنی پیشوائی میں) اُن کو دوزخ میں جا اُتارے گا اور بُری ہے وہ جگہ اُترنے کی جہاں یہ اُتارے جائیں گے۔

اور اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی پڑے گی۔ کیسا بُرا صلہ ہے یہ جو اِن کو دیا گیا۔

قرآن حکیم کی اس آیت اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دنیا میں کسی قوم یا جماعت کے رہنما ہوتے ہیں وہی قیامت کے دن بھی اُن کے رہنما ہوں گے۔

جن لوگوں نے دنیا میں حق کی دعوت دی اور اُسی کی رہنمائی کرتے رہے تو جن لوگوں نے اُن کی پیروی کی اور اُن کا ساتھ دیا وہ آخرت میں بھی انہی کے ساتھ ہوں گے اور اُن کے یہ رہنما آخرت کے بھی رہنما ہوں گے اور اپنے اِن رہنماؤں کی سرکردگی میں جنّت کی طرف رواں دواں ہوں گے۔

اور جو لوگ دنیا کی زندگی میں کفر و شرک، فسق و فجور یا گمراہی کی طرف لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے اور اُسی کی رہنمائی میں زندگی بسر کرتے تھے تو جو لوگ یہاں ان کی پیروی کررہے ہیں وہ آخرت میں بھی اُن کے پیچھے ہوں گے اور انہی کی سرپرستی میں جہنم رسید ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے اس حقیقت کی مزید توضیح ہوتی ہے کہ آپؐ نے فرمایا

"قیامت کے دن جاہلیت کی شاعری کا جھنڈا عرب جاہلیت کے مشہور شاعر اِمرؤالقیس کے ہاتھ میں ہوگا اور عرب جاہلیت کے تمام شعراء اسی کی پیشوائی میں جہنم کی راہ لیں گے۔"

اور یہ ظاہر ہے کہ جن رہنماؤں نے دنیا میں لوگوں کو گمراہ کیا اور حق کی راہ سے ہٹایا اُن کے پیرو جب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ یہ ظالم ہم کو کس خوفناک انجام کی طرف کھینچ لائے

ہیں تو وہ اپنی ساری مصیبتوں کا ذمہ دار انہی کو قرار دیں گے اور اُن کا یہ جلوس اس شان سے دوزخ کی جانب رواں ہوگا کہ آگے آگے تو وہ گمراہ رہنما ہوں گے اور پیچھے پیچھے اُن کے ان مریدوں کا ہجوم ہوگا جو اُن پر لعنتیں برساتا ہوا جا رہا ہوگا۔

قرآن حکیم نے سچائی پر چلنے والوں اور حق کا ساتھ دینے والوں کا تذکرہ بھی بڑی شان سے کیا ہے :-

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔ (سورۂ نساء آیت ۶۹)

"اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے لوگ بھی اِن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

حقیقت یا تاویل

بنی اسرائیل نے جب تورات کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا تو اللہ تعالےٰ نے اُن کے سروں پر کوہ طور کو اٹھوا کر معلق کر دیا اور اُن سے کہا گیا کہ تورات کو قبول کرو ورنہ یہ پہاڑ تم پر گرا دیا جائیگا۔ بنی اسرائیل اسوقت مارے دہشت کے سجدے میں گر پڑے اور قبولیت کا اعتراف کیا۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف کی دونوں آیات سے یہ واقعہ ثابت ہے۔

کسی پہاڑ کا جڑ سے اکھڑ کر فضا میں معلق ہو جانا نہ عقلاً محال ہے نہ قانونِ قدرت کے منافی ہے البتہ عجیب و حیرت زدہ ضرور ہے۔ خاص طور پر جب بطور معجزہ کے ایسا عمل واقع ہو تو اسپر تعجب و حیرت بھی غلط ہے کیونکہ آیت اللہ کے معنی یہی ہیں کہ وہ عام اسباب سے ہٹکر امرالٰہی کے تحت صادر ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ آیات کے ظاہری معنی کو بغیر کسی مجبوری کے تاویل کے ذریعہ تمثیلی قرار دیا جائے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ

(بقرہ آیت ۶۳)

اور جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا (کہ تورات پر عمل

کریں گے ؟ اور ہم نے کوہ طور کو اٹھا کر تمہارے اوپر معلق کر دیا۔ الخ
وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ۔ الخ

(اعراف آیت ۱۷۱)
اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر چھت کی طرح اُن کے اوپر معلق کر دیا اور اُن کو یقین ہو گیا کہ وہ پہاڑ اُن پر اب گرنے والا ہے۔"

پہلی آیت میں رفع کے معنی بلند ہونا، اونچا ہونا کے ہیں لیکن اس کے بعد لفظ فَوق (اوپر) کا لفظ اس کے ساتھ محض تاکید کے لئے تو نہیں آتا بلکہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پہاڑ واقعی طور پر اُنکے اوپر آ گیا تھا۔ اسی طرح نَتَقَ کے معنی حرکت میں آنا، زلزلہ آنا، جڑ سے اُکھڑنا، تینوں معنی میں آتا ہے اسکے بعد بھی فَوْقَهُمْ فوق کا لفظ آیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہاڑ جڑ سے اُکھڑ کر اُن کے اوپر آ گیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے نَتَقْنَا کی تفسیر رَفَعْنَا سے ادا کی ہے۔

الغرض قدیم مفسرین نے اس واقعہ کو حقیقت پر محمول کیا ہے مجاز یا تمثیل نہیں جیسا کہ بعض کو شبہ ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ اس صورت میں جبر و اکراہ سے کام لیا گیا جو دین میں جائز نہیں ہے اور غالباً اسی شبہ کی وجہ سے بعض اہل علم نے یہاں حقیقی رفع مراد نہیں لیا ہے۔

لیکن یہ شبہ کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتا اگر غور سے کام لیا جائے تو اِکراہ اور تثبیت میں فرق ہے۔

اِکراہ جبر و زیادتی کو کہا جاتا ہے اور تثبیت ثابت قدمی اور مضبوطی کے معنی میں آتا ہے۔ کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر کبھی مجبور نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ یہ اکراہ ہے۔ لیکن جو شخص مسلمان ہو کر اسلامی عہد و پیمان کا پابند ہو گیا اسکے بعد اگر وہ احکامِ اسلامی کی خلاف ورزی کرنے لگے تو اس پر یقیناً جبر کیا جائیگا۔ کیونکہ یہ ثابت قدمی کی خلاف ہے اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت سے سخت سزا بھی دی جائیگی جیسا کہ اسلامی تعزیرات میں بہت سی سزائیں مقرر ہیں۔

اطاعت قبول کرنے کے بعد بغاوت کرنا برداشت نہیں کیا جاتا جیسا کہ باغیوں کی سزا قتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں بھی مُرتد کی سزا قتل تجویز کی گئی ہے اور کافر

کی سزا قتل نہیں ہے۔ الغرض لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کا تعلق غیر مسلموں سے ہے کہ ان کو جبر و طاقت سے مسلمان نہیں بنایا جائیگا اور بنی اسرائیل کے اس واقعہ میں اُنپر پہاڑ کو معلق کرکے اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہ لوگ مسلمان تھے عہد و پیمان کرچکے تھے اسکے باوجود تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے اس لئے اُنپر جبر و اکراہ سے کام لیا گیا جسکی ضرورت تھی۔ لہذا جن اہل علم نے رفع طور کو محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کیا ہے ہم اس تادیل کو صحیح نہیں سمجھتے۔ قرآن اور حدیث دونوں اسکو بالکل ایک واقعہ کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ لہذا کوئی وجہ نہیں کہ اسکو محض ایک تمثیلی واقعہ قرار دیا جائے بلکہ یہ واقعہ بالکل اُسی طرح پیش آیا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آتے ہیں۔ اور رہی کیا ہے؟ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ایسے بہت سے حوادث رکھتی ہے۔ کس کس کی تاویل کی جائیگی؟ حقیقت یہ ہے کہ قوانین فطرت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسے اشکال پیدا ہوجاتے ہیں اور معجزات تو قوانین فطرت ہی کی ایک خاص قسم ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کو بھی بعید از امکان قرار دیتا ہے تو یہ اُس کے دائرۂ فکر کی تنگی کا ثبوت ہے یا پھر الحاد و بے دینی کے مرض کا شکار ہے۔ وَاللّٰہُ یَہْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ۔

حیاتِ خضر اور مسائلِ سہ گانہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مجمع البحرین پر جس بندے سے ملاقات ہوئی قرآن حکیم نے اُن کا اسم گرامی ظاہر نہیں کیا ہے بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہا ہے۔ البتہ صحیح بخاری کی تفصیل حدیث میں اُن کا نام خِضر ظاہر کیا گیا ہے (خضر کے معنی سرسبز و شاداب کے ہیں) اہل تفسیر جن میں امام بخاری بھی شامل ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ) نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو وہاں سرسبز گھاس اُگ جاتی تھی اور زمین سرسبز ہوجاتی۔ قرآن حکیم نے یہ بھی واضح نہیں کیا ہے کہ وہ دیگر انبیاء کرام کی طرح کوئی نبی تھے یا رسول؟

اس سلسلہ میں تین باتیں تفصیل طلب ہیں:-

(۱) خضر نام ہے یا لقب (۲) وہ ولی ہیں یا نبی و رسول (۳) اُنھیں حیات ابدی حاصل ہے یا وفات پاگئے۔

اہلِ تفسیر کی کتابوں میں اِن سوالات کے جوابات میں بہت سے اقوال ہیں اور اس بارے میں چھوٹی بڑی کتابیں اور مضامین کثرت سے لکھے گئے ہیں جن کا خلاصہ تقریباً یہی ہے کہ

(۱) پہلے سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ خِضَر نام ہے لیکن اکثر اہلِ علم نے اسکو اُن کا لقب بتایا ہے اور نام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بلیا بن ملکان، ایلیا بن ملکان، خضرون، معمر، الیاس، الیسع میں سے کوئی ایک نام تھا۔

تکملہ محدث ابن عساکر اور امام دارقطنی کی رائے ہے کہ وہ قابیل بن آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ ابن قُتیبہ نے وہب بن منبہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

اور بعض دیگر مؤرخین کا خیال ہے کہ وہ حضرت اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اور جن لوگوں نے انھیں فرشتہ کہا ہے نہایت ضعیف قول ہے جسکی تائید نہ مروی روایات کرتی ہیں نہ تاریخ وسیرت کی کتابیں۔ جس قدر بھی روایات ہیں وہ سب کی سب اولادِ آدم ہی قرار دیتی ہیں البتہ سلسلۂ نسب میں مختلف ہیں۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ وہ فقط عبد صالح (نیک بندے) تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے۔ مگر اکثر اہلِ تفسیر نے اُنکو نبی قرار دیا ہے۔

(۳) تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ اُن کو حیاتِ ابدی حاصل ہے اور وہ ابتک زندہ ہیں۔ اس بارے میں کثرت سے حکایات اور روایات بھی نقل کی جاتی ہیں جنکی حیثیت تاریخی روایات سے زیادہ اہم نہیں ہے۔

محدثین کی ایک بڑی جماعت کی تحقیق ہے کہ اُن کے لئے حیاتِ ابدی کا ثبوت نہ قرآن حکیم سے ثابت ہے اور نہ احادیث صحیحہ سے۔ لہٰذا وہ بھی عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچکر وفات پاگئے۔ صوفیہ کرام کی ایک بڑی تعداد اُن کے حیات کی قائل ہے اور اس بارے میں وہ حضرات اپنے مشاہدات تک بیان کرتے ہیں کہ اُنھوں نے حضرت خضرؑ کو دیکھا ہے اور ملاقات بھی کی ہے۔ واللہ اعلم

چونکہ یہ مسئلہ قرآن وحدیث سے متعلق ہے اور انہی دو ذریعہ سے ہمیں انکا

علم بھی ہوا ہے اس لئے قرآن و حدیث ہی سے اس کا فیصلہ کرنا چاہیئے اور یہی عقل و دانش کا بھی تقاضہ ہے۔

ان ہر سہ مسائل میں حقیقت یہ ہے کہ پہلی بات کے متعلق قرآن حکیم میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ نہ حضرت خضر کا نام موجود ہے نہ لقب بلکہ قرآن حکیم نے عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ) کہکر ان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ البتہ بخاری و مسلم کی صحیح روایات میں ان کا نام خضر بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ وہ عبد صالح حضرت خضر تھے۔ البتہ اُنکے لقب وغیرہ کی بحث اس سلسلے میں تاریخی روایات اور اقوال اس درجے مختلف ہیں کہ اُن کے ذریعہ کسی نتیجہ پر پہنچنا یقیناً دشوار ہے اور اسکی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

لہٰذا ہمارے علم کے لئے اُن کا اتنا تعارف کافی ہے کہ وہ اللہ کے خاص بندوں میں سے ایک بندے تھے جنہیں اللہ نے اپنے علم سے خصوصی طور پر سرفراز کیا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی خدمت میں چند حقائق کے انکشاف کے لئے روانہ کیا گیا تھا جسکی تفصیل قرآن حکیم نے بیان کی ہے۔

(کہف آیات ۷۱ تا ۸۲)

دوسری بات کے تعلق سے حقیقت سے قریب تر یہی ہے کہ وہ "نبی" تھے۔ کوئی صاحبِ کتاب یا صاحبِ شریعت رسول نہیں تھے۔ قرآن و حدیث میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ملتا ہے کہ وہ کسی قوم کی جانب مبعوث کئے گئے ہوں۔ جیساکہ دیگر انبیاء کے بارے میں وضاحتیں اور اشارے ملتے ہیں۔ ان کے لئے نبوت کا ثبوت بھی اگرچہ قطعی طور پر ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن قرآن حکیم نے اُن کا جس انداز سے ذکر کیا ہے وہ انداز کلام نبیوں پر ہی صادق آتا ہے۔ غیر نبی کے لئے ایسا کوئی عنوان قرآن حکیم نے اختیار نہیں کیا اسلئے حقیقت سے قریب تر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی تھے جنہیں اللہ کی طرف سے وحی (جو صرف انبیاء و رسل ہی کے لئے مخصوص ہے) کی گئی۔ اس کے لئے دو بڑی وجہ قرآن حکیم سے ملتی ہیں:-

وجہ اوّل۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف اسطرح کروایا ہے:-

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا
وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ (کہف آیت ۶۵)

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جسکو دی تھی ہم نے
رحمت اپنے پاس سے اور سکھایا تھا اپنے پاس سے ایک علم۔

آیت میں تین لفظ خصوصی طور پر ذکر کئے گئے ہیں ایک اُن کا خاص بندہ ہونا دوسرے اللہ نے اُنھیں اپنی رحمت خاص سے کچھ حصہ عطا کیا تھا۔ تیسرے اپنے پاس سے اُنھیں علم خاص دیا۔

یہ انداز کلام اور عنوان خاص قرآن حکیم میں صرف انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوا ہے اور اس عنوان سے ایک خصوصیت نمایاں ہوتی ہے جو عام انسانوں کے لئے چسپاں نہیں ہوتی۔

ویسے اللہ نے عام انسان کو علم بھی عطا کیا ہے رحمت سے بھی سرفراز کیا ہے لیکن کسی خاص فرد کے لئے ایسا عنوان نہیں ملتا جیسا کہ اس واقعہ میں اُس بندے کے لئے اختیار کیا گیا ہے اس لئے حضرت خضر علیہ السلام کا نبی ہونا حقیقت سے قریب تر ہے۔

دوسری وجہ۔ حضرت خضر علیہ السلام نے قتل ولد کی جو وجہ بیان کی ہے اسمیں یہ صراحت بھی موجود ہے:۔

وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي۔ (کہف آیت ۸۲)

یہ کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا۔

جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ وحی الٰہی کا امر تھا جسکے تحت لڑکا قتل کیا گیا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کسی بھی مذہب میں کسی عام انسان کو یا ولی کو اسکی اجازت نہیں رہی کہ وہ اپنے وجدان یا الہام سے کسی کو قتل کرے اور خاص طور پر ہماری اس شریعت میں جسکا ماخذ یہی قرآن حکیم ہے۔ اس میں کوئی اجازت نہیں ملتی کہ بے گناہ قتل کیا جائے۔ لہٰذا کسی کا بے گناہ قتل صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ رائے، قیاس، وجدان، الہام وغیرہ سے کچھ مشتبہ جوانب واضح ہو سکتے ہیں لیکن قتل جیسا قبیح اور بڑا جرم جائز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حضرت خضر علیہ السلام کا آخر میں یہ فرمانا کہ میں نے یہ کام اپنی طرف سے نہیں کیا ہے

واضح دلیل ہے کہ وحی الٰہی انکو نصیب تھی اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں صرف انبیاء و رسل ہی کو وحی کی جاتی ہے۔

مسائل سہ گانہ میں تیسرا مسئلہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی سے متعلق ہے۔

اس سلسلے میں تمام اہل تحقیق محدثین و مفسرین کی قطعی رائے ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے اور وہ عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی عمر کو پہنچکر وفات پاگئے۔

قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ میں ایسی کوئی وضاحت نہیں کہ وہ فرشتوں کی طرح زندہ ہیں اور اپنا مفوضہ کام انجام دیتے ہیں۔ امام بخاری ان کے حیات کے قائل نہیں ہیں اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس کی تائید کے لئے احادیث بھی نقل کئے ہیں۔ اسی طرح امام مسلم نے بھی اپنی کتاب صحیح مسلم میں حدیث نقل کی ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔

دیگر ائمہ حدیث سے پوچھا گیا کہ کیا خضر زندہ ہیں؟
تو انھوں نے قرآن حکیم کی اس آیت سے اسکی تردید کی

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (انبیاء آیت ۳۴)

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو حیاتِ ابدی نہیں دی۔

نیز قرآن حکیم نے انبیاء سابقین کی موت کا اعلان کیا ہے :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.

(آل عمران آیت ۱۴۴)

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو رسول ہی ہیں اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔

چونکہ حضرت خضرؑ بھی نبی ہیں وہ بھی اس آیت میں شامل ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے پوچھا گیا تھا کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں؟ جواب دیا کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو اُن پر واجب تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی معیت میں غزوات میں شریک ہوتے اور آپ کا ہر طرح تعاون کرتے جیسا کہ صحابہ نے کیا ہے۔

صوفیہ کرام میں سے ایک مشہور بزرگ ابو الفضل مرسیؒ نے بھی اُنکی وفات کا ذکر کیا ہے۔

مشہور ناقدِ حدیث ابن الجوزیؒ نے حضرت علی بن موسیٰ رضاؒ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں۔ (قصص الانبیاء ابن کثیرؒ)

نیز قرآن حکیم کی یہ آیت بھی اس نظریہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام بقید حیات ہیں:۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ۔

(آل عمران آیت ۸۱)

"اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد و پیمان لیا کہ میں نے جو کچھ تم کو کتابیں اور علم دیا ہے پھر آئے تمہارے پاس رسول (محمدؐ) جو تصدیق کرنے والا ہے تمہارے پاس والی کتاب کی تو اُس رسول پر تم ضرور ایمان لاؤ گے اور اُسکی ضرور مدد کرو گے؟ اللہ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا؟ سب بولے ہم نے اقرار کیا! ارشاد فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔"

اہل تحقیق لکھتے ہیں کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوتے خواہ وہ نبی ہوں یا ولی تو اُن کا فرض تھا کہ وہ علی الاعلان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ پر ایمان لاتے اور تمام غزوات میں آپ کی اعانت کرتے مگر کسی بھی صحیح روایت سے اِن باتوں میں کسی ایک بات کا بھی ثبوت نہیں ملتا۔ حالانکہ غزوۂ بدر اور حنین وغیرہ میں جبرئیل امین اور ملائکہ کی آمد اور اعانت تک کی تصریحات قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ لہٰذا قرآن حکیم کی اس آیتِ میثاق سے اِن کا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی دلیل کا ماخذ یہی آیتِ میثاق ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے بھی آیتِ میثاق کی تفسیر میں یہی مضمون بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس نبی و رسول کو مبعوث کیا ہے مبعوث کرنے سے پہلے اُس سے عہد و پیمان لیا کہ اگر تمہارے زمانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوجائیں تو تم اُن پر ایمان لاؤ گے اور اُنکی مدد کروگے، اسی طرح ہر نبی وفات سے قبل اپنی اپنی امت کو یہ تلقین کرگئے ہیں کہ اگر تم لوگ زندہ رہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوگئے تو تم اُن پر ایمان لانا اور اُن کی ہرطرح نصرت کرنا۔

(ذکرہ البخاری عن ابن عباسؓ)

قرآن حکیم کی اِن آیات کے علاوہ بخاری و مسلم کی یہ صحیح روایت بھی اس عقیدہ کی تردید کرتی ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ابتک زندہ وموجود ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشأ کی نماز سے فارغ ہوکر فرمایا کیا تم نے آج رات کچھ دیکھا؟ پھر فرمایا یہ حقیقت ہے کہ آج جو شخص بھی روئے زمین پر موجود ہے ایک صدی گزرنے پر اُن میں سے ایک بھی زمین پر زندہ باقی نہیں رہے گا۔ (بخاری مسلم کتاب الفضائل)

اس حدیث صحیح کی پیشگوئی کے مطابق بھی حضرت خضر علیہ السلام کی حیات ابدی کے لئے کوئی گنجائش نہیں نکلتی اور نہ اُن کا کوئی استثنا رکسی روایت سے ثابت ہے۔ حالانکہ یہ روایت بخاری و مسلم کے علاوہ اور کتب حدیث میں بھی منقول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور محدث ابن القیمؒ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتب احادیث میں ایک صحیح روایت ایسی موجود نہیں ہے جس سے حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کا ثبوت ملتا ہو۔ مشہور مفسر ابن حبان اندلسیؒ نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ اُمت کا سوادِ اعظم اس بات کا قائل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام وفات پاگئے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ جس مسئلہ کا تعلق قرآن وحدیث سے ہو اسکو اسی ذریعہ سے حل کرنا چاہیئے۔ تاریخی روایات، واقعات، مشاہدات، اقوال مشائخ وغیرہ سے نہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے اور نہ کوئی قطعی حکم جاری کیا جاسکتا ہے۔

حیاتِ خضر علیہ السلام کے سلسلے میں جتنی بھی روایات نقل کی جاتی ہیں وہ سب کی سب ضعیف، غریب، مرسل، منقطع، موضوع قسم کی ہیں جسکے نقل کرنے والوں کے لئے محدثین نے مجہول، مجروح، متروک، غیر معروف، حتیٰ کہ اُسکے بعض راویوں کو کذابین کی فہرست میں شامل کیا ہے۔

مشہور ناقد الحدیث ابن الجوزیؒ نے اس مضمون پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "عجالۃ المنتظر فی شرح حال الخضر" ہے۔ اسمیں وہ ساری روایات جمع کردی ہیں جو اُن کے حیات کے بارے میں نقل کی جاتی ہیں اور اِن سب پر محدثانہ کلام بھی کیا ہے اور اُن کا ضعف اور غیر صحیح ہونا ثابت کیا ہے۔

اسی طرح مشہور محدث ومفسر ابن کثیرؒ نے بھی اپنی کتاب "قصص الانبیاء" میں بھی اُن تمام روایات کو نقل کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے اور اکثر روایات موضوع ہیں۔

مزید معلومات اور علمی بحث کے لئے البدایہ والنہایہ ج۱، روح المعانی ج ۱۵، عینی شرح البخاری ج ۷، فتح الباری ج۶، اصابہ ج ۱ قابل مطالعہ ہیں۔ ان میں وہ ساری تفصیلات موجود ہیں جس کا خلاصہ ہم نے سطور بالا میں لکھا ہے۔

البتہ ایک روایت امام شافعیؒ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے جسمیں بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ایک اجنبی شخص آئے اور صحابۂ کرام کو اِن کلمات سے تسلّی دی :-

"اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت کا عوض اور ہر فوت ہونے والی شئی کا بدلہ ہے، اللہ ہی پر بھروسہ کرو اور اُسی کی طرف رجوع ہو کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہوجائے۔"

یہ حدیث الفاظ کے تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ امام بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں کہ مسند شافعی کی اس روایت میں قاسم بن عبداللہ العمری متروک الحدیث ہے۔

امام احمدؒ اور یحییٰ بن معین جیسے ناقدین حدیث نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ بولتا تھا امام احمدؒ نے یہ بھی کہا کہ احادیث گھڑ لیا کرتا تھا۔

روایت بیہقی میں عباد بن عبد الصمد راوی کے بارے میں خود بیہقی فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے۔

ابن حبانؒ اور عقیلیؒ لکھتے ہیں کہ اسکی روایات اکثر موضوع ہوتی ہیں۔امام بخاریؒ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ ابو حاتمؒ نے کہا کہ یہ نہایت ضعیف الحدیث ہے۔ابن عدیؒ نے کہا کہ یہ غالی قسم کا شیعی مسلمان تھا حضرت علیؓ کی شان میں احادیث گھڑتا تھا۔

الغرض حیات خضر علیہ السّلام کے بارے میں جسقدر بھی روایات ہیں اُن کا یہی حال ہے کہ یا تو وہ سنداً ضعیف ہیں یا پھر متناً منکر اور غریب ہیں۔

ابن کثیر نے ساری روایات کو جمع کرنے کے بعد لکھا کہ یہ سب احادیثِ مرفوعہ ضعیف الاسناد ہیں ان سے کوئی حجت قائم نہیں کی جاسکتی اور نہ دین میں اِن کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (قصص الانبیاء صـ۴۶۳)

البتہ بخاری و مسلم میں ایک روایت امام زہریؒ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قیامت کے قریب دجال نکلے گا اور ساری زمین کا چکر لگائیگا لیکن مدینہ منورہ میں اُس کا داخلہ نہ ہوسکے گا وہ باہر مقیم رہے گا اس کے مقابلہ کے لئے ایک شخص مدینہ منورہ سے نکل کر آئے گا جو اُس زمانے کا سب سے بہترین انسان ہوگا وہ دجال سے مخاطب ہوکر کہیگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

دجال لوگوں سے کہے گا کہ اے لوگو! اگر میں اسکو قتل کرکے دوبارہ زندہ کردوں تو کیا تم میرے بارے میں پھر بھی شک کروگے؟ لوگ کہیں گے نہیں! پھر دجال اُس خیر الناس کو قتل کردے گا اور دوبارہ زندہ بھی کردے گا، (لوگ یقین کرلیں گے) لیکن وہ مقتول کہے گا کہ میں اب پوری بصیرت کے ساتھ شہادت دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جسکی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر دجال اُن کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کریگا لیکن عاجز و بے بس ہوجائیگا اور قتل نہ کرسکیگا۔

اِنَّ خیر النّاس "کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت خضر
علیہ السلام ہوں گے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگوں نے اس حدیث کی یہی
تفسیر کی ہے اور اس سے ثابت کیا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام
بقید حیات ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔
لیکن اسی روایت کے ایک راوی ابو اسحاق ابراہیم الفقیہہ
کہتے ہیں کہ یہ معمرؒ کا قول ہے جو اس روایت کو زُہری سے نقل کرتے ہیں۔
(قصص الانبیاء۔ ابن کثیر ص ۴۶۳)

اس حدیث میں رَجُلٌ مِّنْ خَیْرِ النَّاسِ اور دوسری روایت میں شَابٌّ مُّمْتَلِئٌ شَبَابًا،
(ایک نوجوان جسکی جوانی بھرپور ہوگی) کے الفاظ ہیں۔ بعض راویوں نے اس سے مراد حضرت
خضر علیہ السلام سمجھا ہے۔ لیکن حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نام کی کوئی تصریح
نہیں فرمائی۔

حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اور بھی بہت سی عجیب وغریب روایات
تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔ محققین اہل علم کی نگاہ میں سب موضوع اور بے اصل
ہیں اور یہودی روایات سے ماخوذ ہیں۔ اسلئے ناقابل اعتماد ہیں۔

مشہور مفسر ابو حیّان نے اپنی تفسیر البحر المحیط میں متعدد
بزرگوں کے واقعات نقل کئے ہیں جن کی حضرت خضر علیہ السلام سے
ملاقات ہوئی ہے مگر آخر میں یہ بھی لکھ دیا ہے:۔
وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ مَاتَ (البحر المحیط ص ۱۴۷ ج ۶)
لیکن جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ وہ وفات پاگئے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

تذکرہ
سیدنا یوشع بن نون علیہ السلام

سلسلۂ نسب و تعارف

حضرت یوشع علیہ السلام کا سلسلۂ نسب بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کرام کی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ مؤرخین نے انہیں اسباطِ یوسف (اولادِ یوسف علیہ السلام) میں شمار کیا ہے اور سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے:-

یوشع بن نون بن فراہیم بن یوسفؑ بن یعقوبؑ بن سیدنا ابراہیم علیہم السلام۔

قرآن حکیم میں حضرت یوشع علیہ السلام کا نام مذکور نہیں ہے البتہ سورہ کہف میں دو جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفیق سفر (نوجوان) کا ذکر موجود ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے تھے تو اپنے ساتھ بطور رفیق سفر ایک نوجوان کو لے لیا تھا جو حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات تک ہمسفر رہے۔ یہی نوجوان حضرت یوشع ہیں جن کا ذکر ان آیات میں ملتا ہے:-

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا. الآیۃ (کہف آیت ۶۰)

اور وہ وقت یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اُس موقعہ پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یوں ہی زمانۂ دراز تک چلتا رہوں گا۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا الخ (کہف آیت ۶۲)

پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے

فرمایا ہمارا ناشتہ لاؤ۔

فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں اور خادم عموماً ایسے ہی رکھے جاتے ہیں۔ یہ خادم جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا رفیق سفر بنایا تھا بخاری کی روایت کے مطابق اِن کا نام یوشع بیان کیا گیا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابی بن کعبؓ سے منقول ہے۔ اس لحاظ سے حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن حکیم میں آجاتا ہے۔ اس وجہ سے اکثر مفسرین نے اِن نوجوان کا نام یہی بیان کیا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیّبہ میں آپؑ کے خادم تھے اور حضرت ہارون و حضرت موسیٰ علیہما السلام کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ کتاب تورات میں بھی حضرت یوشع (یشوع) کا بکثرت ذکر موجود ہے۔ اہل کتاب انکی نبوت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ مفسرین کی ایک بڑی جماعت بھی اِن کو نبی قرار دیتی ہے اور یہی اسلامی مؤرخین کی بھی تحقیق ہے۔

اور بعض دیگر مفسرین کرام کی رائے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا تو اس سے پہلے ارض مقدس کے جابر و ظالم لوگوں کی تحقیق حال کے لئے جن دو شخصوں کو روانہ کیا تھا اِن میں ایک یہی حضرت یوشع علیہ السلام ہیں جنھوں نے آکر یہ بیان کیا تھا کہ قوم اگرچہ زبردست ڈیل ڈول کی ہے لیکن ان کے دل کمزور اور بے قوّت ہیں، مقابلہ ہوتے ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ (مزید تفصیل تذکرہ سیدنا موسیٰؑ میں آچکی ہے) چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے چالیس سال بعد انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل اپنے آبائی وطن ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہوئے اور جہاد کرتے کرتے کنعان، شام، اُردن سے تمام ظالم طاقتوں کو نکال باہر کیا۔

ارضِ مقدّس کی بازیابی

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی حضرت یوشع علیہ السلام کے ہاتھ آئی، انہی کی قیادت میں بنی اسرائیل نے چالیس سالہ زندگی گزاری، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لیکر اپنے آبائی وطن میں قیام کریں اور وہاں قوم عمالقہ اور دوسری ظالم قوموں سے جہاد کریں اور اپنا آبائی وطن حاصل کریں۔ تورات میں بھی

اس کا ذکر موجود ہے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام سنایا اور اللہ تعالےٰ کی تائید و نصرت کی بھی خوشخبری دی۔ سب کے سب وادی تیہ سے نکل کر ارض کنعان کے سب سے بڑے شہر آریحا کی جانب بڑھے اور سخت مقابلہ کے بعد دشمن کو شکست دی اسکے بعد تمام ارض مقدس پر قابض ہوگئے اور پھر اپنے آبائی وطن کے مالک بنے۔

تورات میں مزید یہ وضاحت ملتی ہے کہ جب بنی اسرائیل جنگ کے لئے تیار ہوئے تو اللہ تعالےٰ کے حکم سے تابوتِ سکینہ (خاص صندوق) اِن کے ساتھ تھا جسمیں عصائے موسیٰؑ، پیرہن ہارون اور مَن وسلویٰ کے برتن کے علاوہ دوسری تبرکات بھی تھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا کہ تم منّ وسلویٰ کو محفوظ کرلو تاکہ تمہاری آئندہ نسلیں بھی مشاہدہ کرلیں کہ تم پر اللہ کا انعام ہوا تھا۔ یہ صندوق وراثتہً خاندان میں محفوظ چلا آرہا تھا اور اسکی حفاظت کی جاتی تھی مصائب اور جنگوں میں اسکو ساتھ رکھ کر برکت حاصل کی جاتی تھی۔ قرآن حکیم میں بھی اس تابوت سکینہ کا ذکر موجود ہے۔ طالوت کے قصہ میں اُن کے نبی نے قوم سے کہا تھا کہ طالوت کے بادشاہ مقرر ہونے کی یہ علامت ہے کہ

> اُس کے عہد میں وہ صندوق (تابوتِ سکینہ) تمہارے پاس پہنچ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سکونِ قلب کا سامان ہے اور جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں جسکو فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے بیشک اسمیں تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔ (بلقرہ آیت ۲۴۸)

اسکی تفصیل تذکرہ سیدنا داؤد علیہ السلام میں آئیگی) ابن اثیر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی زندگی ہی میں ارض مقدس (فلسطین) کی فتح کے لئے حضرت یوشع علیہ السلام کو امیر لشکر نامزد کر دیا تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو اُنھوں نے بنی اسرائیل کی معیت میں ارض مقدس کو مشرک قوموں سے پاک کیا۔ اسطرح شہر آریحا کی فتح تمام ارض مقدس کی فتح و نصرت کا ذریعہ بنی۔ قرآن حکیم نے یہ وضاحت نہیں کی کہ پہلے کس شہر کو فتح کیا صرف قریہ (شہر) کہہ کر اس کا ذکر کیا ہے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ غالباً یہ قریہ بیت المقدس تھا۔

ناسپاسی یا شکر گزاری اللہ تعالےٰ نے جب بنی اسرائیل پر رحم فرمایا اور شہر

فلسطین میں اُن کا فاتحانہ داخلہ ہوا تو حکم دیا گیا کہ اس مقدس شہر میں مغرور اور متکبرانہ طور پر داخل نہ ہوں بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے خشوع و خضوع کے ساتھ توبہ و استغفار کرتے داخل ہوں مگر فتح و نصرت کے بعد بنی اسرائیل کی سابقہ فطرت لوٹ آئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مغرور اور متکبر انسانوں کی طرح شہر میں داخل ہوئے، اتراتے، سر بلند کئے ہوئے توبہ و استغفار کے بجائے سوقیانہ الفاظ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ اس ناسپاسی اور خدا فراموشی حالت پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور ایک آسمانی عذاب نے اُنھیں گھیر لیا۔

قرآن حکیم نے اس آسمانی عذاب کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی صرف رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (آسمانی عذاب) کہہ کر اپنے غضب کا اظہار کیا ہے۔ امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ آسمانی عذاب طاعون تھا جو اُن کے شہر میں داخل ہونے کے بعد پھوٹ پڑا جس سے بہت بڑی تعداد ہلاک ہوگئی۔ بعض مفسرین نے ہلاک شدہ انسانوں کی تعداد ستر ہزار لکھی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن حکیم نے اس واقعہ کو دو مقام پر قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا الخ (بقرہ آیت ۵۸)

اور جب ہم نے حکم دیا کہ اس شہر میں داخل ہو اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہو کھاؤ پیو اور شہر کے دروازے میں نیاز مندی کے ساتھ جھکتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے داخل ہونا الٰہی ہماری خطاؤں کو معاف فرما، تو پھر ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دیں گے اور عنقریب نیکو کاروں کو مزید دینگے۔ سو ظالموں نے اُس قول کو جو اُن سے کہا گیا تھا دوسرے قول (سوقیانہ) میں بدل دیا۔ پس ہم نے بھی ظالموں پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے سخت عذاب بھیج دیا۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا الخ (اعراف آیت ۱۶۱)

اور جب اُن سے کہا گیا تم اس شہر میں سکونت اختیار کرو اور جس طرح تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو اور یہ کہتے ہوئے شہر میں داخل ہو خدایا

ہماری خطاؤں کو معاف فرما، اور شہر میں عاجزی کے ساتھ جھکتے ہوئے داخل ہو تو ہم تمہاری خطاؤں کو بخش دینگے اور عنقریب نیکو کاروں کو مزید دیں گے۔

پس ظالموں نے اُس قول کو جو انھیں بتایا گیا تھا دوسرے قول سے بدل دیا سو ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب نازل کر دیا ان کے ظالم ہونے کی وجہ سے۔

بخاری کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل نے "حِطَّۃٌ" (معاف فرما) کی جگہ "حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ" (ہم کو محفوظ غلّے کی ضرورت ہے) کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ گویا اللہ تعالےٰ کے حکم کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل اپنے سُرینوں کو اُبھارتے اُن کے بَل پر سِسکتے ہوئے داخل ہو رہے تھے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں اپنے سچّے اور نیک بندوں اور متکبّر انسانوں کے درمیان ایک امتیاز کر دیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار بندے اپنی ذاتی سربلندی کیلئے نہیں لڑتے بلکہ زمین سے شرک و کفر ظلم و فساد کو مٹانے کے لئے جنگ کرتے ہیں اور جب غلبہ پاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ کا نام بلند کرتے ہیں اور نیاز مندی اور سجدہ ریزی سے شکرادا کرتے ہیں۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تواضع وانکساری کی یہ کیفیت تھی کہ اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے اس قدر جُھکے جا رہے تھے کہ ریش مبارک کجاوے کے سرے سے مَس کر جاتی تھی اور جب حرم شریف میں داخل ہوئے تو بارگاہ الٰہی میں آٹھ رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

یہی حال صحابہ کرام کا تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھ پر جب بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت سعد بن ابی الوقاصؓ کے ہاتھ پر ایران فتح ہوا تو حریمِ قدس اور ایوان کسریٰ میں داخل ہوتے ہی سجدہ ریز ہو کر نماز شکرانہ ادا کی۔

نتائج و عبر

اعترافِ نعمت

حضرت یوشع علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے مذکورہ واقعہ میں جو بات قابل توجہ اور یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جب کسی انسان کو مصیبت یا کسی آزمائش سے نجات ملے اور وہ کامیاب ہو کر فائز المرام ہو تو غرور و نخوت سے یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ یہ کامیابی میری اپنی استعداد اور قابلیت کا نتیجہ ہے بلکہ وہ اللہ واحد کا شکر گزار بنے اور اپنے عجز و بندگی کا اعتراف کرتے ہوئے اسکو فضلِ الٰہی قرار دے۔ ایسے عمل پر اللہ تعالےٰ کی دائمی سنت یہ چلی آرہی ہے کہ اس نعمت کو محفوظ کر دیا جاتا ہے اور اس میں مزید اضافہ بھی ہوتا ہے۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ۔

نیکی کرنے والوں کو مزید دیتے ہیں۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ الآیۃ

اگر تم نے نعمت کا شکر ادا کیا تو میں نعمت اور زیادہ کروں گا۔

کفرانِ نعمت

جس فرد یا جماعت پر اللہ تعالےٰ کا فضل و احسان کھلی نشانیوں کے ذریعہ ہوا کرتا ہے وہ اگر شکر و اطاعت کے بجائے ناسپاسی اور نافرمانی پر اُتر تی ہے تو پھر جلد ہی اللہ تعالیٰ کی سخت پکڑ کا شکار بھی ہو جاتی ہے کیونکہ اُسکی یہ ناسپاسی اور نافرمانی نعمت کے مشاہدہ اور تجربے کے بعد ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں کفرانِ نعمت اپنی آخری حد پر آجاتی ہے جو یقیناً سخت سزا کی مستحق ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ۔

(اعراف آیت ۱۶۲)

تذکرہ
سیدنا حزقیل علیہ السّلام

تمہید

حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے بکثرت انبیاء تشریف لائے جن کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چلتا رہا۔ ان درمیانی صدیوں میں کتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے اُن کی پوری تعداد کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ قرآن حکیم نے اُن میں سے چند ایک انبیاء کا ذکر کیا ہے اور اِن میں بھی بعض کا تذکرہ تفصیلی طور پر اور بعض کا اجمالی طور پر اور بعض کا صرف نام ہی مذکور ہے۔

ان پیغمبروں کے درمیان تاریخی ترتیب بھی مختلف فیہ ہے تاہم ابن جریر طبریؒ اور ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السّلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام منصبِ نبوت پر فائز ہوئے۔ پھر ان کی جانشینی کالب بن یوحنا کے حصّے میں آئی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم بنت عمران کے شوہر تھے۔ ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق یہ بنی اسرائیل کے قائد و رہنما تھے نبی یا رسول نہ تھے۔ اور ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی قیادت کے لئے جس ہستی کو منتخب کیا گیا وہ حضرت حزقیل علیہ السلام ہیں۔ واللہ اعلم

نام ونسب وبعثت

توراۃ کی تصریح کے مطابق وہ بوزی کاہن کے بیٹے ہیں اور ان کا نام حزقی ایل ہے۔ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے جس کے معنی اللہ کی قدرت کے ہیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا تھا ماں کی زیر پرورش رہے۔ اور جس وقت نبوت سے سرفراز ہوئے ماں نہایت عمر رسیدہ وضعیف ہوچکی تھی اسی وجہ سے اِنکو توراۃ میں ابن العجوز (بڑھیا کا بیٹا) کے نام سے یاد

کیا گیا ہے۔

حضرت حزقیل علیہ السلام نے عرصہ دراز تک بنی اسرائیل کی رہنمائی و قیادت کی ہے تاہم ان کا اسم مبارک قرآن حکیم میں موجود نہیں البتہ سورہ بقرہ میں ایک بیان کردہ واقعہ کے متعلق عام مفسرین کا خیال ہے کہ وہ واقعہ انہی سے منسوب ہے۔

سیّدنا حزقیلؑ اور قرآنِ حکیم

کتب تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ اور بعض دیگر صحابہ سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ کسی زمانے میں بنی اسرائیل کی ایک بڑی جماعت سے اُن کے پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ اور اللہ کے نام کو بلند کرنے کیلئے جہاد کرو۔ یہ حکم سنتے ہی پوری جماعت کی جماعت خوف کے مارے بھاگ کھڑی ہوگئی اور ایک دُور دراز علاقہ میں پناہ لی اور اپنے اس عمل سے اُنھوں نے یقین کر لیا کہ اب وہ اپنی موت سے محفوظ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت سخت ناپسند آئی اور اسی علاقہ میں اللہ کا غضب ٹوٹ پڑا اور ہر ایک کو اُسکی موت نے آپکڑا سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

ایک ہفتے کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا اُن پر گزر ہوا دیکھا کہ پوری قوم موت کی آغوش میں چلی گئی ہے۔ ان کی اس حالت پر انھیں نہایت افسوس ہوا اور اللہ کی جناب میں معذرت پیش کی اور دُعا مانگی کہ اُن کو موت کے عذاب سے نجات مل جائے تاکہ اُن کی زندگی خود اُن کے لئے اور دوسروں کے لئے عبرت و نصیحت بنے

چنانچہ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ خاص سے اُن سب کو دوبارہ زندہ کر دیا پھر اُن لوگوں نے عرصہ دراز تک حضرت حزقیل علیہ السلام کی رہنمائی میں زندگی بسر کی۔

حکم جہاد سے فرار کا یہ واقعہ قرآن حکیم میں مختصراً اسطرح مذکور ہے:-

قرآنی مضمون

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ الخ (بقرہ آیت ۲۴۳)

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے
اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، سو اللہ نے اُن کو (غضب سے)
کہا مر جاؤ (سو اُن پر موت طاری ہو گئی) پھر اللہ نے انھیں زندہ کر دیا۔ بیشک
اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے۔

جہاد کے خوف سے بھاگ جانے والوں پر اللہ تعالیٰ نے موت کا عذاب مسلّط کر دیا تاکہ اس واقعہ سے لوگ عبرت حاصل کریں اور ان کے قلوب میں شجاعت و بہادری کا جذبہ پیدا ہو اور بُزدلی و نامردی سے نفرت پیدا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم نے اس مختصر واقعہ کے بعد ہی مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم سنایا اور یہ بھی جتلایا کہ خدا کی راہ میں جہاد اور قربانی سے گریز کرنا زوال و انحطاط کا باعث ہوتا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کی روگردانی پر ظاہر ہوا۔

جہاد سے فرار کی سب سے بڑی وجہ زندگی سے محبت اور موت کا ڈر ہے۔ ایک اور جگہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ (ترجمہ) "موت تم کو پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں اور برجوں ہی میں کیوں نہ ہو۔" یہاں اللہ نے خود ان کو مشاہدہ کرا دیا کہ وہ جس موت کے خوف سے بھاگ کر اور اپنے کو محفوظ سمجھ کر جس جگہ آئے تھے موت وہاں بھی آکر رہی۔

نتائج و عبر

حیات بعد الموت

دنیا میں اللہ تعالیٰ کے عام قانون کے مطابق اگرچہ دوبارہ زندگی نہیں ملتی جو مر چکا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا البتہ قیامت میں دوبارہ زندگی کا واقعہ پیش آئے گا، لیکن اسی عالم میں اللہ تعالیٰ کے قانونِ خاص (قدرۃ اللہ) کے پیشِ نظر کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر اگر کسی مُردے کو دوبارہ حیات حاصل ہو جائے صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہوا ہے۔ قوم حزقیل علیہ السلام کا یہ قرآنی واقعہ اِس کا واضح ثبوت ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جو ذات جس شئ کو ترکیب دیتی ہے وہ ترکیب کے بکھر جانے کے بعد دوبارہ اُس کو ترکیب دے سکتی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ بکھرے اجزاء کی دوبارہ ترکیب

کے ممکن ہونے کے بعد حیات بعد الموت کا انکار کیا جائے جو بعض خاص حالات میں نبی اور رسول کی تصدیق اور تائید کے لئے اسی دنیا میں بصورت معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسکی مزید تفصیل معجزات کی حقیقت میں گزشتہ صفحات پر آچکی ہے۔

اکسیرِ حیات

جہاد اگرچہ قوم کے بعض افراد کے لئے پیغامِ موت بن کر اُن کو دنیوی لذائذ سے محروم کر دیتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ پوری امّت اور قوم کے لئے اکسیرِ حیات ثابت ہوتا ہے اور ملک وملّت کی دوام و بقا کا ذریعہ بنتا ہے اور جو لوگ اس راہ میں کام آجاتے ہیں اُن کے لئے دائمی حیات اور باعزت موت کا باعث ہوتا ہے۔ موت وحیات کا یہی وہ فلسفہ ہے جس نے مسلمانوں کی زندگی کو دوسری قوموں سے اسطرح ممتاز کر دیا کہ اللہ کا نام بلند کرنے والا مسلمان اگر زندہ رہا تو غازی اور مجاہد بنتا ہے اور اگر اس راہ میں کام آجاتا ہے تو شہید کے باعزت نام سے یاد کیا جاتا ہے:۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ (بقرہ آیت ۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے اُنھیں مردہ نہ کہو بلکہ حقیقی حیات تو اُن ہی کو حاصل ہے لیکن تم اسکی حقیقت سے آگاہ نہیں۔

تہوّر یا شجاعت

اسلام نے شجاعت کو خُلُقِ حَسَن قرار دیا ہے اور بُزدلی کو نامردی اور عیب شمار کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مسلمان سے گناہ ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ممکن ہے! پوچھا گیا کیا مومن بُزدل ہو سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا نہیں! (الحدیث) حق پر قائم رہتے ہوئے غیر سے بے خوف ہو جانا شجاعت اور بہادری ہے بیجا قوت آزمائی یا بے مقصد ہجوم کرنا شجاعت نہیں تہوّر کہلاتا ہے جو انسانی کمالات سے متعلق نہیں ہے۔ سیّدنا حزقیل علیہ السلام کے اس واقعہ میں شجاعت اور تہوّر کا نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے اور جب دشمن کو دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تذکرہ
سیدنا الیاسؑ علیہ السلام

تمہید

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد قرآن حکیم میں اُن کے ابتدائی جانشینوں کے نام مذکور نہیں ہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر دو جگہ آیا ہے مگر ایک جگہ فتیٰ (نوجوان) یعنی صاحب موسیٰ کہہ کر ذکر کیا گیا اور دوسری جگہ سورہ مائدہ میں حضرت یوشع اور کالب بن یوفنا کو رجلان (دو شخص) کہہ کر ذکر کیا ہے اور حضرت حزقیل علیہ السلام کا ذکر مبارک ایک قصہ کے ضمن میں سمجھا گیا ورنہ آیت میں اُن کے کسی نام یا وصف کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بعد قرآن حکیم میں سب سے پہلے جس نبی کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السلام ہیں۔ یہ حضرت حزقیل علیہ السلام کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا نبی کے نام سے مشہور ہیں۔

اسم گرامی اور سلسلہ نسب

قرآن حکیم نے ان کا نام الیاس بتایا ہے اور انجیل میں اِن کو ایلیا نبی کہا گیا ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر خیر قرآن حکیم میں صرف دو مقام پر آیا ہے۔ ایک سورۂ انعام میں دوسرے سورۂ صافات میں۔ سورۂ انعام میں تو صرف انبیاء کرام کی ایک فہرست میں آپکا اسم گرامی موجود ہے اور کوئی واقعہ یا تفصیل موجود نہیں۔ البتہ سورۂ صافات میں آپ کی دعوت و تبلیغ کا مختصر تذکرہ ملتا ہے۔

کتب تفسیر میں آپؑ کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں جن میں بیشتر اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہیں۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت الیاس اور حضرت ادریس علیہ السّلام ایک ہی رسول کے نام ہیں لیکن اہلِ تحقیق نے اِن اقوال کی تردید کی ہے جسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے حضرت ادریس اور حضرت الیاس علیہما السّلام کا تذکرہ جُدا جُدا کیا ہے اور دونوں کی نوعیتِ دعوت کو بھی مختلف بیان کیا ہے۔

علاوہ ازیں تمام مؤرخین نے حضرت ادریس علیہ السّلام کا جو سلسلۂ نسب بیان کیا ہے وہ حضرت الیاس علیہ السّلام کے سلسلۂ نسب سے بالکل مختلف ہے اور پھر تاریخی لحاظ سے دونوں میں صدیوں کا تفاوت بھی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے بھی اپنی تاریخ "البدایہ والنہایہ" ص۳۳۹ پر تمام اقوال نقل کرنے کے بعد صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ دونوں حضرات مستقل رسول ہیں۔

حضرت ادریس علیہ السّلام سیّدنا نوح و سیّدنا ابراہیم علیہما السّلام کے درمیانی دور میں مبعوث ہوئے ہیں اور حضرت الیاس علیہ السّلام اسرائیلی نبی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے بعد مبعوث ہوئے

مؤرخ طبری نقل کرتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السّلام، حضرت الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور انکی بعثت حضرت حزقیل علیہ السّلام کے بعد ہوئی اور یہ کہ حضرت الیاس علیہ السّلام، حضرت ہارون علیہ السّلام کی اولاد سے ہیں۔ سلسلۂ نسب اس طرح بیان کیا گیا ہے :- الیاس بن یاسین بن فخاض بن لیعزار بن ہارون (علیہ السلام)

سیّدنا الیاس علیہ السّلام اور قرآنِ حکیم

حضرت الیاس علیہ السّلام اُردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اس کا نام کتاب بائیبل میں اخی آب اور عربی تواریخ میں اَجب یا اخِب مذکور ہے۔

اسکی بیوی بَعل نامی ایک بُت کی پرستار تھی اور اُس نے ملک میں بَعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کرواکر تمام بنی اسرائیل کو بُت پرستی کی راہ پر ڈال دیا تھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت الیاس علیہ السّلام کو اسی قوم کی اصلاح و تربیت کیلئے مبعوث کیا تھا۔

دیگر انبیاء کرام کی طرح حضرت الیاس علیہ السّلام کو بھی اپنی قوم کے ساتھ شدید

کشمکش سے دوچار ہونا پڑا۔ اِن کی قوم نے بھی اِن کو جھٹلایا اور چند مخلص بندوں کے سوا کسی نے بھی حضرت الیاس علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔ بعض کتب تفسیر میں تفصیل کے ساتھ حالات بیان کئے گئے ہیں۔ خاص طور پر تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے تفصیلی تذکرہ موجود ہے جو غالباً اسرائیلی روایات سے ماخوذ ہے۔ دیگر کتب تفاسیر میں بھی ان واقعات کے بعض اجزا حضرت وہب بن منبہؒ اور کعب احبارؒ کے حوالہ سے بیان کئے گئے ہیں جو اسرائیلی روایات نقل کرنے میں مشہور ہیں۔

ان تمام روایات میں جو قدرِ مشترک بات ہے وہ یہ کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیلی بادشاہ اخی آب اور اسکی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے منع کرکے اللہ واحد کی دعوت دی مگر دو چار حق پرست انسانوں کے علاوہ کسی نے بھی یہ بات نہ مانی بلکہ آپکو طرح طرح سے پریشان کیا یہاں تک کہ بادشاہ اور اسکی بت پرست بیوی نے آپکو قتل کرنے کا منصوبہ بنا لیا، آپ کو جب اسکی اطلاع ملی تو ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی اور ایک عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے۔ اس درمیان ملک پر قحط سالی کا عذاب آیا ساری قوم پریشان ہوگئی اور آپ کو تلاش کرنے لگی تاکہ آپ سے دعا کروا کر قحط سالی سے نجات پائیں۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر غار سے باہر آئے اور شہر کے بادشاہ اخی آب سے ملے اور بتایا کہ یہ عذاب اُس بت پرستی اور شرک کی وجہ سے آیا ہے لہذا تم لوگ اب بھی توبہ کر لو عذاب دور ہوسکتا ہے۔ پھر آپ نے اپنی صداقت وسچائی کے لئے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ کہتے ہو کہ بعل نامی بت کے ساڑھے چار سو نبی ہیں جو اُس کی طرف سے مامور کئے گئے ہیں تم اُن سب کو ایک دن جمع کرو کہ وہ بعل کے نام قربانی پیش کریں اور میں اللہ واحد کے نام قربانی پیش کروں گا جس کی قربانی کو آسمانی آگ آکر جلادے اُس کا دین سچا ہے۔[له] اس تجویز کو بادشاہ اور اُس کی قوم نے پسند کیا۔ چنانچہ کوہِ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا بعل کے جھوٹے نبیوں نے بعل کے نام پر قربانی پیش کی اور دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے مگر کوئی جواب نہ آیا، اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی۔ اسپر آسمان سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اُس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو جلا کر خاک کردیا۔ یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر پڑے اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آئے لیکن بعل کے یہ جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے۔ اسکے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے انھیں وادی

له زمانۂ قدیم میں اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کو جانچنے کیلئے یہ طریقہ مقرر کیا تھا۔ مزید تفصیل تذکرہ ہابیل وقابیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

قیثون میں قتل کروا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی اور قحط سالی دور ہوگئی لیکن بادشاہ اخی آب اور اسکی بت پرست بیوی اب بھی ایمان نہیں لائے وہ حضرت الیاس علیہ السلام کے اور بھی زیادہ دشمن ہوگئے اور آپکو قتل کرنے کی سازش میں پڑگئے۔ آپ نے پھر رُوپوشی اختیار کی اور کچھ عرصہ کے لئے دوسرے شہر یہودیہ ہجرت کر گئے وہاں بھی بعل پرستی کی وبا پھیل چکی تھی آپ نے ہمت کے ساتھ اپنی تبلیغ جاری رکھی وہاں کے حاکم نے بھی آپکی اطاعت سے انکار کیا اور آپ کی پیشگوئی کے مطابق کچھ عرصہ بعد ہلاک ہوگیا۔ پھر آپ دوبارہ اسرائیل تشریف لائے اور پھر یہاں کے بادشاہ اخی آب اور اُسکے بیٹے اخزیاہ کی ہدایت کے لئے جدوجہد شروع فرمادی مگر وہ بدستور اپنے مذہب پر قائم رہا۔ آخر کار مختلف بیماریوں کا شکار ہوکر فوت ہوگیا۔ اسکے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی حضرت الیاس علیہ السلام کو اُٹھالیا۔

تفسیر میں یہ وضاحت نقل ہوتے چلی آرہی ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم جس بت کی پوجا کرتی تھی اس کا نام بعل تھا اور وہ سونے کا مجسمہ تھا بیس گز اُس کا قد تھا اُسکے چار منھ تھے اُسکی خدمت کے لئے چار سو خادم مقرر تھے۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص ۶۲۴)

قرآنی مضمون

سورۂ صافات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر اس طرح موجود ہے:۔

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ. اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۔الخ (صافات آیات ۱۲۳ تا ۱۳۲)

اور بلاشبہ الیاس رسولوں میں سے ہیں۔

وہ وقت قابل ذکر ہے جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟

کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے خالق کو چھوڑ دیتے ہو۔

اللہ ہی تمہارا اور تمہارے باپ داداؤں کا پروردگار ہے۔
پس انھوں نے الیاس کو جھٹلایا تو بے شک وہ لائے جائینگے
پکڑے ہوئے (جہنم میں) بجز ان کے جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔
اور ہم نے بعد کے لوگوں میں الیاس کا ذکر باقی رکھا۔
الیاس پر سلام ہو۔
بیشک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔
بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں۔
وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(انعام آیت ۸۵)
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی ہم نے ہدایت عطا کی۔ یہ سب صالحین میں شمار ہیں۔

نتائج و عبر

ایک تفسیری نکتہ سورۂ انعام کے دسویں رکوع میں مسلسل اٹھارہ ۱۸ انبیاء کرام کے اسماء گرامی آئے ہیں۔ ان میں حضرت الیاس علیہ السلام کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ اور آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ آپ بھی ان کی پیروی کیجئے۔ ان سب کو ہم نے جہان والوں پر برتری بخشی ہے۔

قرآن حکیم نے اس فہرست میں انبیاء کرام کو تین جدا جدا طبقوں میں بیان کیا ہے:۔
پہلے طبقے میں حضرت داود، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون علیہم السلام۔
دوسرے طبقے میں حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس علیہم السلام۔
تیسرے طبقے میں حضرت اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام۔
اس ترتیب کی حکمت میں مفسرین کرام نے مختلف توجیہات لکھی ہیں، لیکن مفسر المنار نے بہت عمدہ حکمت بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے:۔

انبیاء بنی اسرائیل میں خصوصی امتیازات کے پیشِ نظر تین قسم کی جماعتیں گزری ہیں :-

(۱) بعض انبیاء صاحب تخت و تاج اور دولت و ثروت کے مالک تھے

(۲) بعض ان کے بالکل برعکس زاہدانہ اور راہبانہ زندگی کے حامل تھے انھیں دولت و ثروت سے تعلق ہی نہیں بلکہ سخت بیزاری تھی۔

(۳) تیسرا طبقہ چند انبیاء کرام کا ایسا بھی تھا جو نہ اپنی قوم کے حاکم تھے نہ صاحب دولت و ثروت تھے اور نہ ہی صرف زاہدانہ زندگی کے حامل تھے بلکہ اپنی قوم کے ساتھ متوسط معاش بھی رکھتے تھے نہ وہ محتاج تھے اور نہ صاحب دولت و ثروت۔

قرآن حکیم نے سورۂ انعام کے اس دسویں رکوع میں غالباً اسی خصوصی امتیاز کے پیشِ نظر ان انبیاء کرام کو سلسلہ وار تین طبقوں میں ذکر کیا ہے :-

(۱) پہلی فہرست میں حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام جو صاحبِ حکومت رسول ہیں اور حضرت ایوب و حضرت یوسف علیہما السلام اگرچہ صاحبِ مملکت نہ تھے لیکن اوّل الذکر ایک چھوٹی سی ریاست کے مالک تھے اور ثانی الذکر حکومت مصر کے وزیر اور مختارِ کل تھے۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا اسم گرامی آیا ہے جو نہ صاحبِ حکومت تھے نہ وزیر مملکت بلکہ اپنی قوم کے پیغمبر اور اُن کے سردار تھے (اس حیثیت سے صاحب اقتدار بھی تھے)

(۲) دوسری فہرست میں حضرت زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس علیہم السلام کا تذکرہ ہے جو اپنے زُہد و قناعت میں مشہور زمانہ ہیں۔ ساری زندگی نہ اپنے لئے مکان بنایا نہ کھانے پینے کا سامان فراہم کیا دن بھر تبلیغ حق میں مشغول رہتے اور رات کو یاد الٰہی میں صرف کرتے جب نیند آتی تو ہاتھ کا تکیہ سر کے نیچے رکھ کر سو جاتے (اللہ اکبر)

(۳) تیسری فہرست میں حضرت اسمٰعیل، الیسع، یونس، لوط علیہم السلام

کا ذکر ہے جن کی زندگی درمیانہ حالت کی رہی ہے انھوں نے نہ حکومت وسرداری کی اور نہ خالص زہد وقناعت اختیار کیا بلکہ متوسط زندگی سے وابستہ رہ کر تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہے اور قوم کی خیرخواہی میں اپنی زندگی صرف کردی۔

حیاتِ الیاس علیہ السلام

حضرت خضر علیہ السلام کی طرح حضرت الیاس علیہ السلام کی حیات کے بارے میں بھی مؤرخین اور مفسرین نے تفصیلی بحث کی ہے۔ تفسیر مظہری میں علامہ بغوی کے حوالہ سے جو طویل روایت بیان کی گئی ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ

حضرت الیاس علیہ السلام کو ایک آتشین گھوڑے پر سوار کر کے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح زندہ ہیں۔ (مظہری ج ۸ ص ۱۴۱)

علامہ سیوطیؒ نے بھی ابن عساکر اور حاکم کے حوالہ سے کئی ایک روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔

کعب احبارؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ چار انبیاء کرام اب تک زندہ ہیں دو زمین میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام، اور دو آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام۔ (دُرِ منثور ج ۵ ص ۲۸۵)

اور بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام ہر سال رمضان المبارک میں بیت المقدس میں جمع ہوتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۵ ص ۱۱۶)

لیکن مشہور ناقد حدیث حافظ ابن کثیرؒ نے ان روایات کو صحیح قرار نہیں دیا۔ ان جیسی روایات کے بارے میں اُن کا اپنا یہ فیصلہ ہے:-

وَهُوَ مِنَ الْإِسْرَائِيلِيَّاتِ الَّتِيْ لَا تُصَدَّقُ وَلَا تُكَذَّبُ بَلِ الظَّاهِرُ أَنَّ صِحَّتَهَا بَعِيْدَةٌ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۳۳۸)

یہ اُن اسرائیلی روایات میں سے ہیں جنکی نہ تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان روایات کی صحت بعید تر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کعب احبار اور وہب بن منبہؒ جیسے علماء نے جو اہل کتاب کے علوم کے ماہرین میں سے تھے۔ اس قسم کی روایات مسلمانوں کے آگے بیان کی ہونگی جس سے حضرت الیاس علیہ السلام کی حیات کا نظریہ مسلمانوں میں پھیل گیا ورنہ قرآن وحدیث میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی جس سے ان کی حیات کا عقیدہ قائم کیا جاسکے یا یہ کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر اُٹھا لئے گئے ہوں۔ البتہ ایک روایت مستدرک حاکم میں ملتی ہے جس میں یہ بات مذکور ہے کہ تبوک کی راہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات حضرت الیاس علیہ السلام سے ہوئی۔

لیکن اس روایت کو محدثین نے موضوع (گھڑی ہوئی) قرار دیا ہے۔ مشہور ناقدِ حدیث علامہ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:-

> یہ حدیث موضوع ہے اللہ اُس کا بُرا کرے جس نے یہ حدیث گھڑی ہے اس سے پہلے میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ امام حاکم کی بیخبری اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ وہ اس حدیث کو صحیح قرار دیں۔
>
> (دُرِ منثور ج ۵ ص ۲۸۶)

الغرض کسی سندِ صحیح سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام بقیدِ حیات ہیں۔ لہٰذا اس معاملہ میں احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور اسرائیلی روایات کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم پر عمل کیا جائے کہ

"نہ اُن کی تصدیق کرو نہ تکذیب"

کیونکہ قرآن حکیم کی تفسیر اور عبرت ونصیحت کا مقصد اس کے بغیر بھی پورا ہوجاتا ہے۔

واللہ اعلم۔

تذکرہ
سیدنا الیسع علیہ السلام

تعارف

حضرت اَلْیَسَعْ علیہ السلام بنی اسرائیل پیغمبر ہیں۔ قرآن حکیم میں اور انبیاء کی طرح ان کا کوئی مستقل تذکرہ موجود نہیں البتہ انبیاء کرام کی فہرست میں انکو شمار کیا ہے اور صرف نام کی حد تک تذکرہ موجود ہے۔ اسرائیلی روایات میں بھی آپ کا اسم گرامی الیسع بیان کیا گیا ہے۔ کتب تاریخ میں یہ وضاحت بھی آئی ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے اور آپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں شمار کیا ہے:۔

الیسع بن عدی بن شوتم بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔

بعثت

حضرت الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ ہیں۔ بچپن ہی سے آپ کی رفاقت میں رہتے تھے۔ تعلیم و تربیت بھی حضرت الیاس علیہ السلام سے پائی۔ اور جب حضرت الیاس علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لئے حضرت الیسع علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا۔ آپ نے حضرت الیاس علیہ السلام ہی کے طریقہ پر بنی اسرائیل کی قیادت فرمائی اور آخر عمر تک یہی خدمت انجام دیتے رہے۔

مزید تفصیلات سے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ ساکت ہیں۔

قرآن حکیم اور سیدنا الیسع

قرآن حکیم میں دو مقام پر حضرت الیسع علیہ السلام

کا اسم گرامی ملتا ہے اور صرف ذکر اسم پر اکتفا کیا گیا ہے اور آپ کو انبیاء کرام کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

سورۂ انعام آیت ۸۶ اور سورۂ صٓ آیت ۴۸۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (انعام آیت ۸۶)

اور اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط اور ان سب کو ہم نے دنیا والوں پر فضیلت عطا کی ہے۔

وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ۔ (صٓ آیت ۴۸)

اور یاد کرو اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور ذوالکفلؑ کو اور یہ سب اچھے لوگوں میں ہیں۔

حضرت الیسع علیہ السلام کی زندگی کا یہ اہم نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کی صحبت نے انھیں خلافت اور پھر اس کے بعد نبوت سے سرفراز کیا۔ نیکوں کی صحبت حصولِ خیر کے لئے نہایت مؤثر ثابت ہوتی ہے۔ نیکوں کی صحبت کے چند لمحات بسا اوقات انقلابِ زندگی کا ذریعہ بنے ہیں۔

عارف رومیؒ کہتے ہیں :۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

تذکرہ سیدنا شموئیل علیہ السلام

تمہید حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد تقریباً ساڑھے تین سو سال بنی اسرائیل میں نہ کوئی بادشاہ پیدا ہوا نہ پوری قوم کا کوئی ایک سردار تھا۔ خاندانوں اور قبائل میں چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے اور اُن کے مناقشات ومعاملات کے فیصلے مقرر کردہ قاضی انجام دیتے تھے اور موجودہ نبی ان تمام امور کی نگرانی کے ساتھ ساتھ دعوت و تبلیغ کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام نے بھی اپنی آخر عمر تک یہی خدمت انجام دی اور قوم کے معاملات اور باہمی مناقشات کے فیصلوں کے لئے قاضیوں کو مقرر کیا تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اپنا نظام قائم رکھیں، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے کسی قاضی کو منصب نبوت عطا ہوجاتا اور وہ دونوں خدمتیں انجام دیتے تھے۔ چونکہ پوری قوم کا کوئی ایک حکمراں یا سردار نہ ہوتا تھا اس لئے ہمسایہ اقوام اِن پر اکثر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں اور بنی اسرائیل ان کا نشانہ بنتے رہتے تھے۔ کبھی قوم عمالقہ چڑھ آتے اور کبھی فلسطین کبھی مدیانی قوم حملہ آور ہوتی تو کبھی آرامی قوم چھاپہ مارتی۔ آئے دن کی اس لوٹ مار، غارت گری سے پوری قوم بنی اسرائیل منتشر اور بے قوت ہوگئی تھی یہاں تک کہ چوتھی صدی موسوی کے آخر جبکہ عُیلی کاہن کا دور تھا۔ فلسطینی قوم نے اُن پر زبردست حملہ کیا اور شکست دے کر متبرک صندوق "تابوت سکینہ" بھی چھین لے گئے جسکی حفاظت بنی اسرائیل صدیوں سے کرتے چلے آرہے تھے۔ اس متبرک صندوق میں تورات کا اصلی نسخہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے عصا اور پیرہن اور من وسلویٰ کا برتن محفوظ تھا۔ فلسطینوں نے اس صندوق کو اپنے مشہور مندر "بیت دجون" میں رکھدیا یہ مندر ان کے سب سے بڑے دیوتا "دجون" کے نام سے موسوم تھا۔

اس بُت کا چہرہ انسانی شکل کا اور جسم مچھلی کا تھا۔ قصص الانبیاء کے مؤلف نجار مصری کہتے ہیں کہ فلسطین کے مشہور شہر رملہ کے قریب آج بھی ایک بستی بیت دجون کے نام سے پائی جاتی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ تورات میں دجون کے جس مندر کا ذکر ہے وہ یہیں واقع ہوگا اور اسی نسبت سے بستی کا نام "بیت دجون" رکھ دیا گیا ہو۔

نام ونسب

عیلی کاہن کی وفات کے بعد قضاۃ میں سے ایک قاضی شموئیل کو جو تقویٰ وطہارت میں ممتاز تھے منجانب اللہ منصبِ نبوت عطا ہوئی اور وہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت کے لئے مامور ہوئے۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ جب حضرت الیسع علیہ السلام کی وفات ہوگئی اسوقت مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے خطہ پر آباد عمالقہ قوم میں سے جالوت نامی جابر وظالم حکمراں نے بنی اسرائیل کو مغلوب کر کے اُن کی آبادیوں پر قبضہ کر لیا اور اِن کے بہت سے سرداروں اور قبیلہ کے معزز لوگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا اور تورات کو بھی جلا کر راکھ کر دیا۔ بنی اسرائیل کے لئے یہ ایسا نازک دور تھا کہ اِن میں نہ کوئی نبی ورسول موجود تھا اور نہ کوئی سردار اور امیر۔ خاندانِ نبوت میں سے صرف ایک حاملہ عورت کے اور کوئی باقی نہ تھا۔ ایسی بے سروسامانی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے قوم پر کرم فرمایا اور اُس خاتون کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شموئیل رکھا گیا اور اس بچے کی تعلیم و تربیت کے لئے بنی اسرائیل کے ایک بزرگ کو مقرر کیا گیا۔ شموئیل نے اُن بزرگ سے تورات حفظ کی اور دینی تعلیم حاصل کی۔ جب سنِ رُشد کو پہنچے تو تمام بنی اسرائیل میں ممتاز اور نمایاں تھے آخر اللہ تعالیٰ نے اِن کو منصب نبوّت سے سرفراز فرمایا اور قوم کی رُشد و ہدایت پر مامور کیا۔ کسی بھی قوم میں نبی و رسول کا مبعوث ہونا اُسکی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوتا ہے اور خدا کی تائید و نصرت اُس نبی کے لئے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ یہاں سے پھر بنی اسرائیل کے عروج و اقبال کا آغاز ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت شموئیل علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھے اور سلسلہ نسب یہ ہے :-

شموئیل بن حنّہ بن عاقر بن ...... عاقر سے اوپر کی کڑیاں

مذکور نہیں ہیں۔
شموئیل عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی میں ترجمہ اسمٰعیل سے کیا جاتا ہے اور کثرت استعمال سے شموئیل ہوگیا۔

طالوتؑ کی حکمرانی

بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ کے ظلم وستم جب زیادہ ہوگئے تو انھوں نے اپنے نبی حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم پر ایک بادشاہ مقرر کردیں جسکی قیادت میں ظالموں کا مقابلہ کیا جاسکے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ دشمنوں کی لائی ہوئی مصیبت کا خاتمہ کیا جاسکے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام نے ان کے اصرار و مطالبہ پر اپنا یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر تم پر اللہ تعالےٰ کی جانب سے کوئی بادشاہ مقرر ہوگیا اور تم نے اُسکی مخالفت کی یا اگر وہ جہاد کا حکم دے تو کہیں بزدل ثابت نہ ہوجاؤ اور جہاد سے انکار کر بیٹھو۔

بنی اسرائیل نے بڑی قوت سے جواب دیا کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم جہاد جیسے مقدس فریضہ کا انکار کردیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ دشمنوں نے ہم کو بہت زیادہ ذلیل وکمزور کردیا ہے اور انھوں نے ہم کو ہمارے گھروں تک سے نکال باہر کیا ہے اور ہماری اولاد کو قید کرلیا ہے۔ ان کے اس اصرار پر حضرت شموئیل علیہ السلام نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کی کہ ایسا کوئی انتظام فرمایا جائے جس سے قوم کی خواہش پوری ہو۔

درخواست منظور ہوئی اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) سے ایک شخص بادشاہ نامزد ہوا جو علم اور جسم کے لحاظ سے نمایاں حیثیت رکھتا تھا اس کا نام طالوت تھا۔

بنی اسرائیل نے جب یہ سُنا تو منہ بنانے لگے اور ناگواری سے کہنے لگے یہ شخص تو غریب خاندان کا ہے اس کے پاس تو معمولی سی دولت بھی نہیں یہ کس طرح ہمارا بادشاہ ہوسکتا ہے۔ بادشاہت کا حق تو اس سے زیادہ ہم رکھتے ہیں ہم میں سے کسی کو بادشاہ مقرر کردیجئے۔

اس مخالفت کی ایک وجہ مؤرخین یہ لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں ایک عرصہ دراز سے نبوت کا سلسلہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اولادِ لاوی میں اور حکومت و سرداری کا سلسلہ اولاد یہودا میں چلا آرہا تھا اب جبکہ حضرت شموئیل علیہ السلام نے

اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ شرف اولادِ بنیامین میں منتقل کر دیا تو بنی اسرائیل کے ان سرداروں میں حسد پیدا ہوا اور وہ اسکو برداشت نہ کرسکے۔

بہرحال جب انھوں نے خلافِ توقع حکومت کو اولادِ بنیامین میں منتقل ہوتے دیکھا توحسد کی آگ نے انھیں برافروختہ کر دیا اور حضرت شموئیل علیہ السلام سے جھگڑا کرنے لگے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام نے انھیں سمجھایا کہ مال و دولت کی کثرت کسی بڑائی یا بزرگی کی علامت نہیں ہے حکمرانی کے ذاتی اوصاف کے لئے قوتِ علم وطاقتِ جسم ضروری ہیں اور یہ دونوں وصف طالوت میں ممتاز و نمایاں حیثیت رکھتے ہیں اس لئے اسکو بادشاہ مقرر کیا گیا ہے اسکی رہنمائی میں تم جہاد کرو اور اپنے آبائی وطن (فلسطین) کو حاصل کرو، اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس شخص کے ساتھ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جسکو چاہے زمین کی حکمرانی کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

آیاتِ ذیل میں اس واقعہ کو تفصیلی طور پر بیان کیا گیا ہے:۔

قرآنی مضمون

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ الخ (بقرہ آیات ۲۴۶، ۲۴۷)

کیا تم کو بنی اسرائیل کی اُس جماعت کا حال معلوم نہیں جس نے موسیٰ کے بعد اپنے زمانے کے نبی (شموئیل) سے درخواست کی کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے ہمارے لئے ایک حکمراں مقرر کر دیجئے! نبی نے اُن سے کہا کچھ بعید نہیں کہ اگر تم کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو تم لڑنے سے انکار کردو!

سرداروں نے کہا ایسا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جبکہ ہم اپنے اصلی گھروں سے نکالے جاچکے ہیں اور اپنی اولاد سے بھی علیحدہ کئے جاچکے ہیں، پھر جب اُن کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ سب نے پیٹھ دکھلادی، اور اللہ تو ظالموں سے خوب واقف ہے۔ آخرکار اُن کے اصرار پر اُن کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو حاکم مقرر کر دیا ہے۔

جب اُنھوں نے یہ بات سنی تو اطاعت و فرمانبرداری کے بجائے) کہنے لگے وہ ہم پر کیسے حکمراں بن سکتا ہے جبکہ اُس سے کہیں زیادہ حکمراں بننے کے ہم حقدار ہیں، علاوہ ازیں اُس کو مال و دولت کی وسعت بھی حاصل نہیں ہے نبی نے فرمایا (حکمراں کا جو معیار تم نے بنا لیا ہے وہ غلط ہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حکمرانی کی قابلیت و استعداد میں تم پر اُس کو برگزیدہ اور فائق کیا ہے اور علم کی فراوانی اور جسم کی قوت و طاقت دونوں میں اُسکو وسعت بخشی ہے اور حکومت و قیادت تمہارے چاہنے سے نہیں ملتی بلکہ اللہ جسکو چاہتا ہے اپنی زمین کی حکمرانی بخش دیتا ہے وہ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے۔

تابوتِ سکینہ

حضرت شموئیل علیہ السلام کی یہ حکیمانہ نصیحت کچھ مفید ثابت نہیں ہوئی قوم کا اصرار بڑھتا ہی گیا کہ بادشاہت کے لئے کسی دولت مند انسان ہی کا انتخاب ضروری ہے آخر قوم کے دولتمند لوگ ایک غریب و مفلس کی کیونکر اطاعت قبول کرینگے۔

جب یہ نزاع طویل ہوگئی تو قوم کے بعض سرداروں نے کہا کہ اگر طالوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے طے پا چکا ہے تو اسکے لئے کوئی دلیل اور نشان چاہیئے تاکہ ہمیں بھی یقین ہو جائے کہ طالوت کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

حضرت شموئیل علیہ السلام کی دُعا پر اللہ تعالےٰ نے ایک نشان و علامت عطا کی فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے علم و یقین کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ نشانی روانہ کی ہے وہ یہ کہ جو متبرک صندوق تمہارے ہاتھوں سے چھین لیا گیا تھا جس میں تورات کا اصلی نسخہ اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات محفوظ ہیں۔ وہ طالوت کی بدولت تمہارے پاس واپس آجائے گا۔ یہ اُسکے حق اور منجانب اللہ ہونیکی علامت ہوگی۔ اِدھر اللہ تعالےٰ نے ایسا انتظام فرمایا کہ وہ دشمن جو اس صندوق کو لے کر اپنے وطن چلے گئے تھے اسکو جہاں کہیں رکھتے وہاں کوئی نہ کوئی وبا اور بلا آجاتی۔ اس طرح اُن کے پانچ شہر ویران ہو گئے تھے آخر پریشان ہو کر اُن کافروں نے دو بیلوں پر اسکو لادکر ہانک دیا۔ فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا دیئے۔ صبح کے وقت قوم نے جو یہ تابوت دیکھا تو طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور جہاد کے لئے آمادہ ہو گئے۔

تابوتِ سکینہ کا یہ واقعہ قرآن حکیم کی آیاتِ ذیل میں اس طرح آیا ہے:۔

قرآنی مضمون

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔الخ (بقرہ آیت ۲۴۸)

اور اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس آجائے گا جسمیں تسکین کی چیز ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جنکو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام چھوڑ گئے ہیں اُس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے اسمیں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو۔

چنانچہ حضرت شموئیل علیہ السلام کی یہ بشارت پوری ہوئی اور بنی اسرائیل کے آگے ملائکۃ اللہ نے تابوت سکینہ طالوت کو پیش کر دیا۔ اس طرح ان پر ظاہر ہوگیا کہ طالوت کا بادشاہ مقرر ہونا منجانب اللہ ہے۔

جہادِ مقدس اور قتلِ جالوت

جب طالوت بادشاہ مقرر کر دیئے گئے تو انھوں نے بنی اسرائیل کو دشمنوں (فلسطینیوں) کے مقابلہ کیلئے کوچ کرنے کا حکم دیا اور ایک بڑی تعداد طالوت کی سرکردگی میں روانہ ہوئی، درمیان سفر حضرت طالوت نے خیال کیا کہ جنگ کا معاملہ بیحد نازک مرحلہ ہوتا ہے اور بنی اسرائیل عرصۂ دراز سے فریضۂ جہاد چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بعض مرتبہ ایک شخص کی بزدلی یا منافقانہ حرکت پوری فوج کو نقصان پہنچا سکتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کو جہاد سے پہلے آزما لیا جائے کہ کون شخص تعمیل حکم اور ضبطِ نفس کا حامل ہے اور کس میں یہ اوصاف پائے نہیں جاتے تاکہ ادائے فریضہ سے قبل ہی ایسے عناصر کو علیحدہ کر دیا جائے۔

چنانچہ جب یہ لشکر ایک دریا کے کنارے پہنچا تو حضرت طالوت نے اعلان کیا کہ اللہ تعالیٰ اس نہر کے ذریعہ تمہارا امتحان لینا چاہتے ہیں وہ یہ کہ کوئی شخص بھی اس سے پانی نہ پیئے اور جو خلاف ورزی کرے گا اُس کو لشکر سے نکال دیا جائے گا۔

البتہ سخت پیاس کی حالت میں گھونٹ بھر پانی پی کر حلق تر کر لینے کی اجازت ہے۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ نہرِ اُردن پر پیش آیا۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں یہ بات چیت کیا کرتے تھے کہ اصحابِ بدر کی تعداد اصحابِ طالوت کے برابر ہے۔ (بخاری باب المغازی)

الغرض جب یہ لشکر دریا کے پار ہوگیا تو جن لوگوں نے خلاف ورزی کر کے پانی پی لیا تھا وہ اپنے دشمن جالوت کی قوت و طاقت کو دیکھ کر کہنے لگے کہ ہم جالوت جیسے قوی ہیکل اور اُس کی فوجی طاقت سے لڑنے کی ہمت نہیں پاتے لہٰذا ہمیں واپس لوٹنے کی اجازت دی جائے۔

لیکن جن لوگوں نے ضبطِ نفس اور اطاعتِ امیر کا ثبوت دیا تھا انھوں نے جرأت اور بے خوفی سے کہا کہ ہم دشمن کا مقابلہ ضرور کریں گے اور اکثر ایسا ہوا ہے کہ اللہ کی تائید و نصرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اللہ پر اعتماد اور ثابت قدمی ہو۔

اسکے بعد اِن مخلص مجاہدین کا لشکر آگے بڑھا اور دشمن کی فوج کے آگے صف آرا ہوگیا، دشمن کی فوج کا سردار جالُوت نامی مشرک دیوہیکل شخص تھا اور اس کے لشکر کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ مجاہدین نے اللہ کی بارگاہ میں اخلاص و تضرع کے ساتھ دعا کی کہ اے اللہ ہمیں صبر و ہمت عطا کر اور ہمیں ثابت قدمی نصیب کر اور دشمنوں پر ہمیں کامیابی عطا فرما۔

توراۃ اور تاریخی کتب میں مذکور ہے کہ جالُوت کی غیر معمولی طاقت و قوت نے بنی اسرائیل کو متأثر کر رکھا تھا اور اس کے آگے پیش قدمی کی ہمت کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی لیکن بنی اسرائیل کے اس لشکر میں ایک غیر معروف نوجوان جو اس سے قبل نہ شجاعت و بہادری میں کوئی شہرت رکھتا تھا نہ جنگ آزمودہ تھا جالُوت کی مسلسل للکار پر مقابلہ کے لئے آگے بڑھا لیکن بنی اسرائیل کے سردار حضرت طالوت نے انھیں روکا اور کہا کہ ابھی تم ناتجربہ کار لڑکے ہو جالُوت کے مقابلے کی برداشت نہ کر سکو گے لیکن اس نوجوان کا اصرار بڑھتا ہی گیا آخر حضرت طالُوت کو اجازت دینی پڑی۔ یہ بہادر نوجوان حضرت داؤد علیہ السلام تھے (جو بعد میں نبوّت سے سرفراز ہوئے)

کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے باپ کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور شرکتِ جنگ

کے ارادے سے بھی نہ آئے تھے بلکہ باپ کی جانب سے بھائیوں اور دوسرے اسرائیلیوں کے حالات معلوم کرنے بھیجے گئے تھے۔ جب انھوں نے جالوت کی جنگ طلبی للکار کو بار بار سنا اور اسرائیلیوں کی پس و پیش کو دیکھا تو اُن سے رہا نہ گیا اور وہ جالوت جیسے دیو ہیکل تجربہ کار آزمودہ جنگ کے مقابلے میں تنہا دوڑ پڑے اور میدانِ جنگ میں جالوت کو للکارا، جالوت نے اپنے مقابلہ میں ایک نوجوان کو دیکھ کر حقیرانہ انداز میں کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی مگر جب دونوں میں نبرد آزمائی شروع ہوگئی تو جالوت کو حضرت داؤد کی بے پناہ قوت و طاقت کا اندازہ ہوا اور وہ اپنے دفاع کی فکر میں پڑ گیا۔ عظیم داؤد نے موقعہ پاکر اپنی گوپھن سنبھالی اور تاک کر پے در پے تین پتھر اسکے سر پر مارے اور جالوت کا سر پاش پاش کر دیا، آگے بڑھکر اُس کی گردن بھی کاٹ ڈالی۔ جالوت کے قتل کے بعد جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ جالوتی طاقت شکست کھانے لگی آخر کار میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوگئی۔ بنی اسرائیل فاتحانہ شہر فلسطین میں داخل ہوئے اور دشمنوں کی سب سے بڑی طاقت سے نجات پائی۔

اس واقعہ کے بعد فاتح سیدنا داؤدؑ کی شجاعت و دلیری کا ہر ایک معترف ہوگیا اور وہ ہر ایک کے ہر دل عزیز رہنما بن گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سیدنا داؤد علیہ السلام کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا اور ایسی عظیم حکومت عنایت فرمائی جو تاریخ عالم میں ضرب المثل بن گئی (تفصیل تذکرہ سیدنا داؤد علیہ السلام میں ملاحظہ فرمائیے) حضرت طالوت کا یہ واقعہ اور ظالم جالوت کی ہلاکت اور سیدنا داؤد علیہ السلام کی عظیم الشان دلیری و شجاعت کا تذکرہ قرآن حکیم کی آیات ذیل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآنی مضمون

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۔ الخ

(بقرہ آیات ۲۴۹ تا ۲۵۲)

پھر جب طالوت فوجوں کو لیکر (بیت المقدس سے قوم عمالقہ کی طرف) چلے تو انھوں نے کہا اللہ تعالےٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے۔ لہٰذا جو شخص اس نہر سے افراط کے ساتھ پانی پئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں

میں ہے لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر پی لے (تو اُسے اجازت ہے)
الغرض سب نے اُس نہر سے بے تحاشا پینا شروع کر دیا مگر تھوڑے سے
آدمیوں نے اُن میں سے (چکھا تک نہیں اس امتحان کی حکمت غالباً یہ معلوم
ہوتی ہے کہ ایسے مواقع پر جوش وخروش بھیڑ بھڑ کا بہت ہو جایا کرتا ہے
لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت ایسوں کا اکھڑ جانا باقی
لوگوں کے پاؤں بھی اکھاڑ دیتا ہے۔ اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ کو ایسے لوگوں
کا علیحدہ کرنا منظور تھا۔ تفسیر بیان القرآن)

سو جب طالوت اور جو اہل ایمان ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار
اُتر گئے (تو ان لوگوں نے جو بے تحاشا پانی پی لیا تھا) کہنے لگے آج تو ہم میں
جالوت اور اُسکے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی (یہ سُنکر) وہ
لوگ جنہیں قیامت کے دن اللہ کے روبرو پیش ہونے کا یقین تھا کہنے
لگے کہ کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ
کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالےٰ ثابت قدم رہنے والوں کا ساتھ
دیتے ہیں اور جب جالوت اور اُسکی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے
تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم پر ثابت قدمی (غیب سے)
نازل فرمایئے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اِس کافر قوم پر
غالب کیجئے (مؤمنین کی اس دُعا کی ترتیب بڑی پاکیزہ ہے کہ غلبہ کیلئے
چونکہ ثابت قدمی کی ضرورت ہے اس لئے پہلے اس کی دُعا کی گئی۔ اور
ثابت قدمی کا انحصار تقویتِ قلب پر ہے اس لئے ثابت قدمی سے
پہلے تقویت قلب کی دُعا کی) پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو
اللہ تعالےٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد (علیہ السّلام) نے جالوت
کو قتل کر ڈالا اور (پھر) اللہ تعالےٰ نے داؤد کو سلطنت اور حکمت
(نبوت) عطا فرمائی اور جو جو بھی اللہ تعالےٰ کو منظور تھا اُن کو تعلیم فرمایا۔
اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالےٰ بعضے آدمیوں کو بعضوں کے ذریعہ
سے دفع کرتے رہا کرتے تو سرزمین (تمام تر) فساد سے بھر جاتی لیکن

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر۔

یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں (یعنی یہ قصہ جو ذکر کیا گیا) جس کو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں (اور اس سے ثابت ہوا کہ) اے نبیؐ آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں۔

بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جالُوت کی زبردست قوت وطاقت اور اُس کے لشکروں کی تعداد کا اندازہ کر کے حضرت طالوت نے جنگ سے پہلے اعلان کر دیا تھا کہ جو شخص بھی جالوت کو قتل کر دے گا میں اُس سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا اور حکومت میں بھی حصہ دوں گا۔

چنانچہ جب حضرت داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا تو حضرت طالوت نے حسب وعدہ اپنی لڑکی میکال کا نکاح اُن سے کر دیا اور حکومت میں بھی حصہ دار بنا دیا۔

اسی دوران حضرت شموئیل علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اور حضرت داؤد علیہ السلام اُنکی جگہ بنی اسرائیل کے نبی و رسول قرار پائے اور دنیاوی قیادت بھی حاصل ہوئی جس کا مفصل ذکر تذکرہ سیدنا داؤد علیہ السلام میں مطالعہ کیجئے۔

نتائج و عبر

مرکزیّت:-

بنی اسرائیل پر دشمنوں کے مسلسل حملوں اور غیر محفوظ زندگی نے مجبور کیا کہ اِن غیر یقینی حالات میں کسی رہنما اور قائد کا انتخاب ہونا چاہیئے چنانچہ انھوں نے حضرت شموئیل علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ ہماری دُنیاوی زندگی کے تحفظ کے لئے ایک حکمراں منتخب فرمادیں۔

اُبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔

(بقرہ آیت ۲۴۶)

جس قوم کے نصیبے میں عروج مقدر ہوتا ہے اس کے بعض صالح افراد میں غیر شعوری طور پر

یہ احساس شدّت سے پیدا ہوجاتا ہے کہ اپنے لئے ایک مرکز بنایا جائے اور ایک قابلِ اعتماد رہنما کا انتخاب کیا جائے۔ یہ غیر شعوری احساس دراصل قوموں کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ بنتا ہے اور جو قومیں ایسے حسّاس افراد سے محروم رہتی ہیں وہ بہت جلد دنیا سے معدوم ہوجاتی ہیں۔

جاہلی اعتقاد:۔

قوم کی خواہش و اصرار پر اُس زمانے کے نبی نے حضرت طالوت کو امیرِ لشکر مقرر کر دیا تھا جو غیر معروف ہونے کے علاوہ دولت و ثروت سے تہی دست تھے۔ اقوام و اُمم کے مختلف اعتقادات میں ایک عقیدہ یہ بھی رہا ہے کہ قیادت و حکومت اُسی شخص کو ملنی چاہیے جو دولت و ثروت کا مالک اور قوم میں نمایاں حیثیت رکھتا ہو اور حسب و نسب بھی معروف و مشہور ہو۔ بنی اسرائیل کا دامن بھی اس فاسدِ خیال سے خالی نہ تھا! اُنھوں نے بھی حضرت طالُوت کی امارت پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہہ دیا۔

نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ۔ (بقرہ آیت ۲۴۷)

ہم اُسکے مقابلہ میں زیادہ مستحق حکومت ہیں اور اُس کو تو وسعتِ دولت بھی حاصل نہیں ہے۔

مگر اسلام نے اس جاہلانہ عقیدے کے خلاف یہ واضح کیا کہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک حکومت و قیادت کا تعلق دولت و ثروت سے وابستہ نہیں ہے اور نہ حسب و نسب اسکے لئے علامت ہیں بلکہ علم و حکمت، قوت و انصاف جس فرد میں پائے جاتے ہیں عموماً اُس کا انتخاب عمل میں آتا ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام نے اس فطری قانون کے مُطابق قوم کو جواب دیا:۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ۔ (بقرہ آیت ۲۴۷)

بیشک اللہ نے تم پر طالوت کو فضیلت دی ہے اور اُس کو علم و جسم کی وسعت عطا کی ہے۔

روحِ کامرانی:۔

جب حق و باطل کا معرکہ پیش آتا ہے اور حق کی جانب سے مخلصین فدا کارانہ جذبات کے ساتھ حق کی حمایت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اُنہیں خود اعتمادی سے زیادہ توکل علی اللہ کی روح سرایت کر جاتی ہے تو پھر کامیابی کا مدار قوت اور کثرتِ افراد پر نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات قلت کثرت پر غالب ہو جاتی ہے اور کثرت مغلوب ہو کر بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو قرآن حکیم نے اس طرح ادا کیا ہے:۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ۔ (بقرہ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آگئی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(الحمدللہ "ہدایت کے چراغ" جلد اوّل ختم ہوئی)

بطوافِ کعبہ رفتم بحرم کُشادہ دیدم
کہ بُرونِ در تُو کردی کہ درونِ خانہ آئی

بزمین چوں سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا بشاد کردی تو بسجدۂ خُدائی

(الحمدللہ "ہدایت کے چراغ" جلد اوّل ختم ہوا)